

جدید ایڈیشن

مُصْطَفٰی سِیرَتِ



از افادات

حضرت علامہ

مولانا محمد ادریس صاحب

کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ

کتاب خانہ ظہری

گلشن اقبال کراچی پاکستان

جدید کمپیوٹر ازاد بیورو
تفصیل سید الدین



سیرت رسول ﷺ پر قابل قدر اور عظیم تالیف
امت کے اکابر مورخین اور ارباب سیر کے علوم کا جوہر

سیرتِ مصطفیٰ ﷺ

حصہ سوم

افادات

حضرت علامہ مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ

ناشر

کتابخانہ مطہری

گلشن اقبال کراچی پاکستان

فون: ۳۹۹۲۱۷۶



جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب : — سیرتِ مصطفیٰ ﷺ (حصہ سوم)

مُصنّف : — حضرت علامہ مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ

باہتمام : — ابراہیم برادران سلمہم الرحمن

ناشر : — مکتب خانہ مظہری



- ❁ قدیمی کتب خانہ.... (کراچی)
- ❁ زمزم پبلشرز..... (اردو بازار کراچی)
- ❁ علمی کتاب گھر.... (کراچی)
- ❁ بک لینڈ..... (لاہور)
- ❁ مکتبہ رحمانیہ..... (لاہور)
- ❁ مکتبہ رشیدیہ..... (کوئٹہ)
- ❁ مکتبہ عمر فاروق.... (شاہ فیصل کالونی کراچی)
- ❁ دارالاشاعت..... (اردو بازار کراچی)

فہرست مضامین سیرۃ المصطفیٰ ﷺ (حصہ سوم)

صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین
۵۶	اسلام صفوان بن امیہ	۱۱	فتح مکہ مکرمہ (فتح اعظم)
۵۷	اسلام سہیل بن عمرو	۱۳	تجدید معاہدہ کے لئے ابوسفیان کی روانگی
۵۹	اسلام عقبہ و معتب پسران ابی لہب	۱۷	قصۃ حاطب بن ابی بلتعہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ
۶۰	اسلام معاویہ	۲۱	حاطب کے خط کا مضمون
۶۰	بت خانوں کی تخریب کے لئے سرایا کی روانگی	۲۲	مدینہ منورہ سے روانگی
۶۰	ہدم غزی و ہدم سواع	۲۶	مقام مراظہم ان میں پڑاؤ
۶۱	ہدم منات	۲۸	ابوسفیان کا اسلام
۶۲	غزوہ حنین و اوطاس و طائف	۳۱	مکہ معظمہ میں داخلہ
۶۸	محاصرہ طائف	۳۵	مسجد حرام میں حضور پر نور کا داخلہ
۷۰	تقسیم غنائم حنین	۳۶	حجابت و سقایت
۷۳	عمرہ بعرانہ	۳۶	باب کعبہ پر خطبہ
۷۳	تحریم متعہ	۳۶	بام کعبہ پر اذان
۷۴	اطائف و معارف	۴۱	مردوں اور عورتوں سے بیعت
۷۸	تقریر اعمال	۴۳	باب کعبہ پر دوسرا خطبہ
۷۸	۹ھ کا آغاز	۴۵	مہاجرین کے متروکہ مکانات کی واپسی کا مسئلہ
۷۹	سریہ عیینہ بن حصن	۴۶	عفو عام کے بعد بحرمان خاص کے متعلق احکام
۸۰	خطبہ عطار و بن حاسب	۴۸	الحاصل
۸۱	خطبہ ثابت بن قیس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ		فتح مکہ کے دن پندرہ آدمیوں کے قتل کا حکم اور اُن کے قتل اور تائب ہونے کے واقعات
۸۳	بعث ولید بن عقبہ بسوئے بنی المصطلق	۴۸	اسلام ابی قحافہ یعنی ابو بکر صدیق کے والد کے مسلمان ہونے کا واقعہ
۸۴	سریہ عبداللہ بن عوجہ		
۸۵	سریہ قطیبہ بن عامر	۵۶	

صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین
۱۱۳	وفد عبدالقیس	۸۵	سریہ رضاک بن سفیان
۱۱۴	وفد بنی حنیفہ اور مسلمہ کذاب کی حاضری	۸۵	سریہ عاتکہ بن مجز بسوئے حبشہ
۱۱۶	وفد طیبہ		سریہ علی بن ابی اطالب برائے بت شکنی
۱۱۷	وفد کندہ	۸۶	و ذکر اسلام فرزند حاتم طائی
۱۱۷	وفد اشعریین	۸۷	اسلام کعب بن زہیر
۱۱۸	وفد ازاد	۹۰	غزوہ تبوک
۱۱۹	وفد بنی الحارث		حضرت علی کو اہل و عیال کی حفاظت کیلئے
۱۲۰	وفد ہمدان	۹۲	مدینہ چھوڑنا۔
۱۲۰	وفد مزینہ	۹۳	حدیث انت منی بمنزلہ ہارون من موسیٰ کی شرح
۱۲۱	وفد دوس		دیار شموہ پر سے گزر اور وہاں کے پانی کے
	وفد انصارائے نجران جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور علماء نصاریٰ کا حضرت عیسیٰ کی الوہیت اور ابنیت کے بارے میں مکالمہ	۹۵	متعلق حکم اور اس کے اسرار و حکم
۱۲۱	مباحلہ	۹۸	مسجد ضرار
۱۲۷	ایک ضروری تنبیہ	۹۹	متخلفین کا ذکر
۱۲۸	فروہ بن عمرو کی سفارت کا ذکر		کعب بن مالک اور مرارۃ بن ربیع اور بلال
۱۲۸	قدم ضمام بن ثعلبہ	۱۰۱	ابن امیہ سے پچاس دن تک ترک کلام و سلام کا قصہ۔
۱۲۹	وفد طارق بن عبداللہ محاربی	۱۰۳	صدیق اکبر کا امیر حج مقرر ہونا
۱۳۱	وفد تحجیب	۱۰۵	واقعات متفرقہ ۹ھ
۱۳۲	وفد ہذیم	۱۰۶	۱۰ھ اور عام الوفود
۱۳۳	وفد بنی فزارہ	۱۰۷	وفد ہوازن
۱۳۳	وفد بنی اسد	۱۰۹	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب
		۱۱۰	وفد ثقیف
		۱۱۲	وفد بنی عامر

صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین
۱۵۴	سفر آخرت کی تیاری	۱۳۴	وفد بہراء
۱۵۶	علامت کی ابتداء	۱۳۴	وفد عذرہ
۱۵۷	حضرت سیدۃ النساء فاطمہ الزہراء کا رونا اور ہنسنا	۱۳۵	وفد بلی
۱۵۸	واقعہ قرطاس	۱۳۵	وفد بنی مرہ
۱۶۰	آخری خطبہ	۱۳۵	وفد خوالان
۱۶۳	صدیق اکبر کو نماز پڑھانے کا حکم	۱۳۶	وفد محارب
۱۶۶	یوم الوصال	۱۳۷	وفد صداء
۱۶۸	عالم نزع	۱۳۷	وفد غسان
۱۶۹	تاریخ وفات	۱۳۷	وفد سلمان
۱۷۰	عمر شریف	۱۳۸	وفد بنی عیس
۱۷۰	صحابہ کا اضطراب	۱۳۸	وفد غامد
۱۷۲	صدیق اکبر کا خطبہ	۱۳۸	وفد ازد
۱۷۶	بقیہ خطبہ صدیق	۱۴۰	وفد بنی المثنق
۱۸۰	سقیفہ بنی ساعدہ میں انصار کا اجتماع	۱۴۰	وفد نفع اللہ
۱۸۳	تجہیز و تکفین اور غسل	۱۴۱	یمین میں تعلیم اسلام
۱۸۴	نماز جنازہ	۱۴۱	سریہ خالد بن ولید بسوئے نجران
۱۸۶	تدفین	۱۴۶	سریہ علی کرم اللہ وجہہ بسوئے یمین
۱۸۶	لطائف و معارف	۱۴۷	حجۃ الوداع
	واقعہ قرطاس کے متعلق شیعوں کے اعتراض	۱۵۰	خطبہ غدیر خم
۱۸۸	کا جواب	۱۵۱	حجۃ الوداع سے واپسی
۱۸۹	امامت صدیق اکبر	۱۵۱	جبریل امین کی آمد
۱۹۲	مدت امامت ابوبکر	۱۵۲	آخری فوج ظفر مویج یعنی سریہ اسامہؓ

صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین
۱۹۳	تاریخ وفات نبوی (فائدہ علمیہ)	۲۲۸	ایک شبہہ اور اس کا ازالہ یعنی حضرت سیدہ کی ناراضگی اور اس کا جواب
۱۹۴	سفینہ بنی ساعدہ اور بیعت خلافت	۲۲۹	اہل سنت کا جواب
۱۹۵	سعد بن عبادہ کی تقریر	۲۳۱	ایک ضروری تنبیہ
۱۹۷	صدیق اکبر کی تقریر	۲۳۲	میراث نبوی یعنی انبیاء کرام کے مال میں میراث جاری نہ ہونے کی حکمتیں
۲۰۲	سعد بن عبادہ کا اعتراف	۲۳۳	حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم
۲۰۵	صدیق اکبر کی فضیلت پر فاروق اعظم کی تقریر	۲۵۳	ایک شبہہ کا ازالہ
۲۰۶	صدیق اکبر کے ہاتھ پر بیعت		حیات نبوی یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں اس بارے میں حضرات محدثین اور متکلمین کے مسلک کی توضیح حیات نبوی کے متعلق حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کا کلام معرفت التیام
۲۰۷	بیعت خاصہ کے بعد بیعت عامہ	۲۵۶	
۲۰۸	بیعت عامہ سے پہلے مسجد نبوی میں حضرت عمر کا خطبہ		ازواج مطہرات اور ان کے فضائل اور خصوصیات
۲۰۹	صدیق اکبر سے بیعت لینے کی درخواست	۲۶۰	فوائد و لطائف
۲۰۹	بیعت عامہ کے بعد صدیق اکبر کا پہلا خطبہ	۲۶۳	ازواج مطہرات کی تعداد اور ان کی ترتیب نکاح
۲۱۲	حضرت علی کی بیعت	۲۶۳	ام المؤمنین خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا
۲۱۸	سعد بن عبادہ کی بیعت	۲۶۷	ولیمہ
۲۱۸	صدیق اکبر کا خلافت سے دستبرداری کا ارادہ	۲۶۷	الحاصل
۲۲۲	مسئلہ وصایت		
۲۲۷	مسئلہ خلافت میں اہل سنت اور اہل تشیع کے منشاء اختلاف کی مختصر تشریح		
۲۲۹	متردکات نبوی		
۲۳۶	باغ فدک کی حقیقت		

صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین
	حکایت از مثنوی مولانا روم ابلیس لعین کا لوگوں کو پھسانے کے لئے حق تعالیٰ سے ایک مضبوط جال کی درخواست کرنا اور حق تعالیٰ کی طرف سے مختلف جالوں کا اس کے سامنے پیش ہونا اور اخیر میں عورتوں کا جال پیش ہونا اور شیطان کا اس کو دیکھ کر خوش ہونا اور جوش مسرت میں اس کا اچھل جانا اور ناچنا اور رقص کرنا	۲۷۹	اولاد، وفات، خصائل وضاحت
۳۱۰		۲۸۱	ام المؤمنین حضرت سودہ بنت زمعہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا
		۲۸۳	ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا
		۲۸۹	ام المؤمنین حفصہ بنت فاروق اعظم رضی اللہ عنہا
		۲۹۰	ام المؤمنین زینب بنت خزیمہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا
		۲۹۰	ام المؤمنین ام سلمہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا
		۲۹۲	وفات
۳۱۶	حکایت مذکورہ کی اردو نظم	۲۹۲	فضل و کمال
۳۱۸	ام المؤمنین جویریہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا	۲۹۳	ام المؤمنین زینب بنت جحش رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا
۳۱۹	ام المؤمنین ام حبیبہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا	۲۹۳	حضرت زید سے نکاح اور اُن کی طلاق کا قصہ اور بنی القین کا آنحضرت پر طعن اور اس کا مفصل جواب
۳۲۳	ام المؤمنین صفیہ بنت جہش رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا	۲۹۷	
۳۲۵	ام المؤمنین میمونہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا	۲۹۸	اور آیت تحفی فی نفسک ما اللہ مبدیہ کی تفسیر
۳۲۶	سراری یعنی کنیریں	۳۰۰	تاریخ نکاح، مہر، ولیمہ
۳۲۶	ماریہ قبطیہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا	۳۰۲	ورع
۳۲۷	ریحانہ بنت شمعون رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا	۳۰۳	عبادت
۳۲۷	نفیسہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا	۳۰۴	زہد
۳۲۷	تعداد از دواج	۳۰۵	وفات
۳۳۰	تو سب سے پہلے	۳۰۷	مسئلہ حجاب پر ایک اجمالی نظر
۳۳۱	حکایت	۳۰۹	حدیث نبوی
۳۳۳	افسوس اور صد ہزار افسوس	۳۰۹	حجاب کے فوائد اور بے حجابی کے مفساد
۳۳۴	آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد نکاح کیوں فرمائے		

صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین
	انسانی زندگی کے پہلو	۳۳۵	
۳۵۸	اولاد و کرام	۳۳۶	
۳۶۳	حضرت قاسم رضی اللہ تعالیٰ عنہ	۳۳۷	
۳۶۳	حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا	۳۳۷	
۳۶۳	حضرت رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا	۳۳۸	
۳۶۵	حضرت ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا	۳۳۹	
۳۶۶	حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا	۳۴۰	
۳۶۹	فضائل و مناقب	۳۴۱	
۳۷۰	حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ	۳۴۲	
۳۷۲	حلیہ مبارک	۳۴۲	
۳۷۶	مہربوت	۳۴۳	
۳۷۸	ریش مبارک	۳۴۴	
	مردوں کی داڑھی اور عورتوں کی چوٹی	۳۴۶	
۳۸۰	طریقہ امتحان	۳۴۹	
۳۸۰	لباس نبوی صلی اللہ علیہ وسلم	۳۴۹	
۳۸۱	تعلین مبارکین	۳۵۲	
۳۸۳	نقشہ فعل مبارک	۳۵۲	
۳۸۶	خرقہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم	۳۵۳	
	حصہ چہارم		
۳۸۹	لباس نبوی صلی اللہ علیہ وسلم		
۳۹۲	دلایل نبوت و براہین رسالت یعنی معجزات		
	تعداد معجزات	۳۵۴	

صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین
۳۱۵	پانچواں معجزہ	۳۹۳	اقسام معجزات
۳۱۶	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق انبیاء سابقین کی پیشین گوئیاں	۳۹۳	معجزات عقلیہ پہلا
۳۱۸	تمہیدی امور (امراول)	۳۹۴	دوسرا عقلی جائزہ
۳۱۹	تمہیدی امور (امردوم)	۳۹۵	قرآن کریم میں دعوت اور حجت دونوں موجود ہیں
۳۲۰	تمہیدی امور (امرسوم)	۳۹۶	تیسرا عقلی معجزہ
۳۲۱	تمہیدی امور (امرچہارم)	۳۹۷	چوتھا عقلی معجزہ
۳۲۳	بشارت اول از توریت سفر استثناء	۳۹۸	پانچواں عقلی معجزہ
۳۲۵	اہل کتاب کی ایک تحریف کا ذکر	۳۹۹	دنیا میں مذہب اسلام کی آمد
۳۲۶	خلاصہ کلام یہ ہے	۴۰۰	چھٹا معجزہ
۳۲۱	گوئی مانے یا نہ مانے	۴۰۱	ساتواں عقلی معجزہ
۳۳۲	بشارت دوم از کتاب پیدائش	۴۰۱	معجزات حسیہ
۳۳۶	فائدہ جلیلہ	۴۰۳	معجزات نبوی کی تفصیل
۳۳۹	بشارت سوم از سفر استثناء	۴۰۳	معجزہ کی تعریف
۳۴۲	بشارت چہارم از سفر استثناء	۴۰۴	معجزات علمیہ و عملیہ
۳۴۴	بشارت پنجم از سفر پیدائش	۴۰۴	قرآن حکیم سب سے بڑا معجزہ ہے
۳۴۷	بشارت ششم از زبور باب ۴۵	۴۰۵	اعجاز قرآن کی پہلی وجہ
۳۵۹	بشارت ہفتم از زبور باب ۱۳۹	۴۰۶	ایک شہد اور اس کا جواب
۳۶۰	بشارت ہشتم از زبور باب ۷۲	۴۰۸	اعجاز کی دوسری وجہ
۳۶۳	بشارت نهم از صحیفہ ملاکی باب ۳	۴۰۹	اعجاز کی تیسری وجہ
۳۶۳	بشارت دہم از صحیفہ حزقیل باب ۳	۴۱۰	دوسرا معجزہ حدیث نبوی یعنی شریعت اسلام
۳۶۴	بشارت یازدہم از صحیفہ یسعیاہ باب ۲۱	۴۱۳	تیسرا معجزہ علماء امت محمدیہ ہیں
		۴۱۴	چوتھا معجزہ

صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین
۵۱۰	غلبہ اسلام کی پیشین گوئی	۴۶۵	بشارت دوازوہم از صحیفہ یسعیاہ
۵۱۱	غلبہ روم کی پیشین گوئی	۴۶۵	بشارت سیزدہم از صحیفہ یسعیاہ باب ۲۳
۵۱۲	خلافت راشدہ کی پیشین گوئی	۴۶۶	بشارت چہارم از صحیفہ یسعیاہ باب ۲۸
۵۱۳	فتح خیبر کی پیشین گوئی	۴۶۶	بشارت پانزدہم از صحیفہ یسعیاہ باب ۳۲
۵۱۳	فتح فارس و روم کی پیشین گوئی	۴۷۴	بشارت شانزدہم از صحیفہ یسعیاہ باب ۵۲
۵۱۵	قبائل عرب کی شکست کی پیشین گوئی	۴۷۵	بشارت ہفدہم از صحیفہ یسعیاہ باب ۶۰
۵۱۵	فتح مکہ کی پیشین گوئی	۴۷۹	بشارت ہشتم از کتاب دانیال باب ۲
۵۱۶	غزوہ احزاب میں کامیابی کی پیشین گوئی	۴۸۰	عائکہ بنت عبدالمطلب کا خواب
۵۱۶	یہود کے متعلق پیشین گوئی	۴۸۲	بشارت نوزوہم از انجیل متی باب ۳
۵۱۷	القاء رعب کی پیشین گوئی	۴۸۲	بشارت ہستم از انجیل متی باب ۲۱
۵۱۷	فتنہ ارتداد اور اس کے اسناد کی پیشین گوئی	۴۸۳	بشارت بست و یکم از انجیل یوننا باب ۱۳
۵۱۸	وفات نبوی کی پیشین گوئی	۴۸۶	لفظ فارقلیط کی تحقیق
۵۱۸	احادیث مذکورہ ۴۶ پیشین گوئیاں	۴۹۸	نصاری کے چند شبہات اور ان کے جوابات
۵۲۲	معجزات یمن و برکت	۵۰۰	بشارت بست و دوم از انجیل متی باب ۱۳
۵۲۳	استجاب دعا	۵۰۱	بشارت بست و سوم از انجیل متی
۵۲۴	معجزات شفاء امراض	۵۰۲	بشارت بست و چہارم و بست و پنجم
۵۲۶	معجزات احیاء موتی	۵۰۶	انباء الغیب یعنی آئندہ واقعات کی پیشین گوئیاں۔
۵۳۰	معجزات عیسوی		
۵۳۱	مقصد نبوت	۵۰۸	محمدی پیش گوئی کا امتیاز
۵۳۲	نصاری کی گمراہی کا سبب	۵۰۹	حفاظت قرآن کی پیشین گوئی۔
۵۳۲	دین کے تین بنیادی اصول	۵۰۹	اعجاز قرآن کی پیشین گوئی
۵۳۸	خصائص نبوی صلی اللہ علیہ وسلم	۵۱۰	حفاظت نبوی کی پیشین گوئی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

غزوة الفتح الاعظم

یعنی

فتح مکہ مکرمہ زاد ہا اللہ تشریفاً و تکریماً۔ رمضان المبارک ۸ھ

جس وقت قریش اور رسول اللہ ﷺ کے مابین، حدیبیہ میں صلح ہوئی اور عہد نامہ لکھا گیا تو اس وقت دیگر قبائل کو اختیار دیا گیا کہ جس کے عہد اور عقد میں چاہیں شامل ہو جائیں۔ چنانچہ بنو بکر قریش کے عہد میں اور بنو خزاعہ رسول اللہ ﷺ کے عہد میں شامل ہو گئے۔

ان دونوں قبیلوں میں زمانہ جاہلیت سے اُن بن چلی آتی تھی جس کا سبب یہ تھا کہ مالک بن عباد حضرمی ایک مرتبہ مال تجارت لے کر خزاعہ کی سر زمین میں داخل ہوا۔ خزاعہ کے لوگوں نے اس کو قتل کر ڈالا اور اُس کا تمام مال و اسباب لوٹ لیا۔ بنو بکر نے موقع پا کر حضرمی کے معاوضہ میں بنو خزاعہ کے ایک آدمی کو قتل کر ڈالا قبیلہ خزاعہ نے اپنے ایک آدمی کے معاوضہ میں بنو بکر کے تین سرداروں ذویب اور سلمیٰ اور کلثوم کو میدان عرفات میں حدود حرم کے قریب قتل کر ڈالا۔

زمانہ جاہلیت سے زمانہ بعثت تک یہی سلسلہ رہا ظہور اسلام کے بعد اسلامی معاملات میں مشغول ہو جانے کی وجہ سے سلسلہ رُک گیا۔

حدیبیہ میں ایک میعادِ صلح ہو جانے کی وجہ سے فریقین ایک دوسرے سے مامون اور بے خوف ہو گئے بنو بکر نے اپنی دشمنی نکالنے کا موقع غنیمت سمجھا۔ چنانچہ بنو بکر میں سے نوفل بن معاویہ دیلی نے مع اپنے ہمراہیوں کے خزاعہ پر شب خون مارا رات کا وقت تھا خزاعہ کے لوگ پانی کے ایک چشمہ پر سو رہے تھے جس کا نام وتیر تھا۔

قریش میں سے صفوان بن امیہ اور شیبہ بن عثمان اور جمیل بن عمرو اور حویطب بن عبد العزیٰ اور مکرز بن حفص نے پوشیدہ طور پر بنو بکر کی امداد کی۔ خزاعہ نے بھاگ کر حرم میں پناہ لی۔ مگر ان کو بھی قتل سے پناہ نہ ملی۔

قریش نے بنو بکر کی ہر طرح سے امداد کی ہتھیار بھی دیئے اور لڑنے کے لئے آدمی بھی۔ خزاعہ کے لوگ مکہ میں بدیل بن ورقاء خزاعی کے مکان میں گھس گئے۔ مگر بنو بکر اور رؤساء قریش نے گھروں میں گھس کر ان کو مارا اور لوٹا اور یہ سمجھتے رہے کہ رسول اللہ ﷺ کو اس کی اطلاع نہ ہوگی۔ جب صبح ہوئی تو قریش کو اپنے فعل پر ندامت ہوئی اور یہ سمجھ گئے کہ ہم نے عہد شکنی کی اور جو معاہدہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حدیبیہ میں کیا تھا اس کو ہم نے اپنی غلطی سے توڑ ڈالا۔

عمر بن سالم خزاعی چالیس آدمیوں کا ایک وفد لے کر مدینہ منورہ بارگاہ نبوی میں حاضر ہوا آں حضرت ﷺ اس وقت مسجد میں تشریف فرما تھے۔ عمرو بن سالم نے کھڑے ہو کر یہ عرض کیا۔

يَا رَبِّ اِنِّي نَاشِدُ مُحَمَّدًا حِلْفَ اَيْنَا وَاَيْنِهٖ اَلَا تُلَدَا
اے پروردگار میں محمد ﷺ کو اپنے باپ اور ان کے باپ عبدالمطلب کا قدیم عہد یاد دلانے آیا ہوں۔ زمانہ جاہلیت میں خزاعہ حضرت عبدالمطلب کے حلیف تھے۔ اشارہ اس طرف ہے کہ جس طرح ہم آپ کے حلیف ہیں اسی طرح ہمارے باپ دادا آپ کے باپ دادا کے حلیف تھے۔

فائدہ: اور بعض روایات میں یارب انی ناشد کی جگہ اللہم انی ناشد آیا ہے اور بعض روایات میں یارب کی جگہ لآھم انی ناشد محمدا آیا ہے لآھم معنی میں اللہم کے ہے، جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے۔ لآھم لولا انت ما اھتدینا۔ اے اللہ اگر تیری توفیق نہ ہوتی تو ہم ہدایت نہ پاتے۔

علامہ شبلی نے سیرۃ النبی ۱/۴۶۷ میں لآھم کو لآھم سمجھ کر یہ ترجمہ کر دیا۔
کچھ غم نہیں۔ میں محمد کو وہ عہد یاد دلاؤں گا اھ۔ ”کچھ غم نہیں“ رسم خط کے اشتراک سے علامہ شبلی کو اشتباہ ہو گیا۔

اِنَّ قُرَيْشًا اَخْلَفُوْكَ الْمَوْعِدَا وَنَقَضُوْا مِيْثَاقَكَ الْمَوْكِدَا
تحقیق قریش نے آپ سے وعدہ خلافی کی اور آپ کے پختہ عہد اور پیمان کو توڑ ڈالا۔
هُمۡ يَّتَوْنَا بِالْوَتِيْرِ هُجَّدَا وَقَتَلُوْا نَارُكَعَا وَسُجَّدَا

ان لوگوں نے چشمہٴ و تیر پر سوتے ہوئے ہم پر شب خون مارا اور رکوع اور سجود کی حالت میں ہم کو قتل کیا۔ ان میں سے بعض مسلمان بھی تھے ورنہ وہ خود مسلمان نہ تھے۔

وَجْعَلُوا لِي فِي كِدَاءِ رُصْدًا وَزَعُمُوا اَنْ لَسْتُ اَدْعُو اَحَدًا
اور مقامِ کداء میں آدمیوں کو ہماری گھات میں بٹھلا دیا اور ان کا گمان یہ تھا کہ میں کسی کو اپنی مدد کیلئے نہ بلاؤں گا۔

وَهُمْ اَذَلُّ وَاَقْلُّ عَدَدًا

اور وہ سب ذلیل ہیں اور شمار میں بھی بہت کم ہیں۔ قَدْ كُنْتُمْ وُلَدًا اَوْ كَنَّا وَالِدًا
وَوَالِدًا كَنَّا وَكُنْتُ الْوَلَدًا ثُمَّتْ اَسْلَمْنَا وَلَمْ نَنْزِعْ يَدًا
اور ہم بمنزلہ باپ کے ہیں اور آپ بمنزلہ اولاد کے اس لئے کہ عبد مناف کی ماں قبیلہ خزاعہ کی تھی اور اسی طرح قصی کی ماں فاطمہ بنت سعد بھی قبیلہٴ خزاعہ کی تھی۔ اس تعلق کی بناء پر ہماری نصرت اور اعانت آپ پر لازم ہے اور اس کے علاوہ ہم ہمیشہ آپ کے مطیع اور فرمانبردار رہے کبھی آپ کی اطاعت سے دستکش نہیں ہوئے اس لئے آپ سے امید ہے کہ اپنے جان نثاروں اور وفا شعاروں کی مدد فرمائیں گے۔

فَانْصُرْ هَذَاكَ اللّٰهَ نَصْرًا اَعْتَدًا وَاذْعُ عِبَادَ اللّٰهِ يَأْتُوا مَدَدًا
پس ہماری فوری مدد فرمائیے اللہ تعالیٰ آپ کی تائید فرمائے اور اللہ کے خاص بندوں یعنی اپنے صحابہ کو حکم دیجئے۔ وہ ضروری ہماری مدد کو آئیں گے، اور ایک نسخہ میں ہے۔ فَاَنْصُرْ
رسول اللہ نصرًا اعتدا۔

اے اللہ کے رسول ہماری فوری مدد فرمائیے۔

فِيْهِمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ قَدْ تَجَرَّدَا اِنْ سِيَمَ خُسْفًا وَجْهَهُ تَرَبَّدَا
اور جب عباد اللہ کا لشکر ہماری مدد کو آئے تو اس میں اللہ کا رسول ضرور ہو جو ظالموں سے جنگ کیلئے تیار ہو۔ یعنی فقط سر یہ بھیجنے پر اکتفا نہ فرمائیں بلکہ اُس لشکر کے ساتھ خود بھی بنفس نفیس تشریف لائیں اور اگر وہ ظالم آپ کو کوئی ذلت پہنچانا چاہیں تو آپ کا چہرہ مبارک غیرت و حمیت سے متمنا نہ لگے۔ بعض نسخوں میں قَدْ تَحَرَّدَا جاء مہملہ کے ساتھ آیا ہے جس کے معنی غضبناک ہونے کے ہیں۔

فِي فَيْلَقٍ كَالْبَحْرِ يَجْرِي مُزْبَدًا

اور ایسے لشکر کو ساتھ لے کر آئے کہ جو دریا کی طرح جھاگ مارتا ہو۔

یہ تمام تفصیل امام طحاوی کی شرح معانی الآثار اور سیرۃ ابن ہشام اور روض الانف اور زرقانی شرح مواہب میں مذکور ہے اور ذرا کسی قدر اجمال کے ساتھ فتح الباری میں بھی مذکور ہے۔

مغازی ابن عائد میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آں حضرت ﷺ نے واقعات سن کر نصرت یا عمرو بن سالم اور ایک روایت میں یہ ہے کہ یہ فرمایا نہ مدد کیا جاؤں میں۔ اگر میں تیری مدد نہ کروں بعد ازاں یہ دریافت فرمایا کہ کیا کل بنو بکر اس میں شریک تھے عمرو بن سالم نے کہا سب نہیں بلکہ بنو بکر میں سے صرف بنو نفاشہ اور اُن کا سردار نوفل اس میں شریک تھا۔ آپ نے ان کی اعانت اور امداد کا وعدہ فرمایا اس کے بعد یہ وفد واپس ہو گیا اور آپ نے ایک قاصد قریش مکہ کے پاس روانہ کیا، کہ ان کو یہ پیام پہنچادے کہ تین باتوں سے ایک بات اختیار کر لیں۔

(۱)۔ مقتولین خزاعہ کی دیت دے دی جائے۔

(۲)۔ یا بنو نفاشہ کے عہد اور عقد سے علیحدہ ہو جائیں۔

(۳)۔ یا معاہدہ حدیبیہ کے نسخ کا اعلان کر دیں۔

قاصد نے جب پیام پہنچایا تو قریش کی طرف سے قرطہ بن عمرو نے یہ جواب دیا۔ کہ ہم نہ مقتولین خزاعہ کی دیت دیں گے اور نہ بنو نفاشہ سے اپنے تعلقات کو منقطع کریں گے۔ ہاں معاہدہ حدیبیہ کے نسخ پر ہم راضی ہیں لیکن قاصد روانہ ہونے کے بعد قریش کو ندامت ہوئی اور فوراً ہی ابوسفیان کو تجدید معاہدہ اور مدت صلح کو بڑھانے کے لئے مدینہ روانہ کیا۔

تجدید معاہدہ کے لئے مکہ سے ابوسفیان کی روانگی

ابوسفیان تجدید صلح کے لئے مکہ سے مدینہ روانہ ہوئے اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو خبر دی کہ ابوسفیان مکہ سے مدت صلح کو بڑھانے اور عہد کو مضبوط کرنے کیلئے آ رہا

ہے، چنانچہ ابوسفیان مکہ سے روانہ ہوا اور مقام عسفان میں پہنچ کر ابوسفیان کی بدیل بن ورقاء خزاعی سے ملاقات ہوئی، ابوسفیان نے بدیل سے دریافت کیا کہ کہاں سے آرہا ہے۔ بدیل نے کہا میں اسی قریب کی وادی سے آرہا ہوں، بدیل یہ کہہ کر مکہ کی طرف روانہ ہو گیا۔ اس کے بعد ابوسفیان کو خیال آیا کہ بدیل ضرور مدینہ سے واپس آرہا ہے۔ چنانچہ ابوسفیان نے اس جگہ کو جا کر دیکھا جہاں بدیل نے اونٹ بٹھلایا تھا۔ بدیل کی اونٹنی کی میٹنی کو توڑ کر دیکھا تو اس میں سے کھجور کی گٹھلی برآمد ہوئی۔ ابوسفیان نے کہا خدا کی قسم بدیل ضرور مدینہ ہی سے آرہا ہے اور یہ گٹھلی مدینہ ہی کی کھجور کی ہے، ابوسفیان مدینہ پہنچ کر اول اپنی بیٹی ام المؤمنین ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس گیا ابوسفیان نے کہا اے بیٹی تو نے فرش کو پلیٹ دیا کیا فرش کو میرے قابل نہ سمجھایا مجھے فرش کے قابل نہ سمجھا ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا یہ رسول اللہ ﷺ کا بستر ہے اس پر ایک مشرک کہ جو شرک کی نجاست سے ملوث اور آلودہ ہو نہیں بیٹھ سکتا۔ ابوسفیان نے جھلا کر کہا اے بیٹی خدا کی قسم تو میرے بعد شرم میں مبتلا ہو گئی۔ ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا شرم میں نہیں۔ بلکہ کفر کی ظلمت سے نکل کر اسلام کے نور اور ہدایت کی روشنی میں داخل ہو گئی۔ آپ سے تعجب ہے کہ آپ سردار قریش ہو کر پتھروں کو پوجتے ہیں کہ جو نہ سنتے ہیں اور نہ دیکھتے ہیں۔

ابوسفیان وہاں سے اٹھ کر مسجد میں آئے اور بارگاہ رسالت میں عرض کیا کہ میں قریش کی طرف سے تجدید معاہدہ اور مدت صلح کو بڑھانے کی غرض سے حاضر ہوا ہوں، آپ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ بارگاہ رسالت سے جب کوئی جواب نہ ملا۔ تو ابوسفیان ابو بکر کے پاس آئے اور اُن سے سفارش کی درخواست کی ابو بکر نے فرمایا میں اس بارے میں کچھ نہیں کر سکتا۔ اس کے بعد عمر بن الخطاب کے پاس گیا اور ان سے سفارش کی درخواست کی۔ عمر بن الخطاب نے یہ فرمایا اللہ اکبر میں تیری سفارش کیلئے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوں۔ دنیا میں اگر کوئی ساتھی مجھ کو میسر نہ آئے تو میں تنہا جہاد کرنے کو تیار ہوں۔ یہ سنتے ہی چچکا حضرت علی کے پاس آیا اُس وقت اُن کے پاس ان کی بیوی فاطمہ الزہراء اور حسن رضی اللہ عنہ بھی بیٹھے ہوئے تھے۔

ابوسفیان نے حضرت علی سے مخاطب ہو کر کہ اے ابوالحسن آپ ہم سے قرابت میں

سب سے قریب ہیں میں ایک شدید ضرورت سے آیا ہوں یہ چاہتا ہوں کہ ناکام واپس نہ ہوں لہذا آپ میری رسول اللہ ﷺ سے سفارش فرمائیے۔ حضرت علی نے فرمایا کہ خدا کی قسم رسول اللہ ﷺ نے اس بارے میں کچھ قصد فرمالیا ہے لہذا اب کسی کی مجال نہیں کہ وہ اس بارے میں رسول اللہ ﷺ سے کچھ کہہ سکے ابوسفیان یہ سن کر حضرت فاطمہ کی طرف متوجہ ہوا اور کہا اے بنت محمد (ﷺ) اگر آپ اس بچے یعنی امام حسن کو یہ حکم دیں کہ وہ یہ پکار دے کہ میں نے قریش کو پناہ دی تو ہمیشہ کے لئے عرب کا سردار مان لیا جائے، حضرت فاطمہ نے فرمایا اول تو یہ کمن ہے (یعنی پناہ دینا بڑوں کا کام ہے) دوسرے یہ کہ رسول اللہ ﷺ کی خلاف مرضی کون پناہ دے سکتا ہے۔ ابوسفیان نے حضرت علی سے مخاطب ہو کر کہا معاملہ سخت ہو گیا آخر مجھ کو کوئی تدبیر بتلایئے۔ حضرت علی نے کہا اور تو کچھ میری سمجھ میں نہیں آتا۔ صرف اتنا خیال میں آتا ہے اگر اس کو تو اپنے لئے مفید اور کارآمد سمجھے تو کر گزر۔ وہ یہ کہ مسجد میں جا کر یہ پکار دے کہ میں معاہدہ حدیبیہ کی تجدید اور استحکام اور مدت صلح کو بڑھانے کے لئے آیا ہوں اور یہ کہہ کر تو اپنے شہر واپس چلا جا۔ چنانچہ ابوسفیان وہاں سے اٹھ کر مسجد میں آیا اور باواز بلند پکار کر یہ کہا کہ میں عہد کی تجدید اور صلح کی مدت بڑھاتا ہوں اور یہ کہہ کر مکہ کو چل کھڑا ہوا۔

ابوسفیان جب مکہ پہنچا اور سارا واقعہ بیان کیا تو قریش نے یہ کہا کہ کیا محمد (ﷺ) نے بھی تمہارے اس اعلان کو جائز رکھا ابوسفیان نے کہا نہیں۔ قریش نے کہا کہ محمد کے بغیر رضا مندی اور اجازت کے تم کیسے راضی اور مطمئن ہو گئے محض لغو اور بیکار چیز لے کر آئے جس کا توڑنا ان پر کچھ دشوار نہیں اور خدا کی قسم علی نے تیرے ساتھ مسخرہ پن کیا۔ تو نہ صلح کی خبر لے کر آیا جس سے اطمینان ہوتا اور نہ جنگ کی خبر لایا کہ جس کی تیاری اور سامان کیا جاتا۔ ابوسفیان کی واپسی کے بعد رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کو پوشیدہ طور پر مکہ کی تیاری سامان سفر اور آلات حرب درست کرنے کا حکم دیا اور یہ تاکید فرمائی کہ اس کو پوشیدہ رکھا جائے اس کا اظہار و اعلان نہ کیا جائے اور اس پاس کے قبائل میں بھی کہلا بھیجا کہ تیار ہو جائیں۔

قصہ حاطب بن ابی بلتعہ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ

صحیح بخاری میں ہے کہ اسی اثناء میں حاطب بن ابی بلتعہ نے اہل مکہ کے نام ایک خط لکھا کہ آں حضرت ﷺ مکہ کی تیاریاں فرما رہے ہیں اور مخفی طور پر ایک عورت کے ہاتھ اس خط کو مکہ روانہ کیا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بذریعہ وحی کے اس سے اطلاع دی آپ نے حضرت علی اور حضرت زبیر اور حضرت مقداد کو روانہ کیا کہ تم برابر چلے جاؤ یہاں تک کہ روضہ خاخ میں تم کو اونٹ پر سوار ایک عورت ملے گی اُس کے ساتھ مشرکین مکہ کے نام حاطب بن ابی بلتعہ کا ایک خط ہے۔ وہ اس سے لے آؤ، چنانچہ روضہ خاخ میں پہنچ کر ہم کو ایک عورت ملی اونٹ بٹھلا کر اُس کی تلاشی لی کہیں خط نہ ملا۔ ہم نے کہا خدا کی قسم اللہ کا رسول کبھی غلط نہیں کہہ سکتا۔

ہم نے اُس عورت سے کہا کہ بہتر ہوگا کہ تو وہ خط ہم کو دیدے ورنہ ہم برہنہ کر کے تیری تلاشی لیں گے، اس وقت اُس عورت نے اپنے بالوں کے جوڑے میں سے خط نکال کر ہم کو دیا ہم وہ خط لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے حاطب بن ابی بلتعہ کو بلا کر دریافت فرمایا کہ کیا معاملہ ہے۔ حاطب نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ مواخذ میں عجلت نہ فرمائیں یا رسول اللہ قریش سے میری کوئی قرابت نہیں فقط حلیفانہ تعلقات ہیں، میرے اہل و عیال آج کل مکہ میں ہیں جن کا کوئی حامی اور مددگار نہیں بخلاف مہاجرین کے کہ مکہ میں اُن کی قرابتیں ہیں۔ قرابتوں کی وجہ سے اُن کے اہل و عیال محفوظ ہیں اس لئے میں نے چاہا کہ جب قریش سے میری کوئی قرابت نہیں تو اُن کے ساتھ کوئی احسان کروں جس کے صلہ میں وہ میرے اہل و عیال کی حفاظت کریں۔ خدا کی قسم میں نے دین سے مرتد ہو کر اور اسلام کے بعد کفر سے راضی ہو کر ہر گز یہ کام نہیں کیا۔ میری غرض فقط وہی تھی جو میں نے عرض کی۔

یہ صحیح بخاری کی روایت ہے۔ ابن مردویہ کی روایت میں ابن عباس حضرت عمر سے راوی ہیں۔ فکتبت کتابا لا یضر اللہ و رسولہ۔ پس میں نے ایک خط لکھا (کہ جس میں میرا یہ نفع ہے) اور اللہ اور اُس کے رسول کا کوئی نقصان نہیں۔

صحیح بخاری میں ہے کہ آپ نے فرمایا:

أَمَّا إِنَّهُ قَدْ صَدَقَكُمْ
! آگاہ ہو جاؤ یقیناً اس نے تم سے سچ بیان کیا

حضرت عمرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! اجازت دیجیے کہ اس منافق کی گردن اڑا دوں آپ نے فرمایا۔

انہ قد شہد بدرًا وما یدرک
لعل اللہ اطلع علی اہل بدر
فقال اعملوا ما شئتم فقد
غفرت لکم۔

تحقیق حاطب بدر میں حاضر ہوا ہے اور اے عمر
تجھ کو کیا معلوم ہے شاید اللہ تعالیٰ نے نظر
رحمت سے اہل بدر کو یہ فرمادیا ہو کہ جو چاہے کرو
بلاشبہ میں نے تمہاری مغفرت کر دی ہے۔

یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور عرض کیا اللہ و
رسولہ اعلم۔ اللہ اور اُس کا رسول زیادہ جاننے والے ہیں۔

یعنی جو بدر میں شریک ہوا وہ کبھی منافق نہیں ہو سکتا۔ ان لوگوں نے اللہ کی راہ میں وہ
جان بازی اور سرفروشی دکھائی کہ حاملین عرش اور ملائکہ مقربین بھی ان پر عیش کشی کرنے لگے اور
جو بھی اللہ اور اس کے رسول کے مقابلہ پر آیا۔ خواہ وہ باپ ہو یا بیٹا بھائی ہو یا دوست بے دریغ
اُس سے مقابلہ اور مقاتلہ کیا۔ اور اللہ اور اُس کے رسول کی محبت کے نشہ میں ایسے چور اور مخمور
ہوئے کہ اپنے بھی بیگانے بن گئے اور اللہ کا بول بالا کیا اور کفر و شرک کے سر پر وہ کاری ضرب
لگائی کہ پھر وہ زخم مندمل نہ ہو سکا۔

اس عظیم الشان کارنامہ کے صلہ میں بارگاہ خداوندی سے رضی اللہ عنہم و
رضوا عنہ اور اُولَئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ كَا زَيْنَ تَمْنَعُ اُنْ كُو عَطَا هُوَا۔ اور
آئندہ جن گناہوں کے صدور کا امکان تھا۔ اُن کی معافی کو صیغہ ماضی سے بیان فرمایا یعنی
فقد غفرت لکم بصیغہ ماضی فرمایا اور سا غفر لکم بصیغہ مستقبل نہیں فرمایا تا کہ اہل
بدر کا مغفور الذنوب ہونا قطعی طور پر محقق ہو جائے کہ ان کی مغفرت مثل امر ماضی کے محقق
اور یقینی ہے اور اَعْمَلُوا مَا شِئْتُمْ کا خطاب، خطاب تشریف اور خطاب اکرام ہے، اشارہ
اس طرف ہے کہ یہ لوگ خواہ کچھ ہی کریں، مگر کسی حال میں بھی دائرہ عفو اور دائرہ مغفرت
سے باہر نہ جائیں گے، اَعْمَلُوا مَا شِئْتُمْ کا خطاب گناہوں کی اباحت اور اجازت کے
لئے نہ تھا ایسا خطاب انہیں مجبین اور مخلصین کو ہو سکتا کہ جن سے اپنے محبوب کی معصیت
ناممکن ہو جائے۔

بدر کی شرکت بظاہر ایک حسنہ ہے لیکن حقیقت میں ہزاروں اور لاکھوں حسنات کا اجمال اور عنوان ہے اور ایمان و احسان صدق اور اخلاص کی ایک سند ہے۔ لہذا اگر بدر میں شرکت کر نیوالے صحابی سے بمقتضائے بشریت کوئی غلطی یا فروگزاشت ہو جائے تو وہ رَضِیَ اللہ عَنْہُمْ وَرَضُوا عَنْہُ اور اُولَئِكَ کَتَبَ فِی قُلُوبِہِمْ الْاِیْمَانَ سے خارج نہیں ہو سکتا اس لئے کہ یہ اُس علیم و خبیر کی خبر ہے کہ جس میں کذب کا امکان نہیں۔ اس لئے کہ حق تعالیٰ کو پہلے ہی سے معلوم تھا کہ اُن سے یہ فروگزاشت ہوگی مگر باوجود اس علم ازلی اور ابدی کے پھر اُن کو رَضِیَ اللہ عَنْہُمْ وَرَضُوا عَنْہُ کے تمنعہ سے سرفراز فرمایا معلوم ہوا کہ اس عظیم الشان حسنہ کے بعد اُن سے کوئی ایسی غلطی نہ ہوگی کہ جو ان کی اس نیکی کو محو کر سکے۔ بلکہ یہ عظیم الشان حسنہ ہی آئندہ کی غلطی کا کفارہ بن جائے گی۔ کما قال تعالیٰ۔

إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ ۖ تَحْقِيقَ نِکَیَاں برائیوں کو مٹا دیتی ہیں۔ اور کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

وَإِذَا الْحَبِيبُ اتَىٰ بِذَنْبٍ وَاحِدٍ ۖ جَاءَتْ مَحَاسِنُهُ بِالْفِ شَفِیع
اگر دوست سے کسی وقت کوئی غلطی اور چوک ہو جائے تو اُس کے محاسن اور گزشتہ کارنامے ہزار سفارشی لا کر سامنے کھڑے کر دیتے ہیں۔

قلب میں اگر کوئی فاسد اور زہریلا مادہ نہ ہو تو پھر معصیت چنداں نقصان نہیں پہنچاتی بلکہ قلب کی قوت ایمانی اس کو توبہ اور استغفار پر آمادہ کرتی ہے جس سے فقط گناہ معاف ہی نہیں ہو جاتا بلکہ مبدل بہ نیکی ہو جاتا ہے۔ کما قال تعالیٰ۔

إِلَّا مَنْ تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ ۖ جَنَ لُؤْگُوں نے کفر و شرک سے توبہ کی اور
عَمَلًا صَالِحًا فَأُولَئِكَ يُبَدِّلُ ۖ اِیْمَانِ لائے اور نیک کام کیے اللہ ایسے لوگوں
اللَّهُ سَيِّئَاتِهِمْ حَسَنَاتٍ وَكَانَ ۖ کِی برائیوں کو نیکیوں سے بدل دیتے ہیں اور
اللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا۔ ۱۔ ۖ ہے اللہ بخشنے والا اور مہربان۔

بندہ نے جب توبہ اور استغفار کر کے اپنے گناہ کو ندامت اور پشیمانی سے بدلا۔ تو خداوند ذوالجلال نے اُس کے سیئات کو حسنات سے اور اُس کی برائیوں کو پھلانیوں سے بدل دیا۔

مرکب تو بہ عجائب مرکبت برفلک تازد بہ یک لحظہ زپست
چون برارند از پشیمانی انین عرش لرزد از انین المذنبین
یہ آیت عامہ مؤمنین کے حق میں ہے اہل بد رسب سے زیادہ اس کے مستحق ہیں اور
جس کے قلب میں کوئی زہریلا اور فاسد مادہ موجود ہو تو ہزار طاعت و عبادت بھی اس کے
لئے مفید نہیں جیسے ابلیس لعین اور بلعم بن باعوراء۔ خوارج و روافض ہزار نماز اور روزہ اور لاکھ
عبادت کریں مگر جب تک قلب کا تنقیہ نہ ہو جائے اور فاسد مادہ نہ نکل جائے اس وقت تک
کوئی طاعت اور کوئی عبادت مفید اور کارآمد نہیں۔

صفاوی مزاج والے کو کتنی ہی لطیف غذا کیوں نہ دیدی جائے کوئی فائدہ نہیں۔ سوء
مزاج کی وجہ سے وہ لطیف غذا بھی مستحیل الی الصفراء ہو جائے گی۔ کما قال تعالیٰ۔
فِي قُلُوبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللَّهُ ۖ ان کے دلوں میں بیماری ہے پس اللہ نے
مَرَضًا۔ ۱۔ ان کی بیماری کو اور بڑھا دیا۔

صحیح المزاج اور صحیح القوی اگر غلطی سے کوئی بد پرہیزی کر بیٹھے تو اس کے لئے کسی خاص
علاج کی حاجت نہیں اس کی طبیعت ہی خود اس عارضی مرض کو دفع کر دے گی۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت حاطب کی اس غلطی کو فساد مزاج پر محمول کر کے
نفاق کا حکم لگایا اور قتل کی اجازت چاہی۔ سرخیل اطباء روحانی فداہ روحی و جسمانی علیہ السلام نے
جواب دیا کہ اے عمر حاطب کا قلب نفاق کے مرض سے بالکل پاک ہے۔ یہ نفاق نہیں بلکہ
غفلت سے غلطی ہو گئی ہے روحانی مزاج اس کا صحیح ہے۔ بدر کی شرکت نے اس کو کندن بنا دیا
ہے اتفاق سے بد پرہیزی ہو گئی ہے۔ صحیح المزاج کو بھی کبھی کبھی نزلہ اور زکام کی شکایت پیش
آجاتی ہے جس کے لئے ایک معمولی سا جوشاندہ یا خیساندہ کافی ہے۔

آں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا حاطب کو بلا کر فقط یہ دریافت فرمانا (ما ہذا یا حاطب) اے
حاطب یہ کیا معاملہ ہے۔ ان کی عارضی شکایت کے لئے یہی کافی جوشاندہ تھا پتے ہی بد
پرہیزی کا اثر ایسا کا فور ہوا کہ مرتے دم تک پھر کبھی کوئی شکایت ہی نہ پیش آئی رضی اللہ تعالیٰ عنہ
وارضاه۔ چنانچہ آں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے شاہ اسکندریہ کے نام دعوت اسلام کا خط لکھوایا تو انہیں

حاطب کو سفیر بنا کر بھیجا جیسا کہ گزر اسبحان اللہ کیا بارگاہ تھی ایک جانب حاطب کو جو شانہ پلایا جا رہا ہے اور دوسری جانب عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو امراض روحانی کی تشخیص اور معالجہ کا طریقہ تلقین ہو رہا ہے تا کہ جب وقت آئے تو عمر تشخیص اور علاج میں غلطی نہ کریں۔

حاطب کے خط کا مضمون

حاطب بن ابی بلتعہ کے خط کا مضمون بھی اسی پر دلالت کرتا ہے کہ اس کا منشاء عیاذاً باللہ نفاق نہ تھا۔ وہ خط یہ تھا:

اما بعد یا معشر قریش فان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جاءکم بحیث کا لیل یسیر کالسیل فواللہ لو جاءکم وحده لنصرہ اللہ وانجزلہ وعدہ فانظروا لانفسکم والسلام۔

اے گروہ قریش۔ رسول اللہ ﷺ رات کے مانند تم پر ایک ہولناک لشکر لیکر آنے والے ہیں جو سیلاب کی طرح بہتا ہوگا۔ خدا کی قسم اگر رسول اللہ ﷺ بلا لشکر کے خود تنہا بھی تشریف لے جائیں تو اللہ تعالیٰ ضرور آپ کی مدد فرمائے گا اور فتح و نصرت کا جو وعدہ خدا نے آپ سے کیا ہے وہ ضرور پورا کرے گا۔

(یعنی آپ کی کامیابی لشکر پر موقوف نہیں) پس تم اپنے انجام کو سوچ لو والسلام۔

یہ خط تکی بن سلام نے اپنی تفسیر میں ذکر کیا ہے جس کو علامہ قسطلانی نے شرح بخاری کتاب الجہاد باب حکم الجاسوس میں نقل کیا ہے اور فتح الباری باب غزوۃ الفتح میں بھی مذکور ہے۔ اور البدایہ والنہایہ میں بھی ہے۔

اس خط کا مضمون حاطب بن ابی بلتعہ کے اس عذر کی صاف تصدیق اور تائید کر رہا ہے جو پہلے گزر چکا ہے فکتبت کتابا لا یضر اللہ ورسولہ۔ میں نے ایسا خط لکھا ہے کہ جو اللہ اور اس کے رسول کو مضر نہیں۔

واقدی کی روایت میں ہے کہ یہ خط سہیل بن عمرو اور صفوان بن امیہ اور عکرمہ بن ابی جہل کے نام تھا۔ یہ تینوں فتح مکہ میں مشرف باسلام ہوئے رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

اور ایک روایت میں ہے کہ خط کا مضمون یہ تھا:

ان محمدًا قد نفر فاما اليكم : تحقيق محمد ﷺ غزوہ کے لئے نکلنے والے
واما الى غيركم فعليكم : ہیں معلوم نہیں کہ کس طرف کا قصد ہے
الحذر (زرقانی ص ۲۹۸ ج ۲) : تمہاری طرف یا کسی اور طرف تم اپنی فکر کرو۔

حق جل شانہ نے حاطب کے اس واقعہ میں سورہ ممتحنہ نازل فرمائی یعنی يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ
اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَاءَ تُلْقُوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ جس میں
حق جل شانہ نے کافروں سے دوستانہ تعلقات کے احکام بیان فرمائے اس سورت کی تفسیر کو
دیکھ لیا جائے۔

مدینہ منورہ سے روانگی

القصہ آل حضرت ﷺ دسویں رمضان المبارک کو دس ہزار قدسیوں کی جمعیت ہمراہ لے
کر بعد نماز عصر مدینہ منورہ سے بقصد فتح مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہوئے، (بخاری وفتح الباری ص
۸ ج ۲) اور ازواج مطہرات میں سے ام سلمہ اور میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما آپ کے ہمراہ تھیں۔

جب آپ مقام ذی الحلیفہ یا مقام جحفہ میں پہنچے تو حضرت عباس مع اہل و عیال مکہ سے
ہجرت کر کے مدینہ منورہ کو جاتے ہوئے ملے، آپ کے ارشاد سے سامان تو مدینہ بھیج دیا اور خود
آپ کے ساتھ لشکر اسلام میں شریک ہو کر بغرض جہاد پھر مکہ مکرمہ واپس ہوئے، حضرت عباس
اسلام تو پہلے ہی سے لاپچکے تھے، مگر قریش سے اپنے اسلام کو مخفی رکھتے تھے اور یہ فرمایا اے عباس
یہ تمہاری ہجرت آخری ہجرت ہے جیسے میری نبوت آخری نبوت ہے اور حضرت عیسیٰ کا مکہ میں
قیام آپ کے حکم سے تھا کہ مکہ ہی میں رہیں اور قریش کی خبریں آپ کو پہنچاتے رہیں۔

مسند ابی یعلیٰ اور معجم طبرانی میں ہے کہ قیام مکہ کے زمانہ میں عباس نے حضرت رسول
اللہ ﷺ سے ہجرت کی اجازت چاہی آپ نے ان کو جواب لکھوایا کہ اے چچا آپ اپنی ہی
جگہ قیام فرمائیں اللہ تعالیٰ آپ پر ہجرت کو ختم کرے گا جیسا کہ مجھ پر نبوت کو ختم کیا
(زرقانی ص ۳۰۰ ج ۲)

اور مقام ابواء^۱ میں ابوسفیان بن حارث^۲ اور عبداللہ بن ابی امیہ بغرض اسلام مکہ سے مدینہ آتے ہوئے ملے جو ہجرت کر کے مدینہ جا رہے تھے ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب آپ کے چچا زاد بھائی ہونے کے علاوہ آپ کے رضاعی بھائی بھی تھے۔ حلیمہ سعدیہ کا دودھ پیا تھا۔ نبوت سے پیشتر آپ کے دوست تھے کسی وقت آپ سے جدا نہ ہوتے تھے نبوت اور بعثت کے بعد محبت منقلب بہ عداوت ہو گئی اور آپ کی ہجو میں شعر بھی کہے جن کا حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا۔ ابوسفیان بن حارث کے ساتھ ان کا بیٹا جعفر بھی تھا۔

اور عبداللہ بن ابی امیہ آپ کے پھوپھی زاد بھائی تھے۔ یعنی آپ کی پھوپھی عاتکہ بنت عبدالمطلب کے بیٹے تھے، یہ بھی آپ کے شدید مخالفوں میں سے تھے۔ دونوں نے بارگاہ نبوی میں حاضری کی اجازت چاہی مگر چونکہ حضور پر نور کو ان دونوں سے تکلیفیں بہت پہنچی تھیں اس لئے آپ نے ان سے اعراض فرمایا اور حاضری کی اجازت نہیں دی ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے سفارش کی اور عرض کیا یا رسول اللہ ایک آپ کے چچا کا بیٹا ہے اور دوسرا آپ کی پھوپھی کا بیٹا ہے، آپ نے فرمایا مجھے ان سے ملنے کی ضرورت نہیں ابن عم نے میری آبروریزی کی اور پھوپھی کا بیٹا وہی شخص ہے جس نے مکہ میں یہ کہا تھا کہ خدا کی قسم تجھ پر ہرگز ایمان نہ لاؤں گا یہاں تک کہ تو سیڑھی لگا کر آسمان پر چڑھ جائے اور میں کچشم خود تجھ کو دیکھ رہا ہوں اور پھر تو ایک دستاویز لے کر آسمان سے اترے اور چار فرشتے تیرے ساتھ ہوں اور یہ گواہی دیں گے تجھ کو اللہ نے رسول بنا کر بھیجا ہے، پھر بھی میں تجھ پر ایمان نہ لاؤں گا۔

ام سلمہ نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ کے مکارم اخلاق سے یہ اُمید ہے کہ آپ کے خوانِ نعمت سے آپ کا چچا زاد بھائی اور پھوپھی زاد بھائی۔ سب سے زیادہ محروم اور بد نصیب نہ رہے گا جب آپ کا رحم اور عفو عام ہے تو پھر یہی کیوں محروم رہیں۔

اقربا راکجا کنی محروم ! تو کہ بادشمنان نظر داری

ادھر ابوسفیان بن حارث نے یہ کہا کہ اگر آپ اپنی بارگاہ میں حاضری کی اجازت نہ دیں گے تو میں اپنے بیٹے جعفر کو لے کر کسی صحرا میں نکل جاؤں گا اور وہیں بھوکا اور پیاسا مر

^۱ ابواء فتح الباقریہ بین مکہ والمدینہ ۱۲

^۲ ابوسفیان ابن حارث ہیں جو مشہور ابوسفیان کے

جاؤں گا۔ آنحضرت ﷺ نے ام المؤمنین کی شفاعت اور ان دونوں کی اس درجہ خجالت و ندامت کو سن کر حاضری کی اجازت دی۔ حاضر ہوتے ہی دونوں مشرف باسلام ہوئے اور مسلمانوں کے ہمراہ مکہ روانہ ہوئے۔

حافظ ابن عبد البر اور محب طبری راوی ہیں۔ کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ابوسفیان بن حارث کو یہ مشورہ دیا کہ آپ کے چہرہ انور کے سامنے کھڑے ہو کر وہ کہیں جو یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے یوسف علیہ السلام سے کہا تھا، یعنی:-

تَاللّٰهِ لَقَدْ اَثَرَكَ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَاِنْ كُنَّا لَخَاطِئِيْنَ ۔ ۱۔
 قسم ہے اللہ کی بے شک اللہ نے آپ کو ہم پر فضیلت دی اور بلاشبہ ہم قصور وار ہیں۔

حضرت علی نے سامنے سے آنے کا مشورہ اس لئے دیا کہ چہرہ انور کی حیا اور چشمہائے شرمیلیں آپ کے اور عتاب کے درمیان حائل بن جائیں چنانچہ ایسا ہی ہوا اور رحمت عالم اور حیا مجسم ﷺ کی زبان سے یہ جواب نکلا۔

لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ۖ آج کے دن تم پر کوئی الزام اور ملامت نہیں
يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ وَهُوَ اَرْحَمُ ۖ اللہ تمہارا قصور معاف کرے وہ سب
الرَّاحِمِيْنَ ۝ مہربانوں سے بڑھ کر مہربان ہے۔

ابوسفیان کی معذرت قبول ہوئی اور حسب ارشاد نبوی الاسلام یهدم ما کان قبلہ اسلام کی کہدال نے ابوسفیان بن حارث کے قلب کو کھود کر ایسا صاف کر دیا کہ اب اس میں آپ کی خاطر عاطر کی کدورت کا کوئی ریزہ باقی نہ چھوڑا اور ایمان و احسان اور اخلاص و ایقان کو کوٹ کوٹ کر ان کے دل میں ایسا بھر دیا کہ باہر سے کفر کا کوئی غبار اور ذرہ اُڑ کر ان کے دل میں نہ پہنچ سکے اور اسی وقت سے اللہ اور اُس کے رسول کی راہ میں جان بازی اور سرفروشی کے لئے آپ کے ہمراہ ہوئے۔

کہا جاتا ہے کہ ابوسفیان بن حارث نے حیا کی وجہ سے مدۃ العمر آپ کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھا اور آنحضرت ﷺ اُن کے لئے جنت کی شہادت دیتے تھے۔

(روزنامہ ص ۳۰۰ ج ۲ تا ص ۳۰۲ ج ۲)

رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ وَارْضَاهُ۔

اور گزشتہ قصور کی معذرت میں کچھ اشعار کہے:-

لَعَمْرُكَ اَنِي يَوْمَ اَحْمِلُ رَايَةً لَتَغْلِبَ خَيْلُ اللَّاتِ خَيْلَ مُحَمَّدٍ
قسم ہے آپ کی زندگی کی تحقیق جس دن میں نے جھنڈا اس لئے اٹھایا تھا کہ
لات کا لشکر محمد (ﷺ) کے لشکر پر غالب آجائے۔

لَكَ الْمَدْلَجُ الْحَيْرَانُ اَظْلَمَ لَيْلُهُ فَهَذَا اَوَانِي حِينَ اُهْدَى وَاهْتَدَى
تو اس دن میں اندھیری رات میں چلنے والے کی طرح حیران و پریشان تھا اور
بحمد اللہ اب یہ وقت ہے کہ من جانب اللہ ہدایت دیا جا رہا ہوں اور ہدایت پا
رہا ہوں۔

اور اس کے علاوہ اور بھی معذرت میں اشعار کہے (دیکھو سیرۃ ابن ہشام ص ۴۳ ج ۲)
اور عبد اللہ بن ابی امیہ رضی اللہ عنہ کا اسلام لانے کے بعد یہ حال رہا کہ حیاء کی وجہ سے
حضور پر نور کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھ سکتے تھے۔

آں حضرت ﷺ جس وقت مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے تھے اس وقت آپ اور
صحابہ روزہ سے تھے۔ مقام کدیدا میں پہنچ کر صحابہ کی مشقت کے خیال سے آپ نے روزہ
افطار فرمایا صحابہ نے بھی آپ کی اقتداء میں روزہ توڑ دیا۔ (بخاری شریف)

اول تو سفر فی نفسہ تعب اور مشقت ہے اور پھر وہ بھی جہاد کے لئے اور موسم گرما میں اس
لئے افطار فرمایا کہ ایسی حالت میں اگر روزہ رکھا گیا۔ تو ضعف اور ناتوانی کی وجہ سے جہاد فی
سبیل اللہ کا فریضہ ادا نہیں ہو سکے گا۔ اسی وجہ سے حدیث میں ہے لیس من البر الصيام فی
السفر۔ سفر میں روزہ رکھنا بھلائی اور نیکی نہیں۔ ہاں اگر سفر جہاد نہ ہو اور سفر میں کوئی خاص
مشقت نہ ہو تو پھر روزہ رکھنا ہی افضل ہے۔ رمضان کے روزہ کی اگرچہ قضاء ممکن ہے لیکن
رمضان کے انوار و تجلیات اور فرشتوں کے ہر وقت عروج و نزول کی برکات شیطین کے پیروں
میں بیڑیاں پڑ جانا جنت اور رحمت کے دروازوں کا کھل جانا اور جہنم کے دروازوں کا بند ہو جانا
اور حَقَّافِ کتاب اللہ کا لیل و نہار کلام اللہ کی تلاوت میں سرشار رہنا اور فرشتوں کا حلقہ ہائے ذکر
ایہ مقام مکہ مکرمہ سے بہتر میل کے فاصلہ پر ہے۔

اور مجالس تسبیح و تہلیل اور تلاوت قرآن کی محفلوں کو تلاش کرتے پھرنا یہ باتیں رمضان کے سوا دوسرے مہینہ میں کہاں میسر آ سکتی ہیں۔ اسی وجہ سے حق تعالیٰ شانہ ارشاد فرماتے ہیں:-

وَأَنْ تَصُومُوا خَيْرٌ لَّكُمْ يَٰٓعِزِّي ۖ أَعْلَمُ بِمَا تَصِفُونَ ۚ

اور رکھنا اولیٰ اور افضل ہے اور یہی امام اعظم ابو حنیفہ کا مسلک ہے کہ سفر میں روزہ افضل ہے فتح مکہ کے ارادہ سے جو دس ہزار قدوسیوں کا لشکر ظفر پیکر سفر کر رہا تھا وہ جہاد فی سبیل اللہ اور اعلاء کلمۃ اللہ کی غرض سے تھا، اس کے لئے نماز کو بھی مؤخر کیا جاسکتا ہے جو روزہ سے بلاشبہ افضل ہے۔ اور دین کا ستون ہے اور ایمان کے بعد سب سے افضل اور بہتر عمل ہے۔ لہذا سفر جہاد میں روزہ کا افطار ہی اولیٰ اور افضل ہے۔ خداوند ذوالجلال کی راہ میں جانبازی اور سرفروشی کے لئے نکل کھڑا ہونا یہ وہ نعمت ہے کہ جس پر آسمان اور زمین کے فرشتے رشک کرتے ہیں۔ ایسی حالت میں روزہ افطار کرنے سے اگرچہ تسبیح و تہلیل اور تحمید و تمجید اور نزول ملائکہ کی برکات سے زیادہ مستفید نہ ہو سکا۔ لیکن خدا کی راہ میں جانبازی اور سرفروشی کے لئے والہانہ اور عاشقانہ صبح اور شام کے جلنے میں قرب الہی کی ہزاروں اور لاکھوں ایسی منزلیں طے ہو گئیں کہ اگر ہزار سال بھی مسلسل تسبیح و تہلیل کرتا تو قرب خداوندی کے یہ منازل و مراحل اُس کو طے نہ ہوتے جو جہاد کے چند قدموں میں طے ہو جاتے ہیں۔ ظاہر میں سات میل کی منزل قطع کی لیکن حقیقت میں سبع سموات سے اوپر پہنچا۔ یہ تو پراگندہ سر۔ اور پراگندہ بال۔ برہنہ سر اور برہنہ پا اپنی وہ جان عزیز جس کو بمعاضہ جنت خداوند ذوالجلال کے ہاتھ بیچ کر چکا ہے خدا کو دینے اور سپرد کرنے جا رہا ہے تاکہ جلد از جلد اس کو اُس کے مشتری (خداوندی تعالیٰ) کے حوالہ کر کے اپنی قیمت (یعنی جنت) وصول کرے مبادا کوئی قزاق اور رہزن (یعنی کوئی شیطان) اس بیع کو کوئی نقصان نہ پہنچا دے کہ خداوند ذوالجلال سے کیا کر یا سودا نہ بگڑ جائے اور بعد میں کف افسوس ملنا پڑے اور آسمان وزمین کے فرشتے ممکنہ کی باندھے ہوئے رشک کی نگاہوں سے اس کو دیکھ رہے ہیں۔

مقام مرّ الظہر ان میں پڑاؤ

مقام کدید سے چل کر عشاء کے وقت آپ مَرَّ الظہر ان میں پہنچے اور وہاں پہنچ کر پڑاؤ ڈالا اور لشکر کو حکم دیا کہ ہر شخص اپنے خیمہ کے سامنے آگ ساگائے۔ عرب کا قدیم دستور تھا کہ لشکروں

میں آگ روشن کیا کرتے تھے، اسی کے موافق آپ نے یہ حکم دیا قریش کو اپنی بد عہدی کی وجہ سے دغدغہ لگا ہوا تھا کہ نہ معلوم رسول اللہ ﷺ کس وقت ہم پر چڑھائی کر بیٹھیں۔ چنانچہ ابو سفیان بن حرب اور بدیل بن ورقاء اور حکیم خبر لینے کی غرض سے مکہ سے نکلے جب مر الظهران کے قریب پہنچے تو لشکر نظر آیا۔ گھبرا گئے۔ ابوسفیان نے کہا کہ یہ آگ کیسی ہے، بدیل نے کہا یہ آگ قبیلہ خزاعہ کی ہے ابوسفیان نے کہا خزاعہ کے پاس اتنا لشکر کہاں سے آیا وہ بہت قلیل ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کے چوکیداروں نے دیکھتے ہی ان لوگوں کو گرفتار کر لیا، ان لوگوں نے چوکیداروں سے دریافت کیا تم میں یہ کون ہے انہوں نے جواب دیا کہ یہ رسول اللہ ﷺ ہیں اور ہم آپ کے اصحاب ہیں گفتگو ہو رہی تھی کہ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ ﷺ کے خچر پر گشت لگاتے ہوئے ادھر آنکلیے اور ابوسفیان کی آواز پہچان کر فرمایا۔ افسوس اے ابوسفیان یہ رسول اللہ ﷺ کا لشکر ہے۔ خدا کی قسم اگر تجھ پر فتح یاب ہو گئے تو تیری گردن اڑا دیں گے اور قریش کی اس میں بہتری ہے کہ آپ سے امن کے خواستگار ہو جائیں اور اطاعت قبول کر لیں۔ ابوسفیان کہتے ہیں کہ میں آواز سن کر اسی سمت میں ڈھونڈتا ہوا حضرت عباس تک پہنچا اور کہا اے ابوالفضل (حضرت عباس کی کنیت ہے) میرے ماں باپ تم پر فدا ہوں پھر رہائی اور مخلصی کی کیا صورت ہے، عباسؓ نے کہا میرے پیچھے اس خچر پر سوار ہو جا۔ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لے کر جھکو حاضر ہوتا ہوں تاکہ تیرے لئے امن حاصل کروں۔ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کو اپنے ہمراہ لے کر لشکر اسلام دکھلاتے ہوئے روانہ ہوئے جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سے گزرنے لگے تو حضرت عمر دیکھتے ہی پیچھے جھپٹے اور کہا یہ ابوسفیان اللہ اور اس کے رسول کا دشمن ہے الحمد للہ بغیر کسی عہد اور اقرار کے ہاتھ آ گیا ہے حضرت عمر پیادہ پا تھے اور حضرت عباس ابوسفیان کو ہمراہ لئے ہوئے خچر پر سوار تھے نہایت تیزی کے ساتھ آپ کی خدمت میں پہنچے اور عرض کیا یا رسول اللہ یہ ابوسفیان اللہ اور اُس کے رسول کا دشمن ہے الحمد للہ بغیر کسی عہد اور پیمان کے آج ہاتھ آ گیا ہے، جھکو اجازت دیجئے کہ ابھی اس کی گردن اڑا دوں۔ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ میں نے اس کو اپنی پناہ میں لے لیا ہے حضرت عمر تلوار لئے کھڑے ہیں اور بار بار وہی عرض کر رہے ہیں۔ ابوسفیان کے قتل کے لئے آپ کے اشارے کے منتظر ہیں۔ حضرت عباس نے جھلا کر

کہا اے عمر ذرا ٹھہرو اگر یہ بنو عدی سے ہوتا تو تم اس کے قتل پر اس درجہ اصرار نہ کرتے چونکہ تم جانتے ہو کہ وہ بنی عبد مناف میں سے ہیں، اس لئے تم اس کے قتل پر اصرار کر رہے ہو حضرت عمر نے کہا اے عباس خدا کی قسم تمہارا اسلام مجھے اپنے باپ خطاب کے اسلام سے زیادہ محبوب تھا اور میرا باپ اگر اسلام لاتا تو مجھ کو اتنی مسرت نہ ہوتی جتنی کہ تمہارے اسلام سے ہوئی اس لئے کہ میں خوب جانتا تھا کہ رسول اللہ ﷺ کو تمہارا اسلام خطاب کے اسلام سے زیادہ محبوب تھا۔ تمہاری نسبت میرا تو یہ خیال ہے تم جو چاہے سمجھو۔

رسول اللہ ﷺ نے حضرت عباس کو حکم دیا کہ ابوسفیان کو اپنے خیمہ میں لے جاؤ۔ صبح کو میرے پاس لانا ابوسفیان تو شب بھر حضرت عباس کے خیمہ میں رہے اور حکیم بن حزام اور بدیل بن ورقاء اسی وقت بارگاہ نبوی میں حاضر ہو کر مشرف باسلام ہوئے کچھ دیر تک رسول اللہ ﷺ اُن سے مکہ کے حالات دریافت فرماتے رہے۔ اسلام لانے کے بعد یہ دونوں مکہ واپس ہو گئے تاکہ اہل مکہ کو آپ کی آمد سے مطلع کریں۔

ابوسفیان کا اسلام

صبح ہوتے ہی حضرت عباس ابوسفیان کو لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ حضرت ﷺ نے ابوسفیان کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا، افسوس اے ابوسفیان کیا وقت نہیں آ گیا کہ تو یقین کرے لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔

(ابوسفیان) میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں آپ نہایت ہی حلیم و کریم اور نہایت ہی صلہ رحمی کرنے والے ہیں۔ خدا کی قسم اگر اللہ کے سوا اور کوئی معبود ہوتا تو آج ہمارے کچھ کام آتا۔ اور آپ کے مقابلہ میں اُس سے مدد چاہتا۔

(رسول اللہ ﷺ) افسوس اے ابوسفیان کیا تیرے لئے ابھی وقت نہیں آیا کہ تو مجھ کو اللہ کا رسول جانے۔

(ابوسفیان) میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں بے شک آپ نہایت حلیم و کریم اور سب سے زیادہ صلہ رحمی کرنے والے ہیں۔ ابھی تک مہربانی کر رہے ہیں کہ باوجود میری اس عداوت کے مجھ پر مہربانی ہے مجھے اسی میں ذرا تردد ہے آپ نبی ہیں یا نہیں۔

بعد ازاں حضرت عباس کے سمجھانے سے ابوسفیان نے اسلام قبول کر لیا۔ ابوسفیان کے مسلمان ہو جانے کے بعد حضرت عباس نے عرض کیا یا رسول اللہ۔ ابوسفیان سردارانِ مملکت سے ہے فخر کو پسند کرتا ہے لہذا آپ اُس کے لئے کوئی ایسی شیء مقرر کر دیں جو اس کے لئے باعثِ عزت و شرف اور موجب امتیاز ہو۔ آپ نے ارشاد فرمایا اچھا اعلان کر دو کہ جو شخص ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو وہ مامون ہے ابوسفیان نے کہا یا رسول اللہ میرے گھر میں سب آدمی کہاں سما سکتے ہیں۔ آپ نے فرمایا اور جو شخص مسجد حرام میں داخل ہو جائے وہ بھی مامون ہے۔

ابوسفیان نے کہا یا رسول اللہ مسجد بھی کافی نہیں ہو سکتی آپ نے فرمایا اچھا جو شخص اپنا دروازہ بند کر لے وہ بھی مامون ہے، ابوسفیان نے کہا ہاں اس میں بہت وسعت اور گنجائش ہے۔ اس کے بعد آلِ حضرت ﷺ جب مر الظهران سے روانہ ہونے لگے تو حضرت عباس کو حکم دیا کہ ابوسفیان کو لے کر پہاڑ پر کھڑے ہو جائیں تاکہ لشکرِ اسلام کو بخوبی دیکھ سکے۔ چنانچہ یکے بعد دیگر جب قبائلِ جوق در جوق گزرنے لگے تو ابوسفیان دنگ رہ گیا۔ اور یہ کہا تمہارے بھتیجے کا ملک بہت بڑا ہو گیا۔ حضرت عباس نے کہا یہ بادشاہت نہیں بلکہ نبوت ہے۔ (یعنی جیسے داؤد علیہ السلام اور سلیمان علیہ السلام کی شان و شوکت ظاہر اور صورت کے لحاظ سے سلطنت تھی۔ مگر معنی اور حقیقت کے لحاظ سے نبوت تھی اس لئے کہ وہ خارقِ عادت تھی، ظاہری اسباب اور مادیت پر مبنی نہ تھی ہوائی جہاز مادیت اور صنعت کے زور سے اڑتا ہے اور تختِ سلیمان۔ بلا کسی مادی اور بلا کسی ظاہری سبب کے بطور خرقِ عادت اڑتا تھا۔ یہ ان کی نبوت کی دلیل تھی بطور معجزہ اُن کو یہ شان و شوکت دی گئی تھی تاکہ سلاطینِ عالم اپنی مادی طاقت کو اس غیبی طاقت کے مقابلہ میں ہیچ سمجھیں اور خدا کے نبی کے سامنے گردن تسلیم خم کر دیں)۔ اسی طرح آلِ حضرت ﷺ کی اس شان و شوکت کو سمجھو کہ ظاہر میں بادشاہت معلوم ہوتی ہے مگر درحقیقت نبوت و پیغمبری ہے۔

جو قبیلہ سامنے سے گذرتا تھا۔ ابوسفیان پوچھتا جاتا تھا کہ یہ کون قبیلہ ہے سب سے پہلے خالد بن ولید ایک ہزار یا نو سو کے دستہ کو لے کر گزرے۔ بعد ازاں اور مختلف دستے گزرے تا آنکہ اخیر میں کوکبہ نبوی ظاہری اور باطنی حال اور شکوہ کے ساتھ مہاجرین و انصار کے مسلح اور زرہ پوش گروہ کے جلو میں جلوہ افروز ہوا۔ مہاجرین کا علم حضرت زبیر کے ہاتھ میں

تھا اور انصار کا علم سعد بن عبادہ کے ہاتھ میں تھا۔ سعد بن عبادہ جب ادھر سے گزرے تو ابو سفیان کو دیکھ کر جوش آگیا اور جوش یہ کہہ بیٹھے۔

اليوم يوم الملحمة اليوم
تستحل الكعبة
آج کا دن لڑائی کا دن ہے آج کعبہ میں قتل و
قتال حلال ہوگا۔

ابو سفیان نے گھبرا کر دریافت کیا کہ یہ کون لوگ ہیں حضرت عباس نے کہا کہ یہ
مہاجرین و انصار کا لشکر ہے جس میں رسول اللہ ﷺ جلوہ فرما ہیں۔

سامنے سے جب رسول اللہ ﷺ گزرے تو ابو سفیان نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا
آپ نے سعد بن عبادہ کو اپنی قوم کے قتل کا حکم دیا ہے اور سعد کا قول نقل کیا اور عرض کیا
یا رسول اللہ میں آپ کو اللہ کا اور قرابتوں کا واسطہ دیتا ہوں نیکی اور صلہ رحمی میں آپ سب سے
بڑھ کر ہیں۔ آپ نے فرمایا:

يَا ابا سفیان اليوم يوم المرحمه
يعزالله فيه قريشا
اے ابو سفیان آج کا دن مہربانی کا دن ہے
جس میں اللہ قریش کو عزت بخشے گا۔

اور بخاری کی روایت میں ہے کہ یہ ارشاد فرمایا:

كذب سعد ولكن هذا يوم
يعظم الله فيه الكعبة و يوم
تكسى فيه الكعبة
سعد نے غلط کہا آج خانہ کعبہ کی عظمت کا دن
ہے اور خانہ کعبہ کو غلاف پہنایا جائے گا۔

اور یہ حکم دیا کہ علم سعد بن عبادہ کے ہاتھ سے لے کر ان کے بیٹے قیس کو دے دیا
جائے۔ ابن عساکر کی روایت میں ہے کہ جب آل حضرت ﷺ سامنے سے گزرے تو
قریش کی ایک خاتون نے یہ شعر پڑھے۔

يَانبِيَّ الْهَدَى إِلَيْكَ لَجَأٌ حَيٌّ قَرِيشٌ وَلَاتِ حِينُ الْجَاءِ
اے نبی ہدایت قریش نے آپ کی طرف پناہ لی ہے حالانکہ یہ وقت پناہ کا نہیں ہے۔

حضرت سعد سے جوش اور غلبہ حال میں ایک لفظ زبان سے نکل گیا جو مناسب نہ تھا اس لئے آپ نے جھنڈا ان کے
ہاتھ سے لے لیا مگر ان کے دل شکنی کے خیال سے اُن کے بیٹے ہی کو دیا صورتہ تو لے لیا مگر معنی انہیں کے پاس رہا۔ جس
درجہ کی اغرش تھی اسی درجہ کی تنبیہ فرمائی۔ کل سے لے لیا اور جزو کو دیا اور جزو کل کے مخیر نہیں ہوتا۔ منہ عفا اللہ عنہ۔

حین ضاقت علیہم سعة الارض و عاذاهم الہ السماء
جس وقت وسیع زمین ان پر تنگ ہو گئی و اللہ ان کا دشمن ہو گیا۔

ان سعد ایرید قاصمة الظهر باهل الحجون والبطحاء
تحقیق سعد بن عبادہ اہل حجون اور اہل بطحاء کی کمر توڑ دینا چاہتا ہے۔

بعد ازاں ابوسفیان! آپ سے رخصت ہوا۔ اور غلت کر کے مکہ واپس آ گیا اور باواز
بلند یہ اعلان کیا کہ محمد (ﷺ) لشکر کے ساتھ آرہے ہیں۔ میری رائے میں کسی کو یہ طاقت
نہیں کہ ان سے مقاومت کر سکے اسلام لے آؤ سلامت رہو گے۔ البتہ جو شخص مسجد حرام
میں داخل ہو جائے اس کو امن ہے یا جو شخص میرے گھر میں داخل ہو جائے اُس کو بھی امن
ہے یا جو شخص اپنا دروازہ بند کر لے یا ہتھیار ڈال دے اس کو بھی امن ہے ابوسفیان کی بیوی
ہندہ نے ان کی مونچھ پکڑ لی اور یہ کہا اے بنی کنانہ یہ پیر فرتوت بیوقوف ہو گیا ہے۔ معلوم
نہیں کیا کیا بک رہا ہے اور بہت گالیاں دیں لوگ جمع ہو گئے ابوسفیان نے کہا اس وقت ان
باتوں سے کچھ نہ ہوگا اے لوگو تم اس عورت کے دھوکہ میں ہرگز نہ آنا۔

کوئی شخص محمد (ﷺ) کا مقابلہ نہیں کر سکتا جو شخص مسجد حرام میں داخل ہو جائے اُس کو
امن ہے اور جو شخص میرے گھر میں داخل ہو جائے اس کو بھی امن، لوگوں نے کہا ارے کمبخت
خدا تجھے ہلاک کرے تیرے گھر میں کتنے آدمی آسکیں گے ابوسفیان نے کہا کہ جو اپنے گھر کا
دروازہ بند کر لے اُس کو بھی امن ہے۔

اور ابوسفیان نے اپنی بیوی ہندہ سے کہا کہ خیریت اسی میں ہے کہ تو اسلام لے آور نہ
ماری جائے گی۔ جا اپنے گھر کا دروازہ بند کر کے بیٹھ۔ میں سچ کہہ رہا ہوں۔ لوگ اس اعلان
کو سنتے ہی بھاگے کوئی مسجد حرام کی طرف اور کوئی اپنے گھر کی طرف۔

مکہ مکرمہ میں داخلہ

اس کے بعد آں حضرت ﷺ کداء کی جانب سے مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے اور مکہ

میں داخل ہوتے وقت آں حضرت ﷺ نے کعبۃ اللہ کے ادب اور احترام کو غایت درجہ ملحوظ رکھا۔ تواضع کے ساتھ سر جھکائے ہوئے داخل ہوئے شاہانہ شان سے داخل نہیں ہوئے۔ صحیح بخاری میں عبد اللہ بن مغفل رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے مروی ہے کہ میں نے فتح مکہ کے دن رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ ناقہ پر سوار ہیں اور خوش الحانی کے ساتھ سورۃ انا فتحنا پڑھ رہے ہیں۔

اس عظیم الشان فتح کے وقت مسرت اور نشاط فرحت اور انبساط کے آثار کے ساتھ بارگاہ خداوندی میں تشیع اور تضرع تذلل اور تمسکین کے آثار بھی چہرۃ النور پر نمایاں ہو رہے تھے۔ ناقہ پر سوار تھے تواضع سے گردن اس قدر جھکی ہوئی تھی کہ ریش مبارک کجاوہ کی لکڑی سے مس کر رہی تھی (رواہ ابن السلق مرسلًا) اور آپ کے خادم اور خادم زادہ اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ آپ کے ردیف تھے۔ (بخاری شریف)

حضرت انسؓ راوی ہیں کہ جب آپ مکہ میں فاتحانہ داخل ہوئے تو تمام لوگ آپ کو دیکھ رہے تھے لیکن آپ تواضع کی وجہ سے سر جھکائے ہوئے تھے۔ (رواہ الحاکم ہندجید) معجم طبرانی میں ابوسعید خدری سے مروی ہے کہ فتح مکہ کے دن آپ نے فرمایا کہ یہ وہ ہے کہ جس کا اللہ نے مجھ سے وعدہ فرمایا تھا اور پھر یہ سورۃ تلاوت فرمائی إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ (زرقانی ص ۳۲۰ ج ۲)

آں حضرت ﷺ کی نظر مبارک اس پر تھی کہ ایک وہ وقت تھا کہ میں نے اسی شہر سے کس بے کسی اور کس بے بسی کے ساتھ ہجرت کی تھی اور دشمنوں سے گریزاں اور تنہا یہاں سے نکلا تھا۔ اب وہ وقت آیا کہ حق تعالیٰ کی اعانت اور نصرت سے اسی شہر میں نہایت شان و شوکت کے ساتھ فاتحانہ داخل ہو رہا ہے۔ وَذَلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَاءُ

اس لئے حضور پر نور کا سر مبارک تواضع سے خم تھا اور پالان شتر پر سر رکھے ہوئے سجدۂ شکر بجالا رہے تھے اور جوش مسرت میں ترنم اور خوش الحانی کے ساتھ انا فتحنا اور اذا جاء نصر اللہ پڑھ رہے تھے کہ بے شک یہ فتح مبین اور یہ نصرت سراپا شوکت و عظمت، محض اللہ تعالیٰ کا فضل اور انعام ہے کہ حق کو حکومت عطا ہوئی اور باطل سرنگوں ہوا اسلام اور ایمان کا نور چمکا اور کفر کی ظلمتیں دور ہوئیں اور سرزمین حرم کفر اور شرک کی نجاستوں سے پاک ہوئی۔

آں حضرت ﷺ کداء میں سے گزرتے ہوئے بالائی جانب سے مکہ میں داخل ہوئے اور خالد بن ولید کو اسفل مکہ مقام کدیٰ ۲ سے داخل ہونے کا اور زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اعلیٰ مکہ یعنی مقام کداء میں سے داخل ہونے کا حکم دیا اور یہ تاکید فرمادی کہ تم خود ابتداء بالقتال نہ کرنا جو شخص تم سے تعرض کرے صرف اس سے لڑنا۔ بعد ازاں آپ نہایت ادب و احترام کے ساتھ مکہ میں داخل ہوئے۔

جب آپ مکہ میں داخل ہوئے تو اول ام ہانی بنت ابی طالب کے گھر تشریف لے گئے اور غسل کر کے آٹھ رکعت نماز ادا فرمائی۔ یہ چاشت کا وقت تھا۔ (بخاری)

اصطلاح علماء میں اس نماز کو صلاۃ الفتح کہتے ہیں۔ اور امراء اسلام کا یہ طریق رہا ہے کہ جب کسی شہر کو فتح کرتے تھے تو فتح کے شکریہ میں آٹھ رکعت نماز پڑھتے تھے۔ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب مدائن کو فتح کیا اور ایوان کسریٰ میں داخل ہوئے تو آٹھ رکعت نماز ایک سلام سے ادا فرمائی۔ (روض الانف ص ۲۷۳ ج ۲)

غالباً اسی وجہ سے امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ قول ہے کہ آٹھ رکعت سے زیادہ ایک سلام سے پڑھنا مکروہ ہے ام ہانی نے آں حضرت ﷺ سے عرض کیا یا رسول اللہ میرے

۱۔ کداء فتح کاف والف معدودہ مکہ کی بالائی جانب کو کہتے ہیں اور کدیٰ ضم کاف اور الف مقصورہ کے ساتھ مکہ کی جانب اسفل کو کہتے ہیں۔ مقام کداء۔ وہ مقام ہے کہ جس جگہ ابراہیم علیہ السلام نے کھڑے ہو کر لوگوں کو حج کے لئے پکارا تھا۔ کما قال تعالیٰ۔

وَأَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَأْتُوكَ رِجَالًا وَعَلَىٰ كُلِّ ضَامِرٍ يَأْتِينَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيقٍ (انج آیت ۲۷)

اور لوگوں میں حج کی منادی کر دے آویں گے تیرے پاس پیادہ اور ڈبلے اونٹوں پر ہر دور دراز راہ سے اور اسی مقام پر اپنی ذریت کے لئے یہ دعا فرمائی ہے جو قبول ہوئی۔

رَبَّنَا إِنِّي أَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِي بِوَادٍ غَيْرِ ذِي زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِيُقِيمُوا الصَّلَاةَ فَاجْعَلْ أَفْتِدَةً بَيْنَ النَّاسِ تَهَوى إِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِنْ الثَّمَرَاتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُونَ (ابراہیم آیت ۳۷)

اے پروردگار میں نے اپنی بعض اولاد کو ایسے میدان میں بسایا ہے جہاں کھیتی کا نام و نشان نہیں۔ تیرے محترم گھر کے قریب اے پروردگار غرض یہ ہے کہ نماز کا خاص اہتمام رکھیں سو کچھ لوگوں کے دل ان کی طرف مائل کر دیجئے اور ان کے لئے پھل عطا کر تا کہ تیری نعمتوں کا شکر کریں۔

اس لئے آں حضرت ﷺ مکہ میں اس مقام سے داخل ہوئے کہ جہاں اُس کے ہائی نے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی تھی (روض الانف ص ۲۷۰ ج ۲)

۲۔ حضرت خالد کو اسفل مکہ سے داخل ہونے کا حکم اس لئے دیا کہ مقابلہ اور مقاتلہ کیلئے تمام اوباش اسی جانب میں جمع تھے۔ (زرقانی ص ۳۰۹ ج ۲)

شوہر کے دورشتہ دار بھاگ کر میرے گھر میں آ گئے ہیں جن کو میں نے پناہ دی اور میرا بھائی علی ان کو قتل کرنا چاہتا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ جس کو ام ہانی نے پناہ دی اس کو ہم نے بھی پناہ دی، علی کو چاہئے کہ ان دو آدمیوں کو نہ مارے۔

نماز سے فارغ ہو کر شعب ابی طالب میں تشریف لے گئے جہاں آپ کا خیمہ نصب کیا گیا تھا، صحابہ نے مکہ میں داخل ہونے سے ایک روز پیشتر ہی آپ سے دریافت کر لیا تھا کہ آپ مکہ میں کہاں قیام فرمائیں گے۔ آپ نے فرمایا جہاں قریش اور کنانہ نے بنی ہاشم اور بنی المطلب کو محصور کیا تھا۔ اور آپس میں یہ عہد اور حلف کیا تھا کہ بنی ہاشم اور بنی المطلب سے خرید و فروخت شادی اور بیاہ کے تمام تعلقات قطع کر دیئے جائیں جب تک محمد (ﷺ) کو ہمارے حوالے نہ کر دیں۔ شعب ابی طالب اسی مقام کا نام ہے۔

صحیح مسلم میں ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے انصار کو بلا کر فرمایا کہ قریش نے کچھ اوباش تمہارے مقابلہ کے لئے جمع کیے ہیں وہ اگر مقابلہ پر آئیں تو ان کو کھیتی کی طرح کاٹ کر رکھ دینا۔

صفوان بن امیہ اور عکرمہ بن ابی جہل اور سہیل بن عمرو نے مقام خندمہ میں بقصد مقابلہ کچھ اوباشوں کو جمع کیا۔ خالد بن ولید سے مقابلہ ہوا مسلمانوں میں سے دو شخص شہید ہوئے۔ خنیس بن خالد بن ربیعہ اور کرز بن جابر فہری اور مشرکین میں سے بارہ یا تیرہ آدمی مارے گئے۔ باقی سب بھاگ اٹھے۔

یہ ابن اسحاق کی روایت ہے۔

اور مغازی موسیٰ بن عقبہ میں ہے کہ خالد بن ولید جب اسفل مکہ سے داخل ہوئے تو بنو بکر اور بنو حارث بن عبدمنہ اور کچھ لوگ قبیلہ ہذیل کے اور کچھ اوباش قریش مقابلہ کے لئے جمع تھے۔ حضرت خالد کے پہنچتے ہی ان لوگوں نے ہلکے بول دیا۔ خالد بن ولید نے جب

۱ البدایہ والنہایہ، ج ۴، ص ۲۹۹، ۳۰۰۔ ۲ زرقانی، ج ۲، ص ۳۲۳، فتح الباری ج ۸، ص ۱۶۔

۳ اس روایت کی بنا پر مشرکین میں سے صرف بارہ یا تیرہ آدمی مارے گئے اور موسیٰ بن عقبہ اور ابن سعد اور واقدی کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ تینتیس یا چوبیس آدمی مارے گئے۔ اور یہی روایت زیادہ مستند ہے اور اقل۔ اکثر کے منافی نہیں اور ممکن ہے کہ مقتولین کی مجموعی تعداد چوبیس ہو اور صرف مقام خندمہ میں بارہ یا تیرہ آدمی مارے گئے ہوں۔ اور باقی دوسرے مقام پر واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

ان کا مقابلہ کیا تو تاب نہ لاسکے شکست کھا کر بھاگے۔ بنو بکر میں کے تقریباً بیس آدمی اور ہذیل کے تین یا چار آدمی قتل ہوئے۔ باقی ماندہ اشخاص میں بھگتی پڑ گئی۔ کوئی مکان میں جا کر چھپا اور کوئی پہاڑ پر چڑھ گیا، ابوسفیان نے چلا کر کہا جو شخص اپنا دروازہ بند کر لے وہ امن سے ہے اور جو شخص اپنا ہاتھ روک لے وہ امن سے ہے۔ آں حضرت ﷺ کی نظر تلواروں کی چمک پر پڑی تو خالد بن ولید کو بلا کر دریافت فرمایا کہ یہ کیا ماجرا ہے میں نے تم کو قتال سے منع کیا تھا۔ خالد نے عرض کیا یا رسول اللہ میں نے ابتداء بالقتال نہیں کی۔ میں نے برابر اپنا ہاتھ روک رکھا، جب میں مجبور ہو گیا اور تلواریں ہم پر چلنے لگیں اس وقت مقابلہ کیا، آپ نے فرمایا (قضاء اللہ خیر) اللہ تعالیٰ نے جو مقدور کیا اس میں خیر ہے۔

اس کے بعد امن قائم ہو گیا اور لوگوں کو امن دے دیا اور لوگ مطمئن ہوئے اور فتح مکمل ہو گئی تو آپ مسجد حرام میں داخل ہوئے۔

مسجد حرام میں داخلہ

فتح کے بعد آں حضرت ﷺ مسجد حرام میں داخل ہوئے اور خانہ کعبہ کا طواف کیا دلائل بیہقی اور دلائل ابی نعیم میں عبد اللہ بن عمر سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب حرم محترم میں داخل ہوئے تو خانہ کعبہ کے گرد تین سو ساٹھ بت رکھے ہوئے تھے آپ ایک ایک بت کی طرف چھڑی سے اشارہ کر کے یہ پڑھتے جاتے تھے۔ جَاءَ الْحَقُّ وَ زَهَقَ الْبَاطِلُ اور بت منہ کے بل اوندھے گر جاتے تھے۔

امام بیہقی فرماتے ہیں کہ ابن عمر کی حدیث اگرچہ ضعیف ہے لیکن ابن عباس کی حدیث اس کی مؤید ہے۔^۲

حافظ عسقلانی فرماتے ہیں کہ ابن حبان نے عبد اللہ بن عمر کی حدیث کو صحیح کہا ہے۔^۳ حافظ بیہقی فرماتے ہیں کہ ابن عباس کی حدیث کو طبرانی نے روایت کیا ہے جس کے تمام راوی ثقہ ہیں اور اس حدیث کو بزار نے بھی مختصر روایت کیا ہے۔^۴

فی بطونها اولادھایا معشر قریش ان اللہ قد اذهب عنکم نخوة الجاهلیة و تعظمها بالآباء الناس من ادم وادم من تراب ثم تلا هذه الآية یا ایہا الناس انا خلقناکم من ذکر و انثی و جعلناکم شعوبا و قبائل لتعارفوا ان اکرمکم عند اللہ اتقکم۔ ان اللہ علیکم خبیر ۰ ثم قال یا معشر قریش ما ترون انی فاعل بکم قالوا خیرا اخ کریم و ابن اخ کریم قال فانی اقول لکم کما قال یوسف لاختوته لا تثریب علیکم الیوم اذهبوا فانتم الطلقاء

(زاد المعاد سیرۃ ابن ہشام و زرقانی و البدایہ و النہایہ)

ص ۳۰۰ ج ۳ و ص ۳۰۱ ج ۴)

جائے کوڑے یا لاٹھی سے اس کی دیت (خون بہا) مغلط ہے سواوٹ ہوں گے جس میں چالیس حاملہ اونٹنیاں ہوں گی۔ اے گروہ قریش اللہ تعالیٰ نے جاہلیت کی نخوت اور غرور اور آباؤ اجداد پر فخر کرنے کو باطل کر دیا۔ سب لوگ آدم سے ہیں اور آدم مٹی سے۔ اُس کے بعد یہ آیت تلاوت فرمائی۔ اے لوگو! ہم نے تم کو مرد اور عورت سے پیدا کیا اور تم کو شاخوں اور خاندانوں پر تقسیم کیا تاکہ آپس میں ایک دوسرے کو پہچانو اور حقیقت میں اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ بزرگ وہی ہے جو سب سے زیادہ خدا ترس ہو۔ اللہ تعالیٰ علیم و خبیر ہے پھر یہ ارشاد فرمایا اے گروہ قریش تمہارا میری نسبت کیا خیال ہے کہ تمہارے ساتھ کیا معاملہ کروں گا۔ لوگوں نے کہا۔ بھائی کا۔ آپ شریف بھائی ہیں اور شریف بھائی کے بیٹے ہیں آپ نے فرمایا میں تم سے وہی کہتا ہوں جو یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے کہا۔ تم پر آج کوئی عتاب اور ملامت نہیں۔ جاؤ تم سب آزاد ہو۔

عرب میں جو حسب و نسب پر فخر کرنے کا دستور چلا آ رہا تھا۔ آپ نے اس خطبہ میں

ایہ کہنے والے سہیل بن عمرو تھے جن سے آپ نے صلح حدیبیہ کی شرائط طے کی تھیں بعد میں چل کر مشرف باسلام ہوئے۔ جب آپ نے یہ ارشاد فرمایا اے گروہ قریش میری نسبت تمہارا کیا گمان ہے سہیل بن عمرو نے فی البدیہہ کہا نقول خیر او ظن خیر اخ کریم و ابن اخ کریم و قد قدرت۔ خیر ہی کہتے ہیں اور خیر ہی کا گمان رکھتے ہیں۔ آپ شریف بھائی ہیں اور شریف بھائی کے بیٹے اور انتقام پر ہر طرح قادر ہیں۔ (اصابہ ترجمہ سہیل بن عمرو)

اُس کا خاتمہ کر دیا۔ اور اسلامی مساوات کا جھنڈا نصب کر دیا اور یہ بتلادیا کہ شرف اور بزرگی کا معیار صرف تقویٰ اور پرہیزگاری ہے۔ اُن حضرت ﷺ رحمۃ اللعالمین بنا کر ہدایت عالم کے لئے مبعوث ہوئے تھے، آپ کا مقصود ہدایت تھا۔ دشمنوں سے انتقام لینا بادشاہوں کا کام ہے۔

حجابت و سقایت

خطبہ سے فارغ ہو کر آپ مسجد میں بیٹھ گئے اور بیت اللہ کی کنجی آپ کے ہاتھ میں تھی۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کھڑے ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ یہ کنجی ہم کو عطا فرما دیجئے، تاکہ سقایت زمزم کے ساتھ حجابت بیت اللہ یعنی بیت اللہ کی دربانی کا شرف بھی ہم کو حاصل ہو جائے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَ تَحْقِيقًا ﴿۵۸﴾
ذَاتِ إِلَى أَهْلِهَا (نساء، آیہ ۵۸) امانت والوں کو۔

آپ نے عثمان بن طلحہ جی کو بلا کر کنجی مرحمت فرمائی اور یہ فرمایا کہ یہ کنجی ہمیشہ کے لئے لے لو۔ (یعنی ہمیشہ تمہارے ہی خاندان میں رہے گی)

میں نے خود نہیں دی بلکہ اللہ نے تم کو دلائی ہے۔ سوائے ظالم اور غاصب کے کوئی تم سے نہ چھین سکے گا۔ ۳

بامِ کعبہ پر اذان

ظہر کی نماز کا وقت آیا تو آپ نے بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیا کہ بامِ کعبہ پر چڑھ کر اذان دیں۔ قریش مکہ دین حق کی فتح مبین کا یہ عجیب و غریب منظر پہاڑوں کی چوٹیوں سے دیکھ رہے تھے۔

۱۔ سعید بن مسیب سے مروی ہے کہ حضرت عباس نے بھی اس کی بہت کوشش کی مگر آپ نے منظور نہیں فرمایا (زوال العادۃ ۱۲)
۲۔ یعنی موسم حج میں حاجیوں کو زمزم کا پانی پلانا یہ خدمت حضرت عباس اور بنو ہاشم کے سپرد تھی ۱۲۔ فتح الباری ج ۸، ص ۱۵، زرقانی ج ۲، ص ۳۳۷-۳۳۸

اور جو سردارانِ قریش کفر و شرک کی ذلت اور دینِ برحق کی عزت کا یہ منظر نہ دیکھ سکے وہ روپوش ہو گئے ابوسفیان اور عتاب و خالد پسرانِ اسید اور حارث بن ہشام (جو بعد میں مسلمان ہو گئے) اور دیگر سردارانِ قریش صحنِ کعبہ میں بیٹھے ہوئے تھے۔ عتاب اور خالد نے کہا کہ اللہ نے ہمارے باپ کی بڑی عزت رکھ لی کہ اس آواز کے سننے سے پہلے ہی اُن کو دنیا سے اٹھا لیا۔ حارث نے کہا خدا کی قسم اگر مجھ کو یہ یقین ہو جاتا کہ آپ حق پر ہیں تو ضرور آپ کا اتباع کرتا۔ ابوسفیان نے کہا میں نہیں کہتا۔ اگر میں نے کوئی لفظ اپنی زبان سے نکالا تو یہ سنگریزے آپ کو خبر دیدیں گے۔ آپ کو بذریعہ وحی اطلاع ہو گئی جب آپ ادھر سے گزرے تو ان لوگوں سے فرمایا کہ جو کچھ تم نے کہا مجھے اس کی اطلاع ہو گئی ہے اور انہوں نے جو گفتگو کی تھی وہ سب بیان فرمادی۔ حارث اور عتاب نے کہا ہم گواہی دیتے ہیں کہ بے شک آپ اللہ کے رسول ہیں۔ اس لئے کہ ہم میں سے تو کسی نے آپ کو اس امر کی اطلاع نہیں دی (معلوم ہوا کہ اللہ ہی نے بذریعہ وحی اپنے رسول کو ہماری ان باتوں کی خبر دی ہے) (رواہ ابویعلیٰ عن ابن عباس وابن ابی شیبہ عن ابی سلمہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ)۔

آں حضرت ﷺ نے عتاب بن اسید کو مسلمان ہو جانے کے بعد مکہ کا والی مقرر فرمایا، عتاب کی عمر اُس وقت اکیس سال کی تھی اور بطور روزینہ ایک درہم یومیہ مقرر فرمایا۔ اس پر عتاب نے یہ کہا۔

آیہا الناس اجاع اللہ کبد من جاع؛ اے لوگو! اللہ اس شخص کے جگر کو بھوکا رکھے جو علی درہم (روض الانف ص ۲۷۶ ج ۲) ایک درہم میں بھی بھوکا رہے۔

نبی اکرم ﷺ کی وفات تک برابر مکہ کے امیر رہے صدیق اکبر جب خلیفہ ہوئے تو اُن کو برقرار رکھا جس دن صدیق اکبر کی وفات ہوئی اسی روز عتاب کی وفات ہوئی (استیعاب لابن عبد البر ترجمہ عتاب بن اسید)

حضرت بلال نے جس وقت بامِ کعبہ پر چڑھ کر اذان دی تو ابو محمد ورہنجی اور چند نوجوان جو اُن کے ساتھ تھے بطور تمسخر اذان کی نقل اتارنے لگے۔

ابو محمد ورہنجی خوش الحان اور بلند آواز تھے ان کی آواز گوشِ مبارک میں پہنچ گئی حکم ہوا

کہ حاضر کیے جائیں۔ دریافت فرمایا کہ تم میں سے وہ کون ہے کہ جس کی آواز میرے کان میں پہنچی ہے سب نے ابو محذورہ کی طرف اشارہ کیا۔ آپ نے سب کو چھوڑ دینے اور ان کے روک لینے کا حکم دیا۔

ابو محذورہ آپ کے سامنے کھڑے ہوئے اور دل میں یہ گمان غالب تھا کہ میں قتل کیا جاؤں گا آپ نے مجھ کو حکم دیا کہ اذان دو، بادل نا خواستہ اذان دی۔ اذان کے بعد آپ نے تھیلی عطا کی جس میں کچھ درہم تھے۔ اور سر اور پیشانی پر دست مبارک پھیرا اور پھر سینہ اور جگر اور شکم پر ناف تک ہاتھ پھیرا اور یہ دُعادی بَارَكَ اللہ فیک و بَارَكَ اللہ علیک۔

ابو محذورہ کہتے ہیں کہ دست مبارک کا پھیرنا تھا کہ آپ کی تمام نفرت یکنخت مبدل بہ اُلفت ہو گئی۔ اور قلب آپ کی محبت سے لبریز ہو گیا۔ اب میں نے خود عرض کیا یا رسول اللہ مجھ کو مکہ کا مؤذن مقرر فرما دیجئے۔ آپ نے فرمایا میں نے تجھ کو مکہ کا مؤذن مقرر کیا۔ میں نے آ کر عتاب بن اسید امیر مکہ کو اس کی اطلاع دی۔ اور آپ کے حکم کے مطابق اذان دینے لگا۔ مدۃ العمر مکہ میں مقیم رہے اور اذان دیتے رہے ۵۹ھ میں مکہ ہی میں وفات پائی (استیعاب لابن عبد البر ترجمہ ابو محذورہ رضی اللہ عنہ)

سہیلی فرماتے ہیں کہ ابو محذورہ جس وقت مؤذن مقرر ہوئے اس وقت اُن کی عمر سولہ سال کی تھی۔ وفات تک مکہ کے مؤذن رہے اور وفات کے بعد اُن کی اولاد نسلاً بعد نسل ان کی اذان کی وارث ہوتی رہی۔

ایک شاعر ابو محذورہ کی اذان کے بارے میں کہتا ہے۔

امسا ورب الکعبة المستورة وَمَا تَلَا مُحَمَّدٌ مِنْ سُورَةٍ

قسم ہے رب کعبہ کی جس پر غلاف پڑا ہوا ہے اور قسم ہے قرآن کی سورتوں کی جن کی محمد ﷺ نے تلاوت کی۔

والنعمات من ابی محذورہ لافعلن فعلة مذکورة

اور قسم ہے ابو محذورہ کے نعمہائے اذان کی میں فلاں کام ضرور کروں گا۔ ۲

۱۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ابو محذورہ فتح مکہ کے بعد مؤذن مقرر ہوئے اور اکثر روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جنین سے واپسی کے بعد آپ نے ان کو مؤذن مقرر فرمایا۔ واللہ اعلم۔ ۲۔روض الاناف، ج ۲، ص ۷۷۔ ۳۔

آں حضرت ﷺ طواف سے فارغ ہو کر کوہ صفا پر تشریف لائے اور دیر تک بیت اللہ کی طرف منہ کیئے ہوئے دست بدعاء اور مشغول حمد و ثناء رہے، دامن میں انصار کا مجمع تھا اسی اثناء میں بعض انصار کی زبان سے یہ لفظ نکلا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ پر آپ کا شہر اور آپ کی زمین فتح کر دی ہے، مبادا ایسا نہ ہو کہ آپ یہیں ٹھہر جائیں اور مکہ میں رہ پڑیں اور مدینہ تشریف نہ لیجائیں اور آپس میں کچھ کہنے سننے لگے اسی وقت آپ پر وحی کے آثار نمودار ہو گئے۔ صحابہ کی یہ عادت تھی کہ نزولِ وحی کے دوران کوئی شخص آپ کی طرف نظر اٹھا کر نہیں دیکھتا تھا۔ جب وحی نازل ہو چکی تو آپ نے فرمایا۔ اے گروہ انصار تم نے یہ کہا ہے عرض کیا ہاں یا رسول اللہ آپ نے ارشاد فرمایا۔ خوب سمجھ لو یہ ہرگز نہیں ہو سکتا میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں، میں نے اللہ کے حکم سے ہجرت کی ہے تمہاری زندگی میری زندگی ہے اور تمہاری موت میری موت ہے۔ یہ سن کر انصار جاں نثار کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے اور عرض کیا یا رسول اللہ ہم کو یہ اندیشہ ہوا کہ نصیب دشمنان جس شمع کے ہم پر دانے ہیں وہ شمع ہماری محفل سے نہ اٹھالی جائے۔ ہم غلامانِ جاں نثار اور خادمانِ وفا شعار ہر قسم کے ایثار کیلئے تیار ہیں مگر اللہ اور اس کے رسول کے بارے میں انتہائی بخیل ہیں۔

باسایہ ترانمی پسندم عشق است و ہزار بدگمانی
آپ نے ارشاد فرمایا اللہ اور اس کا رسول تم کو معذور اور سچا سمجھتے ہیں۔ (رواہ مسلم و احمد وغیرہما عن ابی ہریرۃ) زرقاتی ص ۳۳۳ ج ۲۔ البدلیۃ والنہایۃ ص ۳۰۶ ج ۴ تا ص ۳۰۷ ج ۴۔ ۱

مردوں اور عورتوں سے بیعت

دعاء سے فارغ ہونے کے بعد آں حضرت ﷺ کوہ صفا پر بیٹھ گئے لوگ بیعت کے لئے جمع ہو گئے۔ آپ اسلام پر اور خدا اور رسول کی اطاعت پر بیعت لینے لگے۔ مردوں سے فقط اسلام پر اور حسب استطاعت اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت پر بیعت لیتے اور بعض روایات میں ہے کہ مردوں سے اسلام اور جہاد پر بیعت لیتے مردوں کی بیعت سے جب

فراغت پائی تو عورتوں سے بیعت لینے لگے۔ عورتوں سے ان امور پر بیعت لی کہ جو بیعت النساء کی آیت میں مذکور ہیں۔ یعنی یَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا جَاءَكَ الْمُؤْمِنَاتُ يُبَايِعْنَكَ عَلَى أَنْ لَا يُشْرِكْنَ بِاللَّهِ شَيْئًا وَلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِينَ وَلَا يَقْتُلْنَ أَوْلًا دَهْنٌ وَلَا يَأْتِينَ بُهْتَانٍ يُفْتَرِيْنَهُ بَيْنَ أَيْدِيْهِنَّ وَأَرْجُلِهِنَّ وَلَا يَعْصِيْنَكَ فِيْ مَعْرُوفٍ فَبَايِعْهُنَّ وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللَّهُ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ۔

آں حضرت ﷺ عورتوں سے جو بیعت فرماتے وہ محض زبان سے ہوتی تھی آپ کے دست مبارک نے کبھی بھی کسی نامحرم عورت کے ہاتھ کو مس نہیں کیا اور نہ کسی عورت سے کبھی آپ نے مصافحہ فرمایا بلکہ کپڑے کے ذریعہ بیعت کرتے تھے کہ کپڑے کا ایک کونہ حضور پر نور کے ہاتھ میں ہوتا تھا اور کپڑے کا دوسرا کونہ عورت کے ہاتھ میں ہوتا تھا۔

اور کبھی ایسا ہوتا کہ جب عورتوں سے بیعت لیتے تو پانی کا ایک پیالہ منگا لیتے اور اس میں اپنا دست مبارک ڈال کر نکال لیتے اور پھر عورتوں کو حکم دیتے کہ تم بھی اس پیالہ میں اپنے ہاتھ ڈال لو تو عورتیں بھی اپنا ہاتھ اس پیالہ میں ڈال کر تر کر لیتیں۔ اس طرح بیعت پختہ ہو جاتی۔ تفصیل اگر درکار ہو تو تفسیر قرطبی سورہ ممتحنہ ص ۷۱ ج ۱۸ کی مراجعت کریں۔ کن کن عورتوں نے بیعت کی۔ تاریخ ابن الاثیر ص ۶۶ ج ۲ کو دیکھیں۔

ابن اثیر جزری فرماتے ہیں کہ آں حضرت ﷺ جب مردوں کی بیعت سے فارغ ہو گئے تو عورتوں کی بیعت کی طرف متوجہ ہوئے۔ قریش کی جو عورتیں اس وقت بیعت کے لئے حاضر ہوئیں ان میں یہ چند نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

(۱) ام ہانی بنت ابی طالب یعنی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بہن۔

(۲) ام حبیبہ بنت عاص بن امیہ زوجہ عمرو بن عبدود عامری۔

(۳) اروی بنت ابی العیص۔ یعنی عتاب بن اسید کی پھوپھی۔

(۴) عاتکہ بنت ابی العیص۔ یعنی اروی کی بہن۔

(۵) ہندہ بنت عقبہ زوجہ ابوسفیان و والدہ امیر معاویہ۔

ہندہ جب بیعت کے لئے حاضر ہوئیں تو چہرہ پر نقاب ڈال کر حاضر ہوئیں چونکہ ہندہ

نے حضرت حمزہ کو قتل کرایا تھا اور اُن کا سینہ چاک کر کے اُن کا کلیجہ چبایا تھا۔ اس لئے حیا اور ندامت کی بنا پر منہ چھپا کر بیعت کے لئے حاضر ہوئیں، تاکہ کوئی پہچان نہ سکے اُن کی بیعت کا قصہ حسب ذیل ہے۔

(ہندہ)۔ یا رسول اللہ آپ ہم سے کن چیزوں کا عہد اور میثاق لیتے ہیں۔

(رسول اللہ ﷺ) خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا۔

(ہندہ)۔ یا رسول اللہ۔ آپ ہم سے ان باتوں کا عہد لیتے ہیں کہ جن کا آپ نے مردوں سے نہیں لیا۔ لیکن ہم کو یہ منظور ہے۔

(رسول اللہ ﷺ) اور یہ کہ چوری نہ کریں۔

(ہندہ)۔ میں اپنے شوہر (ابوسفیان) کے مال سے کچھ لے لیتی ہوں معلوم نہیں کہ یہ چوری میں داخل ہے یا نہیں۔ ابوسفیان اس وقت وہیں موجود تھے، ابوسفیان نے کہا کہ جو گزر گیا وہ معاف ہے۔ (رسول اللہ ﷺ) نے فرمایا کہ بقدر ضرورت اور بقدر کفایت شوہر کے مال سے لے سکتی ہے کہ عرف اور دستور میں تجھ کو اور تیرے بچوں کی ضرورت کو کفایت کر سکے۔

(رسول اللہ ﷺ) اور زنا نہ کرنا۔

(ہندہ) کیا شریف عورت زنا کر سکتی ہے۔

(رسول اللہ ﷺ) اولاد کو قتل نہ کرنا۔

(ہندہ) ربینا ہم صغار او قتلتمہم یوم بدر کبارا فانت و ہم اعلم ہم نے ان کو بچپن میں پالا اور آپ نے ان کو جنگ بدر میں مارا پس آپ اور وہ جانیں۔ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ سن کر ہنس پڑے۔

(رسول اللہ ﷺ) اور کسی پر بہتان نہ لگانا۔

(ہندہ)۔ وَاللّٰہ ان اتیان البہتان لقبیح وَمَا تَا مَرْنَا اِلَّا بِالرَّشْدِ وَ مَکَارِمِ الْاِخْلَاقِ خدا کی قسم کسی پر بہتان باندھنا نہایت ہی برا ہے اور آپ ہم کو سوائے رشد اور ہدایت اور سوائے مکارم اخلاق کسی چیز کا حکم نہیں دیتے۔

(رسول اللہ ﷺ) نے حضرت عمر سے فرمایا کہ ان سے بیعت لے لو۔ بیعت کے

بعد آپ نے اُن کے لئے دعاء مغفرت کی۔

ہندہ نے اسلام لانے کے بعد عرض کیا کہ یا رسول اللہ۔ اسلام سے پہلے آپ کے چہرہ سے زیادہ کوئی چہرہ مجھ کو مبغوض نہ تھا اور آپ سے زیادہ کسی کو دشمن نہ رکھتی تھی اور اب آپ سے زیادہ کوئی چہرہ مجھے محبوب نہیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ ابھی محبت میں اور زیادتی ہوگی۔

دوسرا خطبہ

ابن الحنفی کی روایت میں ہے کہ فتح مکہ کے دوسرے دن ایک خزاعی نے ایک ہذیلی مشرک کو مار ڈالا۔ آں حضرت ﷺ کو جب اس کا علم ہوا تو صحابہ کو جمع کر کے کوہ صفا پر کھڑے ہو کر یہ خطبہ دیا۔

یا ایہا الناس ان اللہ حرم مکة	اے لوگو بے شک اللہ تعالیٰ نے جس روز
یوم خلق السموات والارض	آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اسی دن مکہ کو حرام
فہی حرام الی یوم القيامة فلا	اور محترم پیدا کیا پس وہ قیامت تک حرام اور
یحل لامریئ یؤمن باللہ	محترم رہے گا پس کسی شخص کیلئے جو اللہ اور روز
والیوم الاخران یسفک فیہا	قیامت پر ایمان رکھتا ہو یہ جائز نہیں کہ مکہ میں
دما ولا یعضد فیہا شجراً ولم	کوئی خون بہائے اور نہ کسی کے لئے کسی
تحلل لاحد کان قبلی ولا	درخت کا کاٹنا جائز ہے، مکہ نہ مجھ سے پہلے کسی
تحل لاحد یکون بعدی ولم	کے لئے حلال ہوا اور نہ میرے بعد کسی کے
تحلل لی الا هذه الساعة	لئے حلال ہوگا اور میرے لئے بھی صرف اسی
غضبنا علی اہلہا الا ثم قد	ساعت اور اسی گھڑی کے لئے حلال کیا گیا۔
رجعت کحرمتہا بالامس	اہل مکہ کی نافرمانی پر اور ناراضی کی وجہ سے اور
فلیبلغ الشاہد منکم الغائب	آگاہ ہو جاؤ کہ اس کی حرمت پھر ویسی ہی
فَمَنْ قَالَ لکم ان رسول اللہ	ہو گئی جیسا کہ کل تھی۔ پس تم میں سے جو حاضر
صلی اللہ علیہ وسلم قاتل	ہے وہ میرا یہ پیام ان لوگوں کو پہنچادے کہ جو
فیہا فقولوا ان اللہ قد احلہا	غائب ہیں پس تم میں سے جو شخص یہ کہے
لرسولہ ولم یحللہا لکم یا	

معشر خزاعہ ارفعوا ایدیکم عن القتل فلقد کثر القتل لقد قتلتم قتیلاً لا دینہ فمَن قتل بعد مقامی هذا فاهله بخیر النظرین ان شاؤ اقدم قاتله وان شاء وافعله

کہ رسول اللہ ﷺ نے مکہ میں قتال کیا تو تم اس سے یہ کہہ دینا کہ تحقیق اللہ تعالیٰ نے صرف اپنے رسول کے لئے مکہ کو کچھ وقت کے لئے حلال کر دیا اور تمہارے لئے حلال نہیں کیا اے گروہ خزاعہ قتل سے اپنے ہاتھوں کو اٹھاؤ تم نے ایک شخص کو مار ڈالا جس کی دیت (خونبہا) میں دوں گا جو شخص آج کے بعد کسی کو قتل کرے گا تو مقتول کے گھر والوں کو دو باتوں میں سے ایک بات کا اختیار ہوگا یا تو خون کے بدلے قاتل کا خون لے لیں یا مقتول کی دیت (خونبہا) لے لیں۔

بعد ازاں آپ حضرت ﷺ نے اپنے پاس سے سواونٹ اس شخص کی دیت ادا فرمائی جس کو خزاعہ نے قتل کیا تھا۔

مہاجرین کے متروکہ مکانات کی واپسی کا مسئلہ

کفار مکہ تمام مہاجرین کے مکانات اور جائیداد اور املاک پر قبضہ کر چکے تھے۔ جب آپ خطبہ سے فارغ ہو گئے، ہنوز باب کعبہ پر کھڑے ہوئے تھے کہ ابو احمد بن جحش اٹھے اور اپنے اس مکان کی واپسی کے متعلق کچھ عرض کرنا چاہا جس کو ابوسفیان نے ان کی ہجرت کے بعد چار سو دینار میں فروخت کر لیا تھا۔ آپ نے ان کو بلا کر کچھ آہستہ سے فرمایا، سنتے ہی ابو احمد بن جحش خاموش ہو گئے اس کے بعد جب ابو جحش سے دریافت کیا گیا کہ رسول اللہ ﷺ نے تم سے کیا کہا تھا۔ ابو احمد نے کہا آپ ﷺ نے یہ فرمایا تھا اگر تو صبر کرے تو تیرے لئے بہتر ہوگا اور اس کے معاوضہ میں تجھ کو بخت میں ایک مکان مل جائے گا، میں نے عرض کیا میں صبر کروں گا۔

ان کے علاوہ اور بھی بعض مہاجرین نے چاہا کہ اُن کے مکانات ان کو دلائے جائیں آپ نے فرمایا تمہارا جو مال اللہ کی راہ میں جا چکا ہے میں اس کی واپسی پسند نہیں کرتا۔ یہ سنتے ہی تمام مہاجرین خاموش ہو گئے اور جو گھر اللہ اور اُس کے رسول کے لئے چھوڑ چکے تھے پھر اُس کی واپسی کا کوئی حرف زبان پر نہیں آیا اور جس مکان میں آں حضرت ﷺ پیدا ہوئے اور جس مکان میں حضرت خدیجہؓ سے شادی ہوئی آپ نے اس کا ذکر تک نہیں فرمایا۔

عفو عام کے بعد مجرمان خاص کے متعلق احکام

فتح مکہ کے دن آپ نے عفو عام کا اعلان کر دیا۔ جنہوں نے آپ کے راستہ میں کانٹے بچھائے تھے اور جنہوں نے آپ پر پتھر برسائے تھے اور جو ہمیشہ آپ سے برسرِ پیکار رہے اور جنہوں نے آپ کی ایڑیوں کو لہولہاں کیا تھا سب کو معافی دے دی گئی۔ مگر چند اشخاص جو بارگاہِ نبوی میں غایت درجہ گستاخ اور دریدہ دہن تھے اُن کے متعلق یہ حکم ہوا کہ جہاں کہیں ملیں قتل کر دیئے جائیں ایسے لوگوں کے متعلق خداوند ذوالجلال کا یہی حکم ہے۔

مَلْعُونَيْنِ اَيْنَمَا تَقِفُوا اخِذُوا
وَقْتُلُوا تَقْتِيلًا سُنَّةَ اللَّهِ فِي
الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ وَلَنْ تَجِدَ
لِسُنَّةِ اللَّهِ تَبْدِيلًا ۝

یہ ملعون جہاں کہیں پائے جائیں پکڑے جائیں اور خوب قتل کیے جائیں جیسا کہ گزشتہ مفسدین کے بارے میں اللہ کی سنت ہے اور اللہ کے آئین اور عادت میں کوئی تغیر و تبدل نہ پاؤ گے۔

پیغمبر خدا کی توقیر و تعظیم اور اس کی نصرت و حمایت تمام اُمت پر فرض ہے، اس کی بے حرمتی دینِ الہی کی بے حرمتی ہے، قال تعالیٰ۔ اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ۔

وقال تعالى اِنْ نَكَثُوا اَيْمَانَهُمْ
مِّنْ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَطَعَنُوا فِي
دِينِكُمْ فَقَاتِلُوا اِيْمَةَ الْكُفْرِ
اِنَّهُمْ لَا اِيْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ

اگر عہد کرنے کے بعد اپنی قسموں کو توڑیں اور تمہارے دین میں طعن کریں تو ان پیشوایانِ کفر سے قتال کرو ان کی قسمیں کچھ نہیں تاکہ اس قسم کی شرارتوں سے باز آجائیں کیوں نہیں

يَنْتَهُونَ ۝ اَلَا تَقَاتِلُونَ قَوْمًا ۚ نَكَثُوا اٰيْمَانَهُمْ وَهَمُّوا بِاِخْرَاجِ الرَّسُوْلِ وَهُمْ بَدُوْكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۚ وَهُمْ لَا يَتَخَشَّوْنَهُمْ اِجْرًا ۚ اَلَا لَكُمْ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْهُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ ۱۰ ۚ اِنْ تَرَوْهُ فَقَاتِلُوْهُ اِنَّهٗ يَكْفُرُ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۚ

یعنی جن لوگوں نے پیغمبر کے نکالنے کا فقط ارادہ اور قصد ہی کیا اُن کے قتال میں اہل ایمان کو ذرہ برابر تامل نہ ہونا چاہیے ان کی ظاہری قوت و شوکت اور مادی ساز و سامان سے خائف نہ ہوں صرف اللہ سے ڈریں اور اُس کے رسول کی نصرت و حمایت میں جان اور مال جو کچھ بھی درکار ہو اس سے دریغ نہ کریں اور یہ امر اہل عقل پر روز روشن کی طرح واضح ہے کہ سب و شتم استہزاء اور تمسخر گستاخی اور دریدہ دہنی کا جرم نکال دینے کے جرم سے کہیں زیادہ سخت ہے۔ حکومت اپنے سخت سے سخت مجرم کو معافی دے سکتی ہے لیکن ملک معظم اور وائسرائے کی شان میں گستاخی اور دریدہ دہنی کرنے والے سے ایک لمحہ کے لئے اغماض نہیں کر سکتی۔ اس میں حکومت کے بے حرمتی اور بے وقعتی ہے۔

علاوہ ازیں پیغمبر کی توہین اور بے حرمتی ساری امت کی توہین اور بے حرمتی ہے۔ لہذا ہر امتی کا فرض ہے کہ جب آپ کی شان میں گستاخی سُنے تو فوراً اُس کی جان لے لے یا اپنی جان دیدے۔

تَشْتُم اِيْدِيْنَا وَيَحْلُم رَاٰیْنَا وَنَشْتُم بِالْاَفْعَالِ لَا بِالْتَكْلَمِ

ہمارے ہاتھ گالیاں دیتے ہیں اور ہماری رائے اور عقل حلم اور بردباری کرتا ہے۔ ہم عمل سے گالیاں دیتے ہیں زبان سے نہیں۔

شفاء قاضی عیاض میں ہے کہ خلیفہ ہارون رشید نے جب امام مالکؒ سے نبی اکرم ﷺ کی شان میں گستاخی کرنے والے کا حکم دریافت کیا تو یہ ارشاد فرمایا۔

مابقاء الامة بعد شتم نبیہا ۚ اس امت کی کیا زندگی ہے جس کے پیغمبر کو گالیاں دیجائیں۔

شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ حرائی قدس اللہ روحہ و نور ضریحہ (آمین) کے زمانہ میں ایک نصرانی نے آں حضرت ﷺ کی شان اقدس میں گستاخی کی تو امام موصوف نے چھ سو صفحہ کی ایک ضخیم کتاب فقط اسی موضوع پر تصنیف فرمائی اور الصارم المسلمول علی شاتم الرسولؐ اس کا نام رکھا جس میں آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ اور اجماع صحابہ و تابعین اور تعامل خلفاء راشدین اور عقلی دلائل و براہین سے شاتم رسول کا واجب القتل ہونا ثابت کیا ہے جزاہ اللہ تعالیٰ عن الاسلام و المسلمین خیر آمین۔

الحاصل

جن لوگوں کے متعلق آں حضرت ﷺ نے فتح مکہ کے دن یہ حکم دیا تھا کہ جہاں ملیں قتل کر دیئے جائیں تقریباً وہ پندرہ سولہ تھے۔ جن کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

اول: (عبداللہ بن نطل) یہ پہلے مسلمان ہو گیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے عامل بنا کر صدقات وصول کرنے کے لئے بھیجا۔ ایک غلام اور ایک انصاری ساتھ تھے ایک منزل پر پہنچ کر ابن نطل نے غلام کو کھانا تیار کرنے کے لئے کہا، غلام کسی وجہ سے سو گیا۔ جب بیدار ہوا تو ابن نطل نے دیکھا کہ اس نے ابھی تک کھانا تیار نہیں کیا غصہ میں آ کر اس غلام کو قتل کر ڈالا بعد میں خیال آیا کہ آں حضرت ﷺ ضرور مجھ کو اس کے قصاص میں قتل کریں گے مرتد ہو کر مکہ چلا آیا اور مشرکین میں جا ملا اور صدقات کے اونٹ بھی ساتھ لے گیا۔ آپ کی ہجو میں شعر کہتا تھا اور باندیوں کو ان اشعار کے گانے کا حکم دیتا، پس اس کے تین جرم تھے۔ ایک خون ناحق۔ دوسرا مرتد ہو جانا۔ تیسرا جرم یہ کہ آپ کی ہجو میں شعر کہنا۔ ابن نطل فتح مکہ کے دن خانہ کعبہ کے پردوں سے جا کر لپٹ گیا۔ آپ سے عرض کیا گیا کہ ابن نطل بیت اللہ کے پردہ کو پکڑے ہوئے ہے۔ آپ نے فرمایا وہیں قتل کر ڈالو۔ چنانچہ ابو ہریرہؓ اسلمی اور سعد بن حریث نے وہیں جا کر قتل کیا۔ حجر اسود اور مقام ابراہیم کے درمیان اس کی گردن اڑائی گئی۔

(الصارم المسلمول ص ۶۳۳ و زرقانی ص ۲۳۱ ج ۲)

دوم و سوم: فرتنی اور قرینہ یہ دونوں ابن نطل کی لونڈیاں تھیں شب و روز آپ کی ہجو

ایہ کتاب دائرۃ المعارف حیدرآباد کن میں طبع ہوئی ہے۔

گاتی رہتی تھیں۔ مشرکین مکہ کسی مجلس میں جمع ہوتے تو شراب کا دور چلتا اور یہ دونوں آپ کی ہجو میں اشعار پڑھتی اور گاتی بجاتی۔ ایک ان میں سے ماری گئی اور دوسری نے امن کی درخواست کی اس کو امن دے دیا گیا۔ حاضر ہو کر مسلمان ہو گئی۔

چہارم: (سارہ) بنی المطلب میں سے کسی کی باندی تھی۔ یہ بھی آپ کی ہجو گایا کرتی تھی بعض کہتے ہیں کہ قتل کی گئی اور بعض کہتے ہیں کہ اسلام لے آئی اور حضرت عمر کے زمانہ خلافت تک زندہ رہی اور یہی وہ عورت تھی کہ جو حاطب بن ابی بلتعہ کا خط لے کر مکہ جا رہی تھی۔

پنجم: (خویرث بن نقید) یہ شاعر تھا اور رسول اللہ ﷺ کی ہجو میں شعر کہتا تھا۔ اس لئے اس کا خون ہدر ہوا، حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اس کو قتل کیا۔

ششم: (مقیس بن صبابہ) یہ پہلے مسلمان ہو گیا تھا۔ غزوہ ذی قرد میں ایک انصاری نے اُس کے بھائی ہشام کو دشمنوں میں سے سمجھ کر غلطی سے قتل کر دیا۔ اُس حضرت ﷺ نے دیت دلانے کا حکم دیا۔ مقیس نے دیت لینے کے بعد انصاری کو قتل کر دیا اور مرتد ہو کر مکہ چلا گیا۔ فتح مکہ کے دن آپ نے اُس کا خون مُباح کیا۔ نمیلہ بن عبد اللہ لیشی نے اس کو قتل کیا۔

مقیس بن صبابہ۔ بازار میں جاتا ہوا گرفتار ہوا مارا گیا۔

ہفتم: (عبد اللہ بن سعد بن ابی سرح) یہ پہلے رسول اللہ ﷺ کے کاتب الوحی تھے، مرتد ہو کر کفار سے جا ملے۔ عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے رضاعی بھائی تھے فتح مکہ کے دن جان بچانے کی خاطر چھپ گئے۔ حضرت عثمان ان کو لے کر خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ آنحضرت ﷺ اس وقت لوگوں سے بیعت لے رہے تھے۔ عرض کی یا رسول اللہ، عبد اللہ حاضر ہے، اس سے بھی بیعت لے لیجئے۔ آپ نے کچھ دیر سکوت فرمایا۔ بالآخر جب حضرت عثمان نے آپ سے کئی بار درخواست کی تو آپ نے ابن ابی سرح سے بیعت لے لی اور اسلام قبول فرمایا۔ اس طرح اُن کی جان بخشی ہوئی بعد میں صحابہ سے فرمایا کہ تم میں کوئی سمجھدار نہ تھا کہ جب میں نے عبد اللہ کی بیعت سے ہاتھ روک لیا تھا، اُٹھ کر اس کو قتل کر

ڈالتا۔ کسی نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ نے اس وقت کوئی اشارہ کیوں نہ فرمایا۔ آپ نے کہا نبی کے لئے اشارہ بازی زیبا نہیں۔

اس مرتبہ عبداللہ بن ابی سرح نہایت سچائی کے ساتھ اسلام لائے اور کوئی بات بعد میں ظاہر نہیں ہوئی۔ حضرت عمر اور حضرت عثمان کے زمانہ خلافت میں مصر وغیرہ کے والی اور حاکم رہے اور حضرت عثمان غنی کے زمانہ خلافت ۲۷ھ یا ۲۸ھ میں افریقہ کی فتح کا سہرا انہیں کے سر رہا اور مال غنیمت جب تقسیم ہوا تو ایک ایک شخص کے حصہ میں تین تین ہزار دینار آئے حضرت عثمان کی شہادت کے بعد فتنوں سے بالکل علیحدہ رہے، حضرت علی اور حضرت معاویہ میں سے کسی کے ہاتھ پر بھی بیعت نہیں کی حضرت معاویہ کی اخیر زمانہ امارت میں عسقلان میں وفات پائی وفات کا عجیب واقعہ ہے ایک روز صبح کو اٹھے اور یہ دعا مانگی۔

اللّٰهُمَّ اجْعَلْ آخِرَ عَمَلِي ۝ اے اللہ میرا آخری عمل صبح کے وقت ہو۔
الصباح

وضو کی اور نماز پڑھائی، دائیں جانب سلام پھیر کر بائیں جانب سلام پھیرنا چاہتے تھے کہ رُوح عالم بالا کو پرواز کر گئی اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُونَ۔ رضی اللہ عنہ وارضاه۔

ہشتم: (عکرمہ بن ابی جہل) یہ بھی انہیں لوگوں میں سے تھے کہ جن کا خون فتح مکہ کے دن آپ نے مباح کیا تھا۔ عکرمہ ابو جہل کے فرزند تھے، باپ کی طرح یہ بھی آپ کے شدید ترین دشمن تھے۔ فتح مکہ کے بعد بھاگ کر یمن چلے گئے، عکرمہ کی بیوی ام حکیم بنت حارث بن ہشام اسلام لے آئیں اور بارگاہ نبوی میں حاضر ہو کر اپنے شوہر کے لئے امن کی درخواست کی رحمت عالم اور عفو مجسم ﷺ نے فرزند ابی جہل کے لئے امان کی درخواست کو فوراً منظور فرمالیا۔

عکرمہ بھاگ کر یمن کے ساحل پر پہنچے کشتی پر سوار ہو گئے کشتی کا چلنا تھا کہ تند ہواؤں نے آ کر کشتی کو گھیر لیا۔ عکرمہ نے لات اور عزی کو مدد کے لئے پکارا کشتی والوں نے کہا اس وقت لات اور عزی کچھ کام نہ دیں گے۔ ایک خدا کو پکارو۔ عکرمہ نے کہا خدا کی قسم اگر دریا

میں کوئی چیز خدا کے سوا کام نہیں آسکتی تو سمجھ لو کہ خشکی میں بھی سوائے خدا کے کوئی چیز کام نہیں آسکتی اسی وقت سچے دل سے خدا کے ساتھ یہ عہد کر لیا۔

اللّٰهُمَّ لَكَ عَهْدُ اَنْ عَافَيْتَنِي اے اللہ میں تجھ سے عہد کرتا ہوں کہ اگر
مما انا فيه اَنْ اَتِيَّ مُحَمَّدًا حَتّٰى تو نے اس پریشانی سے نجات بخشی تو ضرور محمد
اَضَعُ يَدِيْ فِيْ يَدِهِ فَلَا جَدْنَہ رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنا ہاتھ
عَفَوْا غَفُوْرًا كَرِيْمًا۔ ان کے ہاتھ میں دیدوں گا اور یقیناً اُن کو بڑا

(رواہ ابوداؤد والنسائی)

معاف کرنے والا، درگزر کر نیوالا اور مہربان
پاؤں گا۔

ادھر سے عکرمہ کی بیوی ام حکیم پہنچ گئیں اور کہا:

يَا اَبْنَ عَمٍّ جِئْتُكَ مِنْ عِنْدِ اے ابن عم میں سب سے زیادہ نیکو کار اور سب
اَبْرِ النَّاسِ وَ اَوْصِلِ النَّاسَ و سے زیادہ صلہ رحمی کرنے والے اور سب میں
خَيْرِ النَّاسِ لَا تَهْلِكْ نَفْسُكَ بہتر شخص کے پاس سے آئی ہوں تو اپنے آپ
اِنِّیْ قَدْ اسْتَأْمَنْتُ لَكَ رَسُوْلَ کو ہلاک مت کر میں نے تیرے لئے رسول
اللّٰہ ﷺ سے امان حاصل کیا ہے۔

یہ سن کر عکرمہ ام حکیم کے ساتھ ساتھ ہولیا۔ راستہ میں مباشرت کا ارادہ کیا۔ ام حکیم نے کہا
ابھی تو کافر ہے اور میں مسلمان ہوں عکرمہ نے کہا کسی بڑی شی نے کچھ روکا ہے اور یہ کہہ کر مکہ کا
قصد کیا اور آں حضرت ﷺ نے عکرمہ کے پہنچے سے پہلے ہی صحابہ سے مخاطب ہو کر فرمایا:

يَا تَيْكُمُ عَكْرَمَةُ مُؤْمِنًا فَلَا عکرمہ مؤمن ہو کر آ رہا ہے لہذا اس کے باپ
تَسْبُوْا اَبَاهُ فَانْ سَبَّ الْمِيْتَ کو بُرا نہ کہنا مردہ کو برا کہنے سے زندہ کو تکلیف
يُوْذِي الْحَيَّ ہوتی ہے۔

عکرمہ آپ کی خدمت میں پہنچے اور آپ کے سامنے کھڑے ہو گئے اور بیوی ساتھ تھی وہ
نقاب ڈالے ہوئے ایک طرف کھڑی ہو گئی اور عرض کیا کہ یہ میری بیوی حاضر ہے۔ اس نے
مجھ کو خبر دی ہے کہ آپ نے مجھ کو امان دیا ہے۔ آپ نے فرمایا اُس نے سچ کہا تجھ کو امان ہے،

عکرمہ کی، مسلمان ہونے کے بعد یہ حالت تھی کہ جب تلاوت کے لئے بیٹھتے اور قرآن کریم کو کھولتے تو روتے اور غشی کی کیفیت ہوتی اور بار بار یہ کہتے تھا کلام ربی یہ میرے پروردگار کا کلام ہے یہ میرے پروردگار کا کلام ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ فتح مکہ میں عکرمہ کے ہاتھ سے ایک مسلمان شہید ہوا جب آپ کو یہ خبر دی گئی تو مسکرائے اور فرمایا کہ قاتل اور مقتول دونوں ہی جنت میں ہیں۔^۱ اشارہ اس طرف تھا کہ عکرمہ فی الحال اگرچہ کافر ہیں لیکن عنقریب اسلام میں داخل ہوں گے۔

نہم: (ہبار بن الاسود) اس کا جرم یہ تھا کہ مسلمانوں کو بہت ایذائیں پہنچاتا تھا۔ آپ کی صاحب زادی حضرت زینب زوجہ ابوالعاص بن ربیع جب ہجرت کر کے مکہ سے مدینہ جا رہی تھیں تو ہبار بن اسود نے مع چند اوباشوں کے جا کر راستہ میں حضرت زینب کے ایک نیزہ مارا جس سے وہ ایک پتھر پر گر پڑیں۔ حاملہ تھیں، حمل ساقط ہو گیا اور اسی بیماری میں انتقال فرمایا۔ (اناللہ وانا الیہ راجعون)

فتح مکہ کے دن آپ نے ہبار کا خون مباح فرمایا تھا۔ جب آپ جعرانہ سے واپس ہوئے تو ہبار حاضر خدمت ہوئے اور آکر آپ کے سامنے کھڑے ہو گئے صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ ہبار بن اسود ہے۔ آپ نے فرمایا میں نے دیکھ لیا، حاضرین میں سے ایک شخص نے ہبار کی طرف اٹھنے کا قصد کیا تو آپ نے اشارہ سے فرمایا بیٹھ جاؤ۔ ہبار بن اسود نے کھڑے ہو کر عرض کیا۔

السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا نَبِيَّ اللَّهِ ! سلام ہو آپ پر اے اللہ کے نبی۔

أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ وَقَدْ هَرَبْتُ مِنْكَ فِي الْبِلَادِ وَارْدَتِ الْحَقَ بِالْأَعَاجِمِ ثُمَّ ذَكَرْتُ عَائِدَتَكَ وَصَلَتَكَ وَصَفْحَكَ عَمَّنْ جَهِلَ عَلَيْكَ وَكُنَا يَا نَبِيَّ اللَّهِ أَهْلَ شَرِكٍ فَهَدَانَا اللَّهُ بِكَ وَانْقَذَانَا مِنَ الْهَلَكَةِ فَاصْفَحْ عَنَّا

جہلی و عما کان یدلک عنی فانی مقر بسوء فعلی معترف
بذنی فقال رسول اللہ ﷺ قد عفوت عنک وقد احسن اللہ
الیک اذھدک للاسلام والاسلام یجب ما قبلہ ۱

وہم: (وحشی بن حرب) قاتل سید الشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (جس کا مفصل
قصہ غزوہ اُحد کے بیان میں گزر چکا ہے) بھاگ کر طائف پہنچے اور پھر وہاں سے مدینہ منورہ
حاضر خدمت ہو کر اسلام قبول کیا اور قصور کی معافی چاہی۔

اور صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب مسلمانہ کذاب کے مقابلے کے لئے لشکر روانہ کیا
تو ان میں وحشی بھی تھے، جس حربہ سے حضرت حمزہ کو شہید کیا تھا وہ ساتھ تھا، اسی حربہ سے
مسلمانہ کذاب کو واصل جہنم کیا اور یہ کہا کرتے تھے کہ اسی حربہ سے خیر الناس کو قتل کیا ہے اور
اسی حربہ سے شر الناس کو قتل کیا ہے۔ (استیعاب لابن عبدالبر ترجمہ وحشی بن حرب) ۲

یا زوہم: (کعب بن زہیر) مشہور شاعر ہیں، آپ کی ہجو میں اشعار کہا کرتے تھے۔
حاکم کہتے ہیں کہ یہ بھی انہیں لوگوں میں سے ہیں۔ جن کا خون آپ نے فتح مکہ کے دن ہدر
کیا تھا یہ مکہ سے بھاگ گئے تھے، بعد میں مدینہ منورہ حاضر ہو کر مشرف باسلام ہوئے اور
آپ کی مدح میں قصیدہ کیا جو ”بانت سعاد“ کے نام سے مشہور ہے۔ ۳

آں حضرت ﷺ ان سے بہت خوش ہوئے اور اپنی چادر عنایت فرمائی۔
دوازدہم: (حارث بن ظالم) یہ شخص آں حضرت ﷺ کی ہجو کیا کرتا تھا۔ فتح مکہ
کے دن حضرت علی نے اس کو قتل کیا۔ ۴

سیزدہم: (عبداللہ بن زبیری) یہ بڑے زبردست شاعر تھے آں حضرت ﷺ کی
ہجو اور مذمت میں شعر کہا کرتے تھے۔ سعید بن مسیب فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے
فتح مکہ کے دن ابن زبیری کے قتل کا حکم دیا۔ یہ بھاگ کر نجران چلے گئے، بعد میں تائب ہو کر
حاضر خدمت ہوئے اور اسلام لائے اور معذرت میں اشعار کہے۔ ۵

یا رسول الملک ان لسانی راتق ما فتقت اذ انا بور
اے اللہ کے رسول میری زبان اُس نقصان کو جبر کر دی جو میں نے اپنی ضلالت اور گمراہی کے زمانہ میں پہنچایا ہے۔

آمن اللحم والعظام برّبی ثم قلّی الشّہید أنت النذیر

میرا گوشت اور میری ہڈیاں پروردگار پر ایمان لے آئیں، پھر میرا دل شہادت دیتا ہے کہ آپ خدا کے بشیر و نذیر ہیں۔ (سیرۃ ابن ہشام)

چہار دہم: (ہمیرۃ بن ابی وہب مخزومی) یہ بھی انہیں شعراء میں سے تھا جو آپ کی ہجو میں شعر کہا کرتے تھے فتح مکہ کے دن نجران کی طرف بھاگ نکلا اور وہیں کفر کی حالت میں مرا۔ (سیرۃ ابن ہشام۔ اصابع، ترجمہ ہند بنت ابی طالب جوام ہانی کی کنیت سے مشہور ہیں ہمیرۃ بن ابی وہب کی بیوی تھیں)۱

پانزدہم: (ہندہ بنت عتبہ زوجہ ابی سفیان) یہ وہی ہندہ ہے کہ جس نے معرکہ احد میں حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جگر نکال کر چبایا تھا۔ ہندہ بھی انہیں عورتوں میں داخل ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے دن جن کے قتل کا حکم دیا تھا۔ ہندہ آل حضرت کو بہت ایذا دیتی تھی۔ ہندہ نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر معذرت کی اور اسلام قبول کیا۔ اور گھر جا کر تمام بتوں کو توڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا اور یہ کہا خدا کی قسم تمہاری ہی وجہ سے ہم دھوکہ میں تھے۔۲

یہ پندرہ اشخاص ناقابلِ عفو مجرم تھے، ان کا جرم نہایت سنگین تھا جس نے اپنے قصور کا اعتراف کیا اور تائب ہو کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اس کو امن ملا۔ اور جو اپنی بغاوت اور سرکشی پر قائم رہا وہ قتل ہوا۔

اب ہم اس کے بعد اُن چند معززین قریش کا ذکر کرتے ہیں کہ جو فتح مکہ کے موقع پر مشرف باسلام ہوئے۔

اسلام ابی قحافہ

(یعنی ابوبکر صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے باپ کے مسلمان ہونے کا واقعہ)
 آں حضرت ﷺ مسجد حرام میں تشریف فرما تھے کہ ابوبکر صدیق اپنے بوڑھے باپ کو
 لیے ہوئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کے سامنے بٹھلا دیا آپ نے فرمایا:
 ہلا ترکت الشیخ فی بیتہ اے ابوبکر تو نے اس بوڑھے کو گھر ہی میں
 حتی اکون انا آتیہ فیہ کیوں نہ رہنے دیا میں خود ہی اس کے پاس
 آجاتا۔

ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا۔
 یا رسول اللہ ہو احق ان یرسل اللہ بجائے اس کے کہ آپ چل کر
 یمشی الیک من ان تمشی میرے باپ کے پاس جائیں بہتر یہی ہے
 الیہ انت کہ میرا باپ خود پا پیادہ چل کر آپ کی
 خدمت میں حاضر ہو۔

بعد ازاں آپ نے ابو قحافہ کے سینہ پر دست مبارک پھیرا اور اسلام کی تلقین کی۔ ابو قحافہ
 نے اسلام قبول کیا۔ بڑھاپے کی وجہ سے تمام چہرہ اور سر سفید تھا۔ آپ نے خضاب کیلئے ارشاد
 فرمایا اور یہ تاکید فرمادی کہ سیاہی سے بالکل دور رکھنا۔ یعنی سیاہ خضاب ہرگز استعمال نہ کرنا۔
 علامہ حلبی سیرت حلبیہ میں لکھتے ہیں کہ جب ابو قحافہ اسلام لے آئے تو آں حضرت ﷺ
 نے ابوبکر صدیق کو مبارک باد دی۔ ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ قسم ہے اُس
 ذات پاک کی جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا۔ ابوطالب اگر اسلام لے آتے تو میری
 آنکھیں زیادہ ٹھنڈی ہوتیں۔^۲

اسلام صفوان بن امیہ

صفوان بن امیہ سردارانِ قریش میں سے تھے جو دو سٹا میں مشہور تھے فیاضی اور مہمان
 نوازی میں یہ گھرانہ ممتاز تھا۔ ان کا باپ امیہ بن خلف جنگ بدر میں مارا گیا۔ فتح مکہ کے دن

صفوان بن امیہ جدہ بھاگ گئے۔ اُن کے چچا زاد بھائی عمیر بن وہب نے بارگاہ نبوی میں حاضر ہو کر صفوان کے لئے امن کی درخواست کی آپ نے امان دیا اور بطور علامت اپنا عمامہ یا چادر بھی عنایت فرمائی۔ عمیر جا کر ان کو جدہ سے واپس لائے۔ بارگاہ نبوی میں حاضر ہو کر عرض کیا۔ اے محمد! عمیر یہ کہتا ہے کہ آپ نے مجھ کو امن دیا ہے، آپ نے فرمایا ہاں۔ صفوان نے کہا مجھ کو سوچنے کے لیے دو ماہ کی مہلت دیجئے، آپ نے فرمایا تجھ کو چار مہینے کی مہلت ہے فی الحال مسلمان نہیں ہوئے۔

مگر غزوہ حنین میں آپ کے ہمراہ رہے، آپ نے کچھ زر ہیں ان سے بطور عاریت لیں۔ حنین میں پہنچ کر ان کی زبان سے یہ لفظ نکلے۔

لان یربنی رجل من قریش : قریش میں کا کوئی شخص میری تربیت کرے وہ
احب الی من ان یربنی رجل : میرے نزدیک زیادہ محبوب ہے اس سے کہ
من ہوازن : قبیلہ ہوازن کا کوئی آدمی میری تربیت کرے۔

حنین سے واپسی میں آپ نے صفوان کو بے شمار بکریاں عطا فرمائیں۔ صفوان نے ان بکریوں کو دیکھ کر کہا۔ خدا کی قسم اتنی سخاوت سوائے نبی کے کوئی نہیں کر سکتا اور مسلمان ہو گئے۔ (استیعاب و اصابہ ترجمہ صفوان بن امیہ)

اسلام سہیل بن عمرو

آپ مکہ کے اشرف اور سادات میں سے تھے خطیب قریش کے نام سے مشہور تھے۔ صلح حدیبیہ میں انہیں کو آتے دیکھ کر آپ نے فرمایا تھا۔

قد سهل من امرکم : اب تمہارا معاملہ کچھ سہل ہو گیا۔

فتح مکہ کے دن سہیل نے اپنے بیٹے عبداللہ کو بارگاہ نبوت میں بھیجا کہ جا کر آپ سے میرے لئے امن حاصل کرے، آپ نے اس کو امن دیا اور صحابہ سے مخاطب ہو کر یہ فرمایا۔

من لقی سہیل بن عمرو فلا یحد الیہ النظر فلعمری ان سہیلا لہ عقل و شرف و ما مثل سہیل یجہل الاسلام
جو شخص سہیل سے ملے وہ اس کی طرف تیز نظروں سے نہ دیکھے، قسم ہے میری زندگی کی تحقیق سہیل بڑا عاقل اور شریف ہے، سہیل جیسا شخص اسلام سے جاہل اور بے خبر نہیں رہ سکتا۔

سہیل نے فی الحال اسلام قبول نہیں کیا۔ غزوہ حنین میں آپ کے ساتھ رہے اور جعرانہ میں مشرف باسلام ہوئے۔

اور قسم کھائی کہ جس قدر مشرکین کے ساتھ ہو کر جنگ کی ہے اسی قدر اب مسلمانوں کے ساتھ ہو کر جنگ کروں گا اور جتنا مال مشرکین پر خرچ کیا ہے اتنا ہی مسلمانوں پر خرچ کروں گا۔

ایک دن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دروازہ پر لوگوں کا مجمع تھا ملاقات کے منتظر تھے۔ سہیل بن عمرو، ابوسفیان بن حرب اور دیگر مشائخ قریش بھی موجود تھے۔ دربان نے جب اطلاع کی تو صہیب اور بلال اور دیگر اہل بدر کو اندر بلا لیا گیا۔ اور سہیل اور ابوسفیان اور مشائخ قریش کو چھوڑ دیا گیا۔ ابوسفیان نے کہا آج جیسا منظر تو میں نے کبھی دیکھا ہی نہیں۔ غلاموں کو تو بلایا جا رہا ہے اور ہماری طرف التفات بھی نہیں۔ اس موقع پر سہیل نے جو عاقلانہ اور دانشمندانہ جواب دیا وہ دلوں کی تختیوں پر کندہ کرانے کے قابل ہے۔ سہیل نے ابو سفیان اور دیگر مشائخ قریش کو مخاطب کر کے کہا۔

اے قوم خدا کی قسم ناگواری اور غصہ کے آثار تمہارے چہروں پر نمایاں دیکھ رہا ہوں بجائے اس کے کہ تم دوسروں پر غصہ کرو تم کو خود اپنے نفسوں پر غصہ کرنا چاہئے اس لئے کہ دین حق کی دعوت ان لوگوں کو بھی دی گئی اور تم کو بھی یہ لوگ سنتے ہی دوڑ پڑے اور تم نے پس و پیش کی اور پیچھے رہے۔ خدا کی قسم جس شرف اور فضیلت کو یہ لوگ لے دوڑے تمہارا اُس شرف سے محروم رہ جانا میرے نزدیک اس دروازہ کی محرومی سے کہیں زیادہ سخت ہے جس پر تم آج رشک کر رہے ہو۔ اے قوم یہ لوگ تم سے سبقت لے گئے جو تمہاری نظروں کے سامنے

ہیں اور تمہارے لئے اس شرف اور فضیلت کے حاصل ہونے کی اب کوئی سبیل نہیں۔ اس کھوئے ہوئے شرف کے تدارک اور تلافی کی اگر کوئی صورت ہے تو صرف جہاد فی سبیل اللہ اور خدا کی راہ میں جانبازی اور سرفروشی ہے۔ اس کے لئے تیار ہو جاؤ عجب نہیں کہ حق تعالیٰ شانہ تم کو شہادت کی دولت و نعمت سے مالا مال فرمائے۔

سہیل نے اپنی تقریر دلپذیر کو ختم کیا اور دامن جھاڑ کر اسی وقت جہاد فی سبیل اللہ کے لئے کھڑے ہو گئے اور مع خاندان اور اہل و عیال کے رومیوں سے مقابلہ کے لئے شام کی طرف روانہ ہوئے۔ اور جنگ یرموک میں شہید ہوئے اور بعض کہتے ہیں کہ طاعون عمواس میں وفات پائی۔ بہر حال مقصد ہر صورت میں حاصل ہے، طاعون کی موت بھی شہادت ہے۔ (استیعاب لابن عبد البر ترجمہ سہیل بن عمرو رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ)

اسلام عتبہ و معتبہ پسران ابی لہب

حضرت عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب مکہ کو فتح کرنے کے لئے تشریف لائے تو مجھ سے یہ فرمایا کہ تمہارے دونوں بھتیجے عتبہ و معتبہ پسران ابی لہب کہاں ہیں وہ مجھے دکھائی نہیں دیئے آخر وہ دونوں کہاں ہیں میں نے عرض کیا کہ جو مشرکین قریش روپوش ہو گئے ہیں انہیں کے ساتھ یہ دونوں بھی کہیں دور چلے گئے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ ان دونوں کو میرے پاس لاؤ۔ میں آپ کے ارشاد کے مطابق سوار ہو کر مقام عرنہ گیا اور وہاں سے دونوں کو اپنے ساتھ لایا۔ آپ نے اُن کے سامنے اسلام پیش کیا دونوں نے اسلام قبول کیا اور آپ کے ہاتھ پر بیعت کی، پھر آپ کھڑے ہو گئے اور دونوں کے ہاتھ پکڑے ہوئے باب کعبہ کے قریب ملتزم پر آئے اور دیر تک دعا مانگتے رہے پھر وہاں سے واپس ہوئے اور چہرہ انور پر مسرت کے آثار نمایاں تھے حضرت عباس کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا اللہ تعالیٰ آپ کو ہمیشہ مسرور رکھے آپ کے چہرہ کو مسرور دیکھ رہا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے اپنے پروردگار سے یہ درخواست کی تھی کہ مجھ کو میرے چچا کہ یہ دونوں بیٹے عتبہ اور معتبہ عطا کر دیئے جائیں سو اللہ تعالیٰ نے مجھ کو یہ دونوں عطا کر دیئے اور میرے لئے ان دونوں کو ہبہ کر دیا۔

اسلام معاویہ

بعض کہتے ہیں کہ معاویہ فتح مکہ میں اسلام لائے مگر صحیح یہ ہے کہ صلح حدیبیہ کے بعد اسلام لائے مگر اپنے اسلام کو مخفی رکھا اور فتح مکہ میں اس کا اظہار کیا۔
 ام المومنین ام حبیبہ بنت ابی سفیان حضرت معاویہ کی بہن تھیں اور ماں کا بھائی ماموں ہوتا ہے اس لئے حضرت معاویہ خال المومنین ہوئے یعنی تمام مسلمانوں کے ماموں ہوئے اور جس طرح اہل بیت اور ذوی القربیٰ سے محبت رکھنا مؤمن پر فرض اور لازم ہے اسی طرح حضور پر نور کے خسر اور برادر نسبتی اور سرالی رشتہ داروں سے بھی محبت فرض اور لازم ہے۔
 ابوسفیان بن حرب آپ کی زوجہ مطہرہ ام حبیبہ کے والد محترم ہیں اور معاویہ ام حبیبہ کے بھائی ہیں، ان سے محبت رکھنا فرض ہے اور ان سے کینہ اور عداوت رکھنا حرام ہے اور اسلام سے پہلے جو ہو چکا وہ سب معاف ہے اور اسلام سے پہلی باتوں کا ذکر کرنا از روئے قرآن و حدیث قطعاً ممنوع ہے۔

بُت خانوں کی تخریب کے لئے سرایا کی روانگی

آں حضرت ﷺ فتح کے بعد تقریباً پندرہ روز مکہ میں مقیم رہے چوبت، خانہ کعبہ میں تھے ان کو منہدم کرایا اور یہ منادی کرا دی۔

من کان یؤمن باللہ والیوم : جو شخص اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ الآخر فلا یدع فی بیتہ صنما : اپنے گھر میں کوئی بت باقی نہ چھوڑے۔
 جب مکہ مکرمہ بتوں سے پاک ہو گیا اور اس کے تمام بت گرا دیئے گئے تو مکہ کے اطراف و اکناف میں بتوں کے منہدم کرنے کے لئے کے چھوٹی چھوٹی جماعتیں روانہ فرمائیں۔

ہدم عزّی۔ ہدم سواع

۲۵ رمضان ۸ھ کو خالد بن ولید کو تیس سواروں کی جمعیت کے ساتھ عزّی کو منہدم کرنے کے لئے مقام نخلہ کی طرف روانہ فرمایا۔ اس مقام تک مکہ سے ایک شب کا راستہ

ہے اور عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سواع کے منہدم کرنے کے لئے بھیجا یہ مکہ سے تین میل کے فاصلہ پر تھا۔ عمرو بن العاص جب وہاں پہنچے تو اُس بُت کے مجاور نے ان سے کہا تم کس ارادہ سے آئے عمرو بن العاص نے کہا رسول اللہ ﷺ کے حکم سے اس بُت کو منہدم کرنے آیا ہوں عمرو کا یہ جواب سن کر مجاور نے کہا تم اس پر کبھی قادر نہ ہو سکو گے خداوند سواع تم کو خود روک دے گا عمرو بن العاص نے کہا افسوس تو ابھی تک اسی خیال باطل میں پھنسا ہوا ہے کیا یہ سنتا اور دیکھتا ہے جو مجھ کو روک دے گا یہ کہہ کر اس پر ایک ضرب لگائی جس سے ان کا خداوند سواع پاش پاش ہو گیا اور مجاور سے مخاطب ہو کر کہا تو نے دیکھ لیا مجاور یہ دیکھتے ہی فوراً مسلمان ہو گیا اور کہا اسلمت للہ میں اسلام لایا اللہ کے لئے۔

ہدم مناة

اور ۲۶ رمضان المبارک کو سعد بن زید اشہلی کو مناة کے منہدم کرنے کے لئے مقام مُشَلَّل کی طرف روانہ کیا اور بیس سوار آپ کے ہمراہ کیئے۔ غرض یہ کہ رمضان کا تمام مبارک مہینہ اسی بت شکنی یعنی ارض اللہ سے کفر و شرک کی نجاست کے دھلوانے میں صرف ہوا۔

ماہ شوال میں محض تبلیغ اسلام اور دعوت حق کے لئے ساڑھے تین سو مہاجرین و انصار کو خالد بن ولیدؓ کے زیرِ کمان بنی جذیمہ کی طرف بھیجا۔ یہ لوگ یلملم کے قریب ایک تالاب کے کنارہ جس کا نام غمیصاء ہے وہاں رہتے تھے، خالد بن ولید نے جا کر ان کو اسلام کی دعوت دی گھبراہٹ میں اچھی طرح یہ تو نہ کہہ سکے کہ ہم مسلمان ہیں یہ کہنے لگے صَبَانَا صَبَانَا م نے اپنا پہلا دین چھوڑ دیا۔ خالد بن ولید نے اس کو کافی نہ سمجھا بعض کو قتل کیا اور بعض کو گرفتار۔ جب آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پہنچے اور واقعہ بیان کیا تو آپ نے ہاتھ اٹھا کر دو مرتبہ یہ فرمایا:

اللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَبْرَأُ اِلَیْکَ مِمَّا صَنَعَ ﴿۱﴾ اے اللہ میں اس سے بالکل بری ہوں جو خَالِد (بخاری و فتح الباری ص ۴۵ ج ۸) خالد نے کیا۔ ﴿۲﴾

پھر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو روپیہ دے کے بنو جذیمہ میں بھیجا تا کہ ان کا خون بہا ادا کر آئیں حضرت علی نے جا کر ان کا خون بہا ادا کیا۔ اور جب تحقیق اور دریافت کے بعد یہ اطمینان ہو گیا کہ اب کسی کا خون بہا باقی نہیں رہا تو جو روپیہ باقی بچ رہا تھا وہ بھی احتیاطاً انہیں پر تقسیم کر دیا۔ واپس ہو کر جب بارگاہِ نبوی میں سارا قصہ بیان کیا تو آپ بیحد مسرور ہوئے اور یہ فرمایا، أَصَبْتُ وَأَحْسَنْتُ!

غزوہ حنین و اوطاس و طائف

یومِ شنبہ ۶ شوال ۸ھ

حنین۔ مکہ اور طائف کے درمیان ایک مقام کا نام ہے جہاں قبائل ہوازن و ثقیف آباد تھے۔ یہ قبائل نہایت جنگجو اور قادر تیر انداز تھے۔ فتح مکہ سے یہ خیال پیدا ہوا کہ کہیں آپ ہم پر حملہ نہ کر دیں، اس لئے مشورہ سے یہ طے پایا کہ قبل اس کے کہ آپ ہم پر حملہ آور ہوں ہمیں کو چل کر آپ پر حملہ کر دینا چاہئے، چنانچہ ان کا سردار مالک بن عوف نصری بیس ہزار آدمیوں کو جمعیت لیکر آپ پر حملہ کرنے کے لئے چلا۔

درید بن صمہ سردار بنی جشم اگرچہ پیرانہ سالی کی وجہ سے حس و حرکت بھی نہیں کر سکتا تھا لیکن بوڑھے اور تجربہ کار اور جہاں دیدہ اور جنگ آزمودہ ہونے کی وجہ سے اس کو بھی ساتھ لے لیا تا کہ صلاح اور مشورہ میں اُس سے مدد ملے۔

مالک بن عوف نے تمام سپہ گروں کو یہ تاکید کر دی تھی کہ ہر شخص کے اہل و عیال اس کے ساتھ رہیں تا کہ خوب جم کر مقابلہ کریں اور کوئی شخص اپنے اہل و عیال کو چھوڑ کر بھاگ نہ سکے۔ جب وادیِ اوطاس میں پہنچے تو درید نے دریافت کیا یہ کونسا مقام ہے، لوگوں نے کہا یہ مقام اوطاس ہے، درید نے کہا۔ یہ مقام جنگ کے لئے نہایت موزوں اور مناسب ہے، یہاں کی زمین نہ بہت سخت ہے اور نہ بہت نرم کہ پاؤں دھنس جائیں پھر کہا۔

مالی اسمع رُغاء البعير و ۱؎ یہ کیا ہے کہ اونٹوں کا بولنا اور گدھوں کا چیخنا اور
نہاق الحمير و یعار الشاء و ۲؎ بکریوں کا آواز کرنا اور بچوں کا رونا اور بلبلانا
بکاء الصغیر ۳؎ سن رہا ہوں۔

لوگوں نے کہا یہ مالک بن عوف لوگوں کو مع اہل و عیال اور مع جان و مال لے کر آیا ہے
تاکہ لوگ ان کے خیال سے سینہ سپر ہو کر لڑیں۔

درید نے کہا سخت غلطی کی کیا شکست کھانے والا کچھ واپس لے کر جاتا ہے۔ جنگ میں
سوائے نیزہ اور تلوار کے کوئی شے کام نہیں آتی۔ اگر تجھ کو شکست اور ہزیمت ہوئی تو تمام اہل و
عیال کی ذلت و رسوائی کا باعث ہوگا بہتر یہ ہے کہ تمام اہل و عیال کو لشکر کے پیچھے رکھا
جائے۔ اگر فتح ہوئی تو سب آملیں گے اور اگر شکست ہوئی تو بچے اور عورتیں دشمن کی دستبرد
سے محفوظ رہیں گے۔ مگر مالک بن عوف نے جوش شباب میں اس طرف التفات نہ کیا اور کہا
خدا کی قسم میں ہرگز اپنی رائے سے نہ ٹلوں گا بڑھاپے سے اس کی عقل خراب ہو چکی ہے۔
ہوازن و ثقیف اگر میری رائے پر چلیں تو فہار نہ میں ابھی خود اتنی کر لیتا ہوں سب نے کہا
ہم تیرے ساتھ ہیں۔

آں حضرت ﷺ کو جب ان حالات اور واقعات کی اطلاع پہنچی تو عبداللہ بن ابی
حدرداسلمی کو تحقیق و تفتیش کے لئے روانہ فرمایا۔ عبداللہ نے ایک دو روز ان میں رہ کر تمام حالات
معلوم کیے اور آکر آں حضرت ﷺ کو ان کو جنگی تیاریوں کی اطلاع دی۔ تب آپ نے بھی
مقابلے کا سامان شروع کیا۔ صفوان بن امیہ سے سوزر ہیں مع ساز و سامان کے مستعار لیں۔

۸ شوال ۸ھ یوم شنبہ کو بارہ ہزار آدمیوں کے ساتھ مکہ سے روانہ ہوئے اور حنین کا
قصد فرمایا دس ہزار جاں باز و جان نثار تو وہی تھے جو مدینہ سے آپ کے ہمراہ آئے تھے اور
بعض غیر مسلم۔ (سیرت ابن ہشام)

بارہ ہزار کا یہ لشکر جبار جب حنین کی طرف بڑھا۔ تو ایک شخص کی زبان سے یہ لفظ نکلے۔
لن نغلب اليوم من قلة ۱؎ آج ہم قلت کی وجہ سے مغلوب نہ ہوں گے۔
جس میں شائبہ فخر اور اعجاب (خود پسندی) کا تھا جو حق تعالیٰ کو ناپسند ہے۔ عالم اسباب
میں چونکہ قلت بھی باعث ہزیمت ہوتی ہے اس لئے اس کثرت کو دیکھ کر بعض صحابہ کی زبان

پر یہ لفظ آگئے کہ آج ہم قلت کی وجہ سے مغلوب نہ ہوں گے۔ یعنی اگر آج ہم مغلوب ہوئے تو یہ ہماری مغلوبی قلت کی وجہ سے نہ ہوگی بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوگی فتح و نصرت اسی کے ہاتھ میں ہے۔ لیکن بارگاہِ احدیت میں یہ کلام ناپسند ہوا۔

اس لئے کہ اس میں یہ ایہام تھا کہ کامرانی اور کامیابی غلبہ اور فتح یا بی کا سبب کثرت ہے خصوصاً وہ حضرات کہ جو تو حید و تفرید کی منزلیں خانقاہ نبوت و رسالت میں رہ کر طے کر چکے ہوں ان میں سے کسی ایک کی زبان سے بھی ایسا موہم لفظ نکلنا ان کے شایان شان نہیں۔ عجب نہیں کہ جو لوگ فتح مکہ میں مسلمان ہوئے تھے اور آپ کے ہمراہ تھے اور ہنوز اسلام ان کے دلوں میں راسخ نہ ہوا تھا یہ ان کی صحبت کا اثر ہو۔

سنن نسائی میں ہے کہ ایک مرتبہ صبح کی نماز میں آں حضرت ﷺ نے سورہ روم پڑھنا شروع کی اثناء قراءت میں آپ کو کچھ خلجان اور التباس و اشتباہ پیش آیا، جب نماز سے فارغ ہوئے تو یہ ارشاد فرمایا:

ما بال اقوام یصلون معنا لا یحسنون الطہور و انما یلبس علینا القرآن
کیا حال ہے لوگوں کا کہ ہمارے ساتھ نماز
پڑھنے کھڑے ہو جاتے ہیں اور وضوء ٹھیک
طرح نہیں کرتے جزایں نیست کہ ایسے ہی
لوگ ہمارے پڑھنے میں گڑبڑ کر دیتے ہیں۔

اس حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ آں حضرت ﷺ کے خاطر عاطر کی کدورت اور التباس قراءت کی علت فقط ان لوگوں کی صحبت و معیت تھی کہ جو وضوء کے پورے آداب و مستحب بجا نہیں لائے تھے عیاذ باللہ ان میں کوئی بے وضوء نہ تھا۔ سب با وضوء تھے، مگر بعض نمازیوں کی وضوء میں وضاءت یعنی صرف حسن اور جمال کی کمی تھی۔ جس سے آپ کا قلب متاثر ہوا اب اس سے شرکین اور مبتدعین۔ زنادقہ و ملحدین کے صحبت کے اثر اور ضرر کا اندازہ لگا لیجئے۔ علامہ طیبی طیب اللہ ثراہ و جعل الجنة مشواہ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں کہ سنن اور آداب کے انوار و برکات دوسروں تک سرایت کرتے ہیں اور ان کے ترک سے فتوحات غیبیہ کا دروازہ بند ہو جاتا ہے اور بعض اوقات اگر دوسروں تک متعدی ہوتا ہے کہ اس شخص کی وجہ سے دوسرا شخص خیرات و برکات اور دار و جلیات سے

محروم ہو جاتا ہے۔ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ورضواعتہ پر جو رنگ تھا وہ سرور کائنات منبع الخیرات والبرکات علیہ افضل الصلوٰات والتحیات کی صحبت کا اثر تھا۔ مگر اس وقت اس اجنبی صحبت کے اثرات سے بلا اختیار یہ کلمہ زبان سے نکل گیا۔

اند کے پیش تو گفتم غم دل تر سیدم کہ دل آزرده شوی ورنہ سخن بسیارست
الغرض یہ کلمہ بارگاہ خداوندی میں پسند نہ آیا۔ اور بجائے فتح کے پہلے ہی وہلہ میں شکست کا منہ دیکھنا پڑا۔ کما قال تعالیٰ:-

وَيَوْمَ حُنَيْنٍ إِذْ أَعْجَبْتَكُمْ
كَثَرَتْكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْئًا
وَضَاقَتْ عَلَيْكُمْ الْأَرْضُ بِمَا
رَحَبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُدْبِرِينَ ۝ ثُمَّ
أَنْزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَى رَسُولِهِ
وَعَلَى الْمُؤْمِنِينَ وَأَنْزَلَ جُنُودًا
لَمْ تَرَوْهَا وَعَذَّبَ الَّذِينَ كَفَرُوا
وَذَالِكَ جَزَاءُ الْكَافِرِينَ ۝ ۱

اور حنین کے دن جب کہ تمہاری کثرت نے تم کو
خود پسندی میں ڈال دیا پس وہ کثرت تمہارے
کچھ کام نہ آئی اور زمین باوجود وسیع ہونے کے
تم پر تنگ ہو گئی پھر تم پشت پھیر کر بھاگے اس
کے بعد اللہ نے اپنی خاص تسکین اتاری اپنے
رسول پر اور اہل ایمان کے قلوب پر اور ایسے لشکر
اتارے جن کو تم نے نہیں دیکھا اور کافروں کو سزا
دی اور یہی سزا ہے کافروں کی۔

لشکرِ اسلام سے شنبہ کی شام کے وقت وادی حنین میں پہنچا۔ قبائل ہوازن و ثقیف دونوں جانب کمینگاہوں میں چھپے بیٹھے تھے۔ مالک بن عوف نے ان کو پہلے سے یہ ہدایت کر دی تھی کہ تلواروں کے نیام سب توڑ کر پھینک دو اور لشکرِ اسلام جب ادھر سے آئے تو بیس ہزار تلواروں سے ایک دم ان پر بلہ بول دو چنانچہ صبح کی تاریکی میں جب لشکرِ اسلام اس درہ سے گزرنے لگا تو بیس ہزار تلواروں سے دفعۃً حملہ کر دیا جس سے مسلمانوں کا لشکر سراسیمہ اور منتشر ہو گیا اور صرف دس بارہ شیدایان نبوت اور جان بازان رسالت آپ کے پہلو میں رہ گئے اُس وقت آپ کے ہمراہ ابو بکر و عمر و علی و عباس و فضل بن عباس و اسامہ بن زید اور چند آدمی تھے۔ حضرت عباس آپ کے خچر کی لگام تھامے ہوئے تھے اور ابوسفیان بن حارث رکاب پکڑے ہوئے تھے۔

جو لوگ مکہ سے آپ کے ساتھ آئے تھے وہ اچانک ہزیمت سے آپس میں چہ می گوئیاں کرنے لگے۔ ابوسفیان بن حرب (امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے باپ) نے کہا کہ اب یہ ہزیمت دریا سے ورے نہیں تھمتی اور کلدۃ بن ضبل نے خوشی میں چلا کر یہ کہا۔ آج سحر کا خاتمہ ہوا۔

صفوان بن امیہ نے کہا حالانکہ وہ اس وقت مشرک تھے۔ خاموش اللہ تیرے منہ کو بند کرے میرے نزدیک یہ زیادہ عزیز ہے کہ قریش کا کوئی آدمی میرا دالی اور مربی ہو اس سے کہ قبیلہ ہوازن کا کوئی شخص میری تربیت کرے شہید بن عثمان بن ابی طلحہ نے کہا آج میں محمد سے اپنے باپ کا بدلہ لوں گا۔ اس کا باپ جنگِ احد میں مارا گیا تھا۔ جب آپ کی طرف بڑھا تو فوراً غشی طاری ہو گئی اور آپ تک نہ پہنچ سکا۔ سمجھ گیا کہ مجھ کو من جانب اللہ آپ تک پہنچنے سے روکا گیا ہے بعد میں مشرف باسلام ہوئے۔

الغرض جب قبائل ہوازن وثقیف نے کمیز گاہوں سے نکل کر ایک دم ہلے بول دیا۔ اور مسلمانوں پر ہر طرف سے بارش کی طرح تیر برسنے لگے تو پیرا کھڑ گئے، صرف رفقاء خاص آپ کے پاس رہ گئے۔

آپ نے تین بار پکار کے فرمایا اے لوگو! ادر آؤ میں اللہ کا رسول اور محمد بن عبد اللہ ہوں
اننا لنبی لا کذب ۲۔ انا ابن عبد المطلب
 میں سچا نبی ہوں اللہ نے مجھ سے جو فتح و نصرت اور میری عصمت ۳ و حمایت کا وعدہ کیا ہے وہ بالکل حق ہے اس میں کذب کا امکان نہیں۔ اور میں عبد المطلب کا بیٹا ہوں۔

حضرت عباس بلند آواز تھے ان کو حکم دیا کہ مہاجرین و انصار کو آواز دیں انہوں نے باواز بلند یہ نعرہ لگایا۔

یا معشر الانصار
 یا اصحاب السمرۃ
 اے گروہ انصار
 اے وہ لوگوں جنہوں نے کیکر کے درخت کے نیچے بیعت رضوان کی تھی۔

آواز کا کانوں میں پہنچنا تھا کہ ایک دم سب پلٹ پڑے اور منٹوں میں پروانہ وار آ کر شمع نبوت کے گرد جمع ہو گئے۔ آپ نے مشرکین پر حملہ کا حکم دیا۔ جب گھمسان کی لڑائی شروع

ہوگئی اور میدان کا رزار گرم ہو گیا تو آپ نے ایک مشت خاک لے کر کافروں کی طرف پھینکی اور یہ فرمایا۔

شاهت الوجوه (رداء مسلم) ! برے ہوئے یہ چہرے۔

صحیح مسلم کی ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے مشت خاک پھینکنے کے بعد یہ فرمایا:

انہزموا ورب محمد ! قسم ہے رب محمد کی انہوں نے شکست کھائی۔

کوئی انسان ایسا نہ رہا کہ جس کی آنکھ میں اس مشت خاک کا غبار نہ پہنچا ہو۔ اور ایک لمحہ نہ گزرا تھا کہ دشمنوں کے قدم اکھڑ گئے، بہت سے بھاگ گئے اور بہت سے اسیر کر لئے گئے اسی بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

وَيَوْمَ حُنَيْنٍ إِذْ أَعْجَبْتَكُمْ كَثَرَتْكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْئًا وَضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُم مُّذَبِّرِينَ فَأَنْزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَى رَسُولِهِ وَعَلَى الْمُؤْمِنِينَ وَأَنْزَلَ جُنُودًا لَّمْ تَرَوْهَا وَعَذَّبَ الَّذِينَ كَفَرُوا وَذَٰلِكَ جَزَاءُ الْكَافِرِينَ۔ ۱

ادھر آپ نے ایک مشت خاک پھینکی اور ادھر بہادران اسلام نے محض اللہ کی نصرت اور اعانت پر بھروسہ کر کے حملہ کیا۔ دم کے دم میں کاپاپلیٹ ہوگئی۔ بہادران ہوازن کے باوجود قوت اور شوکت کے پیر اکھڑ گئے اور مسلمانوں نے ان کو گرفتار کرنا شروع کر دیا۔ دشمن کے ستر آدمی معرکہ میں کام آئے اور بہت سے گرفتار ہوئے اور بہت کچھ مال و اسباب ہاتھ آیا۔ ۲

جبیر بن مطعم راوی ہیں۔ کہ ہوازن کی شکست اور پسپائی سے کچھ ہی پہلے ایک سیاہ چادر میں نے آسمان سے اترتی دیکھی۔ وہ چادر ہمارے اور دشمن کے مابین آکر گری۔ دفعۃً اس میں سے سیاہ چیونٹیاں نکلیں اور تمام وادی میں پھیل گئیں۔ مجھ کو اُن کے فرشتے ہونے میں ذرہ برابر شک نہ تھا ان کا اُترنا تھا کہ دشمنوں کو شکست ہوئی ۳

شکست کے بعد ہوازن وثقیف کا سردار اور سپہ سالار مالک بن عوف نصری ایک جماعت کے ساتھ بھاگا اور طائف میں جا کر دم لیا۔ اور درید بن صمہ اور کچھ لوگوں نے بھاگ کر مقام اوطاس میں پناہ لی اور کچھ لوگ بھاگ کر مقام نخلہ میں پہنچے۔ آں حضرت ﷺ نے ابو موسیٰ

اشعری کے چچا ابو عامر اشعری کو تھوڑی سی فوج کے ساتھ اوطاس کی طرف روانہ کیا۔ جب مقابلہ ہوا تو درید بن صممہ - ربیعہ بن رُفیع رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ سے مارا گیا۔

سلمۃ بن درید نے ابو عامر اشعری رضی اللہ عنہ کے گھٹنہ میں ایک تیر مارا جس سے وہ شہید ہو گئے ابو موسیٰ اشعری نے بڑھ کر رایت اسلام سنبھالا اور نہایت شجاعت اور بہادری سے مقابلہ کیا اور اپنے چچا کے قاتل کو قتل کیا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح دی۔ ابو عامر اشعری نے مرتے وقت ابو موسیٰ اشعری سے کہا کہ اے بھیجے رسول اللہ ﷺ سے میرا سلام عرض کرنا اور یہ کہنا کہ میرے لئے دُعاۓ مغفرت فرمائیں۔ ابو موسیٰ کہتے ہیں کہ میں نے جا کر آپ سے تمام واقعہ بیان کیا اور اپنے چچا ابو عامر کا سلام اور پیام پہنچایا آپ نے اسی وقت وضوء کے لئے پانی منگایا اور وضوء کر کے ہاتھ اٹھائے اور یہ دعا کی۔
اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِعَبِيدِ ابْنِ عامر ! اے اللہ عبید ابو عامر کی مغفرت فرما۔
پھر یہ دعا فرمائی۔

اللَّهُمَّ اجْعَلْهُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ فَوْقَ ! اے اللہ قیامت کے دن اس کو بہت سے
كثِيرٍ مِّنْ خَلْقِكَ مِنَ النَّاسِ ! بندوں سے اونچا فرما۔
ابو موسیٰ کہتے ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میرے لئے بھی دُعاۓ مغفرت فرمائیے۔ آپ نے فرمایا:

اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِعَبْدِ اللَّهِ بْنِ قَيْسٍ ! اے اللہ عبد اللہ بن قیس کے گناہوں کی
ذَنْبِهِ وَادْخُلْهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ! مغفرت فرما اور قیامت کے دن اُس کو یعنی ابو
مَدْخُلًا كَرِيمًا ! موسیٰ کو عزت کی جگہ میں داخل فرما۔
(بخاری شریف ص ۶۱۹ باب غزوة اوطاس)

محاصرة طائف

آں حضرت ﷺ نے حنین کے اموال غنیمت اور قیدیوں کے متعلق یہ حکم دیا کہ
بھرانہ میں جمع کر دیا جائے اور خود طائف کا قصد فرمایا۔ اور طائف جانے سے پہلے طفیل بن
عمرو دوسی کو چند موحدین کے ساتھ ایک چوبلی بت (جس کا نام ذوالکفین تھا) کے جلانے

کے لئے روانہ فرمایا۔ آپ کے طائف پہنچنے کے چار روز بعد طفیل بن عمرو دوسی بھی پہنچ گئے اور ایک دبّابہ اور منجیق ساتھ لائے۔ (زرقانی ص ۲۹ ج ۳، بیون الاثر ص ۲۰۰ ج ۲)

مالک بن عوف نصری سپہ سالار ہوازن مع اپنی فوج کے آپ کے پہنچنے سے پہلے طائف کے قلعہ میں داخل ہو کر دروازہ بند کر چکا تھا اور کئی سال کا غلہ اور خورد و نوش کا سامان قلعہ میں فراہم کر لیا تھا۔ اُس حضرت ﷺ نے طائف پہنچ کر اُن کا محاصرہ کیا۔ اور منجیق کے ذریعہ سے ان پر پتھر برسائے گئے۔ ان لوگوں نے قلعہ کی فصیل پر تیر اندازوں کو بٹھلا دیا، انہوں نے ایسی سخت تیر باری کی کہ بہت سے مسلمان زخمی ہوئے اور بارہ آدمی شہید ہوئے، خالد بن ولید نے ان کو دست بدست مقابلہ کے لئے بلایا مگر جواب یہ ملا کہ ہمیں قلعہ سے اترنے کی ضرورت نہیں۔ سالہا سال کا غلہ ہمارے پاس موجود ہے، جب یہ ختم ہو جائے گا تب ہم تلواریں لے کر اتریں گے۔ مسلمانوں نے دبّابہ میں بیٹھ کر قلعہ کی دیوار میں نقب دینے کی کوشش کی انہوں نے اوپر سے لوہے کی گرم سلاخیں برسانی شروع کیں جس سے مسلمانوں کو پیچھے ہٹنا پڑا۔ یہ دیکھ کر آپ نے باغات کے کٹوانے کا حکم دیا اہل قلعہ نے آپ کو اللہ کا اور قرابتوں کا واسطہ دیا۔ آپ نے فرمایا میں اللہ اور قرابتوں کے لئے ان کو چھوڑ دیتا ہوں۔ بعد ازاں دیوار قلعہ کے قریب یہ آوازہ لگوادیا کہ جو غلام قلعہ سے اتر کر ہمارے پاس آجائے گا وہ آزاد ہے۔ چنانچہ بارہ تیرہ غلام نکل کر ادھر آ ملے اسی اثناء میں آپ نے ایک خواب دیکھا کہ ایک دودھ کا پیالہ آپ کے سامنے پیش کیا گیا ایک مرغ نے آکر اُس میں چونچ ماری جس سے وہ دودھ گر گیا۔ آپ نے یہ خواب صدیق اکبر سے بیان کیا، انہوں نے کہا غالباً یہ قلعہ ابھی فتح نہ ہوگا آپ نے نوفل بن معاویہ دیلمی کو بلا کر دریافت فرمایا تمہاری کیا رائے ہے نوفل نے کہا یا رسول اللہ لومڑی اپنے بھٹ میں ہے اگر ٹھہرے رہیں تو پکڑ لیں گے اور اگر چھوڑ دیں گے تو آپ کا کوئی نقصان نہیں۔

ابن سعد کی روایت میں ہے کہ حضرت عمر نے آکر عرض کیا یا نبی اللہ ان کے حق میں بدعہا کیجئے۔ آپ نے فرمایا اللہ نے مجھے اجازت نہیں دی حضرت عمر نے فرمایا پھر ہم کو ان سے لڑنے کی کیا ضرورت ہے، آپ نے کوچ کا حکم دے دیا اور چلتے وقت یہ دعا دی۔

اللهم اهد ثقیفاً واثت بهمہ ! اے اللہ ثقیف کو ہدایت دے اور اُن کو مسلمان کر کے میرے پاس پہنچا۔

چنانچہ بعد میں یہ قلعہ خود بخود فتح ہو گیا سب لوگ مسلمان ہو گئے اور مالک بن عوف نصری اُن کا سردار خود آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف باسلام ہوا۔

تقسیم غنائم حنین

طائف سے چل کر آپ پانچ ذی القعدة الحرام کو جعرانہ پہنچے جہاں مال غنیمت جمع تھا چھ ہزار قیدی اور چوبیس ہزار اونٹ اور چالیس ہزار بکریاں اور چار ہزار اوقیہ چاندی تھی یہاں پہنچ کر آپ نے دس دن سے زیادہ ہوازن کا انتظار کیا کہ شاید وہ اپنے عزیزوں بچوں اور عورتوں کو چھڑانے آئیں لیکن جب دس بارہ روز کے انتظار کے بعد بھی کوئی نہ آیا تب آپ نے مال غنیمت غانمین پر تقسیم کر دیا۔ (فتح الباری ص ۳۸ ج ۸ بیون الاثر ص ۱۹۳ ج ۲)۔

تقسیم غنائم کے بعد ہوازن کا وفد آپ کی خدمت میں حاضر ہوا جس میں نو آدمی تھے۔ اسلام قبول کیا اور آپ کے ہاتھ پر بیعت کی اور بعد ازاں اپنے اموال اور اہل و عیال کی واپسی کی درخواست کی آپ کی رضائی والدہ حضرت حلیمہ سعدیہ اسی قبیلہ کی تھیں۔ اس قبیلہ کے خطیب زہیر بن صرد نے کھڑے ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ ان اسیروں میں آپ کی پھوپیاں اور خالائیں اور گود کھلانے والیاں ہیں اگر کسی بادشاہ یا امیر سے ہمارے اس قسم کے تعلقات ہوتے تو بہت کچھ مہربانی ہوتی اور آپ کی شان تو ان سب سے اعلیٰ اور ارفع ہے۔ ہم پر جو مصیبت آئی ہے وہ آپ پر مخفی نہیں۔ آپ ہم پر احسان کیجئے اللہ آپ پر احسان کرے گا اور یہ شعر پڑھے۔

امنن علينا رسول الله في كرم فانك المرء نرجوه وننتظر

الى آخر القصيدة

انشاء اللہ تعالیٰ پورا قصیدہ وفود کے بیان میں آئے گا۔

آپ نے فرمایا میں نے تمہارا بہت انتظار کیا اور اب غنائم تقسیم ہو چکی ہیں دو چیزوں میں

سے ایک چیز اختیار کر لو قیدی یا مال۔ وفد نے کہا آپ نے ہم کو مال اور حسب میں اختیار دیا ہے ہم حسب نسب کو اختیار کرتے ہیں اونٹ اور بکری کے بارے میں آپ سے کچھ نہیں کہتے۔

آپ نے ارشاد فرمایا میرے اور خاندان بنی ہاشم و بنی المطلب کے حصہ میں جو کچھ آیا ہے وہ سب تمہارا ہے لیکن اور مسلمانوں کے حصہ میں جو کچھ جا چکا ہے اس کی بابت ظہر کی نماز کے بعد تم لوگ کھڑے ہو کر کہنا میں تمہاری سفارش کروں گا چنانچہ ظہر کی نماز کے بعد وفد ہوازن کے خطباء نے فصیح و بلیغ تقریریں کیں۔ اور اپنے قیدیوں کی رہائی کے لئے مسلمانوں سے درخواست کی۔ بعد ازاں آں حضرت ﷺ خطبہ کے لئے کھڑے ہوئے اول خدا تعالیٰ کی حمد و ثناء کی اور پھر فرمایا تمہارے یہ بھائی ہوازن مسلمان ہو کر آئے ہیں میں نے اپنا اور اپنے خاندان کا حصہ ان کو دے دیا ہے۔ میں مناسب سمجھتا ہوں اور مسلمان بھی ان کے قیدی واپس کر دیں جو شخص خوشی اور طیب خاطر سے ایسا کر دے تو بہتر ہے ورنہ میں بعد میں اس کا معاوضہ دینے کے لئے تیار ہوں سب نے کہا کہ ہم طیب خاطر سے اس پر راضی اور خوش ہیں۔ اس طرح چھ ہزار قیدی دفعۃً آزاد کر دیئے گئے۔

انہیں اسیران جنگ میں آپ کی رضاعی بہن حضرت شیماء بھی تھیں لوگوں نے جب اُن کو گرفتار کیا تو انہوں نے کہا میں تمہارے پیغمبر کی بہن ہوں لوگ تصدیق کے لئے آپ کی خدمت میں لے کر آئے شیماء نے کہا اے محمد میں تمہاری بہن ہوں اور علامت بتلائی کہ لڑکپن میں ایک مرتبہ تم نے دانت سے کاٹا تھا جس کا یہ نشان موجود ہے، آپ نے پہچان لیا اور مرحبا کہا اور بیٹھنے کیلئے چادر بچھا دی اور فرط مسرت سے آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور فرمایا اگر تم میرے پاس رہنا چاہو تو نہایت عزت و احترام کے ساتھ تم کو رکھوں گا اور اگر اپنے قبیلہ میں جانا چاہو تو تم کو اختیار ہے شیماء نے کہا میں اپنی قوم میں جانا چاہتی ہوں اور مسلمان ہو گئی۔ آں حضرت ﷺ نے چلتے وقت ان کو کچھ اونٹ اور بکریاں اور تین غلام اور ایک باندی عطا فرمائی۔ (اصابہ ترجمہ شیماء ص ۳۴۴ ج ۴)

فتح مکہ میں جو معززین قریش اسلام میں داخل ہوئے ہنوز مذہب الاعتقاد تھے ایمان ان کے دلوں میں راسخ نہ ہوا تھا۔ جن کو اصطلاح قرآن میں مؤلفۃ القلوب کہا گیا ہے۔ آں

حضرت ﷺ نے تقسیم غنائم کے وقت ان کو بہت انعامات دیئے، کسی کو سوار کسی کو دو سوار کسی کو تین سوار دیئے۔ (جس کی تفصیل فتح الباری اور زرقانی میں مذکور ہے)

الغرض جو کچھ دیا گیا وہ اشراف قریش کو دیا گیا انصار کو کچھ نہیں دیا۔ اس لئے انصار کے بعض نو جوان کی زبان سے یہ لفظ نکلے کہ رسول اللہ ﷺ نے قریش کو تو دیا اور ہم کو چھوڑ دیا حالانکہ ہماری تلواریں اب تک اُن کے خون سے ٹپکتی ہیں، بعض نے کہا کہ مشکلات اور شدائد میں تو ہم کو بلایا جاتا ہے مالِ غنیمت دوسروں پر تقسیم کر دیا جاتا ہے۔ اُس حضرت ﷺ کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو انصار کو جمع کر کے فرمایا اے انصار یہ کیا بات ہے جو میں سُن رہا ہوں، انصار نے کہا یا رسول اللہ ہم میں کے سربرآوردہ اور سمجھدار اور اہل الرائے لوگوں میں سے کسی نے یہ نہیں کہا، البتہ بعض نو جوانوں نے ایسا کہا۔ آپ نے فرمایا اے گروہ انصار کیا تم گمراہ نہ تھے اللہ تعالیٰ نے تم کو میرے واسطے سے ہدایت دی۔ آپس میں تم ایک دوسرے کے دشمن تھے اللہ نے میرے ذریعہ سے تمہارے دل ملا دیئے، تم فقیر اور کنگال تھے اللہ نے میرے ذریعہ سے تم کو مالا مال کیا۔ انصار نے کہا آپ جو فرماتے ہیں وہ بالکل بجا اور درست ہے، بے شک اللہ اور اُس کے رسول کا ہم پر بڑا احسان ہے۔ آپ نے فرمایا تم میری تقریر کا یہ جواب دے سکتے ہو کہ اے محمد (ﷺ) جب لوگوں نے تجھ کو جھٹلایا ہم نے تیری تصدیق کی۔ جب تو بے یار و مددگار تھا اس وقت ہم نے تیری مدد کی۔ جب تو بے سہارا اور بے ٹھکانہ تھا تو ہم نے تجھ کو ٹھکانہ دیا، جب تو مفلس تھا تو ہم نے تیری یاری اور غمگساری کی، اے گروہ انصار کیا تمہارے دل اس بات سے رنجیدہ ہوئے کہ میں نے اس دنیائے دون میں سے جس کی حقیقت سراب سے زیادہ نہیں کچھ متلعقل اور دراہم معدودہ چند لوگوں کو تالیفِ قلوب کے لئے دے دیئے اور تمہارے اسلام و ایمان اور ایقان و اذعان پر بھروسہ کر کے تم کو چھوڑ دیا۔

بخاری کی روایت میں ہے کہ آپ نے یہ فرمایا کہ قریش کو قتل و قید کی مصیبتیں پہنچی ہیں (یعنی مسلمانوں کے مقابلہ میں ان کو جانی اور مالی طرح طرح کی اذیتیں پہنچی ہیں) اس لئے اس داد و دہش سے اُن کے نقصان کے لئے کچھ تلافی کرنا چاہتا ہوں اور ان کے دلوں کو اسلام سے مانوس کرنا چاہتا ہوں کہ غزوات میں ان کے بھائی بند قتل اور قید ہوئے اور طرح طرح کی ذلتیں اور مصیبتیں ان کو پہنچیں جن سے اللہ تعالیٰ نے تم کو محفوظ رکھا پس تالیفِ قلب

کے لئے ایسے لوگوں کو مال دینا مناسب ہے اور تم اہل ایمان ہو ایمان اور ایقان کی بے مثال اور لازوال دولت سے مالا مال ہو۔ کیا تم اس پر راضی نہیں کہ لوگ تو اونٹ اور بکری لے کر اپنے گھر واپس ہوں اور تم اللہ کے رسول کو اپنے ساتھ لے کر جاؤ۔ قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ اگر ہجرت امر تقذیری نہ ہوتا تو میں انصار میں سے ہوتا۔ اگر لوگ ایک گھائی کو چلیں اور انصار دوسری گھائی کو تو میں انصار کی گھائی کو اختیار کروں گا۔ اے اللہ تو انصار پر اور ان کی اولاد اور اولاد پر رحم اور مہربانی فرماتا۔

یہ فرمانا تھا کہ انصار جان نثار چیخ اٹھے اور روتے ہوئے ڈاڑھیاں تر ہو گئیں اور کہا ہم اس تقسیم پر دل و جان سے راضی ہیں کہ اللہ کا رسول ہمارے حصہ میں آیا۔ اس کے بعد مجمع درخواست ہو گیا۔ (تاریخ ابن الاثیر ص ۱۳۱ ج ۲) ۱

عمرہ جعرانہ

بعد ازاں ۱۸ ذی القعدة الحرام کو شب کے وقت آپ جعرانہ سے مکہ کی طرف عمرہ کے ارادہ سے روانہ ہوئے وہاں پہنچ کر عتاب بن اسید کو مکہ کا والی مقرر فرمایا اور معاذ بن جبل کو تعلیم دین کی غرض سے ان کے پاس چھوڑا اور دو مہینے اور سولہ دن کے بعد ۲ ذی قعدة الحرام کو مع صحابہ کے داخل مدینہ ہوئے۔ ۲

تحریم متعہ

آں حضرت ﷺ جب اوطاس سے عمرہ کرنے کے لئے تشریف لائے تو باب کعبہ پر کھڑے ہوئے اور کعبہ کے دونوں بازو دونوں ہاتھوں سے تھامے اور یہ فرمایا کہ متعہ قیامت تک ہمیشہ ہمیشہ کے لئے حرام کیا گیا ہے۔ چونکہ یہ اعلان رات کے وقت تھا۔ اور سامعین حاضرین کی تعداد قلیل تھی سب کو پوری طرح اس کی خبر نہ ہوئی، اس لئے بعض بے خبری میں اس کے بعد متعہ کے مرتکب ہوئے تو آپ نے غزوہ تبوک میں پھر اس کی حرمت کا اعلان

۱۔ آپ کی اصل تقریر کے اکثر اجزاء فتح الباری ص ۴۰ ج ۸ اور زرقانی ۳۸ ج ۳ میں بھی مذکور ہیں لیکن یہ ترتیب اور تسلسل تاریخ ابن الاثیر الجزری میں مذکور ہے۔ ۲۔ زرقانی۔ ج ۳، ص ۴۱۔

فرمایا پھر حضرت عمر کے زمانہ خلافت میں بعض لوگ اسی بے خبری کی وجہ سے نکاحِ متعہ کے مرتکب ہوئے یہ خبر سن کر خلیفہ وقت منبر پر کھڑے ہوئے اور کہا کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے متعہ کو حرام فرمایا ہے اور گاہ گاہ آں حضرت کے وقت میں (بے خبری کی بنا پر متعہ ہوا ہے) اور آپ نے اس پر کوئی مواخذہ نہیں فرمایا آخر کار متعہ کی حرمت ثابت ہو چکی ہے اب میرے اس اعلان کے بعد جو متعہ کرے گا میں اس پر حد زنا جاری کروں گا، حضرت عمر کے اس اعلان واجب الاذعان کے بعد متعہ قطعاً موقوف ہو گیا۔

واقعات متفرقہ

(۱) اس سال عتاب بن اسید رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے تمام مسلمانوں کو اسی طرح سے حج کرایا جیسے عرب کا طریق تھا۔

(۲) اسی سال ماہ ذی الحجہ میں ماریہ قبطیہ کے لطن سے ابراہیم بن رسول اللہ ﷺ پیدا ہوئے۔
(۳) اسی سال آپ نے عمرو بن العاص کو عامل بنا کر صدقات وصول کرنے کے لئے عمان کی طرف بھیجا۔

(۴) اسی سال آپ نے کعب بن عمیر کو ”ذاتِ اطلاع“ کی طرف جو شام کا ایک علاقہ ہے دعوتِ اسلام کی غرض سے روانہ کیا۔ پندرہ آدمی ان کے ہمراہ گئے، وہاں کے لوگوں نے سب مسلمانوں کو قتل کر ڈالا۔ صرف ایک آدمی بچ کر مدینہ واپس آیا۔ (تاریخ ابن الاثیر ص ۱۳۲)

لطائف و معارف

قبائل عرب فتح مکہ کے منتظر تھے کہ اگر محمد (ﷺ) مکہ اور اہل مکہ پر غالب آگئے تو آپ سچے پیغمبر ہیں۔ چنانچہ مکہ فتح ہوتے ہی لوگ جوق در جوق اسلام کے حلقہ بگوش ہونے لگے مکہ کا قالِ تعالیٰ۔

إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ ۖ
وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُونَ فِيْ
ۖ جَبَّ اللہ کی نصرت اور فتح ظہور میں آئے اور
لوگوں کو دین اسلام میں داخل ہوتا ہوا فوج در

دین اللہ افواجاً فسبح بحمد ربک واستغفره انه کان تواباً

فوج اور جوق در جوق آپ دیکھ لیں۔ پس اس وقت آپ تسبیح و تحمید اور استغفار میں مشغول ہو جائیں (اس دار فانی سے رحلت کا وقت قریب آ گیا ہے) بے شک وہ بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے۔

لیکن قبائل ہوازن و ثقیف جو فنون جنگ سے نہایت باخبر اور آگاہ اور محکم تیر انداز تھے۔ تکیوئی طور پر ان کے قلوب کو فی الحال روک لیا گیا۔ تاکہ جب پورے ساز و سامان کے ساتھ میدان میں آجائیں حتیٰ کہ کوئی مرد اور عورت، بچہ اور بوڑھا۔ اونٹ اور بکری، کوئی جانور اور کوئی مویشی اور کسی قسم کا مال گھر میں نہ رہنے پائے اللہ کے لشکر کے لئے تمام مال غنیمت یکجا جمع ہو جائے تاکہ حق جل و علا اس وقت اپنے دین متین کی فتح مبین کا عجیب و غریب منظر دنیا کو دکھلائے۔

غزواتِ عرب کی ابتداء غزوۂ بدر سے ہوئی جس نے ان کو مرعوب کر دیا تھا اور غزوۂ حنین پر اس کی انتہاء ہوئی جس نے عرب کی قوت و شوکت کا خاتمہ کر دیا کہ اب جزیرۃ العرب میں کسی کی مجال نہیں کہ حق کے مقابلہ میں سراٹھا سکے مگر چونکہ بعض مسلمانوں کی زبان سے یہ لفظ نکل گیا تھا۔ (لن نغلب الیوم عن قلة) آج ہم قلت کی وجہ سے مغلوب نہ ہوں گے جو بارگاہِ خداوندی میں ناپسند ہوا۔ اس لئے پہلے حملہ میں مسلمانوں کو شکست ہوئی تاکہ معلوم ہو جائے کہ فتح و نصرت اللہ کی جانب سے ہے، قلت و کثرت پر اس کا مدار نہیں جس کی خدا مدد کرے اس پر کوئی غالب نہیں۔ اور جس کی امداد سے وہ دستکش ہو جائے پھر اس کا کوئی مددگار نہیں اور تاکہ لوگوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ خود اپنے رسول اور اپنے دین کا حامی اور مددگار ہے تمہاری کثرت پر اس کا مدار نہیں تم تو باوجود کثرت کے بھاگ اٹھے، چنانچہ جب تم نے سمجھ لیا کہ ہماری کثرت اور ہماری حول اور قوت کچھ کارآمد نہیں صرف خداوند ذوالجلال کی ہی حول اور قوت ہماری دست گیری کر سکتی ہے، تب حق تعالیٰ نے تم پر یہ انعام فرمایا:

ثُمَّ أَنْزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَى رَسُولِهِ وَعَلَى الْمُؤْمِنِينَ وَأَنْزَلَ جُنُودًا لَمْ تَرَوْهَا وَعَذَّبَ الَّذِينَ كَفَرُوا وَذَلِكَ جَزَاءُ الْكَافِرِينَ ۝

پھر اللہ نے اپنے رسول اور اہل ایمان کے دلوں پر خاص سکینت و طمانیت نازل فرمائی اور امداد کیلئے ایسے لشکر اتارے جس کو تم نے نہیں دیکھا اور کافروں کو سزا دی اور یہی سزا کافروں کی۔

حق جل و علا کی یہ سنت ہے کہ فتح و نصرت کا خلعت اہل تواضع اور اہل انکساری کو عطا ہوتا ہے۔ کما قال تعالیٰ:

وَنُرِيدُ أَنْ نَمُنَّ عَلَى الَّذِينَ اسْتُضِعُوا فِي الْأَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ أَئِمَّةً وَنَجْعَلَهُمُ الْوَارِثِينَ ۝ وَنَمَكِّنَ لَهُمْ فِي الْأَرْضِ وَنُرِيَ فِرْعَوْنَ وَهَامَانَ وَجُنُودَهُمَا مِنْهُمْ مَا كَانُوا يَحْذَرُونَ ۝

ہمارا ارادہ یہ ہے کہ ان لوگوں پر احسان کریں جن کو زمین میں کافروں کی طرف سے کمزور سمجھا گیا اور ان کو سردار بنائیں اور کافروں کی املاک کا وارث بنائیں اور زمین میں ان کو حکومت دیں اور فرعون اور ہامان اور ان کے لشکروں کو ان کے ہاتھ سے وہ چیز دکھلائیں جس سے وہ ڈر رہے ہیں۔

چنانچہ غزوہ بدر میں فتح اور غزوہ احد میں شکست کا یہی راز تھا۔ کما قال تعالیٰ۔

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ بِبَدْرٍ وَأَنْتُمْ أَذِلَّةٌ ۝

در آنحالیکہ تم اس وقت بالکل بے سروسامان تھے۔

غزوہ احد حقیقت میں غزوہ بدر کا تکرار تھا جیسا کہ واقعات سے ظاہر ہے گویا کہ غزوہ بدر اور غزوہ احد مل کر ایک ہی غزوہ تھا اور قبائل عرب کے ساتھ پہلا غزوہ تھا اور غزوہ حنین آخری غزوہ تھا۔ اس لئے پہلے غزوہ (بدر) میں اول فتح اور اس کے تکرار (یعنی معرکہ احد) میں شکست ہوئی اور غزوہ حنین میں ابتداء میں شکست ہوئی اور بعد میں فتح تاکہ غزوات عرب کی ابتداء اور انتہاء فاتحہ اور خاتمہ دونوں فتح اور نصرت پر ہوں اور جس طرح

غزوہ بدر میں مسلمانوں کی امداد کے لئے آسمان سے فرشتے نازل ہوئے اسی طرح غزوہ حنین میں بھی فرشتوں کا نزول ہوا۔

(۲)۔ اموالِ غنیمت میں سے زیادہ حصہ آپ نے اُن لوگوں کو عطا کیا جن کے دلوں میں ایمان ابھی راسخ نہ ہوا تھا تا کہ اس احسان سے آپ کی محبت ان کے دلوں میں راسخ ہو جائے اس لئے کہ محسن کی محبت فطری اور جبلی امر ہے چنانچہ شاعر کہتا ہے۔

وَ احسن وجه فی الوری وجہ محسن
وَ ائمن کف فیہم کف منعم

اور جب آپ کی محبت دلوں میں راسخ ہو جائے گی تو ان دلوں سے دنیا اور مافیہا کی محبت خود ہی کوچ کر جائے گی۔ یہ ناممکن ہے کہ ایک دل میں حبِ رسول اللہ اور حبِ دنیا دونوں جمع ہو سکیں۔

مَا جَعَلَ اللَّهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ ۖ اللَّهُ تَعَالٰی نے کسی شخص کے سینہ میں دو دل
فِیْ جَوْفِهِ ۚ نہیں بنائے۔

انصار کی شکایت کا منشاء عیاذُ باللہ حبِ مال نہ تھا۔ جن کی نسبت خود اللہ کا رسول یہ شہادت دے رہا ہو کہ میں نے تمہارے ایمان و ایقان پر بھروسہ کر کے تم کو حصہ نہیں دیا بھلا ان کے پاک دلوں میں دنیا کی کہاں جگہ ہو سکتی ہے۔

بلکہ منشاء یہ تھا کہ انصار اس ظاہری داد و دہش کو اکرام و احترام عزت و سرفرازی کی دلیل سمجھے اس لئے بمتقہائے غیرت دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ اس موقع پر آپ نے ہم جیسے جان نثاروں کی عزت افزائی سے کیوں انماض فرمایا:

باسایہ ترانمی پسندم عشقت و ہزار بدگمانی

حالانکہ یہ انماض اس انعام سے کروڑوں درجہ بہتر تھا۔ یہ انماض انصار کے ایمان و اخلاص کی سند تھی اور وہ انعام ان کے تذبذب کی دلیل تھی۔ جن کے ایمان اور ایقان پر اطمینان تھا ان کو چھوڑ دیا۔ یہ مضمون حافظ ابن قیم رحمہ اللہ کے کلام کی توضیح و تشریح ہے۔

حضرات اہل علم زاد المعاد اور فتح الباری ص ۳۹ ج ۸ کی مراجعت فرمائیں۔

تقریرِ عُمّان

فتح مکہ کے بعد تقریباً تمام جزیرۃ العرب اسلام کے زیرِ نگیں تھا لہذا ضرورت داعی ہوئی کہ اسلامی قلمرو کے نظم و نسق کی طرف توجہ کی جائے اس لئے آپ نے اسلام کی سطوت اور حکومت قائم رکھنے کے لئے مختلف ممالک میں جدا جدا والی اور حاکم مقرر فرمائے باذان بن ساسان کو یمن کا والی مقرر فرمایا۔ باذان۔ کسریٰ کی طرف سے یمن کا والی تھا کسریٰ کے ہلاک ہونے کے بعد باذان مسلمان ہو گیا۔ اس لئے آں حضرت ﷺ نے باذان کو بدستور یمن کی ولایت اور حکومت پر قائم رکھا اور جب تک باذان زندہ رہا کسی کو ان کا شریک اور سہیم نہیں قرار دیا باذان کے انتقال کے بعد اس کے بیٹے شہر بن باذان کو صنعاء کا والی مقرر کیا۔ شہر کے مرجانے کے بعد خالد بن سعید ابن العاص اموی صنعاء کے والی مقرر ہوئے اور زیاد بن لبید انصاری حضرموت کے اور ابو موسیٰ اشعری زبید اور عدن کے اور معاذ بن جبل۔ علاقہ یمن کے شہر جند کے اور ابوسفیان بن حرب نجران کے اور ان کے بیٹے یزید بن ابی سفیان تیما کے اور عتاب بن اسید مکہ کے والی اور حاکم مقرر ہوئے اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ یمن کے قاضی مقرر ہوئے۔

۹ھ ہجری

اب ۸ھ ختم ہوا اور محرم الحرام ۹ھ کا ہلال نظر آیا۔ اس ماہ میں آپ نے عاملین اور مصدقین کو اطراف و اکناف میں زکوٰۃ اور صدقات وصول کرنے کے لئے روانہ فرمایا۔

کس قبیلہ کی طرف بھیجا گیا

نام عامل

بنی تمیم

اسلم وغفار

سلیم و مزینہ

جہینہ

عمیدہ بن حصن فزاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ

بریدہ بن الحصیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ

عباد بن بشر اشہلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

رافع بن مکیث رضی اللہ تعالیٰ عنہ

عمر بن العاص رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ	بنی فزارہ
ضحاک بن سفیان کلابی رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ	بنی کلاب
بسر بن سفیان کعمی رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ	بنی کعب
ابن اللثیمہ ازدی رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ	بنی ذبیان ۱
علاء بن الحضرمی رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ	بحرین
حضرت علی رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ	نجران
عدی بن حاتم رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ	طیہ و بنی اسد
مالک بن نویرہ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ	بنی حنظلہ ۲

سریہ عمیینہ بن حصن فزاری بسوئے بنی تمیم

محرم الحرام ۹ھ

آں حضرت ﷺ نے بشر بن سفیان عدوی کو تحصیل صدقات کے لئے روانہ کیا لوگ زکوٰۃ دینے کے لئے تیار ہو گئے، مگر بنو تمیم اس میں مزاحم ہوئے اور کہا خدا کی قسم یہاں سے ایک اونٹ بھی نہ جائے گا اور تلواریں سونت کر لڑنے کے لئے آمادہ ہو گئے۔ بشر یہ دیکھ کر واپس آ گئے۔ اس پر آپ نے عمیینہ بن حصن فزاری کو پچاس سواروں پر سردار مقرر کر کے مقام سقیا کی طرف روانہ کیا جہاں بنو تمیم رہتے تھے۔ یہ مقام جحفہ سے سترہ میل کے فاصلہ پر ہے۔ رات کو پہنچ کر ان پر چھاپہ مارا، گیارہ مرد اکیس عورتیں اور تیس بچے گرفتار کر کے مدینہ لے آئے۔ بنی تمیم نے مجبور ہو کر دس آدمیوں کا ایک وفد آپ کی خدمت میں روانہ کیا، جن میں عطار بن حاجب اور زبرقان اور قیس بن عاصم اور اقرع بن حابس بھی تھے جب مدینہ پہنچے تو آپ کے حجرہ شریفہ کے پیچھے کھڑے ہو کر آپ کو آواز دی، اے محمد باہر آؤ تاکہ ہم آپ سے مفاخرہ اور شاعری میں مقابلہ کریں، ہماری مدح زینت ہے اور ہماری مذمت عیب ہے آپ نے فرمایا یہ شان تو اللہ کی ہے باقی میں نہ شاعر ہوں اور نہ مجھ کو فخر کا حکم دیا گیا ہے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

إِنَّ الَّذِينَ يُنَادُونَكَ مِنْ وَرَاءِ ۚ تَحْقِيقِ جولوگ آپ کو حجرہوں کے پیچھے سے

الْحُجَرَاتِ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ وَ لَوْ أَنَّهُمْ صَبَرُوا حَتَّى تَخْرُجَ إِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَهُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ

آواز دیتے ہیں اکثر بے عقل ہیں اور اگر یہ صبر کرتے یہاں تک کہ آپ ان کی طرف آجائیں تو ان کے لئے بہتر ہوتا اور اللہ بخشنے والا اور مہربان ہے۔

فائدہ جلیلہ

عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ علوم قرآن کے حاصل کرنے کے لئے سید القراء ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مکان پر حاضر ہوا کرتے تھے۔ ادب کی وجہ سے کبھی دروازہ نہیں کھٹکھٹاتے تھے۔ ابی بن کعب کے انتظار میں بیٹھے رہا کرتے، یہاں تک کہ وہ خود باہر تشریف لاتے ایک بار ابی ابن کعب نے کہا تم دروازہ کھٹکھا دیا کرو۔ اس پر عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ جواب دیا العالم فی قومہ کالنبی فی اُمۃ وقد قال اللہ تعالیٰ فی حق نبیہ علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ وَلَوْ أَنَّهُمْ صَبَرُوا حَتَّى تَخْرُجَ إِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَهُمْ۔ عالم اپنی قوم میں بمنزلہ نبی کے ہے اپنی امت میں اور اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کے حق میں یہ ارشاد فرمایا وَلَوْ أَنَّهُمْ صَبَرُوا لَخَبَّرُوا الْوَعِيدَ فرماتے ہیں۔ میں نے کسی عالم کا دروازہ نہیں کھٹکھٹایا۔ یہاں تک کہ وہ خود اپنے وقت پر تشریف لے آئے علامہ آلوسی فرماتے ہیں جب سے میں نے یہ واقعہ دیکھا ہے اسی وقت سے اساتذہ اور مشائخ کے ساتھ میرا یہی معمول ہے۔ والحمد للہ تعالیٰ علی ذالک۔ ۲

بعد ازاں آپ باہر تشریف لائے اور ظہر کی نماز ادا فرمائی۔ جماعت سے فارغ ہو کر صحن مسجد میں بیٹھ گئے۔ وفد نے کہا کہ ہم مفاخرہ کے لئے آئے ہیں۔ آپ ہمارے شاعر اور خطیب کو کچھ کہنے کی اجازت دیجئے۔ آپ نے فرمایا اجازت ہے۔

خطبہ عطارِ دینِ حاجبِ تمیمی

خطیب بنی تمیم عطارِ دینِ حاجب کھڑے ہوئے اور یہ خطبہ پڑھا۔

الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي لَهُ عَلَيْنَا ۚ حمد ہے اس ذاتِ پاک کی جس نے ہم کو

الْفَضْلَ وَهُوَ الَّذِي جَعَلَنَا
ملوکاً وَهَبَ لَنَا أَمْوَالاً
عَظَمًا نَفْعَلُ فِيهَا الْمَعْرُوفَ
وَجَعَلَنَا أَعْزَاهِلَ الْمَشْرِقِ
وَكَثَرَ عَدَدًا وَعَدَّةً فَمَنْ مَثَلْنَا
فِي النَّاسِ - السَّيِّئُ بَرُّؤُسِ النَّاسِ
وَافْضَلُهُمْ فَمَنْ فَأَخْرَجْنَا فَلْيَعْدِدْ
مِثْلَ مَا عَدَدْنَا وَانَا لَوِشْتُنَا
لَا كَثَرْنَا الْكَلَامَ وَلَكِنَّا نَسْتَحْيِ
مَنْ الْكَثَارَ وَانَا نَعْرِفُ بِذَلِكَ
أَقُولُ هَذَا لِأَنْ تَأْتُوا بِمِثْلِ قَوْلِنَا
وَإِسْرَافِ فَضْلٍ مِنْ أَمْرِنَا -

فضیلت دی اور بادشاہ بنایا اور مال و دولت دی
جسے ہم نیک کاموں میں صرف کرتے ہیں
اور ہم کو اہل مشرق میں سے سب سے زیادہ
عزت والا اور کثرت والا اور قوت و شوکت والا
بنایا، پس لوگوں میں ہم جیسا کون ہے۔ کیا ہم
لوگوں کے سردار اور ان سے بالا تر نہیں پس جو
ہم سے فخر میں مقابلہ کرنا چاہے تو اس کو
چاہئے۔ کہ ہمارے جیسے مفاخر اور مناقب شمار
کرے جیسے ہم نے اپنے مفاخر بیان کیے
ہیں اور اگر ہم چاہیں تو اپنے مفاخر کے بارہ
میں طویل تقریر کر سکتے ہیں لیکن ہمیں اپنے
مفاخر بیان کرنے سے شرم آتی ہے میں نے
یہ اس لئے کہا ہے کہ اگر کوئی اس کے مثل یا
اُس سے بہتر لائے تو لائے۔

عطار و خطبہ سے فارغ ہو کر بیٹھ گئے۔ آں حضرت ﷺ نے ثابت بن قیس بن شماس
انصاری کو جواب کے لئے ارشاد فرمایا۔ ثابت بن قیس فوراً کھڑے ہوئے اور یہ خطبہ پڑھا۔

خطبہ ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ

الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي السَّمَوَاتِ
وَالْأَرْضِ خَلَقَهُ قَضَى فِيهِنَّ
أَمْرَهُ وَوَسَّعَ كُرْسِيَهُ عِلْمَهُ وَلَمْ
يَكُنْ شَيْءٌ قَطُّ إِلَّا مِنْ فَضْلِهِ
ثُمَّ كَانَ مِنْ قُدْرَتِهِ أَنْ جَعَلَنَا
مُلُوكًا وَأَصْطَفَى خَيْرَ خَلْقِهِ

حمد ہے اس ذات پاک کی جس نے آسمانوں
اور زمینوں کو پیدا کیا اور اپنا حکم اس میں جاری
کیا اس کا علم تمام کائنات کو محیط ہے جو کچھ بھی
ہے وہ اس کے فضل سے ہے پھر اس کی
قدرت نے ہم کو بادشاہ بنا دیا اور بہترین
خلیق کو رسول بنا کر بھیجا جو تمام مخلوق میں

رسولا اکرمہ نسبا و اصدقہ
 حدیثا و افضلہ حسبا و انزل
 علیہ کتابا و ائتمنہ علی خلقہ
 فكان خیرۃ اللہ فی العالمین
 ثم دعا الناس الی الایمان بہ
 فامن برسول اللہ صلی اللہ
 علیہ وسلم المهاجرون من
 قومہ و ذوی رحمہ اکرم الناس
 احسابا و احسن الناس وجوها
 و خیر الناس فعلا ثم کنا اول
 الخلق اجابة و استجابة للہ
 حين دعا رسول اللہ فمن امن
 باللہ و رسولہ منع ماله و دمه و
 من کفر جاہدنا فی اللہ ابدا
 و کان قتله علینا یسیرا قول
 قولی هذا و استغفر اللہ لی
 وللمؤمنین و المؤمنات
 والسلام علیکم۔

حسب و نسب میں سب سے بڑھ کر ہے اور
 خدا نے ان پر ایک کتاب نازل کی اور ان کو
 تمام مخلوق پر امین بنایا پس وہ تمام جہانوں میں
 سب سے زیادہ اللہ کے پسندیدہ بندہ ہیں اُس
 اللہ کے رسول نے تمام لوگوں کو ایمان کی
 دعوت دی پس اسی رسول پر سب سے پہلے
 مہاجرین ایمان لائے جو آپ کے قوم کے
 لوگ ہیں اور آپ کے رشتہ دار ہیں اور حسب و
 نسب اور وجاہت میں سب سے بڑھ کر ہیں
 اور باعتبار افعال و اعمال کے بھی سب سے
 بہتر ہیں۔ پھر مہاجرین کے بعد ہم انصار نبی
 کی دعوت قبول کرنے میں اور لوگوں سے
 مقدم ہیں اور انصار اللہ کے دین کے مددگار
 ہیں اور رسول اللہ ﷺ کے وزیر ہیں ہم
 لوگوں سے اس وقت تک جہاد و قتال کرتے
 ہیں کہ جب تک وہ ایمان نہ لے آئیں لیکن
 جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لے آئے
 اس نے اپنی جان و مال کو محفوظ کر لیا اور جس
 نے کفر کیا اس سے ہم خدا کی راہ میں جہاد و
 قتال کریں گے اور اس کا قتل ہم پر آسان ہے، یہ
 ہے جو مجھے کہنا تھا اور میں خدا تعالیٰ سے اپنے
 لئے اور تمام مؤمنین اور مؤمنات کے لئے
 مغفرت کی دعا کرتا ہوں۔ والسلام

بعد ازاں زہر قان بن ہدر نے اپنے مفاخر و مناقب میں ایک قصیدہ پڑھا۔ آل حضرت ﷺ

نے حضرت حسان سے فرمایا اس کا جواب دو حسان رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ نے فی البدیہہ اُس کے جواب میں قصیدہ پڑھا۔ اقرع بن حابس نے کہا خدا کی قسم آپ کا خطیب ہمارے خطیب سے اور آپ کا شاعر ہمارے شاعر سے بڑھ کر ہے اور سب مشرف باسلام ہو گئے۔ آپ نے ان کو انعام دیا اور ان کے سب قیدی واپس کر دیئے۔

بعث ولید بن عقبہ بن ابی معیط بسوئے بنی المصطلق

ولید بن عقبہ کو آپ نے صدقات وصول کرنے کے لئے بنی المصطلق کی طرف روانہ فرمایا۔ وہ لوگ ولید کی خبر سن کر نہایت شاداں و فرحاں ہتھیار لگا کر عسکری شان سے ولید کے استقبال کے لئے نکلے۔ زمانہ جاہلیت سے ولید کے خاندان اور بنی المصطلق میں عداوت چلی آتی تھی۔ ولید کو دُور سے دیکھ کر یہ خیال ہوا کہ غالباً دیرینہ عداوت کی وجہ سے یہ لوگ مقابلہ کیلئے نکلے ہیں اس لئے ولید راستہ ہی سے واپس ہو گئے اور آں حضرت ﷺ سے آکر یہ بیان کر دیا کہ وہ لوگ دین اسلام سے مرتد ہو گئے ہیں۔ انہوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا ہے آپ کو سُن کو تعجب ہوا۔ آپ اسی تردد میں تھے کہ یہ خبر بنی المصطلق کو پہنچی۔ ان لوگوں نے فوراً اپنا ایک وفد آپ کی خدمت میں روانہ کیا جس نے حاضر ہو کر بارگاہِ نبوی میں حقیقت حال کی اطلاع دی اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَأٍ فَتَبَيَّنُوا أَن تُصِيبُوا خِبرًا ۚ لَّوْ اس كِي تَحْقِيق ك ر ل ي ا ك ر و م ب ا د ا ك ر ب ے ق و م ا ب ج ه ا ل ے ف ت ص ب ح و ا ع ل ے م ا خ ب ر ي م ي ن ك س ي ق و م ك و ك و ن ي ض ر ر پ ه ن چ ا و و ا و ر پ ه ر ف ع ل ت م ن ا د م ي ن ۚ ۱

یاد رکھنا چاہئے کہ اس آیت میں فسق سے لغوی معنی مراد ہیں۔ یعنی اطاعت سے خروج کرنا خواہ وہ کتنا ہی معمولی درجہ کا خروج ہو اس جگہ اصطلاحی اور شرعی فسق مراد نہیں۔ گناہ کبیرہ کا قصد اور عداوت کا اصطلاح شریعت میں فسق کہلاتا ہے۔ ولید نے جو کچھ آپ سے آکر بیان کیا اس کا منشاء غلط فہمی تھا اس لئے آیت میں فسق سے لغوی فسق مراد ہے اور خبر چونکہ

خلاف واقع تھی، اس لحاظ سے اُن کو فاسق کہا گیا۔ اور اس معنی کر صحابی کا فاسق ہونا اس کے شرعاً فاسق ہونے کو مستلزم نہیں فافہم ذلک واستقم۔ (رزقانی ص ۳۶ ج ۲)

حدیث میں آیا ہے کہ ایمان کے ستر شعبے ہیں اعلیٰ درجہ کا شعبہ شہادۃ اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللّٰهُ ہے اور ادنیٰ درجہ کا شعبہ راستہ سے کانٹا وغیرہ ہٹا دینا ہے، باقی شعبے درمیان میں ہیں اور ہر شعبہ پر ایمان کا اطلاق آتا ہے۔ اسی طرح قرآن اور حدیث میں فسق اور معصیت اور ظلم کا اطلاق کفر سے لے کر گناہ صغیرہ تک پر آیا ہے جس طرح ایمان کے مراتب مختلف ہیں۔ اسی طرح کفر اور معصیت کے مراتب بھی مختلف ہیں۔ حضرت آدم کی لغزش پر بھی معصیت کا اطلاق آیا ہے وعصى آدم ربه فغوى اور کفر پر معصیت کا اطلاق آیا ہے۔ وَمَنْ يُّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ فَاِنَّ لَهُ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيْهَا۔ مگر ظاہر ہے کہ دونوں معصیتوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے، لفظ اگرچہ ایک ہے مگر معنی مختلف ہیں۔

اسی طرح اس آیت میں جو فاسق کا لفظ آیا ہے۔ اس کو معنی لغوی پر محمول کریں شرعی فسق پر محمول نہ کریں اس لئے کہ صحابہ کرام سب عادل اور ثقہ ہیں رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ معاذ اللہ اگر وہ شرعی فاسق ہوتے تو اللہ ان سے راضی نہ ہوتا لقولہ تعالیٰ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَرْضٰى عَنِ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ۔ اسی وجہ سے امام بخاری نے صحیح بخاری میں ایک باب رکھا ہے۔ باب کفر ان العشير و کفر دون کفر۔ و باب ظلم دون ظلم۔

سریہ عبد اللہ بن عو سجہ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْہُ

ماہ صفر ۹ھ میں آپ نے عبد اللہ بن عو سجہ کو بنی عمرو بن حارثہ کی طرف دعوت اسلام کی غرض سے ایک والا نامہ دے کر روانہ فرمایا ان لوگوں نے اسلام قبول کرنے سے انکار کیا اور آپ کے والا نامہ کو دھو کر ڈول کی تلی میں باندھ دیا۔ عبد اللہ بن عو سجہ نے آ کر جب آپ سے واقعہ بیان کیا تو یہ ارشاد فرمایا۔ کیا ان لوگوں کی عقل جاتی رہی۔ اس وقت سے لے کر اس وقت تک اس قبیلہ کے لوگ احمق اور نادان ہیں تقریباً فاطر العقل اور گونگے ہیں۔ اعاذنا اللہ سبحانہ و تعالیٰ عن ذلک آمین۔

سریہ قطبہ بن عامر

اسی مہینہ میں آپ نے بیس آدمی قطبہ بن عامر کے زیرِ کمان خُعم کے مقابلہ کے لئے روانہ فرمائے۔ قطبہ بن عامر نے جا کر ان کا مقابلہ کیا۔ یہاں تک کہ ان کو شکست دی اور کچھ اونٹ اور بکری اور کچھ قیدی غنیمت میں لے کر واپس ہوئے، خمس نکالنے کے بعد چار چار اونٹ ہر شخص کے حصہ میں آئے اور ایک اونٹ دس بکریوں کے معادل قرار دیا گیا۔

سریہ ضحاک بن سفیان

ماہ ربیع الاول میں بنی کلاب کو دعوت اسلام دینے کی غرض سے آپ نے ضحاک بن سفیان کلابی کو روانہ فرمایا۔ ان لوگوں نے اسلام قبول کرنے سے انکار کیا اور اُن کو اور اسلام کو گالیاں دی اور مقابلہ پر آمادہ ہو گئے۔ بالآخر مقابلہ ہوا اُن لوگوں کو شکست ہوئی اور ضحاک بن سفیان شاداں و فرحان مظفر و منصور غنیمت لے کر مدینہ واپس ہوئے۔

سریہ علقمہ بن مجرز مدلجی بسوئے حبشہ

آں حضرت ﷺ کو یہ خبر پہنچی کہ کچھ حبشی لوگ جدہ میں آئے ہیں تو آپ نے علقمہ بن مجرز مدلجی کو تین سو سواروں کے ساتھ اُن کے تعاقب کے لئے روانہ کیا یہ لوگ خبر پا کر بھاگ گئے اور جزیرہ میں جا کر روپوش اور لاپتہ ہو گئے مسلمان جب وہاں سے لوٹے تو فوج کے کچھ لوگوں نے عجلت کی اور یہ ارادہ کیا کہ باقی لشکر سے پہلے ہم گھر پہنچ جائیں۔ علقمہ نے آگ جلوائی اور عجلت کرنے والوں کو حکم دیا کہ اس آگ میں کود جائیں۔ کچھ لوگ اس پر آمادہ ہو گئے علقمہ نے کہا ٹھہرو میں نے تم سے مذاق کیا تھا۔ جب یہ لوگ مدینہ آئے تو رسول اللہ ﷺ سے اس کا ذکر کیا آپ نے ارشاد فرمایا کہ جو تمہیں معصیت کا حکم دے اس کا حکم نہ مانو اور صحیح بخاری اور مسند احمد اور سنن ابن ماجہ کی روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس سریہ کے امیر عبد اللہ بن حذافہ سہمی تھے اور آگ میں کودنے کا حکم انہوں نے دیا تھا عجب نہیں کہ اسی

اختلاف کی بنا پر امام بخاری نے اس سریہ کے بیان کے لئے ترجمہ رکھا ہے وہ یہ ہے باب
سریہ عبد اللہ بن حذافۃ السہمی وعلقمۃ بن مجرز المدحی و یقال انہا سریہ الانصاری تفصیل کے
لئے فتح الباری ص ۴۶ ج ۸ زرقانی ۴۹ ج ۳ کی مراجعت کریں۔

سریہ علی بن ابی طالب برائے بُت شکنی قبیلہ طے

وذکر اسلام فرزندِ حاتم طائی و دختر او

ماہ ربیع الآخر ۹ھ میں حضرت علی کو ڈیڑھ سو یا دو سو آدمیوں کے ساتھ قبیلہ طے کے
بُت فلس ۲ منہدم کرنے کے لئے روانہ فرمایا وہاں پہنچ کر ان پر شب خون مارا کچھ آدمی اور
کچھ مویشی گرفتار ہوئے بُت خانہ کو منہدم کر کے نذر آتش کیا اور دو تلواریں اس بُت خانے
سے لوٹ لائے جو حارث بن شمر نے چڑھائی تھیں ان قیدیوں میں مشہور سخی حاتم طائی کی
بیٹی سفانہ ۳ بھی تھی اور حاتم کے فرزند عدی بن حاتم لشکر اسلام کی خبر سنتے ہی شام بھاگ
گئے تھے۔ اس لئے کہ شام میں اُس کے ہم مذہب و مشرب نصاریٰ بکثرت تھے۔ قیدی
گرفتار کر کے مدینہ لائے گئے اور مسجد کے قریب حظیرہ میں اتار دیئے گئے۔ آں حضرت
ﷺ جب ادھر سے گزرے تو حاتم کی بیٹی نے کھڑے ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ باپ تو
فوت ہو گیا اور جو ہمارا خبر گیراں تھا وہ فرار ہو گیا۔ آپ ہم پر احسان کیجئے اللہ آپ پر احسان
کرے گا۔ آپ نے دریافت فرمایا وہ تیرا خبر گیراں اور سر پرست کون تھا۔ سفانہ نے کہا میر
ابھائی عدی بن حاتم آپ نے فرمایا وہی جو اللہ اور اس کے رسول سے بھاگا ہے۔ بہتر ہے
میں تجھ پر احسان کرتا ہوں جانے میں عجلت مت کرو، میں یہ چاہتا ہوں کہ تمہاری قوم میں کا
کوئی شخص قابلِ اطمینان مل جائے تو اس کے ہمراہ تم کو بھیج دوں چنانچہ دو تین ہی روز کے بعد
قبیلہ طے کے کچھ آدمی شام جانے والے مل گئے آپ نے ازراہ لطف و کرم زاد راہ اور سواری
اور کچھ جوڑے دے کر ان کو رخصت کیا سفانہ مشرف باسلام ہوئیں اور ان الفاظ میں آپ کا
شکریہ ادا کیا۔

۱۔ راجع فتح الباری ص ۴۶ ج ۸ سریہ عبد اللہ بن حذافۃ السہمی و راجع شرح المواہب ص ۴۹ ج ۳ و زاد المعاد و البدایہ و النہایہ
۲۔ فلس بضم الفاء و سکون اللام
۳۔ سفانہ بفتح السين و تشدید الفاء۔ ۱۲

شکر تک ید افتقرت بعد خدا کرے وہ ہاتھ تیرا ہمیشہ شکر گزار ہے جو
غنی وَلَا ملک تک ید خوشحالی کے بعد فقیر اور خالی ہوا ہو اور وہ ہاتھ
استغنت بعد فقر و صاب اللہ آپ پر کبھی قابو نہ پائے جو فقر کے بعد امیر
بمعروفک مواضعه ولا جعل ہوا ہو اور خدا کرے آپ کا احسان ہمیشہ بر محل
لک الی لئیم حاجة وَلَا سلب واقع ہو اور خدا کرے آپ کو کبھی کسی کمینہ سے
نعمۃ عن کریم الا وجعلک کوئی ضرورت نہ پیش آئے اور خدا کسی
سبباً لردھا علیہ شریف کی نعمت سلب نہ کرے مگر آپ کو اس
کی واپسی کا وسیلہ اور ذریعہ بنائے۔

سَفَانہ آپ سے رخصت ہو کر شام پہنچی اور اپنے بھائی عدی سے ملی اور تمام حالات بیان
کیئے۔ عدی نے بہن سے پوچھا تمہاری کیا رائے ہے۔ سَفَانہ نے جواب دیا۔
اری واللہ ان تلحق بہ سریعا خدا کی قسم میں یہ مناسب سمجھتی ہوں کہ تم جلد
فان بک نبیا فلسابق الیہ از جلد جا کر ان سے ملو اگر وہ نبی ہیں تو ان کی
فضیلة وَاَن یك ملکا فلن تزال طرف دوڑنا اور سبقت کرنا باعث فضیلت
فی عز و انت انت ہے اور اگر بادشاہ ہیں تو ہمیشہ کے لئے باعث
عزت ہے اور تو تو تو ہی ہے۔

عدی نے سن کر کہا۔

واللہ ان هذا هو الراى ! خدا کی قسم رائے تو یہ ہے۔

بعد ازاں آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف باسلام ہوئے۔ (زر قانی ص ۵۳ ج ۳
واصابہ ترجمہ عدی و سَفَانہ)

ان کے اسلام کا مفصل واقعہ اصحابہ میں مذکور ہے وہاں دیکھ لیا جائے۔

اسلام کعب بن زہیر

یہ پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ کعب بن زہیر آپ کی بجو میں شعر کہا کرتا تھا فتح مکہ کے دن
کعب بن زہیر اور ان کا بھائی نجیر بن زہیر جان بچا کر مکہ سے فرار ہوئے اور مقام ابرق
الغراف میں جا کر ٹھہرے نجیر نے کعب سے کہا تم یہاں ٹھہرو میں آپ کی خدمت میں حاضر

ہو کر آپ کا کلام سنوں اور آپ کے دین کو معلوم کروں اگر آپ کی سچائی معلوم ہو جائے تو آپ کا اتباع کروں ورنہ چھوڑ دوں۔ کعب وہیں رہے اور یہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کا کلام سنا سنتے ہی مشرف باسلام ہو گئے۔

جب آں حضرت ﷺ طائف سے واپس ہو کر مدینہ پہنچے تو بحیر نے اپنے بھائی کعب بن زہیر کو اس مضمون کا ایک خط لکھا کہ جو لوگ آپ کی ہجو میں اشعار کہتے تھے وہ فتح مکہ کے دن قتل کر دیئے گئے اور جو جان بچا کر بھاگ سکتے تھے وہ بھاگ گئے اگر تجھ کو اپنی جان عزیز ہے تو فوراً آپ کی خدمت میں حاضر ہو جا جو شخص مسلمان اور تائب ہو کر آپ کے پاس آتا ہے آپ اس کو قتل نہیں کرتے اور اگر یہ نہیں کر سکتا تو کہیں دُور دراز جگہ چلا جا جہاں تیری جان بچ جائے۔ کعب کو یہ ناگوار گزرا کہ بغیر میرے مشورہ کے مسلمان ہو گیا اور یہ اشعار لکھ کر بھیجے۔

الَا أَبْلِغَا عَنِي بُحَيْرًا رِسَالَةً فَهَلْ لَكَ فِيمَا قُلْتُ وَيْحَكَ هَلْ لَكَ

اے دوستو بحیر کو میرا یہ پیام پہنچا دو۔ میں جو کچھ کہتا ہوں اس بارے میں تیری کیا رائے ہے۔ افسوس تو کیا کر گزرا۔

فَبَيِّنْ لَنَا إِن كُنْتَ لَسْتَ بِفَاعِلٍ عَلَىٰ أَيْ شَيْءٍ غَيْرِ ذَٰلِكَ ذَلَّكَ تَوْبَهُ بَلَّا كَ اِگر تو اپنے باپ دادا کے دین پر قائم نہیں رہ سکتا تو پھر اس کے سوا تو نے اور کون سا راستہ اختیار کیا۔

عَلَىٰ خُلُقٍ لَمْ تُلَفِ أُمًّا وَلَا أَبَا عَلَيْهِ وَتُلَفِي عَلَيْهِ أَخَا لَكَ تُو نے ایسا طریقہ اختیار کیا کہ نہ ماں کو اس پر پایا اور نہ باپ کو اور نہ اپنے بھائی کو اس طریقے پر پائے گا۔

فَإِنْ أَنْتَ لَمْ تَفْعَلْ فَلَسْتُ بِأَسْفٍ وَلَا قَائِدٍ إِمَّا عَشْرَتٍ لِّعَالِكَا پس اگر تو نے میری بات پر عمل نہ کیا تو مجھ کو کچھ غم نہیں اور نہ میں تیری لغزش کے وقت تجھکو (لعاکا) کہوں گا۔ یہ کلمہ لغزش کے وقت کہا جاتا ہے، جس کے معنی یہ ہیں کہ سنبھل جا اور کھڑا ہو جا۔

سَقَاكَ بِهَا الْمَأْمُونُ كَأَسَا رَوِيَّةً فَأَنْهَكَ الْمَامُونُ مِنْهَا وَعَلَا
 مامون (یعنی محمد ﷺ) چونکہ قریش آپ کو امین و مامون سمجھتے تھے (نے تجھ کو
 چھلکتا ہوا پیالہ مکرر سہ کر پلایا۔

بحیر نے اس واقعہ کو آپ سے چھپانا پسند نہ کیا اس لئے یہ قصیدہ آپ کی خدمت میں
 پیش کر دیا، آپ نے فرمایا اس نے سچ کہا بے شک میں منجانب اللہ مامون اور مامور ہوں
 اور علی خلق لم تلف اما ولا ابا۔ کون کر فرمایا یہ بھی درست ہے اس نے کہاں ماں
 باپ کو اس دین میں دیکھا ہے۔

بحیر نے اس کے جواب میں یہ اشعار لکھ کر روانہ کیے۔
 مَنْ مُبْلِغٌ كَعْبًا فَهَلْ لَكَ فِي النَّبِيِّ تَلُومٌ عَلَيْهَا بِاطْلَاءٍ وَهِيَ أَحْزَمُ
 ہے کوئی کہ جو کعب کو یہ پیام پہنچا دے کیا تجھ کو اس ملت و مذہب میں داخل
 ہونے کی رغبت ہے تو مجھ کو ناحق ملامت کر رہا ہے۔ حالانکہ وہ نہایت محکم اور
 صواب ہے۔

إِلَى اللَّهِ لَا الْعُزَى وَلَا اللَّاتُ وَحْدَهُ فَتَنْجُو إِذَا كَانَ النَّجَاءُ وَتَسْلَمُ
 لات اور عزی کی طرف نہیں بلکہ ایک خدا کی طرف آجاتا کہ جس وقت اہل
 توحید اللہ کے عذاب سے نجات پائیں تو تو بھی نجات پائے اور اللہ کے عذاب
 سے سالم اور محفوظ رہے۔

لَدَى يَوْمٍ لَا يَنْجُو وَلَيْسَ بِمُقْلَبٍ مِنَ النَّاسِ إِلَّا طَاهِرُ الْقَلْبِ مُسْلِمٌ
 یعنی اُس دن کہ کوئی شخص نجات نہ پائے گا اور عذاب سے رہائی نہ پائے گا،
 سوائے اس شخص کے کہ قلب اس کا کفر اور شرک کی نجاستوں سے پاک ہو اور
 مسلمان ہو۔

فَدَيْنُ زُهَيْرٍ وَهُوَ لَا شَيْءَ دِينُهُ وَدَيْنُ أَبِي سَلَمَى عَلَى مُحَرَّمٍ
 زہیر کا دین بلاشبہ بیچ ہے اور میرے باپ زہیر اور داد ابو سلمیٰ کا دین مجھ پر حرام
 ہے اس لئے کہ میں حق یعنی دین اسلام میں داخل ہو گیا ہوں۔

ہجیر کے اس خط کا کعب بن زہیر پر خاص اثر ہوا اور اسی وقت ایک قصیدہ مدحیہ آپ کی شانِ اقدس میں لکھ کر مدینہ روانہ ہوا۔ مدینہ پہنچا اور صبح کی نماز کے بعد آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اجنبی بن کر یہ سوال کیا یا رسول اللہ اگر کعب بن زہیر تابع اور مسلمان ہو کر حاضر خدمت ہو تو کیا آپ اس کو امان دے سکتے ہیں آپ نے فرمایا۔ ہاں۔ کعب نے عرض کیا یا رسول اللہ وہ نابکار اور گنہگار میں ہی ہوں، لائیے بیعت کے لئے ہاتھ بڑھائیے، اس وقت ایک انصاری بول اٹھے یا رسول اللہ اجازت دیجئے کہ اس کی گردن اڑا دوں، آپ نے فرمایا چھوڑو تابع ہو کر آیا ہے۔ بعد ازاں کعب نے آپ کی شان میں وہ قصیدہ پڑھا جس کا مطلع یہ ہے۔

بانت سعاد فقلبی الیوم متبول متیم اثرھا لم یفد مکیبول
کعب بن زہیر جب اس شعر پر پہنچے۔

ان الرسول لنور یُسْتَضَاءُ به مہند من سیوف اللہ مسلولہ
تو آپ نے اس وقت بردیمانی جواڑھے ہوئے تھے اتار کر کعب کو مرحمت فرمائی۔ بعد میں چل کر حضرت معاویہ نے اس چادر کو کعب بن زہیر کے وارثوں سے بیس ہزار درہم میں خریدا۔

یہ چادر ایک عرصہ تک خلفاء اسلام کے پاس رہی عیدین کے موقع پر تبرکاً اس کو اوڑھا کرتے تھے، فتنہ تبار میں گم ہو گئی۔ (شرح مواہب قصہ کعب بن زہیر)

غزوہ تبوک

یومِ پنجشنبہ ماہِ رجب ۹ھ

مجمع طبرانی میں عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نصارائے عرب نے ہرقل شاہِ روم کے پاس یہ لکھ کر بھیجا کہ محمد (ﷺ) کا انتقال ہو گیا اور لوگ قحط اور فاقوں سے بھوکے مر رہے ہیں۔ عرب پر حملہ کے لئے یہ موقع نہایت مناسب ہے، ہرقل نے فوراً تیاری کا حکم دیدیا۔ چالیس ہزار رومیوں کا لشکر جرار آپ کے مقابلہ کے لئے تیار ہو گیا۔ ۲

۱۔ حاکم کی روایت میں ہے کہ کعب نے من سیوف الہند پڑھا۔ آپ نے فرمایا اس طرح کہو من سیوف اللہ مسلول۔ ۱۲

۲۔ مجمع الزوائد۔ ج ۶، ص ۱۹۱۔

شام کے بنطی سوداگرزیتون کا تیل فروخت کرنے مدینہ آیا کرتے تھے ان کے ذریعہ یہ خبر معلوم ہوئی کہ ہر قل نے ایک عظیم الشان لشکر آپ کے مقابلہ کے لئے تیار کیا ہے جس کا مقدمہ انجیش بلقا، تک پہنچ گیا ہے اور ہر قل نے تمام فوج کو سال بھر کی تنخواہیں بھی تقسیم کر دی ہیں۔!

اس پر آپ حضرت ﷺ نے حکم دیا کہ فوراً سفر کی تیاری کی جائے تاکہ دشمنوں کی سرحد (تبوک) پر پہنچ اُن کا مقابلہ کریں۔ بعد مسافت اور موسم گرما، زمانہ قحط اور گرانی، فقر و فاقہ اور بے سروسامانی۔ ایسے نازک وقت میں جہاد کا حکم دینا تھا کہ منافقین جو اپنے کو مسلمان کہتے تھے گھبرا اٹھے کہ اب اُن کا پردہ فاش ہو جاتا ہے خود بھی جان چرائی اور دوسروں کو بھی یہ کہہ کر بہکانے لگے۔

لَا تَنْفِرُوا فِي الْحَرِّ ! ایسی گرمی میں مت نکلو۔

ایک مسخرے نے کہا لوگوں کو معلوم ہے کہ میں حسین جمیل عورتوں کو دیکھ کر بے تاب ہو جاتا ہوں مجھ کو اندیشہ ہے کہ رومیوں کی پری جمال نازنینوں کو دیکھ کر کہیں فتنہ میں مبتلا نہ ہو جاؤں۔^۲

مؤمنین مخلصین سمعاً و طاعتاً کہہ کر جان و مال سے تیاری میں مصروف ہو گئے، سب سے پہلے صدیق اکبر نے کل مال لا کر آپ کے سامنے پیش کر دیا۔ جس کی مقدار چار ہزار درہم تھی۔ آپ نے دریافت فرمایا کیا اہل و عیال کے لئے کچھ چھوڑا ہے، ابو بکر نے کہا صرف اللہ اور اس کے رسول کو۔ فاروق اعظم نے نصف مال پیش کیا۔ عبدالرحمن بن عوف نے دوسو اوقیہ چاندی لا کر حاضر کی۔ عاصم بن عدی نے سترواق کھجوریں پیش کیں۔^۳

عثمان غنی رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْہُ نے تین سواونٹ مع ساز و سامان کے اور ایک ہزار دینار لا کر بارگاہ نبوی میں پیش کیے۔ آپ نہایت مسرور ہوئے بار بار اُن کو پلٹتے تھے اور یہ فرماتے جاتے تھے کہ اس عمل صالح کے بعد عثمان کو کوئی عمل ضرر نہیں پہنچا سکے گا، اے اللہ میں عثمان سے راضی ہوا تو بھی اس سے راضی ہو۔^۴

اکثر صحابہ نے اپنی اپنی حیثیت کے موافق اس مہم میں امداد کی مگر پھر بھی سواری اور زاد

راہ کا پورا سامان نہ ہو سکا چند صحابہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ ہم بالکل نادار ہیں اگر سواری کا کچھ تھوڑا بہت ہم کو سہارا ہو جائے تو ہم اس سعادت سے محروم نہ رہیں۔ آپ نے فرمایا میرے پاس کوئی سواری نہیں اس پر وہ حضرات روتے ہوئے واپس ہوئے۔ انہیں کی شان میں یہ آیتیں نازل ہوئیں۔

وَلَا عَلَى الَّذِينَ إِذَا مَا أَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَا أَجِدُ مَا أَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ تَوَلَّوْا وَأَعْيُنُهُمْ تَفِيضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا أَلَّا يَجِدُوا مَا يُنْفِقُونَ۔

اور نہ ان لوگوں پر کوئی گناہ ہے کہ جب وہ آپ کے پاس آئے کہ آپ ان کو جہاد میں جانے کے لئے کوئی سواری عطا فرمائیں تو آپ نے یہ فرمایا کہ میں اس وقت کوئی چیز نہیں پاتا کہ جس پر تم کو سوار کر دوں تو وہ لوگ اس حال میں واپس ہوئے کہ ان کی آنکھیں آنسوؤں سے بہہ رہی تھیں۔ اس غم میں کہ ان کو کوئی چیز میسر نہیں کہ جسے خرچ کر سکیں۔

عبداللہ بن مغفل اور ابولیلی عبدالرحمن بن کعب جب آپ کے پاس سے روتے ہوئے واپس ہوئے تو راستہ میں یامین بن عمرو نضری مل گئے، رونے کا سبب دریافت کیا انہوں نے کہا نہ تو رسول اللہ ﷺ کے پاس سواری ہے اور نہ ہم میں استطاعت ہے کہ سفر کا سامان مہیا کر سکیں اب افسوس اور حسرت اس چیز کی ہے کہ ہم اس غزوہ کی شرکت سے محروم رہے جاتے ہیں۔ یہ سن کر یامین کا دل بھرا یا اسی وقت ایک اونٹ خریدا اور زادراہ کا انتظام کیا۔

جب صحابہ چلنے کے لئے تیار ہو گئے تو آپ نے محمد بن مسلمہ انصاری کو اپنا قائم مقام اور مدینہ کا والی مقرر کیا اور حضرت علی کو اہل و عیال کی حفاظت اور خبر گیری کے لئے مدینہ میں چھوڑا۔ حضرت علی نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ مجھ کو بچوں اور عورتوں میں چھوڑے جاتے ہیں۔ اس پر آپ نے فرمایا کیا تو اس پر راضی نہیں کہ تجھ کو مجھ سے وہی نسبت ہو جو ہارون کو موسیٰ کے ساتھ تھی مگر یہ کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ (بخاری شریف)

حدیث ”اَنْتَ مِنْیْ بِمَنْزِلَةِ هَارُونَ مِنْ مُوسٰی“ کی شرح

اس حدیث سے شیعہ حضرت علی کی خلافت بلا فصل پر استدلال کرتے ہیں کہ حضور پر نور کے بعد خلافت حضرت علی کا حق ہے، اہل سنت والجماعت یہ کہتے ہیں کہ آں حضرت ﷺ کا سفر میں جاتے وقت حضرت علی کو اپنے اہل و عیال کی نگرانی کے لئے چھوڑ جانا کہ میری واپسی تک ان کی نگرانی اور خبر گیری کرنا۔ اس سے حضرت علی کی امانت اور دیانت اور قرب اور اختصاص تو بے شک معلوم ہوتا ہے اس لئے کہ اپنے اہل و عیال کی نگرانی اور خبر گیری اسی کے سپرد کرتے ہیں کہ جس کی امانت و دیانت اور محبت اور اخلاص پر اطمینان ہو اور عموماً فخریہ اور داماد کو اس کام کے لئے مقرر کرتے ہیں لیکن یہ امر کہ میری وفات کے بعد تم ہی میرے خلیفہ ہو گے حدیث کو اس مضمون سے کوئی تعلق نہیں۔

پھر یہ کہ حضرت علی کی یہ قائم مقامی فقط اہل و عیال کے حد تک محدود تھی اس لئے آں حضرت نے اسی غزوہ میں جاتے وقت محمد بن مسلمہ کو مدینہ کا صوبہ دار مقرر کیا۔ اور سباع بن عرفطہ کو مدینہ کا کوتوال اور عبداللہ بن ام مکتوم کو اپنی مسجد کا امام مقرر کیا۔ معلوم ہوا کہ حضرت علی کی خلافت و نیابت مطلق نہ تھی بلکہ اہل و عیال کے حد تک محدود تھی اور اگر بالفرض مطلق بھی ہوتی تو غزوہ سے واپسی تک محدود تھی جیسے کوئی بادشاہ سفر میں جاتے وقت کسی کو نائب السلطنت مقرر کر جائے تو وہ نیابت واپسی تک محدود رہے گی۔ واپسی کے بعد خود بخود یہ نیابت ختم ہو جائے گی اور یہ وقتی نیابت اور وقتی قائم مقامی اس امر کی دلیل نہیں کہ بادشاہ کی وفات کے بعد یہی شخص بادشاہ کا خلیفہ ہوگا البتہ اس وقتی نیابت سے قائم مقام کی اہلیت اور لیاقت ثابت ہوتی ہے سو ہمیں اس سے انکار نہیں کہ حضرت علی میں خلافت کی اہلیت اور لیاقت تھی تمام اہل سنت دل و جان سے حضرت علی کی اہلیت و لیاقت کے قائل ہیں لیکن اس میں دیگر خلفاء کی اہلیت اور لیاقت کا انکار نہیں اُن کی کمال اہلیت اور لیاقت دوسری احادیث سے روز روشن کی طرح ثابت ہے۔

پس جب کہ بادشاہ کا دار السلطنت سے نکلتے وقت تا واپسی کسی کو وقتی طور پر نائب السلطنت مقرر کر جانا اس امر کی دلیل نہیں کہ بادشاہ کی وفات کے بعد بھی یہ شخص بادشاہ ہوگا

تو جو خلافت اور نیابت محض خانگی امور اور اہل و عیال کی نگرانی سے متعلق ہو اس کو خلافت کبریٰ کی دلیل بنالینا کمال الہی ہے۔

آں حضرت ﷺ کی عادت شریفہ یہ تھی کہ جب کسی غزوہ میں تشریف لیجاتے تو کسی نہ کسی کو مدینہ میں اپنا قائم مقام بنا کر جاتے اور جب سفر سے واپس تشریف لاتے تو وہ قائم مقامی خود بخود ختم ہو جاتی، کسی فرد بشر کے حاشیہ خیال میں بھی یہ بات نہیں گزری کہ وہ ان صحابہ کی وقتی خلافت اور عارضی نیابت کو ان حضرات کی خلافت بلا فصل اور امامت کبریٰ کی دلیل سمجھتا۔ رہا یہ امر کی کہ آں حضرت ﷺ نے اس حدیث میں حضرت علی کو حضرت ہارون علیہ السلام کے ساتھ تشبیہ دی ہے سو ہم یہ عرض کریں گے کہ اس تشبیہ سے بے شک ایک قسم کی فضیلت ثابت ہوگی لیکن تشبیہ سے تمام امور میں مساوات لازم نہیں۔ اس حدیث میں اگر حضرت علی کو حضرت ہارون کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے تو اسارائے بدر کے بارے میں جب آپ نے صحابہ سے مشورہ کیا تو اس وقت آپ نے ابو بکر صدیق کو حضرت ابراہیم اور حضرت عیسیٰ کے ساتھ تشبیہ دی اور حضرت عمر کو حضرت نوح اور حضرت موسیٰ کے ساتھ تشبیہ دی جیسا کہ غزوہ بدر کے بیان میں مفصل گزرا ہے اور ظاہر ہے کہ کسی کو نوح علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ تشبیہ دینا انت منی بمنزلہ ہارون من موسیٰ کہنے سے کہیں زیادہ بالا اور برتر ہے۔

الغرض آپ تمیں ہزار فوج کے ساتھ مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے جس میں دس ہزار گھوڑے تھے۔ (زرقانی شرح مواہب) ۱۔

راستہ میں وہ عبرتناک مقام بھی پڑتا تھا جہاں قوم ثمود پر اللہ کا عذاب نازل ہوا تھا۔ جب آپ وہاں سے گزرے تو اس درجہ متاثر ہوئے کہ چہرہ انور پر کپڑا لٹکا دیا اور ناقہ کو تیز کر دیا اور صحابہ کو تاکید فرمائی کہ کوئی شخص ان ظالموں کے مکانات میں داخل نہ ہو اور نہ یہاں کا پانی پیئے اور نہ اُس سے وضوء کرے سرنگوں روتے ہوئے اس طرف سے گزر جائیں اور جن لوگوں نے غلطی اور لاعلمی سے پانی لے لیا تھا یا اُس پانی سے آٹا گوندھ لیا تھا، اُن کو حکم ہوا کہ وہ پانی گرا دیں اور وہ آٹا اونٹوں کو کھلا دیں

(بخاری شریف ۲ کتاب الانبیاء، فتح الباری ص ۲۶۸ ج ۶ و شرح مواہب ص ۳۷ ج ۳)

۱۔ یون الاثر۔ ج ۲ ص ۲۱۶ ۲۔ کتاب الانبیاء، باب قول اللہ تعالیٰ والی ثمود انا ہم صالحا۔ وقول تعالیٰ کذب اصحاب الحجر المرسلین۔

مسجد حرام اور مسجد اقصیٰ اور مسجد نبوی جو کہ ہر وقت اللہ جل جلالہ کی اطاعت اور بندگی سے معمور ہیں وہاں جانا وہاں ٹھہرنا وہاں رہنا عین قربت اور عبادت اور سراسر موجب خیر و برکت اور باعث نزول رحمت ہے اس کے برعکس اُن مقامات میں قصد داخل ہونا جو ایک عرصہ تک اللہ جل شانہ کی نافرمانی کا مرکز رہے ہوں اور وہاں اللہ کا قہر اور عذاب نازل ہوا ہو نہایت خطرناک ہے جس طرح حرم الہی میں داخل ہونے والے کے لیے یہ حکم ہے (ومن دخلہ کان آمناً)

اسی طرح مواقع عذاب میں داخل ہونے سے نزول عذاب کا اندیشہ ہے بیت الحرام خواہ کوئی اس کا طواف کرے یا نہ کرے وہ فی حد ذاتہ خیرات و برکات اور انوار و تجلیات کا منبع اور سرچشمہ ہے۔ اُس کے دیکھنے ہی سے دل کی ظلمتیں اور کدورتیں دور ہوتی ہیں۔ اس سر زمین کی آب و ہوا ہی امراض روحانی کے لئے پیام شفا ہے۔ پس عجب نہیں کہ اطباء روحانی کی نظر میں مواقع عذاب کی آب و ہوا مسموم ہو اور وہاں کے زہریلے جراثیم روح اور قلب کے لئے مضر ہوں۔ اس لئے آپ نے وہاں کا پانی استعمال کرنے کی قطعاً ممانعت کر دی اور جس کنویں سے صالح علیہ السلام کی ناقہ پانی پیا کرتی تھی۔ اس کنویں سے پانی لینے کا حکم دیا۔ اس لئے کہ وہ کنواں معصیت اور غضب خداوندی کے اثر سے پاک تھا، آب زمزم چونکہ مبارک پانی ہے امراض ظاہری اور خصوصاً امراض باطنی کے لئے اکسیر ہے اس لئے اس کے پینے کی تاکید فرمائی کہ جس قدر پی سکو پیو جو بدنصیب اللہ اور اس کے رسول کی معصیت اور نافرمانی پر تل گئے یہاں تک کہ ان پر اللہ کا عذاب نازل ہوا وہ حقیقت میں جانور اور بہائم بلکہ ان سے بھی بدتر ہیں کما قال تعالیٰ اُولَئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ

اس لئے آپ نے اُس آئے کے متعلق جو قوم شمود کے پانی سے گوندھا گیا تھا یہ حکم دیا کہ اونٹوں کو کھلا دیا جائے ایسا پانی جانوروں کے مزاج کے مناسب ہے انسانوں کے مناسب نہیں۔ الغرض جس وقت آپ اس سر زمین عذاب سے گزرے تو آپ کو اندیشہ ہوا کہ مبادا اس مقام کی زہریلی آب و ہوا کا اثر صحابہ پر نہ ہو جائے اس لئے اُس سے حفاظت کے لئے ایک تریاق تجویز فرمایا وہ یہ کہ اس مقام سے سرنگوں اور روتے ہوئے گزر جائیں۔ یعنی خشع اور تضرع گریہ و زاری اور اپنے گناہوں پر ندامت اور شرمساری اس جیسے مقام کی

زہریلی آب وہو اسے بچنے کے لئے تریاق اور اسیر کا حکم رکھتی ہے۔ انجکشن لینے کے بعد اگر طاعونی محلہ سے گزر جائے تو اندیشہ نہیں۔ اے دوستو بارگاہِ خداوندی میں گریہ و زاری تو بہ اور شرمساری گناہوں کا ایسا قوی اور زبردست انجکشن ہے کہ سخت سے سخت زہریلا مادہ بھی اس کے بعد باقی نہیں رہ سکتا سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ أَسْتَغْفِرُكَ وَأَتُوبُ إِلَيْكَ قَالَ تَعَالَى وَلَا تَرْكُنُوا إِلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ وَ سَكَنْتُمْ فِي مَسَاكِينِ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ ظالموں کی طرف میلان اور ظالموں کے مکانات میں سکونت بھی موجبِ عتاب ہے۔

حجر پہنچ کر آپ نے یہ بھی ہدایت فرمائی کہ کوئی شخص تنہا نہ نکلے، اتفاق سے دو شخص تنہا نکل پڑے ایک کا دم گھٹ گیا جو آپ کے دم کرنے سے اچھا ہوا اور دوسرے شخص کو ہوانے طیے کے پہاڑوں میں لے جا کر پھینک دیا۔ جو ایک مدت کے بعد مدینہ پہنچے۔

یہ بیہقی اور ابن اسحاق کی روایت ہے۔ صحیح مسلم کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ تبوک میں پیش آیا۔ ممکن ہے کہ دو واقع ہوں یا ابن اسحاق اور بیہقی کی روایت میں راوی کا وہم ہو واللہ اعلم۔

آگے چل کر جب ایک منزل پر ٹھہرے تو پانی نہ تھا سخت پریشان تھے، اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا سے مینہ برسا دیا جس سے سب سیراب ہو گئے وہاں سے چلے تو اثناءِ راہ میں آپ کا ناقہ گم ہو گیا ایک منافق نے کہا کہ آپ آسمان کی تو خبریں بیان کرتے ہیں مگر اپنے ناقہ کی خبر نہیں کہ وہ کہاں ہے۔

آپ نے فرمایا خدا کی قسم مجھ کو کسی چیز کا علم نہیں مگر وہ کہ جو اللہ نے مجھ کو بتلادیا ہے اور اب بالہام الہی مجھ کو معلوم ہوا ہے کہ وہ ناقہ فلاں وادی میں ہے اور اس کی مہار ایک درخت سے اٹک گئی ہے جس سے وہ رُکی ہوئی ہے چنانچہ صحابہ جا کر اُس اونٹنی کو لے آئے۔

(رواہ البیہقی والبیہقی)

تبوک پہنچنے سے ایک روز پیشتر آپ نے صحابہ سے فرمایا کہ کل چاشت کے وقت تم تبوک کے چشمہ پر پہنچو گے کوئی شخص اس چشمہ سے پانی نہ لے جب اُس چشمہ پر پہنچے تو پانی کا ایک ایک قطرہ اس میں سے رِس رہا تھا، بدقت تمام کچھ پانی ایک برتن میں جمع کیا گیا۔

آپ نے اس پانی سے اپنا ہاتھ اور منہ دھو کر پھر اسی چشمہ میں ڈال دیا۔ اس پانی کا ڈالنا تھا کہ وہ چشمہ فوارہ بن گیا۔ جس سے تمام لشکر سیراب ہوا۔ اور معاذ بن جبل کو مخاطب کر کے فرمایا اے معاذ اگر تو زندہ رہا تو اس خطہ کو باغات سے سرسبز اور شاداب دیکھے گا (رواہ مسلم) ابن اہلق کی روایت میں ہے کہ آج تک وہ فوارہ جاری ہے دور سے اُس کی آواز سنائی دیتی ہے۔ (خصائص کبریٰ ص ۲۷۳ ج ۱)

تبوک پہنچ کر آپ نے بیس روز قیام فرمایا۔ مگر کوئی مقابلہ پر نہیں آیا۔ لیکن آپ کا آنا بیکار نہیں گیا۔ دشمن مرعوب ہو گئے اور اُس پاس کے قبائل نے حاضر ہو کر سر تسلیم خم کیا۔ اہل جزباء اور اذرح اور ایلہ کے فرمانروا نے حاضر خدمت ہو کر صلح کی اور جزیرہ دینا منظور کیا آپ نے ان کو صلح نامہ لکھوا کر عطا فرمایا۔

اسی مقام سے آپ نے خالد بن ولید کو چار سو بیس سواروں کے ساتھ اکیدر کی طرف روانہ فرمایا جو ہر قل کی طرف سے دومة الجندل کا حاکم اور فرمانروا تھا۔ آپ نے روانگی کے وقت خالد بن ولید سے یہ فرمایا کہ وہ تم کو شکار کھیلتا ہوا ملے گا اس کو قتل نہ کرنا گرفتار کر کے میرے پاس لے آنا ہاں وہ اگر انکار کر دے تو قتل کر دینا، چاندنی رات میں پہنچے، گرمی کا موسم تھا اکیدر اور اُس کی بیوی قلعہ کے فصیل پر بیٹھے ہوئے گانا سن رہے تھے۔ اچانک ایک نیل گائے نے قلعہ کے پھانک سے آکر ٹکرماری۔ اکیدر فوراً ہی مع اپنے بھائی اور چند عزیزوں کے شکار کے لئے اتر اور گھوڑوں پر سوار ہو کر اُس کے پیچھے دوڑے تھوڑی ہی دور نکلے تھے کہ خالد بن ولید آ پہنچے اکیدر کے بھائی حسان نے مقابلہ کیا وہ مارا گیا اور اکیدر جو شکار کرنے کے لئے نکلا تھا، وہ خود خالد بن ولید کا شکار ہو گیا۔

خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا میں تم کو قتل سے پناہ دے سکتا ہوں بشرطیکہ تم میرے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونا منظور کرو۔ اکیدر نے اس کو منظور کیا۔ خالد بن ولید اکیدر کو لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اکیدر نے دو ہزار اونٹ اور آٹھ سو گھوڑے اور چار سو زریں اور چار سو نیزے دے کر صلح کی۔

مسجدِ ضرار

بیس روز قیام کے بعد آپ تبوک سے مدینہ منورہ واپس ہوئے، جب آپ مقام ذی اوان میں پہنچے جہاں سے مدینہ ایک گھنٹہ کے راستے پر رہ جاتا ہے تو آپ نے مالک بن دحثم اور معن بن عدی کو مسجدِ ضرار کے منہدم کرنے اور جلانے کے لئے آگے بھیجا۔ یہ مسجد منافقین نے اس لئے بنائی تھی کہ رسول اللہ ﷺ کے خلاف اس میں بیٹھ کر مشورے کریں جس وقت آپ تبوک جا رہے تھے اس وقت منافقین نے آکر آپ سے درخواست کی کہ ہم نے بیماروں اور معذوروں کے لئے ایک مسجد بنائی ہے آپ چل کر اس میں ایک مرتبہ نماز پڑھا دیں تاکہ وہ مقبول اور متبرک ہو جائے آپ نے فرمایا اس وقت تو میں تبوک جا رہا ہوں واپسی کے بعد دیکھا جائے گا، واپسی کے بعد آپ نے ان دو حضرات کو حکم دیا کہ جا کر اس مسجد کو جلا دیں اور یہ آیتیں اسی کے بارہ میں اُتری ہیں۔

وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مَسْجِدًا
ضِرَارًا وَكُفْرًا وَتَفْرِيقًا بَيْنَ
الْمُؤْمِنِينَ وَارْضَادًا لِّمَنْ
حَارَبَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ مِنْ قَبْلُ
وَلَيُخْلِفَنَّ إِنَّ أَرَدْنَا إِلَّا الْحُسْنَى
وَاللَّهُ يَشْهَدُ إِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ لَا
تَقُمْ فِيهِ أَبَدًا الْمَسْجِدُ أَتْسَسَ
عَلَى التَّقْوَى مِنْ أَوَّلِ يَوْمٍ
أَحَقُّ أَنْ تَقُومَ فِيهِ رِجَالٌ
يُحِبُّونَ أَنْ يَتَطَهَّرُوا وَاللَّهُ
يُحِبُّ الْمُطَهَّرِينَ۔

اور جن لوگوں نے ایک مسجد بنائی مسلمانوں کو
ضرر پہنچانے کے لئے اور کفر کرنے کے لئے
اور اہل ایمان میں تفرقہ ڈالنے کے لئے اور
قیام گاہ بنانے کے لئے اس شخص کے لئے کہ
جو اللہ اور اس کے رسول سے پہلے ہی سے
برسرِ پیکار ہے اور قسمیں کھائیں گے کہ ہماری
نیت سوائے بھلائی کے اور کچھ نہیں اور اللہ
گواہی دیتا ہے کہ یہ لوگ جھوٹے ہیں۔ آپ
اس مسجد میں جا کر کبھی کھڑے بھی نہ ہوں۔
البتہ جس مسجد کی بنیاد پہلے ہی دن سے تقویٰ
پر رکھی گئی۔ یعنی مسجدِ قبا وہ واقعی اس لائق ہے
کہ آپ اس میں جا کر کھڑے ہوں اس میں
ایسے مرد ہیں کہ جو پاک رہنے کو پسند کرتے
ہیں اور اللہ پسند کرتا ہے پاک رہنے والوں کو۔

ابن ہشام کی روایت میں ہے کہ آپ نے سونیم یہودی کے مکان کے بھی جلانے کا حکم دیا۔ جس میں منافقین جمع ہو کر آپ کے خلاف مشورے کیا کرتے تھے۔ حضرت طلحہ نے چند آدمیوں کی ہمراہی میں جا کر اس مکان کو نذرِ آتش کیا۔

جب آپ مدینہ کے قریب پہنچے تو مشتاقانِ جمال نبوی ماہتابِ نبوت و رسالت کے استقبال کے لئے نکلے۔ یہاں تک کہ غلبہٴ شوق میں پردہ نشینانِ حرم بھی نکل پڑیں لڑکیاں اور بچے یہ اشعار گاتے تھے۔

طلع البدر علینا من ثنیات الوداع
وجب الشکر علینا مَادَعَا لَہ دَاع
ایہا المبعوث فینا جئت بالامر المطاع

جب مدینہ کے مکانات نظر آنے لگے تو یہ فرمایا اھذہ طابۃ یہ مدینہ طیبہ ہے اور
جبل احد پر نظر پڑی تو فرمایا:

ہذا جبل یُحِبُّنَا وَنَحْبُہ
یہ پہاڑ ہم کو محبوب رکھتا ہے اور ہم اس کو محبوب
رکھتے ہیں۔

اخیر شعبان یا شروعِ رمضان میں مدینہ میں داخل ہوئے، اول مسجد نبوی میں جا کر ایک دو گانہ ادا فرمایا نماز سے فارغ ہو کر لوگوں کی ملاقات کے لئے کچھ دیر بیٹھے بعد ازاں آرام کے لئے گھر تشریف لے گئے۔ (شرح مواہب)

یہ آخری غزوہ تھا جس میں آں حضرت ﷺ بنفسِ نفیس شریک ہوئے۔

متخلفین!

آں حضرت ﷺ جب تبوک روانہ ہوئے تو مؤمنینِ مخلصین بھی آپ کے ہمراہ تبوک روانہ ہوئے منافقین کا ایک گروہ شرکت سے رہ گیا لیکن چند مؤمنینِ مخلصین نفاق کی وجہ سے نہیں بلکہ بعض کسی عذر سے اور بعض بمقتضائے بشریت گرمی اور لو کی تکلیف سے گھبرا کر پیچھے رہ گئے۔

ابو ذر غفاری کا اونٹ لاغرا اور دبلا تھا اس لئے یہ خیال ہوا کہ دو چار روز میں اونٹ کھاپی کر چلنے کے قابل ہو جائے گا اس وقت میں آپ سے جاملوں گا۔ جب اس اونٹ سے نا اُمید ہوئے تو اپنا سامان اپنی پشت پر لا دیا اور پیادہ روانہ ہوئے اسی طرح تن تنہا تبوک پہنچے آپ نے دیکھ کر فرمایا رحم فرمائے اللہ ابو ذر پر اکیلا چلا آ رہا ہے اکیلا ہی مرے گا اور اکیلا ہی اٹھایا جائے گا چنانچہ ایسا ہی ہوا، ربذہ میں تنہا وفات پائی کوئی تجہیز و تکفین کرنے والا نہ تھا۔ اتفاق سے عبد اللہ بن مسعود کوفہ سے واپس آرہے تھے، انہوں نے تجہیز و تکفین کی۔

معجم طبرانی میں ابو خیشمہ سے مروی ہے کہ آل حضرت ﷺ تبوک روانہ ہوئے اور میں مدینہ رہ گیا۔ شدت کی گرمی تھی۔ ایک دن دو پہر میں میرے اہل خانہ نے چھپر میں چھیڑ کاؤ کیا اور ٹھنڈا پانی اور کھانا لا کر رکھا۔ یہ منظر دیکھ کر یکا یک دل پر ایک چوٹ لگی کہ واللہ یہ سراسر بے انصافی ہے کہ رسول اللہ ﷺ تو لو اور گرمی میں ہیں اور میں سایہ میں بیٹھا ہوا۔ اس طرح عیش و آرام کر رہا ہوں فوراً اٹھ کھڑا ہوا اور کچھ کھجوریں ساتھ لیں اور اونٹ پر سوار ہوا اور نہایت تیز رفتاری کے ساتھ روانہ ہوا جب لشکر سامنے آ گیا تو آپ نے دُور سے دیکھ کر فرمایا ابو خیشمہ آ رہا ہے میں نے حاضر خدمت ہو کر واقعہ بیان کیا۔ آپ نے میرے لئے دعائے خیر فرمائی۔ انہیں مومنین صالحین میں سے کعب بن مالک اور مرارة بن ربیع اور ہلال بن امیہ بھی تھے۔ صحیح بخاری میں کعب بن مالک سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ روانہ ہو گئے اور میں سفر کی تیاری میں تھا یہ خیال تھا کہ ایک دو روز میں جب سامان ہو جائے گا تو آپ سے جا ملوں گا۔ اسی میں دیر ہو گئی اور قافلہ دُور نکل گیا اور مدینہ میں سوائے معذورین اور منافقین کے کوئی باقی نہ رہا۔ جب یہ منظر دیکھتا تو نہایت رنج ہوتا جب آپ تبوک سے واپس تشریف لائے تو منافقین نے جھوٹے عذر بیان کیے آپ نے ظاہری طور پر ان کے عذر قبول کیے اور دلوں کا حال اللہ کے سپرد کیا۔

(مغازی ابن عائد میں ہے کہ کعب بن مالک کہتے ہیں میں نے یہ عزم کر لیا کہ ایسا ہرگز نہ کروں گا کہ غزوہ سے پیچھے بھی رہوں اور پھر اللہ کے رسول سے جھوٹ بھی بولوں چنانچہ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور سلام کیا، آپ نے اعراض فرمایا، میں نے عرض

کیا اے اللہ کے نبی آپ مجھ سے کیوں اعراض فرماتے ہیں۔ خدا کی قسم میں نہ منافق ہوا اور نہ مجھ کو شک لاحق ہوا ہے اور نہ میں دین اسلام سے پھرا ہوں آپ نے فرمایا پیچھے کیوں (رہے) میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میں اگر کسی دنیا دار کے سامنے بیٹھا ہوتا تو باتیں بنا کر اُس کے غصہ سے نکل جاتا، لیکن آپ اللہ کے رسول ہیں اگر آج جھوٹ بول کر آپ کو راضی بھی کر لیا تو ممکن ہے کہ کل خداوند ذوالجلال آپ کو مجھ سے ناراض کر دے گا اور اگر آپ سے سچ سچ کہہ دیا جس سے آپ ناراض ہو جائیں تو مجھ کو اللہ کے فضل سے اُمید ہے کہ وہ معاف فرمائے گا۔ حقیقت یہ ہے کہ میرے پاس کوئی عذر نہیں میں قصور وار ہوں آپ نے فرمایا اس شخص نے سچ سچ کہہ دیا ہے، اچھا اس وقت جاؤ یہاں کہ تک اللہ تعالیٰ تمہارے بارے میں کوئی حکم نازل فرمائے، اسی طرح مرارة بن ربیع اور ہلال بن امیہ نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر قصور کا اعتراف کیا۔ آپ نے یہ حکم دیا کہ پچاس دن تک کوئی شخص ان تینوں آدمیوں سے بات نہ کرے، چنانچہ سب نے ہم سے سلام و کلام قطع کر دیا۔ خویش و اقارب دوست احباب سب بیگانے نظر آنے لگے۔ کعب کہتے ہیں کہ میرے دونوں ساتھی تو ضعیفی کی وجہ سے خانہ نشین ہو گئے دن رات گریہ و زاری میں گزرتا، میں جو ان تھا میں جماعت میں حاضر ہوتا۔ غرض یہ کہ پچاس دن اسی پریشانی میں گزرے یہاں تک کہ اللہ کی زمین ہم تنگ ہو گئی۔ سب سے زیادہ فکر اس کی تھی کہ اگر اس عرصہ میں موت آگئی تو رسول اللہ ﷺ اور مسلمان میرے جنازہ کی نماز بھی نہ پڑھیں گے۔

پچاس دن کے بعد یکا یک جبل سلع سے مرثدہ جانفزا سنائی دیا۔

یا کعب بن مالک ابشر ! اے کعب بن مالک تم کو بشارت ہو۔

یہ سنتے ہی میں سجدہ میں گر پڑا اور سمجھ گیا کہ مشکل دور ہوئی۔ رسول اللہ ﷺ نے اعلان فرمادیا کہ ان لوگوں کی توبہ مقبول ہوئی۔ ہر طرف سے لوگ مجھ کو اور میرے دونوں ساتھیوں کو خوشخبری اور مبارک باد دینے کے لئے دوڑے، ابن اسحاق کی روایت میں ہے کہ یہ کہتے تھے لَتَهْنِكَ تَوْبَةُ اللَّهِ عَلَيْكَ مبارک ہو تجھ کو اللہ کا تیری توبہ کا قبول کرنا۔ جو شخص میرے پاس خوشخبری لے کر آیا اس کو فوراً ہی میں نے اپنے دونوں کپڑے اتار کر پہنا دیئے بعد ازاں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ مسجد میں تشریف فرما تھے میں نے مسجد میں قدم رکھا ہی

تھا کہ طلحہ بن عبید اللہ دوڑے ہوئے آئے اور مجھ سے مصافحہ کیا اور مبارک باد دی، کعب کہتے ہیں حاضرین میں سے اور کوئی شخص نہیں اٹھا۔ خدا کی قسم طلحہ کا یہ احسان کبھی نہ بھولوں گا۔ اُس حضرت طلحہؓ کا چہرہ انور چاند کی طرح چمک رہا تھا آپ کو سلام کیا آپ نے فرمایا۔

ابشر بخیر یوم مرّ علیک مبارک ہو تجھ کو وہ دن جو تمام دنوں سے بہتر
منذ ولدتک امک ہے جب سے تیری ماں نے تجھ کو جنا ہے۔

کعب بن مالک جس دن اسلام میں داخل ہوئے بے شک وہ دن تمام دنوں سے بہتر تھا لیکن حقیقت میں یہ دن اس دن سے بھی بہتر تھا اس لئے کہ اس دن میں بارگاہِ خداوندی سے اُن کی توبہ قبول ہوئی جس سے اُن کے ایمان و اخلاص پر ہمیشہ کے لئے مہر ہو گئی۔ اور یہ آیتیں ان کے بارے میں نازل ہوئیں۔

لَقَدْ تَابَ اللَّهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ الَّذِينَ اتَّبَعُوهُ فِي سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيغُ قُلُوبُ فَرِيقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ إِنَّهُ بِهِمْ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ وَعَلَى الثَّلَاثَةِ الَّذِينَ خَلَفُوا حَتَّىٰ إِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ أَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوا أَنْ لَا مَلْجَأَ مِنَ اللَّهِ إِلَّا إِلَيْهِ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوبُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ

تحقیق اللہ تعالیٰ اپنی خاص رحمت اور عنایت سے متوجہ ہوئے پیغمبر پر اور مہاجرین اور انصار پر جنہوں نے تنگی اور دشواری کے وقت میں نبی کا ساتھ دیا۔

بوقت تنگدستی آشنا بیگانہ می گردود

صراحی چوں شود خالی جدا پیمانہ می گردود

بعد اس کے کہ ایک گروہ کے دل قریب تر لرزل کے تھے پھر اللہ نے ان پر توجہ فرمائی

اور اللہ بڑا شفیق اور مہربان ہے اور توجہ فرمائی

اللہ تعالیٰ نے ان تین شخصوں پر بھی جن کا معاملہ ملتوی اور موقوف تھا، یہاں تک کہ

جب زمین باوجود کشادہ ہونے کے ان پر

تنگ ہو گئی اور ان کی جانیں بھی ان پر تنگ

ہو گئیں اور انہوں نے یہ سمجھ لیا کہ اللہ کی

گرفت سے کہیں پناہ نہیں سوائے اس کے

تو پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر توجہ فرمائی اور ان کا قصور معاف کیا تا کہ وہ اللہ کی طرف رجوع کریں بے شک اللہ بڑا توبہ قبول کرنے والا اور مہربان ہے، اے ایمان والو خدا سے ڈرو اور بچوں کے ساتھ رہو۔

میں نے عرض کیا یا رسول اللہ اس توبہ کے شکریہ میں اپنا کل مال خیرات کرنا چاہتا ہوں آپ نے فرمایا کچھ رہنے دو۔ اس لئے خیبر میں میرا جو حصہ تھا میں نے وہ رکھ لیا اور باقی سب خیرات کر دیا۔ اور عرض کیا یا رسول اللہ اللہ نے مجھ کو محض سچ کی وجہ سے نجات دی ہے میں اپنی توبہ کا تکملہ اور تمہ یہ سمجھتا ہوں کہ مرتے دم تک کبھی سوائے سچ کے کوئی بات نہ کرو۔ بخاری وفتح الباری ص ۸۶ ج ۸ حدیث کعب بن مالک ۱۱

صدیق اکبر کا امیر حج مقرر ہونا

ذی قعدة الحرام ۹ھ میں آں حضرت ﷺ نے ابو بکر صدیق کو امیر حج مقرر کر کے مکہ مکرمہ روانہ کیا تین سو آدمی مدینہ منورہ سے ابو بکر صدیق کے ساتھ چلے اور بیس اونٹ قربانی کے آپ کے ہمراہ کئے تاکہ لوگوں کو ٹھیک شریعت کے مطابق حج کرا سکیں۔ اور سورہ براءت کی چالیس آیتیں جو نقص عہد کرنے والوں کے بارے میں نازل ہوئی تھیں ان کا اعلان کریں جن میں یہ تھا کہ اس سال کے بعد مشرکین مسجد حرام کے قریب نہ جائیں اور بیت اللہ کا برہنہ ہو کر طواف نہ کریں اور جس سے آں حضرت ﷺ نے کوئی عہد کیا ہے وہ اس کے مدت تک پورا کر دیا جائے اور جن لوگوں کے ساتھ کوئی عہد نہیں کیا گیا ان کو یوم النحر سے لے کر چار مہینہ کی مہلت ہے صدیق اکبر کی روانگی کے بعد آپ کو یہ خیال ہوا کہ عہد اور نقص عہد کے متعلق جو اعلان کیا جائے مناسب یہ ہے کہ اس کا اعلان و اظہار ایسے شخص کی زبانی ہونا چاہئے کہ جو عہد کرنے والے کے خاندان اور اہل بیت سے ہو اس لئے کہ عرب ایسے امور میں خاندان اور اقارب ہی کی بات کو قبول کرتے ہیں اس لئے آپ نے حضرت علی کو

بدایا اور اپنی ناقہ عضباً، پر سوار کر کے ابو بکر صدیق کے پیچھے روانہ کیا کہ سورۃ براءت کی آیات موسم حج میں تم سناؤ اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آیات براءت صدیق اکبر کے روانہ ہونے کے بعد نازل ہوئیں اس لئے بعد میں حضرت علی کو آیات براءت کا پیغام سنانے کے لئے روانہ فرمایا۔ صدیق اکبر نے جب ناقہ کی آواز سنی تو یہ گمان ہوا کہ آنحضرت ﷺ خود تشریف لے آئے تھیں گئے دیکھا تو علی ہیں، پوچھا امیر المؤمنین یعنی امیر ہو کر آئے ہو یا تابع ہو کے، حضرت علی نے فرمایا۔ مامور ہوں یعنی تابع ہو کے آیا ہوں اور فقط سورۃ براءت کی آیات سنانے کے لئے آیا ہوں، چنانچہ لوگوں کو حج ابو بکر صدیق ہی نے کرایا اور موسم حج کے خطبے بھی انہوں ہی نے پڑھے اور حضرت علی نے صرف سورۃ براءت کی آیات اور ان کا مضمون جمرہ عقبہ کے قریب یوم النحر میں کھڑے ہو کر لوگوں کو سنایا۔ حضرت ابو بکر نے کچھ لوگ حضرت علی کی امداد کے لئے مقرر کر دیئے کہ باری باری سے منادی کر دیں۔

چنانچہ یوم النحر منیٰ میں یہ منادی کر دی گئی اور لوگوں کو سنا دیا گیا کہ جنت میں کوئی کافر داخل نہیں ہو سکے گا اور نہ سال آئندہ کوئی مشرک حج کرنے پائے گا اور نہ کوئی برہنہ بیت اللہ کا طواف کر سکے گا۔ اور جس کا جو عہد رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہے وہ اس کی مدت تک پورا کر دیا جائے اور جس سے کوئی عہد نہیں یا عہد بلا میعاد کے ہے تو اس کو چار مہینہ کا امن ہے اگر اس مدت میں مسلمان نہ ہو تو چار ماہ کے بعد جہاں پایا جائے گا قتل کیا جائے گا۔

ایک حدیث میں ہے کہ جب حضرت علی ذوالحلیفہ پہنچ کر ابو بکر صدیق سے ملے اور کہا کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے ان آیات کے اعلان کے لئے بھیجا ہے تو ابو بکر صدیق کو یہ خیال ہوا کہ شاید میرے بارے میں کوئی حکم نازل ہو گیا ہے اس لئے فوراً ہی مدینہ واپس ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ کیا میرے بارے میں کوئی حکم نازل ہوا ہے، آپ نے فرمایا نہیں تو تو میرا رغار ہے، غار ثور کا ساتھی ہے اور حوض کوثر پر بھی میرے ساتھ ہوگا۔ لیکن براءت کا اعلان سوائے میرے یا میرے خاندان کے کسی شخص کے سوا اور کوئی نہیں کر سکتا اس لئے آیات براءت سنانے کیلئے میں نے علی کو بھیجا ہے۔!

واقعات متفرقہ ۹

(۱) اسی سال ماہ ذی قعدۃ الحرام میں رأس المنافقین عبداللہ بن ابی ابن سلول کا انتقال ہوا جس کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔

وَلَا تُصَلِّ عَلَىٰ أَحَدٍ مِّنْهُمْ
مَّا تَابَ أَبَدًا وَلَا تَقُمْ عَلَىٰ قَبْرِهِ
إِنَّهُمْ كَفَرُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ
وَمَاتُوا وَهُمْ فَاسِقُونَ ۖ

اور آپ ان منافقین میں سے کسی کی بھی نماز
جنازہ نہ پڑھیں اور نہ اس کی قبر پر کھڑے
ہوں اس لئے کہ ان لوگوں نے اللہ اور اس
کے رسول کے ساتھ کفر کیا اور خدا کے نافرمان
(شرح مواہب ص ۹۵ ج ۳) مرے ہیں۔

مسئلہ: کافر کے جنازہ میں شرکت اور اس کی قبر پر جا کر کھڑا ہونا قطعاً ناجائز ہے خواہ
جنازہ ہندو کا ہو یا انگریز کا۔ کفر میں دونوں شریک ہیں اور شرعاً مشرک اور بت پرست کفر
کتابی کے کفر سے اشد ہے۔

(۲) اسی سال نجاشی شاہ حبشہ کا انتقال ہوا اور بذریعہ وحی آپ کو اسی روز اس کے وفات کی
اطلاع دی گئی۔ آپ نے صحابہ کو جمع کر کے اس کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھی۔

(۳) اسی سال سود کی حرمت کا حکم نازل ہوا اور ایک سال بعد آں حضرت ﷺ نے حجۃ
الوداع میں اس کی حرمت کا عام اعلان فرمایا۔

(۴) اسی سال عورتوں سے لعان کا حکم نازل ہوا۔ جس کی مفصل کیفیت سورہ نور میں مذکور ہے۔

(۵) جو لوگ اسلام میں داخل نہیں ہوئے بلکہ محض اسلام کے زیر سایہ انہوں نے رہنا منظور

کیا تو ان کے حق میں اسی سال جزیرہ کی آیت نازل ہوئی۔ قَالَ تَعَالَىٰ وَقَاتِلُوا الَّذِينَ لَا

يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَا يُحَرِّمُونَ مَا حَرَّمَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَلَا يَدِينُونَ دِينَ الْحَقِّ

مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حَتَّىٰ يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَدٍ وَهُمْ صَاغِرُونَ۔ ۲

جزیرہ جزاء سے مشتق ہے یعنی یہ جزاء کفر ہے بطور ذلت و حقارت آزاد عاقل بالغ مرد سے لیا

جاتا ہے۔ جزیرہ سے مقصد یہ ہے کہ کفر کی شوکت اور اس کا زور ٹوٹ جائے اور اسلام کی

برتری اور حکمرانوں کے سامنے جھک جائے ایسے لوگوں کو اصطلاح شریعت میں ذمی کہتے

ہیں جو ذمہ سے مشتق ہے یعنی جن کی جان اور مال اور آبرو اور اُن کے حقوق کا اللہ اور اس کا رسول مسلمانوں کی طرح ذمہ دار ہو مگر خوب یاد رکھو کہ قرآن و حدیث نے کافروں سے جزیہ لینے کا جو حکم دیا وہ دفاع اور حفاظت جان کا بدل نہیں یعنی جزیہ کا یہ سبب نہیں کہ ذمی خود اپنی حفاظت نہیں کر سکتے اور ہم دشمنوں سے اُن کی حفاظت کرتے ہیں کیونکہ حفاظت تو اہل ذمہ کی عورتوں اور بچوں اور بوڑھوں اور پاجھوں اور راہبوں کی بھی کی جاتی ہے مگر ان پر جزیہ نہیں جزیہ صرف اُن لوگوں سے لیا جاتا ہے جو جہاد میں مستحق قتل تھے۔ اسی وجہ سے فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ جزیہ قتل کا بدل ہے صرف حر اور عاقل اور بالغ مردوں سے لیا جاتا ہے جو مستحق قتل کے تھے اور جن لوگوں سے اس بنیاد پر معاہدہ ہو کہ طرفین کی خود مختاری محفوظ اور ملحوظ رہے تو شریعت کی اصطلاح میں ایسے لوگوں کو ’معاہد‘ کہتے ہیں۔

۱۰۔ اہل اور عام الوفود

عرب میں سب سے بڑا قبیلہ قریش کا تھا جس کی سرداری مسلم تھی۔ قریش کے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے ہونے سے کسی کو انکار نہ تھا، فہم و فراست سخاوت و شجاعت میں مشہور تھے۔ بیت اللہ اور بلد حرام کے مجاور تھے۔ مگر اسلام کی مخالفت اور عداوت پر کمر بستہ تھے۔ قبائل عرب کی نظریں قریش پر لگی ہوئی تھیں کہ دیکھیں کہ آں حضرت ﷺ کی کیسے نبی ہوئی ہے۔ قریش کے نوجوانوں نے تو ابتداء ہی میں اسلام قبول کر لیا تھا اور کرتے رہے مگر بوڑھے باقی تھے۔ جب مکہ فتح ہو گیا اور بوڑھوں نے بھی اسلام کی اطاعت قبول کر لی تو اُس وقت عرب کو معلوم ہو گیا کہ دین اسلام دین الہی ہے ضرور تمام عالم میں پھیل کر رہے گا۔ اور کوئی قوت اس کی مخالفت میں کامیاب نہیں ہو سکتی اس لئے مکہ فتح ہوتے ہی ہر طرف سے سفارتیں آنے لگیں اور ہر قبیلہ کے وکلاء اور وفود بارگاہ رسالت میں حاضر ہونے لگے، اسلام کی حقیقت معلوم کرتے خود بھی مشرف باسلام ہوتے اور اپنی ساری قوم کے مسلمان کرنے کا وعدہ کر کے واپس ہوتے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ ۖ وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللَّهِ أَفْوَاجًا ۚ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ إِنَّهُ كَانَ تَوَّابًا۔ ۱۔

جب اللہ کی نصرت اور فتح آجائے اور آپ لوگوں کو اللہ کے دین میں داخل ہوتا ہوا جوق در جوق دیکھ لیں تو تسبیح اور تحمید اور استغفار میں مشغول ہو جائیے اللہ تعالیٰ بڑا توجہ فرمانے والا ہے۔

وفد کی ابتداء تو ۸ھ کے اخیر ہی سے ہو گئی تھی لیکن زیادہ تسلسل ۸ھ اور ۱۰ھ میں رہا۔ اس لئے ان دونوں سنوں کو عام الوفود کہا جاتا ہے ابن سعد اور دمیاطی اور مغلطائی اور عراقی نے وفد کی تعداد ساٹھ سے کچھ زیادہ بیان کی ہے مگر علامہ قسطلانی نے مواہب میں پینتیس وفد کا ذکر کیا ہے۔ ۲۔

(۱) وفد ہوازن

فتح مکہ کے بعد یہ پہلا وفد ہے جو آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ جس وقت آپ جعرانہ میں ٹھہرے ہوئے تھے اُس وقت ہوازن کے چودہ آدمیوں کا وفد اپنے مال اور قیدیوں کے چھڑانے کے لیے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا جس کا مفصل قصہ غزوہ حنین کے بیان میں گزر چکا ہے۔ اس وفد میں رسول اللہ ﷺ کے رضاعی چچا بھی تھے۔ حضرت حلیمہ سعدیہ اسی قبیلہ کی تھیں زہیر بن ضرہ سعدی و حشمی اس وفد کے رئیس تھے کھڑے ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ ان قیدیوں میں آپ کی خالائیں اور رضاعی پھوپیاں اور پالنے والیاں ہیں جو کبھی آپ کو چھاتی سے لگاتی تھیں، اگر ہم نے حارث غسانی اور نعمان بن منذر کو دودھ پلایا ہوتا تو ایسی مصیبت کے وقت میں ہم اس سے ضرور اُمید رکھتے اور آپ تو سب سے بہتر اور افضل مکحول ہیں اور یہ شعر پڑھے۔

أَمْنُنْ عَلَيْنَا رَسُولَ اللَّهِ فِي كَرَمٍ فَإِنَّكَ الْمَرْءُ نَرْجُوهُ وَنَنْتَظِرُ

یا رسول اللہ۔ اپنے کرم اور مہربانی سے ہم پر احسان فرمائیے۔ بلاشبہ آپ ایسے شخص ہیں جس سے ہم مہربانی اور کرم کے امیدوار اور منتظر ہیں۔

أُمنُّنُ عَلَى بَيْضَةٍ قَدَعَا قَهَا قَدْرٌ مُمَزَّقٌ شَمْلَهَا فِي دَهْرَهَا غَيْرُ
اُس قبیلہ پر احسان فرمائیے کہ جس کی حاجتوں کو قضاء و قدر نے روک دیا
ہے۔ تغیرات زمانہ سے اُس کا شیرازہ پراگندہ ہو گیا ہے۔

يَا خَيْرَ طِفْلٍ وَ مَوْلُودٍ وَ مُتَخَبٍ فِي الْعَالَمِينَ إِذَا مَا حَصَلَ الْبَشَرُ
اے بہترین مولود اور دفاتر عالم کے انتخاب۔

إِنْ لَمْ تُدَارِكْهُمْ نِعْمَاءُ تَنْشُرُهَا يَا أَرْجَحَ النَّاسِ حِلْمًا حِينَ يُخْتَبَرُ
اگر آپ کا انعام و احسان اُن کی خبر گیری نہ کرے گا۔ ہلاک! ہو جائیں گے اے وہ
ذات کہ جس کا حلم اور بردباری میں سب سے پہلے بھاری ہے اور امتحان اور آزمائش کے وقت
اس کا حلم نمایاں اور ظاہر ہو جاتا ہے ہم پر احسان فرما۔

أُمنُّنُ عَلَى نِسْوَةٍ قَدْ كُنْتَ تَرْضَعُهَا إِذْ فُوكَ تَمْلُؤُهُ مِنْ مَحْضِهَا الدَّررُ
ان عورتوں پر احسان فرمائیے جن کا آپ دودھ پیتے تھے اور اُن کے خالص اور
بہتے ہوئے دودھ سے آپ اپنے منہ کو بھرتے تھے۔

لَا تَجْعَلْنَا كَمَنْ شَالَتْ نِعَامَتُهُ وَاسْتَبَقَ مِنَّا فَإِنَّا مَعْشَرُ زُهْرٍ
ہم کو اُن لوگوں کے مانند مت کیجیے کہ جن کے قدم اکھڑ گئے ہوں اور اپنے جو دو
کرم کے شکر و امتنان کو ہمیشہ کیلئے ہم میں باقی چھوڑ دیئے ہم شریف گروہ کسی
کے احسان کو فراموش نہیں کرتے۔

إِنَّا لَنَشْكُرُ لِلنِّعْمَاءِ إِذْ كُفِّرَتْ وَ عِنْدَنَا بَعْدَ هَذَا الْيَوْمِ مَدَّخَرٌ
تحقیق ہم انعام اور احسان کے بہت زیادہ مشکور ہوتے ہیں جب کہ لوگ اس
کی ناشکری کریں۔

فَالْبَسِ الْعَفْوَ مَنْ قَدْ كُنْتَ تَرْضَعُهُ مِنْ أُمَّهَاتِكَ إِنَّ الْعَفْوَ مُشْتَهَرٌ

پس آپ اُن ماؤں کو جن کا آپ نے دودھ پیا ہے، اپنے دامن غنومیں چھپا لیں تحقیق آپ کا غنوتو مشہور ہے۔

يَا خَيْرَ مَنْ مَرَحَتْ كُمْتُ الْجِيَادِيهِ عِنْدَ الْهَيَاجِ إِذَا مَا اسْتَوْقَدَ الشَّرَرُ
اے وہ ذات کہ جس کی سواری سے کیت گھوڑے نشاط اور طرب میں آجاتے ہیں جب کہ لڑائی کی آگ دھکائی جائے۔

إِنَّا نُؤَمِّلُ عَفْوَاً مِنْكَ تُلْبِسُهُ هَذِي الْبَزِيَّةَ إِذْ تَعْفُوا وَتَنْتَصِرُ
ہم آپ سے ایسے عفو کی اُمید لگائے ہوئے ہیں جو اُن سب کو اپنے اندر چھپالے۔

فَاغْفِرْ عَفَاَ اللّٰهُ عَمَّا أَنْتَ رَاحِبُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِذْ يُهْدَى لَكَ الظُّفَرُ
پس آپ ہم کو معاف کیجیے اللہ تعالیٰ آپ کو قیامت کے اندیشوں سے محفوظ رکھے گا اور آپ کو کامیابی عطا فرمائے گا۔

بعض روایات میں کچھ اشعار اور زیادہ ہیں تفصیل کے لئے الروض الانف ص ۳۰۶ ج ۲۔ اور عیون الاثر ص ۱۹۶ ج ۲۔ اور زرقانی ص ۳ ج ۳ کی مراجعت کیجیے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب

آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں نے تمہارا بہت انتظار کیا۔ جب تم نہ آئے تب میں نے مال اور اسباب اور تمام قیدی غامین پر تقسیم کر دیئے، اب دو چیزوں میں سے ایک چیز کو اختیار کر لو۔ مال و اسباب لے لو یا اپنے اہل و عیال کو چھڑالو، وفد نے کہا اہل و عیال ہم کو زیادہ عزیز ہیں۔ آپ نے فرمایا میرا اور میرے خاندان بنی عبدالمطلب کا جو حصہ ہے وہ تو میں نے تم کو دے دیا باقی جو حصہ مسلمانوں کے قبضہ میں آچکا ہے سو اس بارے میں تمہاری سفارش کروں گا چنانچہ آپ نے سفارش کی سب نے طیب خاطر سے تمام قیدی آزاد کر دیئے دو چار شخصوں نے کچھ تامل کیا آپ نے اُن کا معاوضہ دے دیا اس طرح وفد اپنے چھ ہزار بچوں اور عورتوں کو لے کر واپس ہوا۔

آپ کی سفارش کا مفصل واقعہ غزوہ حنین کے بیان میں گزر چکا ہے اس لئے یہاں اس کو مختصر کر دیا۔

(۲) وفد ثقیف

ماہ رمضان المبارک ۹ھ میں ثقیف کا وفد اسلام قبول کرنے اور آپ کے دست مبارک پر بیعت کرنے کے لئے حاضر خدمت ہوا۔

یہ وہی ثقیف ہیں کہ جن سے آپ نے اور آپ کے صحابہ نے محاصرہ طائف میں شدید تکلیف اٹھائی اور طائف کے قلعہ کو غیر مفتوح چھوڑ کر شکستہ دل مدینہ واپس ہوئے۔ جس وقت آپ طائف کا محاصرہ چھوڑ کر روانہ ہونے لگے تو کسی نے عرض کیا یا رسول اللہ ان کے لئے بد دعا کیجئے ان کے تیروں نے ہم کو جلا ڈالا۔ آپ نے فرمایا:

اَللّٰهُمَّ اهْدِ ثَقِيفًا وَاْتِ بِهَمٍّ ؕ اے اللہ قبیلہ ثقیف کو ہدایت دے اور مُسْلِمِیْنَ (رواہ الترمذی وحسنہ) ؕ مسلمان کر کے ان کو میرے پاس بھیج۔

آپ کی دعا قبول ہوئی اور عروہ بن مسعود ثقفی کی شہادت کے آٹھ مہینہ بعد جب آپ تبوک سے واپس ہوئے، آپ کی خدمت میں مدینہ منورہ حاضر ہوئے۔ اسلام قبول کیا اور آپ کے ہاتھ پر بیعت کی، چھ آدمیوں کا وفد عبدیلیل کی سرکردگی میں مدینہ روانہ ہوا۔ یا تو وہ تہمد اور سرکشی تھی یا یہ جوش اور ولولہ ہے کہ خود بخود بہ ہزار رضا و رغبت اسلام کا حلقہ بگوش بننے کے لئے بارگاہ رسالت میں حاضر ہو رہے ہیں اس لئے مسلمانوں کو ان کی آمد سے بے حد مسرت ہوئی سب سے پہلے مغیرہ بن شعبہ نے ان لوگوں کو دیکھا دیکھتے ہی دوڑے کہ جا کر رسول اللہ ﷺ کو بشارت سناؤں راستہ میں ابو بکر صدیق مل گئے ابو بکر صدیق کو جب علم ہوا تو مغیرہ کو خدا کی قسم دی اور کہا کہ مجھ کو اجازت دو کہ میں جا کر رسول اللہ ﷺ کو یہ بشارت سناؤں مغیرہ نے اجازت دے دی ابو بکر صدیق رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے جا کر آں حضرت کو اس وفد کی آمد کا مشرہ سنایا۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کے ٹھہرنے کے لئے خاص مسجد نبوی میں ایک خیمہ نصب کرا دیا۔ (تاکہ قرآن کو سنیں اور نماز اور نمازیوں کو دیکھیں) وفد کی مہمانی اور ان کی خبر گیری یہ سب خالد بن سعید بن العاص کے سپرد تھی، جب تک خالد بن سعید اس کھانے میں سے نہ کھا لیتے تھے اس وقت تک وفد کے لوگ وہ کھانا نہ کھاتے تھے اور وفد کو جو کچھ آنحضرت ﷺ سے کہنا ہوتا تھا وہ انہیں کے واسطے سے کہتے تھے۔ چنانچہ وفد نے خالد کے واسطے سے عجیب شرطیں پیش کیں۔

(۱) نماز معاف کر دی جائے۔

(۲) لات (جو ان کا بڑا بت تھا) اس کو تین سال تک نہ توڑا جائے۔ بچے اور عورتیں اس پر بہت مفتون ہیں۔

(۳) ہمارے بت خود ہمارے ہاتھوں سے نہ توڑوائے جائیں آپ نے اول کی دو شرطوں سے قطعاً انکار کر دیا اور یہ فرمایا:

لا خیر فی دین لا صلاۃ فیہ ❦ اس دین میں کوئی بہتری نہیں جس میں نماز ❦ نہ ہو۔

تیسری شرط کی بابت فرمایا یہ ہو سکتا ہے سب نے اسلام قبول کیا اور وطن واپس ہوئے عثمان بن ابی العاص جو اس وفد میں سب سے کم سن تھے ان کو امیر اور حاکم مقرر فرمایا ان کو علم اور قرآن اور اسلامی مسائل کے سیکھنے کا سب سے زیادہ شوق تھا، اس لئے صدیق اکبر کے اشارہ سے آپ نے ان کو امیر مقرر کیا۔ اور انہی کے ہمراہ ابوسفیان بن حرب اور مغیرہ بن شعبہ کولات کے منہدم کرنے کے لئے روانہ کیا ابوسفیان کسی وجہ سے پیچھے رہ گئے مغیرہ نے جا کر بت پر پھاؤ لا مارا ثقیف کی عورتیں برہنہ سر اور برہنہ پایہ ماجرا دیکھنے کے لئے گھروں سے نکل پڑیں۔ مغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بت کو توڑ ڈالا اور بت خانہ میں جو مال و اسباب اور زیورات تھے وہ سب لے لیئے اول اس میں سے عروہ بن مسعود ثقفی کے بیٹے ابویحٰییٰ اور عروہ کے بھتیجے قارب بن الاسود کا قرض ادا کیا اور جو بچا وہ آپ کی خدمت میں لے کر حاضر ہوئے آپ نے اسی وقت اس کو مسلمانوں میں تقسیم کر دیا اور اللہ کا شکر کیا کہ اُس نے اپنے دین کی مدد فرمائی اور اپنے پیغمبر کو عزت دی۔ عروہ بن مسعود کی شہادت کے بعد جب اہل طائف مسلمان ہو گئے تو وفد ثقیف کی حاضری سے پہلے ابویحٰییٰ بن عروہ اور قارب بن الاسود، آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مشرف باسلام ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ لات کے بت خانے سے ہمارے باپ یعنی عروہ اور اسود کا قرضہ ادا کر دیا جائے عروہ اور اسود دونوں حقیقی بھائی تھے عروہ تو اسلام لائے اور شہید ہوئے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے ابویحٰییٰ عروہ کے بیٹے ہیں اور اسود کا فرما۔ قارب، اسود کے بیٹے ہیں۔ دونوں نے اپنے اپنے باپ کے قرضہ کی ادائیگی کی درخواست کی آپ نے فرمایا اسود تو مشرک مرا ہے قارب نے عرض کیا یا رسول اللہ

بے شک وہ مشرک مرا ہے مگر قرضہ تو مجھ پر ہے، آپ نے ابوسفیان رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کو حکم دیا کہ لات کے بت خانہ سے جو مال برآمد ہوا اول اس سے ابولج اور قارب کا قرض ادا کرنا۔

(۳) وفدِ بنی عامر بن صعصعہ

تبوک سے واپسی کے بعد بنو عامر بن صعصعہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے جن میں عامر بن طفیل اور اربد بن قیس بھی تھے، سلسلہ کلام میں ان لوگوں نے آپ سے ان لفظوں میں خطاب کیا۔ انت سیدنا آپ ہمارے سردار ہیں، آپ نے فرمایا اپنی بات کہو شیطان تمہارے ساتھ مسخرہ پن نہ کرے۔ سردار صرف اللہ ہے ظاہر میں یہ تملق اختیار کیا اور درپردہ عامر نے اربد کو یہ سمجھا دیا کہ میں جب آپ کو باتوں میں لگاؤں تو تم فوراً تلواریں سے آپ کا کام تمام کر دینا عامر نے آپ سے گفتگو شروع کی، اے محمد مجھ کو آپ اپنا مخلص دوست بنا لیجئے آپ نے فرمایا ہر گز نہیں جب تک تو ایک خدا پر ایمان نہ لائے، عامر نے کہا اگر میں مسلمان ہو جاؤں تو آپ مجھ کو کیا عطا فرمائیں گے۔ آپ نے فرمایا اسلام لانے کے بعد تیرے وہی حقوق اور احکام ہوں گے جو تمام مسلمانوں کے ہیں۔ عامر نے کہا آپ اپنے بعد حکومت اور خلافت مجھ کو عطا کر دیں۔ آپ نے فرمایا ہر گز نہیں عامر نے کہا اچھا اہل بادیہ پر آپ حکومت کریں شہر اور آبادی کی حکومت میرے لیے چھوڑ دیں۔ ورنہ میں غطفان کو لے کر آپ پر چڑھائی کروں گا۔ اور مدینہ کو سوار اور پیادوں سے بھر دوں گا آپ نے فرمایا اللہ تجھ کو قدرت نہیں دے گا۔ گفتگو ختم ہوئی جب دونوں اٹھ کھڑے ہوئے تو آپ نے دعا فرمائی اے اللہ عامر بن طفیل کے شر سے مجھ کو بچا۔ اور اس کی قوم کو ہدایت دے جب باہر آئے تو عامر نے اربد سے کہا افسوس میں تیرا منتظر رہا مگر تو نے جنبش بھی نہ کی اربد نے کہا میں نے جب کبھی تلواریں سوتنے کا ارادہ کیا تو کوئی نہ کوئی چیز درمیان میں حائل نظر آئی۔ ایک مرتبہ آہنی دیوار نظر آئی اور ایک مرتبہ ایک اونٹ نظر آیا جو میرے سر کو نگل جانا چاہتا ہے۔

جب یہ وفد آپ کے پاس سے واپس ہوا تو عامر بن طفیل تو راستہ میں بعارضہ طاعون ہلاک ہوا عرب میں چونکہ بستر پر مرنا عار سمجھا جاتا ہے، اس لئے عامر نے کہا مجھ کو گھوڑے پر

بٹھلا دو گھوڑے پر سوار ہوا اور نیزہ ہاتھ میں لیا۔ اور یہ الفاظ کہے یا ملک الموت ابر زلی اے موت کے فرشتے میرے سامنے آئیے کہتا کہتا گھوڑے سے گر پڑا، اسی مقام پر اس کو دفن کر دیا گیا۔ جب وفد سرزمین بنی عامر میں پہنچا تو لوگوں نے اربد سے حالات دریافت کیئے۔ اربد نے کہا آپ کا دین یحییٰ ہے۔ خدا کی قسم وہ شخص (اشارہ سوئے آں حضرت ﷺ) اگر اس وقت میرے سامنے ہو تو تیروں سے اس کو قتل کر کے چھوڑ دوں۔ دو دن نہ گزرے تھے کہ اونٹ پر سوار ہو کر نکلا۔ فوراً ہی آسمان سے اس پر ایک بجلی گری جس سے وہ داخل فی النار والسقر ہوا۔ عامر اور اربد یہ دونوں بد نصیب دولتِ اسلام سے محروم واپس ہوئے اور وفد کے باقی اکثر افراد دولتِ اسلام سے مالا مال ہو کر واپس ہوئے۔ ۱۔

(۴) وفد عبد القیس

یہ بہت بڑا قبیلہ تھا۔ بحرین کا باشندہ تھا اس قبیلہ کا وفد دو مرتبہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، پہلا وفد فتح مکہ سے بھی پہلے آیا پیشتر ۵ھ یا اس سے بھی پہلے حاضر ہوا اس مرتبہ وفد میں تیرہ چودہ آدمی تھے آپ نے فرمایا۔

مرحبا بالقوم غیر خزایا ولا مرحبا ہے اس قوم کو جو نہ رسوا ہوئے اور نہ شرمندہ
ندامی یعنی خوشی سے مسلمان ہو گئے لڑ کر مسلمان نہیں
ہوئے جس سے ان کو ذلت یا ندامت ہوتی۔

وفد نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ہمارے اور آپ کے مابین قبیلہ مضر کے مشرکین حائل ہیں صرف اشہر حرم میں آپ کی خدمت میں حاضر ہو سکتے ہیں، جن مہینوں میں عرب لوٹ مار کو حرام جانتے ہیں اس لئے آپ ہم کو کوئی ایسا جامع اور مختصر عمل بتلا دیجئے کہ اُس کے کرنے سے ہم جنت میں داخل ہو سکیں اور اہل شہر کو بھی اسی کو دعوت دیں، آپ نے فرمایا اللہ پر ایمان لاؤ اور گواہی دو کہ اللہ ایک ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور نماز کو قائم کرو اور زکوٰۃ دو اور مالِ غنیمت سے پانچواں حصہ اللہ کے لئے ادا کرو اور چار برتنوں میں نبیذ بھگونے سے منع فرما دیا۔ دباء ۲ اور نقیر اور حنتم اور مزفت۔

یہ صحیح بخاری کی روایت ہے مسند احمد اور ابوداؤد کی روایت میں ہے کہ جب یہ وفد مدینہ پہنچا تو دیدار نبوی کے شوق میں یہ لوگ سوار یوں سے کود پڑے اور آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دست مبارک کو بوسہ دیا، اسی وفد میں اشج عبدالقیس بھی تھے جن کا نام مندر ہے یہ سب سے کم عمر تھے، انہوں نے اول تمام اونٹ بٹھلائے اور سب کا سامان ایک جگہ لگایا۔ پھر اپنے بچے میں سے دو سفید دھلے ہوئے کپڑے نکالے وہ پہن کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ سے مصافحہ کیا اور آپ کے دست مبارک کو بوسہ دیا آپ نے فرمایا تجھ میں دو خصلتیں ہیں جن کو اللہ اور اس کا رسول پسند کرتا ہے ایک حلم اور دوسرے وقار و تمکنت۔ اشج نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ دونوں خصلتیں مجھ میں بطور تصنع ہیں یا فطری اور جبلی ہیں آپ نے فرمایا بلکہ اللہ نے تجھ کو پیدا ہی ان خصلتوں پر کیا ہے اشج نے کہا۔ الحمد للہ الذی جَبَلَنی علی خلتین یحبہما اللہ ورسولہ۔ حمد ہے اُس ذات پاک کی جس نے مجھے ایسی دو خصلتوں پر پیدا کیا جن کو اللہ اور اس کا رسول پسند کرتا ہے۔

یہ پہلی مرتبہ کا بیان تھا دوسری مرتبہ وفد عبدالقیس ۸ھ یا ۹ھ میں حاضر خدمت ہوا اس وقت وفد میں چالیس آدمی تھے۔ صحیح ابن حبان کی روایت میں ہے کہ آپ نے اس وقت یہ فرمایا۔

مالی اری الوانکم تغیرت
کیا ہوا کہ تمہاری رنگتوں کو بدلا ہوا دیکھتا ہوں
جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ پہلے بھی
آئے تھے

(۵) وفد بنی حنیفہ ۹ھ

بنی حنیفہ کا وفد آپ کی خدمت میں حاضر ہوا جس میں مشہور چالاک اور فتنہ پرداز مسلمان کذاب ۲ بھی تھا یہ وفد ۹ھ میں آیا مگر مسلمان مغرور تکبر کی وجہ سے حاضر بارگاہ نہ ہوا۔ آنحضرت ﷺ خود اُس کے پاس تشریف لے گئے اور ثابت بن قیس بن شماس آپ کے

فتح الباری۔ ج ۸، ص ۶۷، زرقانی، ج ۴، ص ۱۳۱ ۲ یہاں سے واپس جانے کے بعد مسلمان نے نبوت کا دعویٰ کیا اور لوگوں سے یہ جھوٹ بولا کہ آں حضرت ﷺ نے مجھ کو اپنا شریک کر لیا ہے ۱۲۔ ابن ہشام۔

ہمراہ تھے۔ مسلمانہ نے کہا اگر آپ مجھ کو اپنی خلافت عطا فرمائیں اور اپنے بعد مجھ کو اپنا قائم مقام مقرر کریں تو میں بیعت کرنے کے لئے تیار ہوں حضور پر نور کے دست مبارک میں اس وقت کھجور کی ایک چھڑی تھی۔ آپ نے فرمایا اگر تو یہ چھڑی بھی مانگے گا تو نہ دوں گا۔ اور اللہ تعالیٰ نے تیرے لئے جو مقدر فرما دیا ہے تو اس سے سرمو تجاوز نہیں کر سکے گا اور غالباً تو وہی ہے جو مجھ کو خواب میں دکھلایا گیا ہے اور یہ ثابت بن قیس ہیں تجھ کو جواب دیں گے یہ کہہ کر آپ واپس تشریف لے آئے ابن عباس فرماتے ہیں میں نے ابو ہریرہ سے دریافت کیا کہ آپ کو کیا خواب دکھلایا گیا۔ ابو ہریرہ نے کہا آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ میرے ہاتھوں میں سونے کے دو کنگن لا کر رکھے گئے جس سے میں گھبرایا خواب ہی میں مجھ سے یہ کہا گیا کہ ان میں پھونک مارو میں نے پھونک ماری وہ فوراً اڑ گئے جس کی تعبیر یہ ہے کہ دو کذاب ظاہر ہوں گے۔ چنانچہ ان دو میں سے ایک کذاب مسلمانہ ہوا اور دوسرا سود غنسی! اس غنسی آپ ہی کی زندگی میں قتل ہوا اور دوسرا کذاب یعنی مسلمانہ صدیق اکبر کے عہد خلافت میں قتل ہوا۔

فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِينَ ظَلَمُوا وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ

(فتح الباری باب وفد بنی حنیفہ ص ۷۰ ج ۸ و زرقانی ص ۱۹ ج ۴)

۱۔ سود غنسی سود اللہ وجہ نے جب نبوت کا دعویٰ کیا تو آپ نے فیروز دہلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مع چند سواروں کے اس کے قتل کے لئے روانہ فرمایا مرض الوفا میں اس کے قتل کی خبر پہنچی۔ عبدالرحمن ثمالی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس بارہ میں یہ اشعار کہے۔

لَعَمْرِي وَمَا عَمَرِي عَلَىٰ بَهْمٍ لَقَدْ جَزَعَتْ غَنَسٌ لَقَتْلِ الْأَسْوَدِ
قسم ہے میری زندگی کی (اور میری قسم معمولی قسم نہیں) قبیلہ غنسی اسود غنسی کے قتل سے گھبرائے۔

وَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ سَيُرْوَا الْقَتْلُ
رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ اس کے قتل کے لئے جاؤ اور بہترین وعدہ اور خوش نصیبی کی بشارت دی۔

فَسَرْنَا إِلَيْهِ فِي فَوَارِسٍ بُهْمَةٍ عَلِيٌّ حَمِينٍ أَمْرٍ مِنْ وَصَاةِ مُحَمَّدٍ

پس ہم چند سوار اس کے قتل کے لئے روانہ ہو گئے تاکہ آپ کے حکم اور وصیت کی تعمیل ہو۔ حسن الصحابہ فی شرح اشعار الصحابہ ص ۳۱۳۔ عروہ کہتے ہیں کہ اسود غنسی۔ آں حضرت کی وفات سے ایک دن اور ایک رات قبل مارا گیا۔ اسی وقت آپ کو بذریعہ وحی کے اس کی خبر دی گئی آپ نے صحابہ کو اس سے مطلع کیا۔ اس کے بعد جب ابوبکر صدیق خلیفہ ہو گئے تب قاصد خبر لے کر آیا اور بعض کہتے ہیں کہ آپ کے دفن کے روز قاصد خبر لے کر آیا۔ (فتح الباری ص ۷۳ ج ۸ قصۃ الاسود غنسی۔)

۲۔ اسعد الاذل افعل التفصیل والثانی جمع سعد بمعنی المن ضد الخس ۱۲

پھر اچھے میں مسیلمہ کذاب نے آپ کے پاس خط بھیجا جس کا یہ مضمون تھا۔

من مسیلمة رسول الله الى
محمد رسول الله اما بعد فاني
قد اشركت معك في
الأمروان لنا نصف الأرض
ولقريش نصفها ولكن قريشا
لا ينصفون والسلام

آنحضرت ﷺ نے اس کا یہ جواب لکھوایا۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ من
محمد رسول الله الى
مسیلمة الکذاب اما بعد
فالسّلام علی من اتبع الهدی
فانّ الأرض لله یورثها من
یشاء من عباده والعاقبة
للمتّقین

یہ واقعہ حجۃ الوداع سے واپسی کے بعد کا ہے۔

(۶) وفد طے

قبیلہ طے کا وفد جس میں پندرہ آدمی تھے۔ ماضی خدمت ہوا ان کا سردار زید النخیل تھا
آپ نے اسلام پیش کیا سب نے طیب خاطر سے اسلام قبول کیا اور زید النخیل کا نام زید الخیر
رکھا اور یہ فرمایا کہ عرب میں سے جس شخص کی میں نے تعریف سنی اس کو اُس سے کم ہی پایا
سوائے تیرے۔

(۷) وفدِ کندہ

کندہ یمن کے ایک قبیلہ کا نام ہے۔ اہل میں اسی سواروں کا وفد آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ان کا سردار اشعث بن قیس تھا جب یہ لوگ بارگاہِ نبوی میں حاضر ہوئے تو چپے پہنے ہوئے تھے جن کا سنجاف ریشم کا تھا، آپ نے فرمایا کیا تم مسلمان نہیں۔ انہوں نے عرض کیا کیوں نہیں بلاشبہ ہم مسلمان ہیں آپ نے فرمایا پھر تمہاری گردنوں میں یہ ریشم کیسا، انہوں نے اسی وقت ان کپڑوں کو پھاڑ کر پھینک دیا۔

مسئلہ: سنجاف اگر قلیل مقدار میں ہو مثلاً چار انگشت تو اس کا استعمال جائز ہے خود نبی کریم ﷺ اور صدیق اکبر اور فاروق اعظم سے اس کا پہننا ثابت ہے۔ غالباً اس مقام پر سنجاف حد سے متجاوز ہوگا اس لئے ممانعت فرمائی۔ ۲

(۸) وفدِ اشعریین

اشعریین یمن کا ایک معزز اور بہت بڑا قبیلہ ہے جو اپنے جدا جدا اشعر کی طرف منسوب ہے۔ اشعر کو اشعر اس لئے کہا جاتا ہے کہ جب وہ پیدا ہوئے تو ان کے بدن پر بال بکثرت تھے اور اشعر صیغہ صفت ہے شعر (بمعنی بال سے) مشتق ہے جس کے معنی کثیر الشعر کے ہیں ابو موسیٰ اشعرؓ اسی قبیلہ کے ہیں یہ لوگ نہایت ذوق و شوق کے ساتھ یہ رجز پڑھتے ہوئے روانہ ہوئے۔

محمد او حزبہ

غدا نلقى الاحبہ

یعنی محمد ﷺ اور آپ کے گروہ سے

کل دوستوں سے جا ملیں گے

ادھر آپ نے صحابہ کو خبر دی کہ ایک جماعت آرہی ہے جو نہایت رقیق القلب اور نرم دل ہے، چنانچہ اشعریین کا وفد آپ کی خدمت میں پہنچا آپ نے صحابہ سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ اہل یمن آگئے۔ جن کے دل نہایت رقیق اور نرم ہیں۔ (یعنی قساوت سے بالکل پاک ہیں، فوراً حق کو قبول کرتے ہیں سنگ و خشت نہیں کہ کسی موعظت و حکمت کا ان پر اثر نہ

اشعث بن قیس آپ کی وفات کے بعد مرتد ہو گئے تھے مگر ابو بکر صدیق کے ہاتھ پر تائب ہوئے اور جنگ قادسیہ اور مدائن اور جلولاء اور نہاد میں شریک رہے ۳۰ھ یا ۳۲ھ میں کوفہ میں انتقال کیا۔ بیون الاثر ص ۲۳۲

۲۴ زاد المعاد۔ ج ۳: ص ۳۴۰

ہو، یہی وجہ ہے کہ) ایمان یمنی ہے اور حکمت بھی یمنی ہے۔ (یعنی ان کی رقت قلب اور نرم دلی کا یہ ثمرہ ہے کہ ان کے قلوب ایمان و عرفان کے معدن اور علم و حکمت کے سرچشمہ ہیں) نبی امی فدا نفسی و ابی و امی ﷺ و شرف و کرم نے سچ فرمایا۔ رقت قلب ہی تمام بھلائیوں کا سرچشمہ ہے اور قساوت قلب ہی تمام برائیوں کی جڑ ہے۔ (لعوذ باللہ من القسوة، آمین)

چونکہ اہل یمن اکثر بکریاں رکھتے ہیں اس لئے آگے ارشاد فرمایا سکون اور اطمینان و قار اور تواضع بکریوں والوں میں ہے اور فخر اور خبیلائے یعنی اپنے کو بڑا اور دوسرے کو حقیر سمجھنا یہ اونٹ والوں میں ہے اور مشرق کی جانب اشارہ فرمایا۔

وفد نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم اس لئے حاضر خدمت ہوئے ہیں کہ تفقہ فی الدین حاصل کریں اور تکوین عالم کی ابتداء اور آغاز کو دریافت کریں آپ نے فرمایا سب سے پہلے خدا تھا اور اس کے سوا کچھ نہ تھا اور اس کا عرش پانی پر تھا (یعنی تکوین عالم کی ابتداء پانی اور عرش سے ہوئی) اول پانی پیدا کیا اور پھر عرش (پھر آسمان و زمین کو پیدا کیا اور ہر چیز کو لوح محفوظ میں لکھ دیا۔

نکتہ: ابن عساکر فرماتے ہیں۔ توحید اور اصول دین اور حدوث عالم میں کلام کرنا اور مسائل کلامیہ کی تحقیق و تدقیق خاندان اشعریین میں نسلاً بعد نسل جاری رہی حتیٰ کہ امام ابو الحسن اشعری (جو ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے ہیں) میں یہ چیز خوب ظاہر اور نمایاں ہوئی اور علم کلام میں اہل سنت و الجماعۃ کے بلا کلام پیشوا اور امام مانے گئے۔ ۲

(۹) وفد ازد

قبیلہ ازد کے پندرہ آدمیوں کا وفد جس میں سرزد بن عبد اللہ ازدی بھی تھے حاضر بارگاہ رسالت ہو کر مشرف باسلام ہوئے اس حضرت ﷺ نے سرزد بن عبد اللہ کو ان پر امیر مقرر کیا اور گرد و نواح کے مشرکین سے جہاد کا حکم دیا۔ سرزد نے مسلمانوں کی ایک جمعیت ساتھ لے کر شہر جرش کا محاصرہ کیا اسی حالت میں جب ایک مہینہ گزر گیا اور شہر فتح نہ ہوا تو سرزد بن عبد اللہ محاصرہ چھوڑ کر واپس ہوئے اہل جرش ان کی واپسی کو ہزیمت اور شکست خیال کر کے ان کے تعاقب میں نکلے۔ جب جبل شکر پر پہنچے تو مسلمانوں نے پلٹ کر ان پر حملہ کر دیا جس سے اہل جرش کو شکست ہوئی۔

اس مسئلہ کی اگر مزید تفصیل درکار ہے تو بخاری اور فتح الباری باب بدء الخلق اور البدلیۃ والنہایۃ للحافظ ابن کثیر کی پہلی جلد کی مراجعت کریں ۲ منہ عنہ۔ فتح الباری۔ ج ۸، ص ۷۵۔

اہل جرش اس سے پیشتر دو شخص تحقیق حال کے لئے مدینہ بھیج چکے تھے آپ نے ان لوگوں کو جبل شکر کے واقعہ کی اسی روز اطلاع دی جس روز یہ واقعہ پیش آ رہا تھا جب یہ لوگ واپس ہوئے اور اپنی قوم سے تمام واقعہ بیان کیا تو قوم جرش کا ایک وفد آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور مشرف باسلام ہوئے۔

(۱۰) وفد بنی الحارث

بنی الحارث نجران کا ایک معزز خاندان تھا ماہ ربیع الآخر یا جمادی الاولیٰ ۳۰ھ میں آنحضرت ﷺ نے خالد بن ولید کو ان لوگوں کے پاس بھیجا کہ تین روز تک دعوت اسلام دیں اس کے بعد بھی اگر نہ مانیں تو مقاتلہ کریں ان لوگوں نے فوراً ہی اسلام قبول کر لیا۔ خالد بن ولید نے اطراف و جوانب میں بھی مبلغین اسلام بھیج دیئے ہر جگہ لوگوں نے بغیر کسی مزاحمت کے دعوت اسلام کو قبول کیا۔ خالد بن ولید نے یہ خوشخبری لکھ کر آپ کی خدمت میں روانہ کی۔ اس حضرت ﷺ نے خالد بن ولید کو لکھوا کر بھیجا کہ ان کا ایک وفد لے کر یہاں آؤ چنانچہ خالد بن ولید ان کا ایک وفد لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے جن میں قیس بن حصین اور یزید بن حجل اور شداد بن عبد اللہ بھی تھے جب یہ لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ نے یہ فرمایا:

من هؤلاء القوم الذین کانہم ! یہ کون لوگ ہیں گویا کہ ہندوستان کے آدمی ہیں۔
رجال الہند !

عرض کیا ہم بنو الحارث ہیں گواہی دیتے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں اور اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں چونکہ یہ لوگ بڑے بہادر تھے مقابل پر ہمیشہ غالب رہتے تھے، اس لئے آپ نے ان سے دریافت فرمایا تم کس بناء پر لوگوں پر غالب رہتے ہو، بولے کہ ہم ہمیشہ متفق رہتے ہیں آپس میں اختلاف نہیں کرتے اور نہ آپس میں ایک دوسرے پر حسد کرتے ہیں اور کسی پر ابتداء ظلم نہیں کرتے سختی اور تنگی کے وقت صبر کرتے ہیں، آپ نے فرمایا سچ کہتے ہو اور قیس بن حصین کو ان پر امیر مقرر کیا۔ اور ان کے جانے کے بعد عمرو بن حزم کو تعلیم دین

اور صدقات وصول کرنے کے لئے ان کی طرف روانہ کیا۔ اور کتاب الصدقات یعنی ایک تحریر جس میں صدقات و زکوٰۃ کے احکام تھے لکھوا کر ان کو مرحمت فرمائی۔

یہ وفد ماہ شوال یا ذی قعدہ میں اپنی قوم کی طرف واپس ہوا واپسی کے بعد چار مہینے نہ گزرے تھے کہ آں حضرت ﷺ اس عالم سے رحلت فرما گئے۔ فان اللہ وانا الیہ راجعون۔

(۱۱) وفدِ ہمدان

ہمدان یمن کا ایک بہت بڑا قبیلہ ہے، آں حضرت ﷺ نے اول خالد بن ولید کو بغرض دعوت اسلام ان کی طرف بھیجا چھ ماہ ٹھہرے رہے مگر کسی نے اسلام قبول نہ کیا بعد ازاں آپ نے حضرت علی کو والا نامہ دے کر روانہ کیا اور یہ فرمایا کہ خالد کو واپس بھیج دینا حضرت علی نے جا کر سب کو جمع کیا اور آپ کا والا نامہ سنایا اور دعوت اسلام دی ایک ہی دن میں تمام لوگ مسلمان ہو گئے حضرت علی نے بذریعہ تحریر کے اس واقعہ کی آپ کو اطلاع دی آپ نے سجدہ شکر ادا کیا اور جوش مسرت میں کئی بار یہ فرمایا السلام علی ہمدان (رواہ البیہقی عن البراء بن عازب باسناد صحیح)

یہ ۸ھ کا واقعہ ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ طائف سے واپس ہوئے اس کے ایک سال بعد جب آں حضرت ﷺ تبوک سے واپس آئے تو عین اسی زمانہ میں ہمدان کا ایک وفد مدینہ منورہ پہنچا یمن کی منقش چادریں اوڑھے ہوئے اور عدن کے عمائے باندھے ہوئے اور مہری اونٹوں پر سوار اس شان سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور نہایت فصاحت و بلاغت کے ساتھ آپ سے گفتگو کی آپ سے جو درخواست کی آپ نے اس کو منظور کیا اور ایک تحریر لکھوا کر دی اور مالک بن النبط کو جو اس وفد کے ارکان میں سے تھے ان کو وہاں کے مسلمانوں پر امیر مقرر کیا۔ یہ ابن ہشام کی روایت ہے اور سند اس کی ضعیف ہے۔ حسن بن یعقوب ہمدانی نے ذکر کیا ہے کہ اس وفد میں ایک سو بیس آدمی تھے واللہ اعلم۔

(۱۲) وفدِ مزینہ

۵ھ میں قبیلہ مزینہ کے چار سو آدمی آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف باسلام

ہوئے، چلتے وقت آپ سے درخواست کی کہ ہمارے پاس کھانے کا سامان نہیں کچھ زادراہ ہم کو عطا فرمائیے آپ نے حضرت عمر سے فرمایا ان کو زادراہ دے دو، عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ میرے پاس بہت تھوڑی کھجوریں ہیں۔ ان کے لئے کافی نہیں ہو سکتیں، آپ نے فرمایا جاؤ ان کو تو شہ دے دو۔ حضرت عمران کو اپنے گھر لے گئے سب نے اپنی اپنی ضرورت کے مطابق کھجوریں لے لیں اور اس میں سے ایک کھجور بھی کم نہ ہوئی (رواہ احمد و طبرانی و البیہقی)

کثیر بن عبد اللہ المزنی اپنے باپ سے اور وہ ان کے جد سے راوی ہیں کہ سب سے پہلا وفد جو آل حضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا وہ مزینہ کا وفد ہے کہ جس میں چار سو آدمی قبیلہ کے آئے حافظ عراقی الفیۃ السیر میں فرماتے ہیں۔

أَوَّلُ وَفْدٍ وَفَدَ وَالْمَدِينَةَ سَنَةَ خَمْسٍ وَفَدُوا مُزَيْنَةَ
سب سے پہلا وفد جو مدینہ آیا وہ قبیلہ مزینہ کا وفد ہے جو ۵ھ میں آیا

(۱۳) وفد دوس

۷ھ میں قبیلہ دوس کے ستر اسی آدمی فتح خیبر کے بعد آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے مفصل واقعہ طفیل بن عمرو دوسی کے اسلام کے بیان میں گزر چکا ہے اور زرقانی ص ۳۷ ج ۳ مراجعت کی جائے۔

(۱۴) وفد نصارائے نجران

نجران۔ یمن میں ایک بہت بڑا شہر ہے مکہ مکرمہ سے سات منزل کے فاصلہ پر ہے تہتر قصبے اور گاؤں اس کے تابع اور ملحق ہیں سب سے پہلے نجران بن زید بن شجب بن یعرب بن قحطان یہاں آکر آباد ہوئے اس لئے اُس کے نام سے یہ شہر موسوم ہوا۔ وہ اُحد دوس کا ذکر بروج میں ہے۔ وہ علاقہ نجران ہی کے کسی قصبہ یا گاؤں میں تھی ۲۔

۹ھ میں ۳ نصارائے نجران کا ایک وفد آپ کی خدمت میں آیا جس میں ساٹھ آدمی تھے ان میں سے چودہ آدمی ان کے اشراف اور سربرآوردہ لوگوں میں سے تھے رئیس الوفد اور

از زرقانی۔ ج ۳، ص ۳۷، ۳۸۔ ۲ شرح مواہب۔ ج ۳، ص ۳۱۱۔ ۳ کما ذکر ابن اسعد انہم وفدوا علی النبی ﷺ سنۃ تسع و ستمائیم۔ فتح الباری باب مناقب ابی عبیدۃ بن الجراح ص ۷۳ ج ۷

امیر قافلہ عبدالمسح عاقب تھا اور سید ابہم ۲ بمزملہ وزیر و مشیر اور منتظم قافلہ تھا اور ان کا پیر پادری جس کو خضر اور اسقف کہتے تھے وہ ابو حارثہ بن علقمہ تھا۔ ابو حارثہ اصل میں عرب تھا قبیلہ بکر بن وائل سے تھا، عیسائی بن گیا تھا شاہان روم اس کے علم و فضل اور مذہبی صلابت اور دینی پختگی کی وجہ سے بڑی تعظیم و تکریم کرتے تھے اور بڑی بڑی جاگیریں دے رکھی تھیں اور گر جا کا امام مقرر کر رکھا تھا۔ یہ وفد بڑی آن بان کے ساتھ مدینہ منورہ پہنچا آں حضرت ﷺ نے ان کو مسجد نبوی میں اتارا عصر کی نماز ہو چکی تھی کچھ دیر بعد جب ان لوگوں کی نماز کا وقت آیا تو ان لوگوں نے اپنی نماز پڑھنی چاہی۔ صحابہ نے روکا مگر آں حضرت ﷺ نے فرمایا پڑھنے دو چنانچہ مشرق کی طرف منہ کر کے ان لوگوں نے نماز پڑھی۔ دوران قیام میں مختلف مسائل پر گفتگو ہوئی۔ (فتح الباری قصہ اہل نجران ص ۳ ج ۸ و شرح المواہب ص ۴۱ ج ۴)

سب سے پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی الوہیت اور اینیت کے بارے میں مباحثہ اور مکالمہ شروع ہوا

(انصارائے نجران) اگر حضرت مسیح علیہ السلام ابن اللہ یعنی خدا کے بیٹے نہیں تو ان کا باپ کون ہے۔

(آں حضرت ﷺ) تم کو خوب معلوم ہے کہ بیٹا باپ کے مشابہ ہوتا ہے۔

(انصارائے نجران) کیوں نہیں بے شک ایسا ہی ہوتا ہے۔

نتیجہ یہ نکلا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا کے بیٹے ہیں۔ تو خدا کے مماثل اور مشابہ ہونے چاہئیں حالانکہ سب کو معلوم ہے کہ خدا تعالیٰ بے مثل اور بے چون و چگوں ہے۔

لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا أَحَدٌ۔

(آں حضرت ﷺ) کیا تم کو معلوم نہیں کہ ہمارا پروردگار حسیٰ لَا يَمُوتُ ہے یعنی

زندہ ہے کبھی اس پر موت نہیں آسکتی ہے۔ وان عیسیٰ یأتی علیہ الفناء اور عیسیٰ علیہ السلام پر موت اور فنا آنے والی ہے۔

تنبیہ: آں حضرت ﷺ کے اس جواب سے کہ (ان عیسیٰ یأتی علیہ الفناء) صاف ظاہر ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام ابھی زندہ ہیں مرے نہیں، زمانہ آئندہ میں ان پر موت اور فنا

آئے گی۔ ورنہ نصاریٰ کے عقیدہ کے مطابق یہ الزامی جواب دیا جاسکتا تھا کہ عیسیٰ علیہ السلام تمہارے زعم اور عقیدہ کے مطابق مقتول و مصلوب ہو چکے ہیں لہذا وہ خدا کیسے ہوئے کیا خدا بھی مقتول و مصلوب ہو سکتا ہے مگر چونکہ حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی زبان مبارک سے کوئی کلمہ اور کوئی حرف خلاف حق اور خلاف واقع نہیں نکل سکتا اس لئے جواب میں وہی ارشاد فرمایا جو بالکل حق اور واقعہ کے مطابق تھا کہ ان عیسیٰ یأتی علیہ الفناء کہ عیسیٰ علیہ السلام پر زمانہ آئندہ میں موت آئے گی اور ابھی تک ان پر موت نہیں آئی بلکہ زندہ ہیں۔

(آں حضرت ﷺ) تم کو معلوم ہے کہ ہمارا پروردگار ہر چیز کا قائم رکھنے والا تمام عالم کا محافظ اور نگہبان اور سب کا رازق ہے کیا عیسیٰ علیہ السلام بھی ان میں سے کسی چیز کے مالک ہیں (نصارائے نجران) نہیں۔

(آں حضرت ﷺ) تم کو معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ پر آسمان اور زمین میں کوئی شے پوشیدہ نہیں کیا عیسیٰ علیہ السلام کو اس سے کچھ زائد معلوم ہے جو ان کو خدا تعالیٰ نے بتلادیا ہے۔ (نصارائے نجران) بے شک۔

(آں حضرت ﷺ) تم کو خوب معلوم ہے کہ حضرت مریم اور عورتوں کی طرح عیسیٰ علیہ السلام سے حاملہ ہوئیں اور مریم صدیقہ نے ان کو اسی طرح جنا جس طرح عورتیں بچوں کو جنمتی ہیں اور پھر بچوں ہی کی طرح ان کو غذا بھی دی گئی۔ وہ کھاتے پیتے بھی تھے اور بول و براز بھی کرتے تھے۔

(نصارائے نجران) بے شک ایسا ہی تھا۔

(آں حضرت ﷺ) پھر خدا کیسے ہوئے۔

یعنی جن کی تخلیق اور تصویر رحم مادر میں ہوئی ہو اور ولادت کے بعد وہ غذا کا محتاج ہو اور بول و براز کی حاجت اس کو لاحق ہوتی ہو وہ خدا کیسے ہو سکتا ہے۔

نصارائے نجران پر حق واضح ہو گیا مگر دیدہ دانستہ اتباع حق سے انکار کیا۔ اللہ عزوجل نے اس بارہ میں آیتیں نازل فرمائیں۔

(تنبیہ): وفد نجران کا مفصل واقعہ حافظ ابن تیمیہ نے الجواب الحج ص ۵۵ ج ۱ تا ص ۶۶ ج ۱ میں ذکر کیا ہے حضرات اہل علم اس کی مراجعت کریں ۱۲۔

اَلَمْ ۝ اللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ۝ نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَاَنْزَلَ التَّوْرَةَ وَالْاِنْجِيلَ ۝ مِنْ قَبْلُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَاَنْزَلَ الْفُرْقَانَ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۝ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُوْا نِقَامٍ ۝ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَخْفٰى عَلَيْهِ شَيْءٌ فِى الْاَرْضِ وَلَا فِى السَّمَآءِ ۝ هُوَ الَّذِىْ يُصَوِّرُكُمْ فِى الْاَرْحَامِ كَيْفَ يَشَآءُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝

اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہی زندہ ہے اور سارے عالم کی حیات اور وجود کو قائم رکھنے والا اور تھامنے والا ہے اس نے آپ پر ایک کتاب حق کے ساتھ نازل کی جو تمام کتب سابقہ کی تصدیق کرنے والی ہے اور قرآن سے پہلے اس نے توریت اور انجیل لوگوں کی ہدایت کیلئے اتاری اور اس نے معجزات بھی اتارے تحقیق جن لوگوں نے اللہ کی آیتوں کا انکار کیا اُن کے لئے سخت عذاب ہے، اور اللہ تعالیٰ غالب ہے اور بدلہ لینے والا ہے۔ تحقیق اللہ پر آسمان اور زمین کی کوئی چیز پوشیدہ نہیں وہی ہے کہ جو رحم مادر میں تمہاری صورتیں اور شکلیں بناتا ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہی غالب اور حکمت والا ہے۔

یہ تمام مباحثہ تفسیر درمنثور ص ۲ ج ۲ بحوالہ ابن جریر وابن ابی حاتم مفصل مذکور ہے آں حضرت ﷺ نے نصارائے نجران پر اسلام پیش کیا انہوں نے کہا ہم تو پہلے ہی سے مسلمان ہیں آپ نے فرمایا تمہارا اسلام کیسے صحیح ہو سکتا ہے جب کہ تم خدا کے لئے بیٹا تجویز کرتے ہو اور صلیب کی پرستش کرتے ہو۔ اور خنزیر کھاتے ہو نصارائے نجران نے کہا آپ حضرت مسیح کو اللہ کا بندہ بتلاتے ہیں کیا آپ نے حضرت مسیح جیسا کسی کو دیکھا یا سنا بھی ہے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

اِنَّ مَثَلَ عِيسٰی عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ خَلَقَهُ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهُ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝ الْحَقُّ مِنْ

تحقیق عیسیٰ کی مثال اللہ کے نزدیک آدم کی مثال کی طرح ہے کہ مٹی سے ان کو پیدا کیا پھر کہا کہ ہو جا سو ہو گیا یہ بات اللہ کی طرف سے

رَّبِّكَ فَلَا تَكُن مِّنَ الْمُمْتَرِينَ ۖ
 فَمَنْ حَاجَّكَ فِيهِ مِن بَعْدِ
 مَا جَاءَكَ مِّنَ الْعِلْمِ فَقُلْ
 تَعَالَوْا نَدْعُ أَبْنَاءَنَا وَأَبْنَاءَكُمْ
 وَنِسَاءَنَا وَنِسَاءَكُمْ وَأَنْفُسَنَا
 وَأَنْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ
 لِّعْنَتِ اللَّهِ عَلَى الْكَاذِبِينَ ۝

حق ہے پس شک کرنے والوں میں سے مت
 ہونا پس اس علم اور حقیقت کے بعد بھی آپ
 سے عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کوئی
 جھگڑا کرے تو یہ کہہ دیجئے کہ آؤ بلائیں اپنے
 بیٹوں کو اور تمہارے بیٹوں کو اور اپنی عورتوں
 اور تمہاری عورتوں کو اور اپنی جانوں کو اور
 تمہاری جانوں کو اور مہبلہ کریں یعنی اللہ سے
 عجز و زاری کے ساتھ دعا مانگیں اور جھوٹوں پر
 اللہ کی لعنت ڈالیں۔

مباہلہ

ان آیات کے نازل ہونے کے بعد آپ مہبلہ کے لئے تیار ہو گئے اور اگلے روز امام
 حسن اور امام حسین اور حضرت سیدۃ النساء فاطمہ الزہراء اور حضرت علی کو اپنے ہمراہ لے کر
 باہر تشریف لے آئے۔ نصارائے نجران ان مبارک اور نورانی چہروں کو دیکھ کر مرعوب
 ہو گئے اور آپ سے مہلت مانگی کہ ہم آپس میں مشورہ کر لیں اس کے بعد آپ کے پاس
 حاضر ہوں گے۔ علیحدہ جا کر آپس میں مشورے کرنے لگے۔ سید اسہم نے عاقب عبد المسیح
 سے کہا خدا کی قسم تم کو خوب معلوم ہے کہ یہ شخص نبی مرسل ہے تم نے اگر اس سے مہبلہ کیا تو
 بالکل ہلاک اور برباد ہو جاؤ گے۔ خدا کی قسم میں ایسے چہروں کو دیکھ رہا ہوں کہ اگر یہ پہاڑ
 کے ٹٹنے کی بھی دعا مانگیں تو پہاڑ بھی اپنی جگہ سے ٹل جائیں، خدا کی قسم تم نے ان کی نبوت
 اور پیغمبری کو خوب پہچان لیا ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں آپ نے جو کچھ کہا ہے وہ
 بالکل قول فیصل ہے خدا کی قسم کسی قوم نے کبھی کسی نبی سے مہبلہ نہیں کیا مگر ہلاک ہوئے
 لہذا تم مہبلہ کر کے اپنے کو ہلاک مت کرو تم اپنے ہی دین پر قائم رہنا چاہتے ہو تو صلح کر
 کے واپس ہو جاؤ۔ بالآخر انہوں نے مہبلہ سے گریز کیا اور سالانہ جزیہ دینا منظور کیا۔ آپ

نے فرمایا قسم ہے اس ذاتِ پاک کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، عذابِ اہلِ نجران کے سروں پر آگیا تھا۔ اگر یہ لوگ مہبلہ کرتے تو بندر اور سور بنا دیئے جاتے اور تمام وادی آگ بن کر اُن پر برستی اور تمام اہلِ نجران ہلاک ہو جاتے۔ حتیٰ کہ درختوں پر کوئی پرندہ بھی باقی نہ رہتا۔

دوسرے روز آلِ حضرت ﷺ نے ایک عہد نامہ تحریر کرایا۔ جس کا حاصل یہ تھا۔

(۱)۔ اہلِ نجران کو سالانہ دو ہزار حلہ ادا کرنے ہوں گے، ایک ہزار ماہِ رجب میں اور ایک ہزار ماہِ صفر میں اور ہر حلہ کی قیمت ایک اوقیہ یعنی چالیس درہم ہوگی۔

(۲)۔ اہلِ نجران پر آپ کے قاصد کی ایک مہینہ تک مہمانی لازم ہوگی۔

(۳)۔ یمن میں اگر کوئی شورش یا فتنہ پیش آجائے تو اہلِ نجران پر تیس زرہیں اور تیس گھوڑے اور تیس اونٹ عاریہ (مانگے) دیئے ہوں گے جو بعد میں واپس کر دیئے جائیں گے اور اگر کوئی شی گم یا ضائع ہوگی تو اس کا ضمان ہم پر ہوگا۔

(۴)۔ اللہ اور اس کا رسول ان کے جان و مال کی حفاظت کا ذمہ دار ہے، ان کے اموال و املاک ان کی زمین و جائداد اُن کے حقوق اُن کے مذہب اور ملت اور اُن کے قسب اور راہب اور ان کے خاندان اور ان کے متبعین میں کوئی تغیر اور تبدل نہ ہوگا جاہلیت کے کسی خون کا ان سے مطالبہ نہ ہوگا۔ ان کی سرزمین میں کوئی لشکر داخل نہ ہوگا۔

(۵)۔ جو شخص ان سے حق کا مطالبہ کرے گا تو ظالم و مظلوم کے درمیان انصاف کیا جائے گا۔

(۶)۔ جو شخص سود کھائے گا تو میرا ذمہ اس سے بری ہے۔

(۷)۔ اگر کوئی شخص ظلم اور زیادتی کرے گا تو اس کے بدلہ میں دوسرا شخص ماخوذ نہ ہوگا۔

یہ اللہ اور اُس کے رسول کا ذمہ ہے جب تک وہ اس پر قائم رہیں ابوسفیان بن حرب اور غیلان بن عمرو اور مالک بن عوف اور اقرع بن حابس اور مغیرہ بن شعبہ نے اس عہد نامہ پر دستخط کئے۔

انصار اُئے نجران یہ عہد نامہ لے کر واپس ہوئے اور چلتے وقت آپ سے یہ درخواست کی کہ کسی امانت دار شخص کو آپ ہمارے ساتھ بھیج دیجئے تاکہ وہ ہم سے مالِ صلح لے کر واپس

۱۔ شرحِ مواہب، ج ۴، ص ۴۳۔ ۲۔ ازاد المعاد، ج ۴، ص ۳ اور ہدایت الحیاری فی رد الیہود والنصارى ص ۴۴ میں یہ واقعہ اسی طرح مذکور ہے اور محمد بن الحنفیہ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ نجران سے آتے وقت پیش آیا اور اصحاب ص ۲۹۲ ج ۳ ترجمہ گز بن حلقہ نجرانی میں بھی محمد الحنفیہ کی روایت کے مطابق مذکور ہے۔

آجائے آپ نے فرمایا میں نہایت امانت دار شخص کو تمہارے ساتھ کروں گا یہ کہہ کر ابو عبیدہ بن الجراح کو ساتھ جانے کا حکم دیا اور فرمایا کہ یہ اس امت کا امین ہے۔
یہ لوگ آپ کا فرمان لے کر نجران واپس ہوئے جب نجران ایک منزل رہ گیا تو وہاں کے پادری اور معززین نے ان کا استقبال کیا۔ وفد نے آپ کی تحریر پادری کے حوالے کی، پادری اس کے پڑھنے میں مشغول ہو گیا، اسی اثناء میں ابو حارثہ کے خچر نے جس پر وہ سوار تھا ٹھوکر کھائی اس کے چچا زاد بھائی کرز بن علقمہ کی زبان سے نکلا تعس الابد وہ کمبخت ہلاک ہو یعنی آنحضرت ﷺ (عیاذ باللہ) ابو حارثہ نے برہم ہو کر کہا تو ہی کمبخت ہے۔ خدا کی قسم وہ نبی مرسل ہے، یہ وہی نبی ہیں جن کی توریت اور انجیل میں بشارت دی گئی ہے، کرز نے کہا کہ پھر ایمان کیوں نہیں لے آتے۔ ابو حارثہ نے کہا ان بادشاہوں نے ہم کو جو کچھ مال و دولت دے رکھا ہے وہ سب واپس لے لیں گے۔ کرز نے کہا خدا کی قسم میں تو اپنی ناقہ کو مدینہ ہی جا کر کھولوں گا اور نہایت ذوق شوق کے ساتھ یہ اشعار پڑھتا ہوا مدینہ روانہ ہوا۔

الیک تعدوا قلقا و ضینہا مُعْتَرِضًا فِی بَطْنِهَا جَنِینُهَا

مخالفا دین النصارى دینہا

یہاں تک کہ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف باسلام ہوئے اور وہیں رہ پڑے اور کسی معرکہ میں شہید ہوئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

چند روز بعد سید اسلم اور عبد المسیح عاقب بھی مدینہ منورہ حاضر خدمت ہوئے اور اسلام قبول کیا رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ آپ نے دونوں کو ابو ایوب انصاریؓ کے مکان پر ٹھہرایا۔

ایک ضروری تنبیہ

نجران میں دو فریق تھے ایک اُمّیین کا اور دوسرا نصاریٰ کا۔ فریق اول نے اسلام قبول کر لیا تھا، جیسا کہ وفد بنی الحارث کے بیان میں گزر چکا ہے اور فریق ثانی سے جزیہ پر صلح فرمائی۔ آں حضرت ﷺ نے حضرت علی کو نجران کی طرف فریق اول سے صدقات وصول کرنے کے لئے اور فریق ثانی سے جزیہ وصول کرنے کے لئے روانہ فرمایا یہ مطلب نہیں کہ

ایک ہی فریق سے جزیہ اور صدقہ دونوں وصول کرنے کے لئے روانہ فرمایا تا کہ یہ اشکال ہو کہ ایک ہی فریق سے صدقہ اور جزیہ دونوں کیسے وصول کیے جاسکتے ہیں۔

(۱۵) فروة بن عمرو جذامی کی سفارت کا ذکر

فروة بن عمرو جذامی۔ شاہ روم کی طرف سے معان اور ارض شام کا عامل اور والی تھا۔ آں حضرت ﷺ نے جب اس کو دعوت اسلام کا خط بھیجا تو مسلمان ہو گیا اور ایک قاصد کو کچھ ہدیہ دے کر آپ کی خدمت میں روانہ کیا۔ رومیوں کو جب فروة بن عمرو کے اسلام کی خبر ہوئی تو اُس کو پھانسی دے دی فروة کو جب پھانسی پر لٹکانے لگے تو یہ شعر پڑھا۔

بَلَّغْ سَرَاةَ الْمُسْلِمِينَ بَانَنِي سلم لربی اعظمی و مقامی
مسلمانوں کے سرداروں کو یہ خبر پہنچا دو کہ میں مسلمان ہوں اور میری ہڈیاں اور
جائے قیام سب اللہ کی مطیع ہیں۔

(۱۶) قدوم ضمّام بن ثعلبہ

بنو سعد کی طرف سے ۹ھ میں ضمّام بن ثعلبہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اونٹ کو مسجد کے دروازہ کے قریب باندھ دیا اور خود مسجد میں داخل ہوئے اور دریافت کیا کہ محمد (ﷺ) کون ہیں آپ اس وقت مجلس میں تکیہ لگائے ہوئے بیٹھے تھے صحابہ نے جواب دیا کہ یہ مرد مبارک جو تکیہ لگائے ہوئے ہے اُس شخص نے کہ اے عبدالمطلب کے بیٹے آپ نے فرمایا میں نے سن لیا ہے۔ اُس نے کہا میں آپ سے کچھ سوال کرنا چاہتا ہوں اور سختی سے سوال کر دوں گا آپ اپنے دل میں ناراض نہ ہوں، آپ نے فرمایا تمہیں جو کچھ پوچھنا ہے پوچھو۔ اُس نے کہا میں آپ کو خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کیا اللہ نے آپ کو تمام لوگوں کی طرف پیغمبر بنا کر بھیجا ہے، آپ نے فرمایا ہاں۔ اے اللہ تو گواہ ہے پھر اس نے علیحدہ علیحدہ دریافت کیا کہ کیا اللہ نے دن رات میں پانچ نمازوں کا اور سال بھر میں ایک مہینہ کے روزوں کا اور مالداروں سے زکوٰۃ اور صدقہ لے کر فقراء پر تقسیم کرنے کا حکم دیا ہے آپ نے

فرمایا ہاں اے اللہ تو گواہ ہے اس شخص نے کہا آپ جو کچھ اللہ کی طرف سے لائے ہیں، میں اُن سب پر ایمان لایا اور میں اپنی قوم کا قاصد اور فرستادہ ہوں اور میرا نام ضمام بن ثعلبہ ہے یہ صحیح بخاری کی روایت ہے صحیح مسلم میں ہے کہ اس شخص نے یہ کہا قسم ہے اُس ذات پاک کی جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا ہے میں اس میں کوئی کمی اور زیادتی نہ کروں گا۔ آپ نے فرمایا اگر اس نے سچ کہا تو ضرور جنت میں داخل ہوگا۔

مسئلہ: اس حدیث سے یہ مسئلہ معلوم ہوا کہ کسی عالم یا کسی صاحب وجاہت کیلئے مجلس میں تکیہ لگا کر بیٹھنا جائز ہے۔

ضمام بن ثعلبہ جب آپ سے رخصت ہو کر اپنی قوم میں پہنچے تو سب کو جمع کر کے ایک تقریر کی، سب سے پہلا جملہ یہ تھا لات اور عزی بہت بُرے ہیں۔

لوگوں نے کہا اے ضمام یہ لفظ زبان سے مت نکالو کہیں تم مجنون اور کوڑھی نہ ہو جاؤ۔ ضمام نے کہا افسوس صد افسوس خدا کی قسم لات و عزی تم کو نہ کوئی نفع پہنچا سکتے ہیں اور نہ ضرر۔ اللہ نے ایک رسول بھیجا اور اس پر ایک کتاب نازل کی جس نے تم کو ان خرافات سے چھڑا دیا۔ اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور میں آپ کے پاس سے یہ احکام سیکھ کر آیا ہوں۔ شام نہ ہونے پائی کہ قبیلہ کا کوئی مرد اور عورت ایسا باقی نہ رہا کہ جو مسلمان نہ ہو گیا ہو حضرت عمر اور ابن عباس فرمایا کرتے تھے کہ ہم نے کسی قوم کے وفد اور قاصد کو ضمام بن ثعلبہ سے افضل اور بہتر نہیں پایا (رواہ ابن اثیر) ۲

(۱۷) وفد طارق بن عبد اللہ محارب بنی محارب

طارق بن عبد اللہ کا بیان ہے کہ میں بازار ذی الحجاز میں تھا کہ ایک شخص سامنے سے یہ کہتا ہوا نظر آیا۔

ایہا الناس قولوا لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ ۖ اے لوگو! لا الہ الا اللہ کہو فلاح پاؤ گے۔
تَفْلِحُوا

اور ایک شخص اس کے پیچھے پیچھے ہے پتھر مارتا جاتا ہے اور یہ کہتا جاتا ہے۔

یا ایہا الناس انه کذاب فلا : اے لوگو! یہ جھوٹا ہے اس کی تصدیق نہ کرنا۔
تصدقوه

میں نے دریافت کیا یہ کون شخص ہے، لوگوں نے کہا یہ بنی ہاشم میں کا ایک شخص ہے جو یہ کہتا ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں اور یہ پتھر مارنے والا ان کا چچا ابولہب ہے۔

طارق بن عبد اللہ کہتے ہیں کہ جب لوگ اسلام میں داخل ہو گئے اور آپ مدینہ ہجرت فرما گئے تو ہم مدینہ کی کھجوریں لینے کے لئے ربذہ سے چلے مدینہ کے قریب پہنچ کر ایک باغ میں اترنے کا ارادہ کر رہے تھے کہ ایک شخص دو پرانی چادریں اوڑھے ہوئے سامنے سے آیا اور ہم کو سلام کیا اور دریافت کیا کہ کہاں سے آرہے ہو۔ ہم نے کہا کہ ربذہ سے، اُس شخص نے کہا کہاں کا قصد ہے ہم نے کہا مدینہ کا، اُس نے کہا کس لئے، ہم نے کہا کھجوریں خریدنے کے لئے، ہم لوگوں کے پاس ایک سُرخ اونٹ تھا۔ اس شخص نے ہم سے دریافت کیا کہ کیا اس اونٹ کو اتنی کھجوروں کے معاوضہ میں فروخت کرتے ہو۔ ہم نے کہا ہاں اتنی کھجوریں اس کے معاوضہ میں لیں گے، اس شخص نے اسی قیمت میں منظور کر لیا اور قیمت گھٹانے کی بابت کچھ نہیں کہا۔ اور اونٹ لے کر چلا گیا۔ ہم آپس میں کہنے لگے کہ بغیر قیمت لیے اونٹ ایسے شخص کے حوالہ کر دیا کہ جسے ہم پہچانتے بھی نہیں۔ ان میں کی ایک ہودج نشین عورت نے کہا میں نے اس شخص کے چہرہ کو دیکھا ہے خدا کی قسم اس کا چہرہ چودھویں رات کے چاند کا ایک ٹکڑا تھا، یہ چہرہ کسی جھوٹے غدار کا نہیں تم گھبراؤ نہیں میں قیمت کی ذمہ دار ہوں۔

در دل ہر امتی کز حق مزہ است رود آواز پیمبر معجزہ است

یہ گفتگو ہو ہی رہی تھی کہ ایک شخص آیا اور کہا میں رسول اللہ ﷺ کا قاصد ہوں، آپ نے یہ کھجوریں بھیجی ہیں ان کو کھاؤ اور ماپ لو ہم نے وہ کھجوریں خوب سیر ہو کر کھائیں اور پھر ماپا تو بالکل پوری پائیں۔

اگلے روز مدینہ میں داخل ہوئے آپ منبر پر خطبہ دے رہے تھے (غالباً جمعہ کا دن تھا) یہ کلمات ہم نے سنے۔

تصدقوا فان اليد العليا خير : صدقہ اور خیرات کرو اونچا ہاتھ نیچے ہاتھ سے
 من اليد السفلى امك و اباك : بہتر ہے، ماں اور باپ بہن اور بھائی اور
 واختك و اخاك و ادناك : قریبی رشتہ داروں کا زیادہ خیال رکھو۔
 ادناك لے (رواہ البیہقی والحاکم وغیرہما۔)

(۱۸) وَفْدُ تَجِيبُ

تَجِيبُ یمن میں قبیلہ کنذہ کی ایک شاخ ہے، قبیلہ تَجِيب کے تیرہ آدمی صدقات کا مال
 لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ نے فرمایا اس مال کو واپس لے جاؤ اور وہیں
 کے فقراء پر تقسیم کر دو، انہوں نے کہا ہم وہی مال لائے ہیں جو وہاں کے فقراء پر تقسیم کرنے
 کے بعد بچ رہا ہے صدیق اکبر نے کہا یا رسول اللہ تَجِيب جیسا وفد اب تک کوئی نہیں آیا آپ
 نے فرمایا بے شک ہدایت اللہ کے ہاتھ میں ہے جس کے لیے اللہ تعالیٰ خیر کا ارادہ فرماتا ہے،
 اس کا سینہ ایمان کے لئے کھول دیتا ہے ان لوگوں نے آل حضرت ﷺ سے متعدد مسائل
 دریافت کیئے آپ نے ان کو جوابات لکھوا دیئے اور حضرت بلال کو تاکید کی کہ اچھی طرح ان
 کی مہمانی کی جائے۔ چند روز ٹھہر کر واپسی کی اجازت چاہی، آپ نے فرمایا غلبت کیا ہے،
 انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ دل یہ چاہتا ہے کہ آپ کے دیدار پر انوار اور آپ کی صحبت
 سے جو فیوض اور برکات حاصل ہوئے ہیں اپنی قوم کو جا کر ان کی اطلاع دیں، آپ نے ان کو
 انعام و اکرام دے کر رخصت فرمایا۔ چلتے وقت پوچھا کہ تم میں سے کوئی باقی تو نہیں رہ گیا۔
 انہوں نے کہا ایک نوجوان لڑکا رہ گیا ہے۔ جس کو ہم نے سامان کی حفاظت کے لیے چھوڑ دیا
 تھا۔ آپ نے فرمایا اس کو بلاؤ۔ وہ حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ آپ نے میرے قبیلہ کے
 لوگوں کی حاجتیں پوری فرمائیں ایک میری حاجت ہے۔ آپ نے فرمایا وہ کیا ہے۔ اُس
 نوجوان نے کہا کہ میں فقط اس لئے گھر سے نکلا ہوں کہ آپ میرے لئے خدا تعالیٰ سے یہ
 دُعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ میری مغفرت فرمائے اور مجھ پر رحم کرے اور میرے دل کو غنی بنا
 دے۔ آپ نے دعا فرمائی۔

اللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهُ وَارْحَمْهُ وَاجْعَلْ غَنَاهُ فِي قَلْبِهِ اے اللہ اس کو بخش دے اور اس پر رحم فرما اور اس کے دل کو غنی بنا اور اس کے بعد اس نو جوان کے لئے بھی انعام و اکرام کا حکم دیا۔

• اھ میں اس قبیلہ کے لوگ حج کے لئے آئے اور منیٰ میں آنحضرت ﷺ سے ملے تو آپ نے اُس نو جوان کا حال دریافت فرمایا لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ اُس کے زہد اور قناعت کا عجب حال ہے، ہم نے اس سے بڑھ کر زہد اور قانع نہیں دیکھا۔ کتنا ہی مال و دولت اُس کے سامنے تقسیم ہوتا ہو مگر وہ کبھی نظر اٹھا کر نہیں دیکھتا۔ وفات کے بعد جب اہل یمن اسلام سے پھرنے لگے تو اس نو جوان نے لوگوں میں وعظ کہا جس سے سب اسلام پر قائم رہے اور بحمد اللہ کوئی شخص اسلام سے نہیں پھرا۔ صدیق اکبر آنے جانے والوں سے ان کا حال دریافت کرتے رہتے تھے۔ یہاں تک کہ جب اس واقعہ کی اطلاع پہنچی تو زیاد بن ولید کو لکھ کر بھیجا کہ اس نو جوان کا خاص طور سے خیال رکھیں۔

(۱۹) وَفَدِ هَذَا يَم

قبیلہ ہذیم کا وفد جب مسجد نبوی میں پہنچا تو آں حضرت ﷺ نماز جنازہ میں مشغول تھے، یہ لوگ علیحدہ بیٹھ گئے نماز سے فارغ ہو کر آپ نے ان کو بلایا اور پوچھا کیا تم مسلمان نہیں، انہوں نے کہا ہم مسلمان ہیں آپ نے فرمایا پھر اپنے بھائی کے نماز جنازہ میں کیوں شریک نہیں ہوئے انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم نے یہ گمان کیا کہ جب تک ہم آپ سے بیعت نہ کریں اس وقت تک ہمارے لئے جنازہ وغیرہ میں شرکت جائز نہیں۔ آپ نے فرمایا تم مسلمان ہو جہاں بھی ہو۔ بعد ازاں ان لوگوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی اور رخصت ہوئے ایک نو جوان جو سب سے کم عمر تھا اُس کو سامان کی حفاظت کے لئے چھوڑ دیا تھا، آپ نے ہم کو واپس بلایا وہ نو جوان آگے بڑھا اور آپ کے ہاتھ پر بیعت کی ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ ہم میں سب سے چھوٹا اور ہمارا خادم ہے آپ نے فرمایا:

اصغر القوم خادمهم بَارِكْ ۞ قوم میں کا چھوٹا اپنے بزرگوں کا خادم ہوتا اللہ علیک۔ ۞

چنانچہ آپ کی دعا کی برکت سے وہی سب سے بہتر اور سب سے زیادہ قرآن کا عالم ہوا اور پھر آپ نے اسی کو ان پر امیر اور امام مقرر کیا اور آپ کے حکم سے چلتے وقت حضرت بلال نے ہم کو انعام و اکرام دیا جب وطن واپس ہوئے تو تمام قبیلہ نے اسلام قبول کر لیا۔

(۲۰) وفد بنی فزارہ

غزوہ تبوک سے واپسی کے بعد بنی فزارہ کے تقریباً چودہ آدمی بارگاہ نبوی میں حاضر ہوئے آپ نے ان کے بلاد کا حال دریافت کیا لوگوں نے کہا یا رسول اللہ خط کی وجہ سے تباہ ہیں آپ نے بارانِ رحمت کی دعا فرمائی۔

(۲۱) وفد بنی اسد

دس آدمی قبیلہ بنی اسد کے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ اس وقت مسجد میں تشریف فرما تھے، اول آپ کو سلام کیا بعد ازاں ان میں سے ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ اللہ ایک ہے کوئی اس کا شریک نہیں اور آپ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں بغیر آپ کے بلائے ہم خود بخود آپ کی خدمت میں حاضر ہو گئے ہیں اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

يٰۤمُنُوْنَ عَلَيْكَ اَنْ اَسْلَمُوْا قُلْ لَا تَمْنُوْا عَلٰى اِسْلَامِكُمْ بَلِ اللّٰهُ يَمْنُ عَلٰىكُمْ اَنْ هٰذَا كُمْ لِلاَّيْمَانِ اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِيْنَ ۝۳۰

آپ پر اپنے اسلام لانے کا احسان جتلاتے ہیں۔ آپ کہہ دیجیے کہ مجھ پر اپنے اسلام کا احسان مت جتلاؤ بلکہ اللہ تعالیٰ تم پر احسان رکھتا ہے کہ تم کو ایمان کی توفیق دی اگر تم سچے ہو۔

منت منہ کہ خدمت سلطان ہمی کنی منت شناس ازو کہ بخدمت بداشت

بعد ازاں ان لوگوں نے کہانت اور رمل کے متعلق آپ سے دریافت کیا آپ نے منع

فرمایا۔

(۲۲) وفدِ بہرِ آء

یمن سے قبیلہ بہراء کے تیرہ آدمی خدمت میں حاضر ہوئے مقداد بن اسود کے مکان پر ٹھہرے حضرت مقداد نے ان کے آنے سے پہلے ایک بڑے پیالہ میں حبس بنا دیا تھا جب یہ مہمان آئے تو ان کے سامنے رکھ دیا۔ سب نے خوب سیر ہو کر کھایا اُس کے بعد بھی بیچ رہا حضرت مقداد نے اپنی باندی سدرہ کے ہاتھ یہ پیالہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیج دیا آپ نے خود بھی تناول فرمایا اور تمام اہل بیت کو کھلایا اور پیالہ واپس فرما دیا۔ جب تک مہمان مقیم رہے برابر اسی پیالہ سے دو وقت سیر ہو کر کھاتے رہے، ایک دن مہمانوں نے بطور تعجب کہا اے مقداد ہم نے سنا ہے کہ اہل مدینہ کی خوراک تو نہایت معمولی ہے اور تم ہم کو روزانہ اس قدر لذیذ اور عمدہ کھانے کھلاتے ہو جو ہم کو اپنے گھر روزانہ میسر نہیں آ سکتا مقداد نے کہا یہ سب آں حضرت ﷺ کے دستِ مبارک کی برکت ہے اور واقعہ کی اطلاع دی، ان لوگوں کے ایمان و ایقان میں اور زیادتی ہو گئی اور کچھ روز مدینہ ٹھہر کر مسائل و احکام سیکھے اور پھر اپنے گھر واپس ہوئے۔ چلتے وقت آپ نے ان کو زادراہ اور انعام دیا۔ ۲

(۲۳) وفدِ عذرہ

عذرہ یمن کا ایک قبیلہ ہے ماہ صفر ۹ھ میں قبیلہ عذرہ کے بارہ آدمی آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ نے اہلاً و مرحبا کہا، ان لوگوں نے آپ سے دریافت کیا کہ آپ کس چیز کی طرف بلا تے ہیں۔ آپ نے فرمایا اللہ وحدہ لا شریک لہ کی عبادت کرو اور اس امر کی شہادت دو کہ میں اللہ کا رسول ہوں تمام لوگوں کی طرف۔ بعد ازاں ان لوگوں نے فرائض اسلام دریافت کیے آپ نے فرائض اسلام سے ان کو خبر دی، ان لوگوں نے کہا ہم گواہی دیتے ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور آپ بے شک اللہ کے رسول ہیں۔ آپ نے ہم کو دعوت دی، اس کو ہم نے قبول کیا۔ ہم دل و جان سے آپ کے اعوان و انصار اور یار و مددگار ہیں یا رسول اللہ ہم تجارت کے لئے شام جاتے ہیں جہاں ہر قل رہتا ہے، کیا آپ پر اس بارے میں کوئی وحی نازل ہوئی ہے۔ آپ نے فرمایا شام عنقریب فتح ہو جائے گا اور ہر قل وہاں سے بھاگ جائے

گا۔ اور کانہوں سے سوال کرنے سے اور ان کا ذبیحہ کھانے سے منع فرمایا اور کہا تم پر فقط قربانی ہے، چند روز رہ کر واپس ہوئے، چلتے وقت آپ نے ان کو ہدایا اور تحائف عطا فرمائے۔

(۲۴) وفدِ بلی

ماہ ربیع الاول ۹ھ میں وفدِ بلی آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف باسلام ہوا آپ نے فرمایا: الحمد للہ الذی ہداناکم للإسلام فکل من مات علی غیر الاسلام فہو فی النار۔

رئیس الوفد ابو الضبیب نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھ کو مہمانی کا شوق ہے کیا اس میں میرے لئے کوئی اجر ہے، آپ نے فرمایا ہاں اس میں بھی اجر ہے، غنی ہو یا فقیر جس پر بھی تو احسان کرے وہ صدقہ ہے، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ مہمانی کی مدت کتنی ہے، آپ نے فرمایا مہمانی تین دن ہے، اس کے بعد صدقہ ہے، مہمان کے لئے جائز نہیں کہ میزبان کو تنگی میں ڈالے، تین روز ٹھہر کر یہ لوگ واپس ہوئے، آں حضرت ﷺ نے چلتے وقت ان کو زور عطا فرمایا۔

(۲۵) وفدِ بنی مُرہ

تبوک کے بعد ۹ھ میں بنی مُرہ کے تیرہ آدمی آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے حارث بن عوف سردار وفد تھے، ان لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم آپ ہی کے قوم کے ہیں لوی بن غالب کی اولاد سے ہیں، آپ مسکرائے اور بلاد کا حال دریافت کیا، لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ قحط سالی کی وجہ سے حالت تباہ ہے، آپ نے اسی وقت بارش کے لئے دعا فرمائی۔ جب یہ لوگ اپنے گھر واپس ہوئے تو معلوم ہوا کہ جس روز رسول اللہ ﷺ نے دعا فرمائی اسی روز پانی برسا اور تمام بلاد سرسبز اور شاداب ہو گئے، چلتے وقت ہر ایک کو آپ نے دس دس اوقیہ چاندی اور حارث بن عوف کو بارہ اوقیہ چاندی عطا فرمائی۔

(۲۶) وفدِ خولان

ماہ شعبان ۱۰ھ میں یمن سے قبیلہ خولان کے دس آدمی آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ ہم اللہ اور اُس کے رسول پر ایمان رکھتے ہیں۔ اللہ اور اُس کے

رسول کا ہم پر بڑا احسان ہے، دور دراز سے سفر طے کر کے زیارت کے شوق میں حاضر ہوئے ہیں آپ نے فرمایا تمہارا یہ سفر ضائع نہیں ہوا ہر قدم پر تمہارے لئے نیکی ہے جو شخص میری زیارت کے لئے مدینہ حاضر ہوا قیامت کے دن وہ میری پناہ اور امان میں ہوگا۔ بعد ازاں خولان کے بُت (جس کا نام عم انس تھا) کے متعلق دریافت کیا کہ وہ کیا ہوا۔ وفد نے عرض کیا الحمد للہ آپ کی ہدایت و تعلیم اُس بت پرستی کا نعم البدل ہو گئی۔ سوائے چند بوڑھے مرد اور بوڑھی عورتوں کے کوئی پوجنے والا نہیں رہا اور انشاء اللہ تعالیٰ اب واپسی کے بعد اس کا نام و نشان ہی باقی نہ چھوڑیں گے۔

آں حضرت ﷺ نے ان کو دین کے فرائض سکھائے اور یہ نصیحت فرمائی کہ عہد کو پورا کرنا۔ امانت کو ادا کرنا۔ پڑوسیوں کا خیال رکھنا۔ کسی پر ظلم نہ کرنا اور رخصت کے وقت بارہ اوقیہ چاندی ان کو عطا فرمائی، واپسی کے بعد سب سے پہلا کام یہ کیا کہ اُس بت کو منہدم کیا۔

(۲۷) وفدِ محارب

اس قبیلہ کے لوگ نہایت تند خو اور درشت مزاج تھے۔ جب آں حضرت ﷺ مکہ میں ایام حج میں لوگوں کو اسلام کی طرف بلاتے تھے تو یہ لوگ نہایت سختی سے آپ کے ساتھ پیش آتے۔ اس قبیلہ کے دس آدمی اپنی قوم کے وکیل بن کر اہل میں حاضر خدمت ہوئے اور مشرف باسلام ہوئے ان میں سے ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ آپ کے مقابلہ میں میرے ساتھیوں میں مجھ سے زیادہ کوئی سخت اور اسلام سے دور نہ تھا میرے ساتھی مر گئے اور صرف میں زندہ ہوں اللہ کا شکر ہے کہ اُس نے مجھ کو باقی رکھا تا آنکہ میں آپ پر ایمان لایا اور آپ کی تصدیق کی آپ نے فرمایا دل اللہ کے قبضہ میں ہیں، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ خدا سے میرے لئے دُعا اور استغفار فرمائیے کہ میں نے جو کچھ آپ کی شان میں گستاخی کی اللہ اس کو معاف فرمائے۔ آپ نے فرمایا۔ اسلام، کفر کو اور جو کچھ کفر کی حالت میں ہوا ہے سب کو ڈھادیتا ہے۔ بعد ازاں یہ لوگ اپنے گھر واپس ہوئے۔

(۲۸) وفدِ صد آءِ ۸ھ

۸ھ میں جعرانہ سے واپسی کے بعد آں حضرت ﷺ نے مہاجر بن ابی امیہ کو صنعاء کی طرف اور زیاد بن لبید کو حضرموت کی جانب اور قیس بن سعد بن عبادہ خزرجی کو چار سو سواروں کے ہمراہ قناتہ کی جانب روانہ فرمایا اور قیس بن سعد کو یہ بھی حکم دیا کہ یمن کے علاقہ صد آء پر بھی ضرور گزریں زیاد بن حارث صدائی کو جب اس کا علم ہوا تو یہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ آپ لشکر کو واپس بلا لیں میں اپنی قوم کے اسلام کا کفیل اور ذمہ دار ہوں آپ نے قیس بن سعد کو واپس بلا لیا، زیاد بن حارث صدائی پندرہ آدمیوں کا وفد لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے، سب نے اسلام قبول کیا اور آپ کے دست مبارک پر بیعت کی، آپ نے زیاد سے مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا، اے زیاد تیری قوم تیری بہت مطیع اور فرمانبردار ہے، زیاد نے عرض کیا یا رسول اللہ۔ اللہ اور اس کے رسول کا احسان ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو اسلام کی ہدایت دی، بیعت کر کے یہ لوگ واپس ہوئے، تمام قبیلہ میں اسلام پھیل گیا۔ سو آدمی حجتہ الوداع میں شکر یک ہوئے۔

(۲۹) وفدِ غسان

ماہ رمضان المبارک ۱۰ھ میں غسان کے تین آدمی آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف باسلام ہوئے اور عرض کیا کہ ہم کو معلوم نہیں کہ ہماری قوم ہمارا اتباع کرے گی یا نہیں، آں حضرت ﷺ نے چلتے وقت ان کو زادراہ اور جائزہ عطا فرمایا چونکہ ان کی قوم نے اسلام قبول نہ کیا تھا اس لئے ان لوگوں نے اپنے اسلام کو پوشیدہ رکھا، یہاں تک کہ دو آدمی تو اسی حالت میں وفات پا گئے اور تیسرے شخص جنگ یرموک میں ابو عبیدہ سے جا ملے اور ان کو اپنے اسلام کی اطلاع دی، ابو عبیدہ ان کا بہت اکرام و احترام کرتے تھے۔

(۳۰) وفدِ سَلَامَان

ماہ شوال ۱۰ھ میں قبیلہ سَلَامَان کے سات آدمیوں کا وفد آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف باسلام ہوا قحط سالی کی شکایت کی، آپ نے ہاتھ اٹھا کر دعا فرمائی۔ بعد ازاں زاد

راہ اور جائزہ دے کر آپ نے ان کو رخصت فرمایا گھر میں پہنچ کر معلوم ہوا جس روز اور جس وقت آپ نے دعا فرمائی تھی اسی وقت یہاں پانی برسنا

(۳۱) وَفْدِ بَنِي عَبَسَ

بنی عبس کے تین آدمی حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ کو ہم کو یہ معلوم ہوا ہے کہ اسلام بغیر ہجرت کے مقبول اور معتبر نہیں۔ ہمارے پاس کچھ مال اور مویشی ہیں جن پر ہمارا گزارا ہے۔ اگر اسلام بغیر ہجرت کے مقبول نہیں تو پھر ایسے مال میں کیا خیر و برکت ہو سکتی ہے ہم سب کو فروخت کر دیں اور ہجرت کر کے آپ کی خدمت میں حاضر ہو جائیں آپ نے ارشاد فرمایا:

اتقوا للہ حیث کنتم فلن ۞ اللہ سے ڈرو جہاں کہیں بھی رہو اللہ تمہارے یلتکم اللہ من اعمالکم شیئا ۞ اعمال کے اجر میں کمی نہ کرے گا۔ ۲

(۳۲) وَفْدِ غَامِدِ

غامد یمن کا ایک قبیلہ ہے۔ ۱۰ اھ میں دس آدمیوں کا ایک وفد آیا اور بقیع میں اتر ا اور سامان پر ایک لڑکے کو چھوڑ کر بارگاہ نبوی میں حاضر ہوئے، آپ نے دریافت فرمایا کہ سامان پر کس کو چھوڑا، وفد نے عرض کیا یا رسول اللہ ایک کم عمر لڑکے کو چھوڑ آئے ہیں۔ فرمایا کہ ایک تھیلہ چوری ہو گیا ہے۔ ان میں سے ایک شخص بولا یا رسول اللہ تھیلہ تو میرا تھا، آپ نے فرمایا گھبراؤ نہیں وہ مل گیا ہے یہ لوگ اپنے سامان کے پاس پہنچے معلوم ہوا کہ لڑکا سو گیا تھا جب بیدار ہوا اور دیکھا کہ تھیلہ نہیں تو اس کی تلاش میں نکلا، دُور سے ایک شخص بیٹھا ہوا نظر آیا جب یہ اس طرف بڑھا تو وہ شخص اس کو دیکھ کر بھاگا۔ اس مقام پر پہنچ کر دیکھا کہ زمین کھدی ہوئی ہے اس میں سے وہ تھیلہ برآمد ہوا ہم نے کہا بے شک آپ اللہ کے رسول برحق ہیں ابی بن کعب کو حکم دیا کہ ان کو قرآن سکھائیں اور چلتے وقت شراع اسلام لکھوا کر ان کو عطا فرمائے اور حسب معمول جائزہ دیا۔ ۳

(۳۳) وَفْدِ اَزْدِ

قبیلہ ازد کے سات آدمیوں کا وفد خدمت نبوی میں حاضر ہوا، آپ کو ان کی وضع اور

بیت اور ان کا سکون و وقار پسند آیا۔ دریافت فرمایا کہ تم کون ہو۔ وفد نے عرض کیا ہم مؤمن ہیں آپ مسکرائے اور فرمایا ہر قول کی ایک حقیقت ہوتی ہے، تمہارے ایمان کی کیا حقیقت ہے۔ وفد نے کہا وہ پندرہ خصلتیں ہیں جن میں سے پانچ وہ ہیں جن پر آپ کے قاصدوں نے ایمان لانے اور اعتقاد رکھنے کا حکم دیا ہے اور پانچ وہ ہیں جن پر آپ کے قاصدوں نے ہم کو عمل کرنے کا حکم دیا ہے اور پانچ وہ ہیں جن پر ہم زمانہ جاہلیت سے کاربند ہیں آپ نے ارشاد فرمایا وہ باتیں کوئی ہیں جن پر میرے مبلغین نے تم کو ایمان لانے کا حکم دیا ہے، وفد نے عرض کیا وہ یہ ہیں کہ (۱) ایمان لائیں اللہ پر۔ (۲) اور اس کے تمام فرشتوں پر۔ (۳) اور اس کی اتاری ہوئی تمام کتابوں پر۔ (۴) اور اس کے تمام پیغمبروں پر۔ (۵) اور مرنے کے بعد زندہ ہونے پر یعنی قیامت اور یوم آخرت پر آپ نے فرمایا وہ پانچ باتیں کوئی ہیں جن پر میرے قاصدوں نے تم کو عمل کرنے کا حکم دیا ہے۔ وفد نے عرض کیا وہ یہ ہیں۔

(۱) لا الہ الا اللہ کہتے رہیں۔ (۲) نماز کو قائم رکھیں۔ (۳) زکوٰۃ ادا کریں۔ (۴) رمضان المبارک کے روزے رکھیں۔ (۵) اور اگر استطاعت ہو تو حج بیت اللہ کریں۔

آپ نے فرمایا وہ پانچ خصلتیں کوئی ہیں جن پر تم زمانہ جاہلیت میں کاربند تھے۔ وفد نے عرض کیا وہ یہ ہیں۔

الشکر عند الرخاء والصبر عند البلاء والرضى بمر القضاء والصدق في موطن اللقاء وترك الشماتة بالأعداد فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم حکماء کی وجہ سے مقام نبوت سے بہت قریب علماء کا دوا من فقہم لہ ان

راحت اور فراخی کے وقت شکر اور مصیبت کے وقت صبر اور تلخ قضاء پر بھی راضی رہنا اور مقابلہ کے وقت ثابت قدمی اور دشمنوں کی مصیبت پر خوش نہ ہونا۔ آں حضرت ﷺ نے فرمایا بڑے حکیم اور عالم ہیں تفقہ اور سمجھ کی وجہ سے مقام نبوت سے بہت قریب ہیں، پھر ارشاد فرمایا میں تم کو پانچ خصلتیں اور

نکتہ: آپ کے ارشاد سے معلوم ہوتا ہے کہ حافظ حدیث مقام نبوت سے اتنا قریب نہیں جتنا کہ فقیہ مقام نبوت سے قریب اور نزدیک ہے، حافظ حدیث کی مثال اس عاشق کی سی ہے کہ جس نے محبوب کے الفاظ بعینہ یاد کر لئے اور فقیہ کی مثال اس فہیم اور سمجھدار محبت جان نثار کی ہے کہ جو اپنے محبوب کے اشاروں اور کنایوں اور اس کے رموز اور اسرار کو خوب سمجھتا ۱۳

يَكُونُوا أَنْبِيَاءُ ثُمَّ قَالَ وَ أَنَا زَيْدٌ • بَتَاتَا هُوں تاکہ میں خصلتیں پوری ہو جائیں
 كَمْ خَمْسًا فَيَتَمَّ لَكُمْ عَشْرُونَ • (۱) جس چیز کو کھانا نہ ہو اس کو جمع نہ کرو (۲)
 خَصْلَةٌ أَنْ كُنْتُمْ كَمَا تَقُولُونَ • جس میں رہنا نہ ہو اس کو بناؤ نہیں (۳) اور
 فَلَا تَجْمَعُوا مَالًا تَاكُلُونَ وَ • جس چیز کو کل چھوڑ کر جانے والے ہو اس میں
 لَا تَبْنُوا مَالًا تَسْكُنُونَ وَلَا • ایک دوسرے پر حسد نہ کرو (۴) اور اس خدا
 تَنَافَسُوا فِي شَيْءٍ أَنْتُمْ عَنْهُ غَدَا • سے ڈرو کہ جس کی طرف تم کو لوٹنا اور اس کے
 تَزُولُونَ وَ اتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي إِلَيْهِ • سامنے پیش ہونا ہے (۵) اور اس چیز میں
 تَرْجِعُونَ وَ عَلَيْهِ تَعْرَضُونَ • رغبت کرو جس میں تم کو ہمیشہ رہنا ہے یعنی
 وَ ارْغَبُوا فِيمَا عَلَيْهِ تَقْدُمُونَ وَ • رغبت کرو جس میں تم کو ہمیشہ رہنا ہے یعنی
 فِيهِ تَخْلُدُونَ • آخرت۔

یہ لوگ آپ کی وصیت کو لے کر واپس ہوئے اور اس کو خوب یاد رکھا اور اس پر عمل کیا۔

(۳۴) وَفْدُ بَنِي الْمُثَنَّفِ

یہ وفد بارگاہِ نبوی میں صبح کے بعد حاضر ہوا اتفاق سے اس روز آلِ حضرت ﷺ نے صحابہ کو جمع کر کے ایک طویل و عریض خطبہ دیا جس میں حشر و نشر اور جنت و جہنم کے احوال بیان فرمائے خطبہ سے فارغ ہو کر ان لوگوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی اور واپس ہوئے مفصل خطبہ تقریباً دو ورق میں ہے جس کو حافظ ابن قیم نے زاد المعاد میں ذکر کیا ہے۔

(۳۵) وَفْدِ نَخْعِ مُحَرَّمِ الْحَرَامِ

نَخْعِ یَمَن کا ایک قبیلہ ہے ماہِ مُحَرَّمِ الْحَرَامِ ﷺ کے درمیانی عشرہ میں اس قبیلے کے دو سو آدمی بارگاہِ نبوی میں حاضر ہوئے۔ ان میں ایک شخص زرارة بن عمرو بھی تھے، انہوں نے اس سفر میں متعدد خواب دیکھے جو آنحضرت ﷺ سے بیان کیے اور آپ نے ان کی تعبیر دی منجملہ ان کے ایک یہ خواب دیکھا کہ زمین سے ایک آگ نمودار ہوئی ہے جو میرے اور میرے بیٹے کے درمیان حائل ہوگئی۔ اور وہ آگ یہ پکار رہی ہے۔

لظی لظی بصیر و اعمی : میں آگ ہوں میں آگ ہوں کوئی بیٹا اور
اطعمونی اکلکم اهلکم : کوئی بیٹا مجھ کو کھانے کو دو میں تم کو کھاؤں گی
و مالکم : تم کو کھاؤں گی تمہارے اہل کو اور مال کو۔

آپ نے فرمایا ایک فتنہ ہوگا جس میں لوگ اپنے امام اور خلیفہ کو قتل کریں گے بدکار اپنے
کو نیکو کار سمجھے گا مومن کا قتل پانی پینے سے زیادہ لذیذ ہوگا، اگر تیرا بیٹا پہلے مر گیا تو تو اس فتنہ کو
پائے گا۔ اور اگر تو پہلے مر گیا تو تیرا بیٹا اس فتنہ کو پائے گا۔ زرارہ نے عرض کیا یا رسول اللہ خدا
سے دعا کیجئے کہ میں اس فتنہ کو نہ پاؤں۔ آپ نے ان کے لئے دُعا فرمائی زرارہ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْہُ
کا انتقال ہوا اور ان کے بعد حضرت عثمان غنی رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْہُ کی شہادت کا فتنہ پیش آیا۔ زرارہ
کا بیٹا باغیوں کے ساتھ تھا۔ واللہ اعلم (زاد المعاد ص ۵۹ ج ۲ زرقانی ص ۶۷ ج ۳)

۱۰ یمن میں تعلیم اسلام

۹ھ یا ۱۰ھ میں رسول اللہ ﷺ نے ابو موسیٰ اشعری اور معاذ بن جبل کو یمن کے
لوگوں کو دین اسلام کی تعلیم دینے کی غرض سے روانہ فرمایا مگر دونوں کو ایک جگہ نہیں بھیجا۔ ابو
موسیٰ کو یمن کی مشرقی سمت میں اور معاذ کو مغربی سمت یعنی عدن اور جند کی اطراف و اکناف
میں تعلیم و تبلیغ کا حکم دیا۔

سریہ خالد بن ولید بسوئے نجران

۱۰ھ ہجری کی ماہ ربیع الثانی یا جمادی الاولیٰ میں آں حضرت ﷺ نے خالد بن ولید
کو ایک سریہ کا سردار مقرر کر کے نجران اور اس کے اطراف و جوانب کی طرف روانہ فرمایا اور
خالد کو یہ حکم دیا کہ قتال سے پہلے تین بار دعوت اسلام دینا اگر وہ اس دعوت کو قبول کریں تو تم

بھی ان کے اسلام کو قبول کرنا اور اگر وہ دعوت اسلام کے قبول کرنے سے انکار کر دیں تب ان سے قتال کرنا لیکن خالد بن ولید جب نجران پہنچے اور ان کو اسلام کی دعوت دی تو سب نے بے چون و چرا سمعاً و طاعتاً اسلام قبول کیا، خالد بن ولید ٹھہر گئے اور ان کو اسلام کی تعلیم دینے لگے اور ایک خط کے ذریعہ آں حضرت ﷺ کو اس واقعہ کی اطلاع دی، آں حضرت ﷺ نے جواب میں یہ تحریر کرایا کہ نجران کے قبیلہ بنی حارث بن کعب کا وفد ہمراہ لے کر مدینہ آئیں۔ آپ کی تحریر کے مطابق خالد بنی حارث کا وفد لے کر مدینہ حاضر ہوئے آپ نے ان کو نہایت عزت و تعظیم کے ساتھ ٹھہرایا شروع ماہ ذی قعدہ ۶ھ میں جس وقت یہ لوگ مدینہ سے نجران واپس ہونے لگے تو آپ نے ان پر قیس بن حصن کو سردار مقرر کیا اور وفد کی روانگی اور واپسی کے بعد عمرو بن حزم کو بغرض تعلیم فرائض و سنن و احکام اسلام و وصولی صدقات ان کا عامل بنا کر روانہ کیا اور ایک فرمان لکھ کر ان کو عنایت کیا، وہ ہو ہذا

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

یہ اللہ اور اس کے رسول کا فرمان ہے اے ایمان والو اپنے عہدوں کو پورا کرو یہ عہد نامہ ہے محمد رسول اللہ کا عمرو بن حزم کے لئے جب ان کو یمن کی طرف عامل مقرر کر کے بھیجا، ان کو حکم دیا کہ تمام امور میں تقویٰ اور پرہیزگاری کو ملحوظ رکھیں۔ تحقیق اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں اور نیکوکاروں کے ساتھ ہے اور ان کو حکم دیا کہ حق کو مضبوط پکڑیں جیسا کہ اللہ کا حکم ہے اور لوگوں کو خیر کا حکم دیں اور خیر کی بشارت سنائیں۔ اور لوگوں کو قرآن کی تعلیم دیں اور اس کے معانی سمجھنے کا طریقہ بتلائیں اور لوگوں کو منع کر دیں کہ کوئی شخص قرآن کو بغیر طہارت کے

هَذَا بَيَانٌ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَوْفُوا
بِالْعُقُودِ عَهْدٌ مِنْ مُحَمَّدٍ النَّبِيِّ
رَسُولِ اللَّهِ لِعَمْرٍو بْنِ حَزْمٍ حِينَ
بَعَثَهُ إِلَى الْيَمَنِ أَمْرَهُ بِتَقْوَى اللَّهِ
فِي أَمْرِهِ كُلِّهِ فَإِنَّ اللَّهَ مَعَ الَّذِينَ
اتَّقَوْا وَالَّذِينَ هُمْ مُحْسِنُونَ وَ
وَأَمْرُهُ أَنْ يَأْخُذَ بِالْحَقِّ كَمَا
أَمْرَهُ اللَّهُ وَأَنْ يُبَشِّرَ النَّاسَ
بِالْخَيْرِ وَيَأْمُرَهُمْ بِهِ وَيُعَلِّمَ
النَّاسَ الْقُرْآنَ وَيَفْقَهُهُمْ فِيهِ، وَ
يَنْهَى النَّاسَ فَلَا يَمَسُّ الْقُرْآنَ
إِنْ كَانَ لَا وَهُوَ طَاهِرٌ وَيُخْبِرُ

الناس بالذی لهم والذی علیهم ویلین للناس فی الحق وپیشتد علیهم فی الظلم فان الله کره الظلم ونهی عنه فقال الالعة الله علی الظالمین و یبشیر الناس بالجنة و بعملها وینذر الناس النار و عملها و یستالف الناس حتی یفقهوا فی الدین و یعلم الناس معالم الحج و سنته و فریضته و ما امر الله به و الحج الا کبر الحج الا کبر و الحج الا صغر هو العمره وینهی الناس ان یصلی احد فی ثوب صغیر الا ان یکون ثوباً یثنی طرفیه علی عاتقه وینهی الناس ان یحتسب احد فی ثوب واحد یفضی بفرجه الی السماء وینهی ان یعقص احد شعر راسه فی قفاه وینهی اذا کان بین الناس هیج عن الدعاء الی القبائل و العشائر ولیکن دعواهم الی الله عزوجل وحده لا یشریک له فمن لم یدع الی الله و دعا الی القبائل و العشائر

ہاتھ نہ لگائے اور لوگوں کو ان کے منافع اور مضار سے باخبر کریں حق اور راہ راست پر چلنے میں لوگوں پر نرمی کرنا اور ظلم کرنے کی حالت میں ان پر سختی کرنا تحقیق اللہ جل شانہ نے ظلم کو حرام کیا ہے اور اس سے منع کیا ہے جیسا کہ اس کا ارشاد ہے کہ لعنت ہو اللہ کی ظالموں پر اور لوگوں کو جنت کی بشارت دینا اور اعمال جنت سے خبر دینا اور جہنم سے ڈرانا اور اعمال جہنم سے آگاہ کرنا اور لوگوں کو اپنے سے مانوس بنانا تاکہ لوگ تم سے دین سمجھ سکیں اور لوگوں کو فرائض اور سنن اور احکام حج اور احکام عمرہ کی تعلیم دینا اور نماز کے متعلق لوگوں کو یہ بتلا دینا کہ کوئی شخص چھوٹے کپڑے میں اس کو پشت پر ڈال کر نماز نہ پڑھے مگر یہ کہ وہ اس قدر کشادہ ہو کہ اس کے دونوں مونڈھوں کو ڈھانک لیں اور لوگوں کو اس طرح کپڑا پہننے سے منع کر دیں کہ آسمان کے نیچے اس کی شرم گاہ کھلی رہے، اور اس سے منع کر دیں کہ کوئی شخص گردن کی جانب میں بالوں کا جوڑا نہ باندھے اور اس سے منع کر دیں کہ جب آپس میں لڑائی ہو تو قبیلہ اور خاندان قوم اور وطن کے نام پر نصرت اور حمایت کے لئے کوئی نعرہ نہ لگائیں بلکہ

فلیقطعوا بالسيف حتی تكون
دعواهم الى الله وحده
لا شريك له ويا امر الناس
باسباغ الوضوء وجوههم و
ایديهم الى المرافق وارجلهم
الى الكعبین ویمسحون
برؤسهم كما امرهم الله وامر
بالصلاة لوقتها واتمام الركوع
والسجود والخشوع و يغلس
بالصبح و يهجر بالهاجرة حين
تميل الشمس و صلاة العصر
والشمس فی الارض مدبرة
والمغرب حين یقبل اللیل لا
یؤخر حتی تبدو النجوم فی
السما و العشاء اول اللیل
وامر بالسعی الى الجمعة اذا
نودی لها والغسل عند
الرواح اليها وامر ان یأخذ من
الغنائم خمس الله وما كتب
على المؤمنین فی الصدقة من
العقار عشر ما سقت العین
وسقت السماء و علی
ما سقی الغرب نصف العشر و
فی کل عشر من الابل
شاتان و فی کل عشرين

ایک خدا کی طرف اور اس کے حکم کی طرف
آنے کی لوگوں کو دعوت دیں اور جو شخص اللہ
کی طرف نہ بلائے بلکہ قبیلہ اور خاندان
یعنی قوم اور وطن کی طرف بلائے تو ان کی
گردنوں کو تلوار سے سہلایا جائے یہاں
تک کہ ان کا نعرہ اور آواز اللہ وحدہ
لا شریک لہ کے دین کی طرف ہو جائے
یعنی قبیلہ اور خاندان اور قوم اور وطن کے نعرہ
سے باز آجائیں اور لوگوں کو وضو کو پورا
کرنے کا اور نماز اپنے وقت میں ادا کرنے
کا حکم دیں اور نماز رکوع و سجود پوری طرح
کریں اور خشوع و خضوع کے ساتھ نماز ادا
کریں اور صبح کی نماز غلّس (تاریکی) میں
پڑھیں اور ظہر کی نماز زوال کے بعد
پڑھیں یعنی زوال سے پہلے نہ پڑھیں اور
عصر کی نماز اس وقت پڑھیں کہ جب
آفتاب زمین پر اپنی دھوپ ڈال رہا ہو اور
غروب کی طرف جا رہا ہو اور مغرب کی نماز
رات کے آتے ہی پڑھیں اور اس قدر
تاخیر نہ کریں کہ ستارے نکل آئیں اور
عشاء کی نماز رات کے اول ثلث میں
پڑھیں اور جب جمعہ کی اذان ہو جائے تو
ووڑ کر مسجد پہنچیں اور جمعہ میں جانے سے
پہلے غسل کریں اور یہ حکم دیا کہ مال غنیمت

اربع شياه وفي كل اربعين
 من البقر بقرة وفي كل ثلاثين
 من البقر تبع جذع او جذعة و
 في كل اربعين من الغنم
 سائمة وحدها شاة فانها
 فريضة الله التي افترض على
 المؤمنين في الصدقة فمن زاد
 خيرا فهو خير له وانه من
 اسلم من يهودى او نصرانى
 اسلا ما خالصا من نفسه و
 دان بدين الاسلام فانه من
 المؤمنين له مثل مالهم و
 عليه مثل ما عليهم و من
 كان على نصرانيته او يهوديته
 فانه لا يرد عنها وعلى كل
 حالم ذكر او انثى حرا و عبد
 دينار و اف او عوضه ثيا بافمن
 ادى ذلك فان له ذمة الله و
 ذمة رسوله و من منع ذلك
 فانه عدو لله و لرسوله و
 للمؤمنين جميعا صلوات الله
 على على محمد و السلام
 عليه و رحمة الله و بركاته۔

میں سے اللہ کا حق خمس نکال لیں اور
 مسلمانوں کی زمین کی پیداوار میں سے صدقہ
 وصول کریں جس زمین کو چشمہ کے پانی یا
 بارش کے پانی سے سیراب کیا گیا ہو اس میں
 عشر (پیداوار کا دسواں حصہ) واجب ہے اور
 جس زمین کو کنوئیں کے پانی سے سیراب کیا
 گیا ہو۔ اس میں نصف العشر ہے یعنی
 پیداوار کا بیسواں حصہ واجب ہے اور دس
 اونٹوں میں دو بکریاں واجب ہیں اور بیس
 اونٹوں میں چار بکریاں واجب ہیں اور
 چالیس گایوں میں ایک گائے اور تیس گائے
 میں ایک تیج اور چالیس بکریوں میں ایک
 بکری زکوٰۃ واجب ہے، یہ اللہ کا فرض ہے جو
 اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان پر فرض کیا ہے اور جو
 فريضہ سے زیادہ دیدے تو وہ اس کے لئے
 اور بہتر ہے اور جو یہودی یا نصرانی سچے دل
 سے دین اسلام کو قبول کرے تو وہ اہل ایمان
 میں سے ہے اور اس کے حقوق اور احکام وہی
 ہیں جو مسلمانوں کے ہیں اور جو اپنی یہودیت
 یا نصرانیت پر قائم رہے اور اسلامی حکومت کی
 رعایا بن کر رہنا منظور ہو۔ مرد ہو یا عورت
 آزاد ہو یا غلام ہو ہر بالغ پر جزیہ کا دینایا اسکے
 عوض کیڑے دینا

اس پر لازم ہوگا۔ پس جو شخص جزیہ ادا کر دے وہ اللہ اور اس کے رسول کی ذمہ داری میں رہے گا۔ یعنی اس کی جان اور مال اور آبرو سب محفوظ رہے گی۔ اور جو شخص جزیہ دینے سے انکار کرے وہ اللہ اور اس کے رسول اور تمام مومنین کا دشمن ہے اللہ کی صلاۃ و سلام اور رحمتیں اور برکتیں ہوں محمد رسول اللہ ﷺ پر۔

سریہ علی کرم اللہ وجہہ بسوئے یمن

آں حضرت ﷺ نے حجۃ الوداع سے پہلے ماہ رمضان ۱۰ھ میں حضرت علی کو تین سو آدمیوں پر سردار مقرر کر کے یمن کی جانب روانہ فرمایا اور خود اپنے دست مبارک سے حضرت علی کے سر پر عمامہ باندھا جس کے تین پیچ تھے عمامہ کا ایک کنارہ بقدر ایک ہاتھ کے سامنے لٹکایا۔ اور بقدر ایک بالشت پیچھے چھوڑا اور یہ فرمایا کہ سیدھے چلے جاؤ کسی اور جانب توجہ مت کرنا اور وہاں پہنچ کر ابتداء بالقتال نہ کرنا۔ اول ان کو اسلام کی دعوت دینا اگر وہ اسلام قبول کر لیں تو پھر ان سے کوئی تعرض نہ کرنا۔ خدا کی قسم تیرے ہاتھ سے ایک شخص ہدایت پا جائے تو یہ دنیا و مافیہا سے بہتر ہے حضرت علی، تین سو سواروں کے ساتھ روانہ ہوئے اور مقام قناتہ میں جا کر پڑاؤ ڈالا اور اسی جگہ سے صحابہ کی مختلف ٹولیاں، مختلف جوانب میں روانہ کیں لشکر اسلام کے سوار سب سے پہلے علاقہ مذحج میں داخل ہوئے اور بہت سے بچے اور عورتیں اور اونٹ اور بکریاں پکڑ کر لائے ان تمام غنائم کو ایک جگہ جمع کر دیا گیا بعد ازاں ایک دوسری جماعت سے مقابلہ ہوا حضرت علی نے ان کو اسلام کی دعوت دی، انہوں نے اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیا اور مسلمانوں پر تیر اور پتھر برسائے تب حضرت علی نے ان پر حملہ کیا جس میں ان کے بیس آدمی مارے گئے اور یہ لوگ منتشر ہو گئے حضرت علی نے کچھ وقفہ کے بعد پھر ان کا تعاقب کیا اور دوبارہ ان کو اسلام کی دعوت دی، ان لوگوں نے اسلام کی

دعوت کو اپنی طرف سے اور اپنی قوم کی طرف سے بھی قبول کیا۔ اور وعدہ کیا کہ ہم صدقات جو اللہ کا حق ہے وہ ادا کریں گے۔

بعد ازاں حضرت علی نے مال غنیمت کو جمع کیا اور خمس نکال کر باقی چار خمس غنمین پر تقسیم فرمادیئے اور اپنے بجائے کسی کو لشکر کا امیر مقرر کر کے عجلت کے ساتھ اپنے رفقاء سے پہلے مکہ مکرمہ روانہ ہوئے، کیونکہ حضرت علی کو یہ خبر پہنچ چکی تھی کہ آں حضرت ﷺ مدینہ منورہ سے حج کے لئے روانہ ہو گئے ہیں اس لئے حضرت علی یمن سے سیدھے مکہ مکرمہ پہنچے اور آں حضرت کے ساتھ حجة الوداع میں شریک ہوئے۔

حجة الوداع

اللہ تعالیٰ کی نصرت اور مدد آچکی مکہ فتح ہو گیا۔ لوگ فوج در فوج دین اسلام میں داخل ہو چکے کفر اور شرک کی بیخ کنی ہو چکی وفود اور قبائل دور و دراز سے آ کر کفر و شرک سے تائب اور توحید و رسالت کا صدق دل سے اقرار کر چکے فرائض نبوت ادا ہو چکے احکام اسلام کی تعلیم قوالاً اور عملاً مکمل ہو گئی۔ ۹ھ میں ابو بکر صدیق کو بھیج کر خانہ کعبہ کو مراسم جاہلیت سے بالکلیہ پاک کر دیا گیا۔

اب وقت آ گیا کہ آں حضرت ﷺ حج کے فریضہ کو خود عملی طور پر انجام دیں تاکہ امت کو ہمیشہ کے لئے معلوم ہو جائے کہ حج کس شان سے ہونا چاہئے اور حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما الصلوٰۃ والسلام کا کیا طریقہ تھا۔ مناسک حج میں اول سے آخر تک توحید و تفرید تھا اور کلمات شرکیہ اور رسوم جاہلیت سے بالکلیہ پاک اور منزہ تھا اسی وجہ سے آنحضرت ﷺ تلبیہ میں ”لا شریک لک“ کا لفظ خاص طور پر کہتے تاکہ شرک کا ایہام بھی باقی نہ رہے۔ اس طرح تلبیہ کہتے لَبَّيْكَ اللَّهُمَّ لَبَّيْكَ لَا شَرِيكَ لَكَ لَبَّيْكَ، ان الحمد وَالنَّعْمَةَ لَكَ لَا شَرِيكَ لَكَ ہجرت سے پیشتر آں حضرت ﷺ نے متعدد حج فرمائے ہیں جامع ترمذی میں جابر بن عبد اللہ سے مروی ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت سے قبل دو حج کیے، ابن اثیر نہایہ میں فرماتے ہیں کہ ہجرت سے پہلے آپ ہر سال حج کیا کرتے تھے ابن جوزی کہتے ہیں کہ اس امر کا صحیح علم نہیں ہو سکا کہ آپ نے کتنے حج کیے بہر حال یہ سب کے نزدیک مسلم ہے کہ ہجرت کے بعد ایک ہی حج کیا۔

۹ھ میں حج کی فرضیت نازل ہوئی اس سال آپ نے صدیق اکبر کو امیر الحاج بنا کر مکہ روانہ فرمایا اس سال مسلمانوں نے صدیق اکبر کی زیر امارت حج ادا کیا۔ ماہ ذی القعدة الحرام ۱۰ھ میں آپ نے خود بنفس نفیس حج کا ارادہ فرمایا اور اطراف و اکناف میں اعلان کر دیا گیا کہ اس سال آں حضرت ﷺ حج کے لئے تشریف لے جانے والے ہیں، چنانچہ ۲۵ ذی القعدة الحرام یوم شنبہ ۱۰ھ ظہر اور عصر کے درمیان میں آپ مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے مہاجرین و انصار اور اصحاب جاں نثار کے بے شمار گروہ آپ کے ہمراہ تھے شمع نبوت کے ارد گرد نوے ہزار یا ایک لاکھ چودہ ہزار یا اس سے بھی زائد پروانوں کا مجمع تھا ۴ ذی الحجۃ الحرام یکشنبہ کے دن آپ مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے۔ (شرح المواہب ص ۱۰۵ ج ۳)

ازواج مطہرات نو بیبیاں اور حضرت سیدۃ النساء فاطمۃ الزہراء آپ کے ہمراہ تھیں اور دیگر خواص اور خدام خاص بھی ہمراہ تھے، حضرت علی کرم اللہ وجہہ جن کو آپ نے ماہ رمضان المبارک میں صدقات وصول کرنے کے لئے یمن بھیجا تھا وہ مکہ میں آپ سے آئے۔ بعد ازاں آپ نے مناسک اور ارکان حج ادا فرمائے اور میدان عرفات میں ایک طویل خطبہ پڑھا۔ اول خدا تعالیٰ کی حمد و ثنا کی بعد ازاں یہ ارشاد فرمایا۔

اے لوگو جو میں کہتا ہوں وہ سنو غالباً سال آئندہ تم سے ملنا نہ ہوگا۔ اے لوگو تمہاری جانیں اور آبرو اور اموال آپس میں ایک دوسرے پر حرام ہیں جیسا کہ یہ دن اور یہ مہینہ اور یہ شہر حرام ہے۔ جاہلیت کے تمام امور میرے قدموں کے نیچے پامال ہیں اور جاہلیت کے تمام خون معاف اور ساقط ہیں۔ سب سے پہلے میں ربیعۃ بن حارث بن عبدالمطلب کا خون جو بنی ہذیل پر ہے معاف کرتا ہوں جاہلیت کے تمام سود ساقط اور لغو ہیں تمہارے لیے صرف راس المال ہے۔

سب سے پہلے میں عباس بن عبدالمطلب کا ربو ساقط اور باطل کرتا ہوں۔ بعد ازاں زوجین کے باہمی حقوق بیان فرمائے پھر فرمایا کہ میں تم میں ایسی محکم چیز چھوڑے جاتا ہوں کہ اگر اس کو مضبوطی کے ساتھ پکڑے رہے تو کبھی گمراہ نہ ہوگے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ، قیامت کے دن تم سے میرے بارے میں سوال ہوگا، تلاؤ کیا جواب دو گے، صحابہ نے عرض کیا ہم یہ گواہی دیں گے کہ آپ نے ہم تک اللہ کا پیام پہنچا دیا اور خدا کی امانت ادا کی

اور امت کی خیر خواہی کی آں حضرت ﷺ نے تین بار انگشت شہادت سے آسمان کی طرف اشارہ کر کے یہ فرمایا:

اللّٰهُمَّ اشْهَدْ ! اے اللہ تو گواہ رہ۔

آپ خطبہ سے فارغ ہوئے اور حضرت بلال نے ظہر کی اذان دی، ظہر اور عصر دونوں نمازیں ایک ہی وقت میں ادا کی گئیں۔ بعد ازاں آپ خداوند ذوالجلال کی حمد و ثناء کر اور شکر استغفار اور دعاء میں مشغول ہو گئے اسی اثناء میں یہ آیت نازل ہوئی۔

الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَ اَتَمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَ رَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا ۚ
(فتح الباری و شرح المواہب) پسند کیا۔

۱۰ ذی الحجۃ الحرام کومنی میں پہنچ کر آں حضرت ﷺ نے (۶۳) اونٹ بقدر عمر شریف کے خود اپنے دست مبارک سے نحر فرمائے اور (۳۷) اونٹ حضرت علی نے آپ کی طرف سے قربانی کیے۔

آں حضرت ﷺ نے منیٰ میں تقریباً اسی مضمون کا خطبہ دیا۔ جو عرفات میں دیا تھا اخیر میں طواف الوداع کر کے اخیر ذی الحجۃ میں عازم مدینہ ہوئے اور منیٰ میں سر مبارک منڈانے کے بعد موئے مبارک کو صحابہ میں تقسیم فرمایا تا کہ حضرات صحابہ کرام بطور تبرک ان کو اپنے پاس رکھیں چونکہ آپ کو اس حج کے بعد حج کی نوبت نہیں آئی اور منیٰ اور عرفات کے خطبوں میں اس طرف اشارہ فرمایا کہ غالباً سال آئندہ تم سے ملنا نہ ہوگا۔ اس وجہ سے اس حج کو حجۃ الوداع کہتے ہیں کہ آپ اپنی امت سے رخصت ہوئے۔ اور اس حج کو حجۃ الاسلام بھی کہتے ہیں، اس لئے کہ حج فرض ہونے کے بعد اسلام میں یہ پہلا حج تھا۔

حجۃ الوداع کے واقعات اگر تفصیل سے بیان کیے جائیں تو اس کے لئے ایک ضخیم جلد درکار ہے اس لئے اس مقام پر انتہائی اجمال سے کام لیا گیا۔ حضرات اہل علم زاد المعاد اور شرح المواہب کی طرف رجوع فرمائیں۔

خطبہ غدیر خم ۱

جب آپ حج سے واپس ہوئے تو راستہ میں حضرت بریدہؓ اسلمی نے حضرت علیؓ کی کچھ شکایت کی۔ آپ نے غدیر خم پر (جو مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک مقام ہے) ایک خطبہ دیا جس میں یہ ارشاد فرمایا کہ میں ایک بشر ہوں ممکن ہے کہ عنقریب میرے پروردگار کی طرف سے کوئی قاصد مجھے بلانے کے لئے آجائے اور میں اس دعوت کو قبول کروں، اشارہ اس طرف تھا کہ وفات کا زمانہ قریب آگیا ہے بعد ازاں اہل بیت کی محبت کی تاکید فرمائی اور حضرت علیؓ کی نسبت فرمایا۔ من کنت مولاه فعلی مولاه جس کا میں دوست ہوں علیؓ بھی اس کا دوست ہے۔ خطبہ کے بعد حضرت عمرؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت علیؓ کو مبارک باد دی۔ اور حضرت بریدہؓ کا قلب بھی آپ سے صاف ہو گیا اور جو کدورت تھی وہ زائل ہوئی۔ اس خطبہ اور ارشاد سے آں حضرت ﷺ کا مقصد یہ بتلانا تھا کہ حضرت علیؓ اللہ کے محبوب اور مقرب بندہ ہیں اُن سے اور میرے اہل بیت سے محبت رکھنا مقتضائے ایمان ہے اور اُن سے بغض اور عداوت یا نفرت اور کدورت سراسر مقتضائے ایمان کے خلاف ہے۔

حدیث کا مقصد فقط حضرت علیؓ کی محبت کا وجوب اور اس کی فرضیت بیان کرنا ہے۔ امامت اور خلافت سے کوئی تعلق نہیں اور معمولی عقل والا سمجھ سکتا ہے کہ محبت اور خلافت میں زمین و آسمان کا فرق ہے، محبت اور خلافت میں تلازم نہیں کہ جس سے محبت ہو وہ خلیفہ بلا فصل بھی ہو۔ محبت تو والدین اور اولاد اور بیویوں اور سب دوستوں۔ سب ہی سے ہوتی ہے کیا سب خلیفہ ہو جائیں گے، حضرت عباسؓ اور حضرت فاطمہؓ اور امام حسنؓ اور امام حسینؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سب ہی آپ کے محبوب نظر اور نور بصر ہونے کے علاوہ حضور پر نور کے تحت جگر بھی تھے اگر محبت، دلیل خلافت ہے تو امام حسنؓ پہلے خلیفہ ہونے چاہئیں بلکہ اگر قرب قرابت پر نظر کی جائے اور یہ کہا جائے کہ خلافت کا دار و مدار قرب قرابت پر ہے تو اس لحاظ سے مقدم حضرت فاطمہ الزہراءؓ ہیں اور پھر امام حسنؓ اور پھر امام حسینؓ اور پھر درجہ چہارم میں حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ ہیں۔ حضرات شیعہ کے مسلک پر بھی حضرت علیؓ خلیفہ چہارم ہی بنتے ہیں اگر اہل سنت

نے ان کو خلیفہ چہارم بنایا تو شکوہ کیوں ہے۔ نیز جس وقت غدیر خم پر آپ نے یہ خطبہ دیا، اس وقت صحابہ کرام اور اہل بیت بھی موجود تھے کسی نے بھی اس کا یہ مطلب نہیں سمجھا کہ حضور کے بعد حضرت علی خلیفہ بلا فصل ہوں گے اور پھر دو ماہ کے بعد آں حضرت ﷺ کی وفات ہوگئی اور سقیفہ بنی ساعدہ میں مسئلہ خلافت زیر بحث آیا جس میں وہ صحابہ بھی شریک تھے کہ جو غدیر خم کے اس خطبہ میں حاضر تھے۔ کسی نے بھی اس حدیث کو امامت علی کے لئے استدلال میں پیش نہیں کیا اور نہ حضرت علی نے اور نہ حضرت عباس نے اور نہ بنی ہاشم میں سے کسی شخص نے کسی وقت بھی حضرت علی کے استحقاق خلافت کے لئے اس حدیث کو پیش کیا۔

غرض یہ کہ غدیر خم کے خطبہ میں آں حضرت ﷺ نے حضرت علی اور اہل بیت اور عترت کی محبت کا حکم دیا ہے ورنہ ان کی دشمنی سے منع فرمایا۔ سوا الحمد للہ تمام اہل سنت والجماعت بہ ہزار دل و جان اہل بیت کی محبت اور تعظیم کو اپنا دین و ایمان سمجھتے ہیں مگر شیعوں کی طرح بے عقل نہیں کہ محبت کو دلیل امامت سمجھنے لگیں، محبت تو اہل بیت کے ہر فرد سے لازم ہے تو کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ حضور پر نور کے تمام قریبی رشتہ داروں کو امام اور خلیفہ بنانے لگیں۔

حجۃ الوداع سے واپسی

آں حضرت ﷺ حجۃ الوداع سے فارغ ہو کر اخیر ذی الحجہ میں مدینہ منورہ پہنچے چند ہی روز گزرے تھے کہ ۱۰؎ ختم ہو کر ۱۱؎ شروع ہو گیا۔

جبریل امین کی آمد

حجۃ الوداع سے واپسی کے کچھ روز بعد جبریل امین ایک غیر معروف شکل میں سفید کپڑے پہنے ہوئے بارگاہ نبوت میں تشریف لائے اور آپ کے قریب نہایت ادب کے ساتھ دوزانوں ہو کر بیٹھ گئے اور ایمان اور اسلام اور احسان اور قیامت اور علامات قیامت کے متعلق سوالات کیے اور آپ نے جوابات دیئے جب وہ اٹھ کر چلے گئے تو آپ نے صحابہ سے فرمایا دیکھو کہ یہ کون شخص تھا۔ صحابہ دیکھنے کے لئے نکلے مگر کوئی نشان نہ پایا آپ نے فرمایا کہ یہ جبریل امین تھے جو تم کو دین کی تعلیم دینے کے لئے آئے تھے اور میں ان کو ہمیشہ پہچان لیتا تھا لیکن آج نہیں پہچانا۔

نکتہ: نبی اکرم ﷺ نے جبریل امین کو سدرۃ المنتہیٰ اور افق مبین پر اصلی شکل میں بھی دیکھا ہے۔ کما قال تعالیٰ وَلَقَدْ رَآهُ بِالْأَفْقِ الْمُبِينِ۔ وَلَقَدْ رَآهُ نَزْلَةً أُخْرَىٰ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهَىٰ اور اس کے علاوہ بے شمار مرتبہ آپ کی خدمت میں آئے۔ جبریل امین جس لباس اور جس صورت میں بھی آپ کے پاس آتے تو آپ پہچان لیتے کہ یہ حقیقت جبریلیہ ہے جو اس صورت میں جلوہ افروز ہے۔

بہر رنگے کہ خواہی جامہ می پوش من انداز قدت رامی شناسم
تو خواہی جامہ خواہی قبا پوش بہر رنگے ترا من می شناسم
مگر اس مرتبہ ایک اعرابی اور بدوی کی صورت میں سائل بن کر مسائل پوچھنے آئے سفیر خداوندی ہونے کی حیثیت سے کوئی پیغام خداوندی لے کر نہیں آئے اس لئے آپ نے ابتداء جبریل امین کو نہ پہچانا جبریل امین کے مجلس سے اٹھنے کے بعد آپ نے ان کو پہچانا اس لئے کہ سائل کی صورت میں نمودار ہوئے تھے۔ سفیر خداوندی ہونے کی حیثیت سے وحی اور پیغام الہی لے کر نہیں آئے تھے ورنہ ضرور پہچانتے۔
شیخ عطار فرماتے ہیں:

جبریل از دست او شد خرقہ دار
در لباس و جبہ شد زان آشکار

آخری فوج ظفر موح

سریرہ اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ

۲۶ صفر المظفر یوم دوشنبہ ۱۱ھ کو آپ نے رومیوں کے مقابلہ کے لئے مقام اُبنا کی طرف لشکر کشی کا حکم دیا، یہ وہ مقام ہے جہاں غزوہ موتہ واقع ہوا اور جس میں حضرت اسامہ کے والد، حضرت زید بن حارثہ اور حضرت جعفر طیار اور عبداللہ بن رواحہ وغیرہم شہید ہوئے۔ یہ آخری سریرہ تھا اور آپ کی فرستادہ فوجوں کی آخری فوج تھی اسامہ بن زید بن حارثہ کو

آپ نے اس لشکر کا امیر اور سردار مقرر کیا اور اس لشکر میں مہاجرین اور بنیین اور بڑے بڑے جلیل القدر صحابہ کو روانگی کا حکم دیا۔

چار شنبہ سے آپ کی علالت کا سلسلہ شروع ہو گیا، پنجشنبہ کے روز باوجود علالت کے آپ نے خود اپنے دست مبارک سے نشان بنا کر اسامہ کو دیا اور یہ فرمایا۔

اغز باسم اللہ و فی سبیل اللہ کے نام پر اللہ کی راہ میں جہاد کرو اور اللہ سے اللہ فقاتل من کفر باللہ۔ کفر کرنے والوں سے مقابلہ اور مقاتلہ کرو۔

حضرت اسامہ نشان لے کر باہر تشریف لائے اور بریدہؓ اسلمی کے سپرد کیا اور فوج کو مقام جُرف میں جمع کیا اور تمام جلیل القدر مہاجرین و انصار بسرعت وہاں آکر جمع ہو گئے۔ حضرت عباس اور حضرت علیؓ تو آپ کی تیمارداری کی غرض سے مدینہ واپس آ گئے اور ابو بکر و عمر، اسامہ سے اجازت لیکر آپ کو دیکھنے کے لئے آتے تھے۔ جمعرات کے روز جب مرض میں شدت ہوئی اور آپ عشاء کی نماز کے لئے مسجد میں تشریف نہ لاسکے تو ابو بکر صدیق کو نماز پڑھانے کا حکم دیا اور اپنی جگہ ان کو امام مقرر کیا فوج مقام جُرف میں جمع تھی جو مدینہ سے ایک کوس کے فاصلہ پر ہے۔ دو شنبہ کی صبح کو جب آپ کو سکون ہوا اور صحابہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ یہ سمجھے کہ حضور پر نور اچھے ہو گئے تو حضرت اسامہ نے روانگی کا قصد کیا اسی تیاری میں تھے کہ حضرت اسامہ کی والدہ ام ایمن نے آدمی بھیجا کہ آپ حالت نزع میں ہیں کچھ دیر نہ گزری تھی کہ یہ خبر قیامت اثر کانوں میں پہنچی کہ آپ کا وصال ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

تمام مدینہ میں تہلکہ پڑ گیا اور سب افتاں و خیزاں مدینہ واپس آئے بریدہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے نشان لا کر حجرہ مبارکہ کے دروازہ پر نصب کر دیا، آپ کی وفات کے بعد جب صدیق اکبر خلیفہ ہوئے تو پہلا کام یہ کیا کہ باوجود مخالفت کے جیش اسامہ کو روانہ کیا اور جُرف تک خود مشایعت کے لیے گئے۔ اس طرح جیش اسامہ روانہ ہوا اور چالیس دن کے بعد مظفر و منصور واپس آیا۔ معرکہ میں جو بھی مقابلہ پر آیا اس کو تہ تیغ کیا اور اپنے باپ (زید بن حارثہ) کے قاتل کو قتل کیا اور چلتے وقت ان کے مکانات اور باغات کو نذر آتش کیا۔ صدیق اکبر نے مدینہ سے باہر جا کر ان کا استقبال کیا، جب مدینہ میں داخل ہوئے تو مسجد نبوی میں شکر کا دو گنا ادا کیا اور پھر اپنے گھر تشریف لے گئے۔

سفر آخرت کی تیاری

حجۃ الوداع سے واپسی کے بعد آں حضرت ﷺ نے سفر آخرت کی تیاری شروع فرما دی اور تسبیح و تحمید اور توبہ اور استغفار میں مشغول ہو گئے۔

سب سے پہلے جس سے آں حضرت ﷺ کو اپنی وفات کا قریب آجانا منکشف ہوا وہ حق جل شانہ کا یہ ارشاد ہے۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ
وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللَّهِ أَفْوَاجًا فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ إِنَّهُ كَانَ تَوَّابًا
بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
جب اللہ کی نصرت اور فتح آجائے اور آپ لوگوں کو دیکھیں کہ اللہ کے دین میں جوق در جوق داخل ہو رہے ہیں تو اب اللہ کی تسبیح و تحمید اور استغفار میں مشغول ہو جائیے تحقیق اللہ بڑا توجہ فرمانے والا ہے۔

یعنی جب فتح و نصرت آپ کی جس کا اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا تھا اور کفر اور شرک کا سرچل دیا گیا اور توحید کا علم سر بلند ہوا، اور حق کو باطل کے مقابلہ میں فتح میں حاصل ہوئی اور لوگ فوج کی فوج دین میں داخل ہو گئے اور دنیا کو اللہ کا پیغام پہنچ گیا اور دین کی تکمیل ہو گئی تو آپ کے دنیا میں بھیجنے سے جو مقصد تھا وہ پورا ہو گیا اور آپ کا جو کام تھا وہ کر چکے، اب ہمارے پاس آنے کی تیاری کیجئے۔ بیت اللہ کا حج (زیارت) کر چکے، اب رب البیت کے حج (زیارت) کی تیاری کیجئے۔ خدا تعالیٰ نے آپ کو جس کام کے لئے دنیا میں بھیجا تھا وہ کام ختم ہو گیا جس نے آپ کو دنیا میں بھیجا تھا اب اس کے پاس واپس ہو جائیے اور اس کے پاس جانے کی تیاری کیجئے۔ یہ عالم فانی آپ کے رہنے کی جگہ نہیں آپ جیسی ارواح مقدسہ کے لئے ملائعہ اعلیٰ اور رفیق اعلیٰ کا لحوق اور اتصال مناسب ہے۔

چنانچہ آپ اٹھتے اور بیٹھتے اور آتے جاتے یہ پڑھتے تھے۔ سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ رَبَّنَا وَبِحَمْدِكَ اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي وَتُبْ عَلَيَّ إِنَّكَ أَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ اور کبھی

سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ اسْتَغْفِرُ اللَّهَ وَأَتُوبُ إِلَيْهِ پڑھتے اور کبھی یہ پڑھتے
سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ اسْتَغْفِرُكَ وَأَتُوبُ إِلَيْكَ۔

یہ تمام روایتیں تفسیر درمنثور ص ۴۰۸ ج ۶ میں مذکور ہیں۔ (سورۃ النصر)

آں حضرت ﷺ نے حضرت فاطمہ سے ایک بار فرمایا کہ جبریل امین ہر رمضان میں
میرے ساتھ قرآن کریم کا صرف ایک مرتبہ دور کیا کرتے تھے لیکن اس رمضان میں دو مرتبہ دور
فرمایا۔ میں گمان کرتا ہوں کہ میری روانگی کا وقت قریب آ گیا ہے، ہر سال آپ رمضان المبارک
میں ایک عشرہ کا اعتکاف فرمایا کرتے تھے مگر اس سال آپ نے بیس دن کا اعتکاف فرمایا۔

حجۃ الوداع میں جب یہ آیت الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ الخ نازل ہوئی تو
آپ اشارۂ خداوندی کو سمجھ گئے۔

منتہائے کمال نقصان است گل بریزد بوقت سیرابی
اس لئے حجۃ الوداع کے خطبہ میں اعلان فرمایا کہ شاید اب اس کے بعد تم سے ملنا نہ ہو
اور شاید پھر تمہارے ساتھ حج نہ کر سکوں اور پھر غدریخم کے خطبہ میں فرمایا کہ میں بشر ہوں۔
(اور بشر کے لئے خلود و دوام نہیں۔ وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ) شاید
عنقریب میرے رب کا قاصد مجھے بلانے اور لینے کے لئے آجائے اسی بناء پر حجۃ الوداع
سے واپسی کے بعد ایک دن آپ جنت البقیع میں تشریف لے گئے اور آٹھ سال کے بعد
شہداء احد پر نماز جنازہ پڑھی اور اُن کے لئے دعاء خیر فرمائی جیسا کوئی کسی سے رخصت ہوتا
ہو بقیع سے واپس آ کر مسجد میں منبر پر جلوہ افروز ہوئے اور خطبہ دیا کہ میں تم سے پہلے جا رہا
ہوں تاکہ تمہارے لئے حوض وغیرہ کا انتظام کروں اور میرا تم سے حوض کوثر پر ملنے کا وعدہ
ہے اور میں اپنے اسی مقام پر حوض کوثر کو دیکھ رہا ہوں اور تحقیق مجھ کو زمین کے خزانوں کی
کنجیاں دے دی گئی ہیں اور مجھ کو اپنے بعد اس کا اندیشہ نہیں کہ (تم مجموعی طور پر) سب کے
سب شرک میں مبتلا ہو جاؤ گے۔ یعنی پہلے کی طرح پوری قوم مشرک بن جائے، یہ اندیشہ
نہیں البتہ خوف یہ ہے کہ تم دنیا کی حرص اور باہمی تنافس میں مبتلا ہو جاؤ گے اور آپس
میں لڑو گے اور ہلاک ہو گے۔

علالت کی ابتداء

ماہ صفر کے اخیر عشرہ میں آپ ایک بار شب کو اٹھے اور اپنے غلام ابو موسیٰ بہ کو جگایا اور فرمایا کہ مجھ یہ حکم ہوا ہے کہ اہل بقیع کے لئے استغفار کروں، وہاں سے واپس تشریف لائے تو دفعۃً مزاج ناساز ہو گیا، سر میں درد اور بخار کی شکایت پیدا ہو گئی۔

یہ ام المؤمنین میمونہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا کی باری کا دن تھا اور بدھ کا روز تھا، اسی حالت میں آپ باری باری ازواجِ مطہرات کے یہاں تشریف لے جاتے رہے، جب مرض میں شدت ہوئی تو ازواجِ مطہرات سے اجازت لے کر حضرت عائشہ کے یہاں تشریف لے آئے۔ دو شنبہ کے روز حضرت عائشہ کے حجرہ میں منتقل ہوئے اور آئندہ دو شنبہ کو حضرت عائشہ ہی کے حجرہ میں رحلت فرمائے عالمِ آخرت ہوئے۔ تیرہ یا چودہ روز آپ علیل رہے جس میں سے آخری ہفتہ کی تیمارداری عائشہ صدیقہ کے حصہ میں آئی۔

ایک روایت میں ہے کہ جب جبریل امین سورۃ نصر یعنی اذِ اجاء نصر اللہ الخ لے کر نازل ہوئے تو نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا کہ اے جبریل اس سورۃ میں مجھے اپنی موت کی اطلاع دی گئی ہے، جبریل امین نے کہا وَ لِلْآخِرَةِ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُولٰی، رواہ الطبرانی من حدیث جابر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ ۲

اثناء علالت میں آپ کو اسود غنسی اور مسیلمہ کذاب اور طلحہ اسدی مدعیانِ نبوت اور لوگوں کے مرتد ہونے کی خبر معلوم ہوئی، آپ نے مرتدین سے جہاد کی وصیت اور تاکید فرمائی اور اسود غنسی کی سرزنش کے لئے انصار کی ایک جماعت روانہ فرمائی۔ آپ کی وفات سے ایک روز پیشتر اسود غنسی قتل کیا گیا۔ ۳

صحیح بخاری میں عائشہ صدیقہ سے مروی ہے کہ آپ مرض الوفات میں یہ فرماتے تھے کہ یہ اُسی زہر کا اثر ہے جو میں نے خیبر میں کھایا تھا، بخاری کی دوسری روایت میں ہے کہ آپ کی عادت شریفہ یہ تھی کہ جب بیمار ہوتے تو معوذات یعنی سورۃ اخلاص اور سورۃ فلق اور سورۃ ناس پڑھ کر اپنے اوپر دم کرتے اور پھر اپنا ہاتھ تمام بدن پر پھیر لیتے۔ عائشہ صدیقہ

فرماتی ہیں کہ میں آپ کی آخری علالت میں معوذات پڑھ کر آپ پر دم کرتی، مگر برکت کے لئے آپ ہی کا دست مبارک آپ کے بدن پر پھیر دیتی۔

حضرت سیدۃ النساء فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا رونا اور ہنسنا

اسی بیماری میں آپ نے حضرت فاطمہ کو بلایا اور سرگوشی کی حضرت فاطمہ رو پڑیں اس کے بعد کچھ اور سرگوشی کی تو ہنس پڑیں، عائشہ صدیقہ کہتی ہیں۔ کہ ہم نے آپ کی وفات کے بعد حضرت فاطمہ سے اس کا سبب دریافت کیا تو یہ کہا کہ اول آپ نے مجھ سے یہ فرمایا کہ جبریل مجھ سے ہر سال رمضان میں قرآن کا ایک مرتبہ دور کیا کرتے تھے اس سال دو مرتبہ دور کیا میرا خیال ہے کہ اسی بیماری میں میری وفات ہوگی یہ سن کر میں رو پڑی بعد ازاں آپ نے یہ ارشاد فرمایا کہ میرے گھر والوں میں تو سب سے پہلے مجھ سے آملے گی۔ یہ سن کر میں ہنس پڑی۔ چنانچہ چھ ماہ بعد ہی حضرت سیدہ اس عالم سے رحلت فرما گئیں۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ نے دوسری بار یہ فرمایا کہ تو بہشت کی تمام عورتوں کی سردار ہوگی۔

عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ آل حضرت ﷺ جب بقیع سے تشریف لائے تو میرے سر میں درد تھا تو اس حالت میں میری زبان سے یہ لفظ نکلا۔ وار اُساہ۔ ہائے میرے سر۔ کہ تو اب چلا یعنی شاید اس تکلیف میں موت آجائے۔ آپ نے فرمایا۔ بل انا اقول وار اُساہ بلکہ میں کہتا ہوں کہ ہائے میرا سر۔ مطلب یہ تھا کہ میرے سر میں شدید درد ہے شاید یہی درد میری موت کا پیش خیمہ ہو اور اس کے بعد فرمایا اے عائشہ اگر تو مجھ سے پہلے مر جائے تو تیرا کیا نقصان ہے۔ میں تیرے کفن اور دفن کا انتظام کروں گا اور تیری نماز جنازہ پڑھوں گا اور تیرے لئے دعاء مغفرت کروں گا۔ عائشہ صدیقہ نے (بطور ناز) فرمایا گویا کہ آپ میری موت چاہتے ہیں کہ اگر میں اس جہان سے رخصت ہو گئی تو آپ اسی روز میرے ہی گھر میں کسی اور زوجہ کے ساتھ آرام کرنے والے ہوں گے مطلب یہ تھا کہ میرے مرنے کے بعد آپ مجھے بھول جائیں گے اور دوسری بیبیوں میں مشغول ہو جائیں گے، آپ یہ سن کر مسکرائے کہ یہ غافلات المؤمنات میں سے ہے، اسے خبر نہیں کہ میں ہی دنیا سے جا رہا ہوں اور یہ میرے بعد زندہ رہے گی۔

واقعہ قرطاس

وفات سے چار یوم پیشتر بروز پنجشنبہ جب مرض میں شدت ہوئی تو جو لوگ حجرہ نبوی میں حاضر تھے، ان سے فرمایا کاغذ قلم دوات لے کر آؤ تاکہ تمہارے لئے ایک وصیت نامہ لکھوادوں اس کے بعد تم گمراہ نہ ہو گے، یہ سن کر اہل مجلس اختلاف کرنے لگے، حضرت عمر نے کہا کہ آپ بیمار ہیں۔ درد کی شدت ہے ایسی حالت میں تکلیف دینا مناسب نہیں۔ کتاب اللہ ہمارے پاس ہے (جو ہم کو گمراہی سے بچانے کے لئے) کافی ہے، بعض نے حضرت عمر کی تائید کی اور بعض نے کہا کہ دوات قلم لا کر لکھوالینا چاہیے۔ اور یہ کہا، اھـ جـر استفہمـوہ۔ کیا آپ نے بیماری کی شدت اور غفلت اور بیہوشی کی حالت میں معاذ اللہ کوئی لغو اور ہدیان کی بات کہی ہے خود آپ سے دریافت کر لو یعنی آپ اللہ کے نبی و رسول ہیں، آپ کی زبان اور دل خطا اور غلط سے معصوم اور مامون ہے معاذ اللہ اوروں کی طرح نہیں کہ جو بیماری کی حالت میں وہی تباہی بولنے لگتے ہیں، حدیث میں ہے کہ آپ نے ایک مرتبہ اپنی زبان مبارک کی طرف اشارہ کر کے فرمایا قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے، اس زبان سے (کسی حالت میں) سوائے حق کے کچھ نہیں نکلتا۔

یہ جملہ (ابجر استفہمـوہ) حضرت عمر کا مقولہ نہیں بلکہ اُن لوگوں کا ہے جن کی رائے حضرت عمر کے خلاف تھی، حضرت عمر کی رائے یہ تھی کہ حضور پر نور کو لکھنے کی تکلیف نہ دی جائے اور بعض لوگ جن کی رائے یہ تھی کہ دوات قلم لا کر لکھوالیا جائے ان لوگوں نے حضرت عمر کے جواب میں یہ کہا ابجر استفہمـوہ۔ اور مطلب یہ تھا کہ جب حضور پر نور حکم دے رہے ہیں تو کیوں نہ لکھوالیا جائے۔ معاذ اللہ حضور پر نور کی زبان مبارک سے کسی ہدیان یا لغویات کا نکلنا ناممکن ہے اسی وجہ سے ان لوگوں نے ابجر بطور استفہام انکاری الزاماً کہا۔ خود اس کے قائل نہ تھے اور جن روایتوں میں یہ جملہ بدون حرف استفہام آیا ہے وہ بھی استفہام پر محمول ہیں اور حرف استفہام وہاں مقدر ہے۔

مجلس میں جب اختلاف زیادہ ہوا اور شور و شغب ہونے لگا تو آل حضرت ﷺ نے فرمایا میرے پاس سے اُٹھ جاؤ مجھ کو میرے حال پر چھوڑ دو۔ میں جس حالت میں ہوں وہ

بہتر ہے اس سے کہ جس کی طرف تم مجھ کو بلا رہے ہو، بعد ازاں باوجود اس تکلیف کے آپ نے لوگوں کو تین چیزوں کی زبانی وصیت فرمائی۔

(۱) مشرکین کو جزیرہ عرب سے نکال دو یعنی جزیرہ عرب میں کوئی مشرک رہنے نہ پائے۔

(۲) دُؤد کو رخصت کے وقت جائزہ یعنی ہدیہ و تحفہ دیا کرو جس طرح میں ان کو جائزہ دیا کرتا تھا۔

(۳) تیسری بات سے آپ نے سکوت فرمایا یا راوی بھول گیا۔ (بخاری و مسلم)

بعض کہتے ہیں کہ تیسری بات یہ تھی کہ قرآن پر عمل کرنا یا جیش اسامہ کو روانہ کرنا۔ یا میرے بعد میری قبر کو بُت اور سجدہ گاہ نہ بنانا۔ یا یہ کہ نماز کی پابندی کرنا اور غلاموں کا خیال رکھنا۔

ف: معلوم نہیں کہ جن باتوں کی آپ نے زبانی وصیت فرمائی انہی کے لکھوانے کے لیے کاغذ قلم و دوات منگوا رہے تھے یا ان کے علاوہ تھیں، واللہ اعلم۔

بخاری اور مسلم میں عائشہ صدیقہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے (اس بیماری کی حالت میں) یہ فرمایا کہ میرا ارادہ ہوا تھا کہ ابوبکر اور اُن کے فرزند (عبدالرحمن) کو بلا نے کے لئے کسی کو بھیج دوں اور اُن کو وصیت کر دوں اور اُن کو اپنا ولی عہد بنادوں تاکہ کہنے والے کچھ کہہ نہ سکیں اور تمنا کرنے والے کچھ تمنا نہ کر سکیں لیکن پھر میں نے اپنا یہ ارادہ منسوخ کر دیا اور یہ کہا کہ وصیت کی ضرورت نہیں اللہ تعالیٰ انکار کرے گا کہ سوائے ابوبکر کے کوئی اور خلیفہ ہو اور اہل ایمان بھی سوائے ابوبکر کے اور کسی کی خلافت کو قبول نہیں کریں گے اور ایک روایت میں یہ الفاظ آئے۔

مَعَاذَ اللَّهِ اِنْ يَخْتَلِفُ النَّاسُ ۖ اَللّٰهُ كِيْ بِنَاهُ۔ کہ لوگ ابوبکر کی خلافت میں علی ابی بکر ۖ اختلاف کریں۔

ان احادیث سے صاف ظاہر ہے کہ آں حضرت ﷺ کا ولی منشا یہ تھا کہ آپ کے بعد ابوبکر خلیفہ ہوں لیکن آپ نے قضاء و قدر اور اجماع پر چھوڑ دیا کہ قضاء و قدر سے یہی ہوگا کہ ابوبکر ہی خلیفہ ہوں گے اور مسلمانوں کے اہل حل و عقد کے اجماع اور اتفاق سے اُن کی خلافت منعقد ہوگی اور سب مسلمان انہی کی خلافت پر متفق ہوں گے۔ امام بخاری کے کلام

سے بھی یہی مفہوم ہوتا ہے کہ اس حدیث سے صدیق اکبر کی خلافت لکھوانا مراد ہے، اس لیے کہ امام بخاری نے کتاب الاحکام میں اس حدیث پر جو ترجمہ رکھا وہ یہ ہے، ”باب الاختلاف“ معلوم ہوا کہ اس حدیث سے اشارہ خلافت کی طرف ہے، دیکھو زرقانی ص ۲۶۰ و قسطلانی ص ۲۶۰ ج ۱ و فتح الباری ص ۷۷ ج ۱۳

جس مجلس میں قرطاس کا واقعہ پیش آیا اور لوگوں کے اختلاف اور شور کی وجہ سے آپ حضرت ﷺ نے یہ فرما دیا کہ میرے پاس سے اٹھ جاؤ پیغمبر خدا کے سامنے اختلاف اور شور مناسب نہیں لوگ اٹھ کر چلے گئے۔

لوگوں کے چلے جانے کے بعد آپ نے آرام فرمایا ظہر کی نماز کے وقت جب طبیعت کو کچھ سکون ہوا اور مرض کی شدت میں کچھ افاقہ ہوا تو یہ ارشاد فرمایا کہ سات مشکیں پانی کی میرے سر پر ڈالو شاید کچھ سکون ہو۔ اور میں لوگوں کو وصیت کر سکوں، چنانچہ حسب الحکم آپ پر پانی کی سات مشکیں ڈالی گئیں اسی طرح غسل سے آپ کو ایک گونہ سکون ہوا اور آپ حضرت عباس اور حضرت علی کے سہارے سے مسجد میں تشریف لائے اور نماز پڑھائی، یہ ظہر کی نماز تھی اور بعد ازاں آپ نے خطبہ دیا اور یہ آپ کا آخری خطبہ تھا۔ یہ صحیح بخاری کی روایت ہے اور صحیح مسلم میں ہے کہ یہ خطبہ وفات سے پانچ شب یعنی چار روز پہلے تھا۔ حافظ عسقلانی فرماتے ہیں اس حساب سے یہ خطبہ جمعرات کے روز ارشاد فرمایا۔ ۳

آخری خطبہ

الغرض آپ نماز سے فارغ ہو کر منبر پر رونق افروز ہوئے حق جل شانہ کی حمد و ثناء کے

اداری کی روایت میں ہے کہ یہ سات مشکیں مدینہ کے سات مختلف کنوؤں سے بھری گئی تھیں، کذا فی الاتحاف شرح الاحیاء ص ۲۸۸ ج ۲

۲ قال الحافظ ابن کثیر۔ وقد خطب علیہ الصلوٰۃ والسلام فی یوم الخمیس قبل ان یقبض علیہ السلام بخمس آیام خطبة عظيمة بین فیہا فضل الصدیق من سائر الصحابة مع ما کان قد نص علیہ ان یوم الصحابة اجمعین کما سیثاتی بیانہ مع حضورہم کلہم ولعل خطبہ ہذہ کانت عوضا عما اراد ان یکتبہ فی الکتاب وقد اغتسل علیہ الصلوٰۃ والسلام بین یدی ہذہ الخطبة الکریمۃ فصبوا علیہ من سبع قرب لم تحلل او کیتھن و ہذا من باب الاستشفاء کما وردت بہا الاحادیث فی غیر ہذا لموضع والمقصود انه علیہ الصلوٰۃ والسلام اغتسل ثم خرج فصلی بالناس ثم خطبہم کما تقدم فی حدیث عائشة کذا فی البدایہ والنہایہ ص ۲۲۸ ج ۵ ۳ زرقانی، ج ۸، ص ۲۵۸

بعد سب سے پہلے اصحابِ احد کا ذکر فرمایا اور اُن کے لئے دعاءِ مغفرت کی۔ پھر مہاجرین کو مخاطب کر کے فرمایا کہ تم زیادہ ہونگے اور انصار کم ہوں گے، دیکھو انصار نے مجھ کو ٹھکانہ دیا ان میں کا جو محسن اور نیکو کار ہو اس کے ساتھ احسان کرو اور ان میں سے جو غلطی کر گزرے تم اس سے درگزر کرنا۔

پھر فرمایا۔ اے لوگو! اللہ نے اپنے ایک بندہ کو اختیار دیا ہے کہ خواہ دنیا کی نعمتوں کو اختیار کرے یا خدا کے پاس کی نعمتوں یعنی آخرت کو اختیار کرے لیکن اُس بندہ نے خدا کے پاس کی نعمتوں کو یعنی آخرت کو اختیار کر لیا۔ ابو بکر چونکہ سب سے زیادہ علم والے تھے اس لئے سمجھ گئے کہ اُس بندہ سے حضور پر نور ہی مراد ہیں سنتے ہی رو پڑے اور کہنے لگے یا رسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں، آپ نے فرمایا اے ابو بکر ٹھہرو اور قرار پکڑو۔ پھر مسجد کی طرف لوگوں کے جتنے دروازے کھلے ہوئے تھے، اُن کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ یہ سب دروازے بند کر دیئے جائیں! ایک ابو بکر کا دروازہ کھلا رہنے دیا جائے جان و مال صحبت و رفاقت کے اعتبار سے سب سے زیادہ احسان کرنے والے مجھ پر ابو بکر ہیں۔ ابو بکر سے بڑھ کر میرا کوئی محسن نہیں جس جس نے میرے ساتھ کوئی احسان کیا میں نے اس کی مکافات کر دی سوائے ابو بکر کے کہ اس کے احسانات کا بدلہ اور صلہ اللہ ہی اس کو قیامت کے دن دے گا۔ اگر میں اپنے پروردگار کے سوا کسی کو اپنا جانی دوست بناتا تو ابو بکر کو بناتا لیکن اُن سے اسلامی اخوت اور موَدّت ہے جس میں وہ سب سے افضل اور برتر ہیں اور اس اخوت اور موَدّت میں کوئی دوسرا ان کا ہمسر نہیں! ۲

الغرض آپ نے اس خطبہ میں صدیق اکبر کے وہ فضائل و کمالات بیان کیے جس میں کوئی دوسرا ان کا شریک و کہیم نہ تھا تا کہ لوگوں کے سامنے ان کی فضیلت اور برتری عیاں ہو جائے اور آپ کے بعد ان کی خلافت میں کوئی اختلاف نہ کر سکے اور اسی کی تاکید کے لئے

۱۔ اور سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ مسجد کی طرف جتنے دروازے ہیں بند کر دیئے جائیں مگر علی کا دروازہ کھلا رہے۔ رواہ احمد و نسائی۔ سو جاننا چاہیے کہ یہ حکم اس وقت تھا کہ جب مسجد نبوی کی تعمیر ہو رہی تھی یعنی ابتداً ہجرت کا واقعہ ہے اور صدیق اکبر کے دروازہ کے سوا سب دروازوں کے بند کرنے کا حکم مرض الوفا کا واقعہ ہے جو آخری حکم ہے اور آخری حکم پہلے حکم کے لئے ناسخ ہوتا ہے ۲۔ منہ عفا اللہ عنہ

۳۔ البدایہ والنہایہ۔ ج: ۵، ص: ۲۲۹، فتح الباری، ج: ۷، ص: ۱۰، اتحاف شرح احیاء علوم الدین، ج: ۱۰، ص: ۲۸۷

افضل العبادات یعنی نماز کی امامت اُن کے سپرد کی، چنانچہ صحابہ نے ابو بکر سے بیعت کرتے وقت یہی کہا کہ اللہ کے رسول نے جس شخص کو ہمارے دین (نماز) کے لئے پسند فرمایا، ہم ان کو اپنی دنیا (خلافت و امارت) کے لئے کیوں نہ منتخب اور پسند کریں۔

پھر اسی خطبہ میں یہ فرمایا کہ جیش اسامہ کو جلدی روانہ کرو اور فرمایا کہ مجھے معلوم ہے کہ بعض لوگ (ابن سعد کہتے ہیں کہ یہ منافقین تھے) اسامہ کی امارت اور سرداری پر معترض ہیں کہ بوڑھوں کے ہوتے ہوئے نوجوان کو یہ منصب کیوں عطا کیا گیا۔ آگاہ ہو جاؤ کہ انہی لوگوں نے اس سے پہلے اس کے باپ (زید) کی امارت اور اُس کی سرداری پر بھی اعتراض کیا تھا۔ خدا کی قسم اس کا باپ زید بھی امارت اور سرداری کا اہل تھا اور اس کے بعد اس کا بیٹا اسامہ بھی امارت کا اہل ہے اور میرے نزدیک محبوب ترین لوگوں میں سے ہے۔

اور یہ فرمایا کہ لعنت ہو اللہ کی یہود اور نصاریٰ پر جنہوں نے اپنے پیغمبروں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنایا، مقصود آپ کا اپنی امت کو آگاہ اور خبردار کرنا تھا کہ تم یہود و نصاریٰ کی طرح میری قبر کو سجدہ گاہ نہ بنانا۔

اور فرمایا، اے لوگو مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ تم اپنے نبی کی موت سے خوف زدہ ہو کیا کوئی نبی مجھ سے پہلے اپنی امت میں ہمیشہ رہا ہے جو میں تم میں ہمیشہ رہوں (کما قال تعالیٰ وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ۔ وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ) آگاہ ہو جاؤ کہ میں خدا سے ملنے والا ہوں اور آگاہ ہو جاؤ کہ تم بھی خدا سے ملنے والے ہو، میں مسلمانوں کو وصیت کرتا ہوں کہ مہاجرین اولین کے ساتھ خیر اور بھلائی کا معاملہ کریں۔ اور مہاجرین اولین کو وصیت کرتا ہوں کہ تقویٰ اور عمل صالح پر قائم رہیں کیونکہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ وَالْعَصْرُ إِنَّ الْإِنْسَانَ لَفِي خُسْرٍ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَتَوَّصُوا بِالحَقِّ وَتَوَّصُوا بِالصَّبْرِ

اور اے مسلمانو! میں تمہیں انصار کے بارے میں وصیت کرتا ہوں کہ ان کے ساتھ خیر اور حسن سلوک کا معاملہ کرنا۔ انصار نے اسلام اور ایمان کو ٹھکانہ دیا۔ اور مکانوں اور

زمینوں اور باغوں اور پہاڑوں میں تم کو اپنا شریک بنایا اور بادل جو فقر و فاقہ کے تم کو اپنے نفوس پر ترجیح دی۔ (کما قال تعالیٰ وَیُؤْثِرُونَ عَلٰی اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ کَانَ بِہُمْ خَصَاصَةٌ)

اور فرمایا کہ آگاہ ہو جاؤ میں تم سے پہلے جارہا ہوں اور تم بھی مجھ سے آکر ملو گے حوضِ کوثر پر ملنے کا وعدہ ہے۔

اس کے بعد منبر سے اتر آئے اور حجرہ مبارکہ میں تشریف لے گئے۔

آنحضرت ﷺ کی آخری نمازِ جماعت اور صدیق اکبر کو نماز پڑھانے کا حکم

آں حضرت ﷺ میں جب تک طاقت رہی اُس وقت تک آپ برابر مسجد میں تشریف لاتے رہے اور نماز پڑھاتے رہے، سب سے آخری نماز جو آپ نے پڑھائی وہ پنجشنبہ کی مغرب کی نماز تھی جس کے چار روز بعد، بروز دوشنبہ آپ کا وصال ہو گیا صحیح بخاری میں ام فضلؓ سے مروی ہے کہ آں حضرت ﷺ نے ہم کو مغرب کی نماز پڑھائی جس میں والمرسلات پڑھی اس کے بعد آپ نے ہم کو کوئی نماز نہیں پڑھائی۔ یہاں تک کہ آپ کی وفات ہو گئی، جب عشاء کا وقت آیا تو دریافت فرمایا کہ کیا لوگ نماز پڑھ چکے ہیں عرض کیا گیا کہ یا رسول اللہ لوگ آپ کے منتظر ہیں، آپ نے کئی بار اٹھنے کا قصد فرمایا مگر شدتِ مرض کی وجہ سے بے ہوش ہو ہو جاتے تھے اخیر میں فرمایا کہ ابو بکر کو میری طرف سے حکم دو کہ وہ نماز پڑھائیں۔ عائشہ صدیقہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ابو بکر بہت رفیق القلب ہیں یعنی نرم دل ہیں جب آپ کی جگہ کھڑے ہوں گے تو (اُن پر ایسی رقت طاری ہوگی کہ) لوگوں کو نماز نہیں پڑھاسکیں گے اور گریہ و زاری کی وجہ سے لوگوں کو اپنی قراءت نہیں سنا سکیں گے لہذا آپ عمر کو نماز پڑھانے کے لئے کہہ دیں۔ حضرت عائشہ نے ظاہر تو یہ کیا مگر دل میں یہ تھا کہ جو شخص آپ کی جگہ کھڑا ہوگا لوگ اس کو منحوس سمجھیں گے، اس لئے آپ نے خفا ہو کر فرمایا کہ تم یوسف کے ساتھ والیاں ہو (کہ زبان پر کچھ ہے اور دل میں کچھ ہے) ابو بکر کو حکم دو کہ وہی

نماز پڑھائیں، صحیح بخاری میں ہے کہ آں حضرت ﷺ کے حکم دینے کے بعد عائشہ صدیقہ نے تین بار انکار کیا مگر آپ نے ہر بار تاکید اور اصرار کے ساتھ یہی فرمایا کہ ابو بکر کو حکم دو کہ وہی نماز پڑھائیں، چنانچہ ابو بکر نماز پڑھانے لگے۔

امام غزالی قدس اللہ سرہ نے احیاء العلوم میں عائشہ صدیقہ کا کلام معرفت التیام نقل کیا ہے جس میں عائشہ صدیقہ نے اپنی دلی منشاء کو ظاہر فرمایا ہے کہ وہ اپنے جلیل القدر باپ کی امامت کو کیوں ناپسند کرتی تھیں۔

قالت عائشة رضي الله عنها ما قلت ذلك ولا صرفته عن ابى بكر الارغبة عن المخاطرة والهلكة الا ما سلم الله وخشيت ايضا ان لا يكون من الناس رجلا صلى في مقام النبي صلى الله عليه وسلم وهو حي الا ان يشاء الله يحسدونه ويبغون عليه ويتشاءمون به فاذا الامر امر الله والقضاء قضاءه وعصمه الله من كل ما تخوفت عليه من امر الدنيا والدين۔

عائشہ صدیقہ کہتی ہیں کہ میں اپنے باپ کی امامت سے اس لئے انکار کرتی تھی کہ میرا باپ دنیا سے بالکل علیحدہ رہے اس لئے کہ عزت و وجاحت خطرہ سے خالی نہیں ہوتی، اس میں ہلاکت کا اندیشہ ہے مگر جس کو اللہ صحیح وسلم رکھے وہی دنیا کے فتنہ سے بچ سکتا ہے اور نیز یہ بھی اندیشہ تھا کہ جو شخص آں حضرت ﷺ کی حیات میں آپ کی جگہ پر کھڑا ہوگا۔ تو لوگ اس پر حسد کریں گے اور عجب نہیں کہ حسد میں اس پر کوئی زیادتی بھی کریں اور ان کو منحوس بھی سمجھیں پس جب اللہ کا حکم اور اس کی قضاء و قدر یہی ہے کہ میرا باپ رسول اللہ ﷺ کا قائم مقام بنے اور ان کی جگہ پر امامت کرے تو پھر دعا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ میرے باپ کو دنیا اور دین کے ہر خوفناک امر سے محفوظ اور مامون رکھے۔

سبحان اللہ یہ ہے صدیقہ بنت صدیق کی فہم و فراست کہ وہ اس امامت و نیابت کو آئندہ خلافت اور امارت کا پیش خیمہ سمجھے ہوئے ہیں اور دل و جان سے اس کوشش میں ہیں کہ

میرے باپ نہ امام بنے اور نہ امیر یہ امامت صغریٰ اور امامت کبریٰ میرے باپ سے ہٹ کر کسی اور کے پاس چلی جائے تاکہ میرا باپ دین و دنیا کے فتنہ سے بالکل محفوظ ہو جائے۔ یہ تو بیٹی کا حال تھا اور باپ یعنی ابو بکر صدیق کا حال بیعت کے وقت کے خطبہ سے معلوم کرو۔ فرمایا کہ خدا کی قسم میں نے اس امارت و خلافت کی نہ کبھی دل سے تمنا کی اور نہ کبھی زبان سے دعاء مانگی مسلمانوں پر فتنہ کے خوف سے اسے قبول کر لیا۔

صدیق اور صدیقہ کی یہی شان ہوتی ہے کہ ان کا دل مال و جاہ کی طمع سے بالکل پاک اور منزہ ہوتا ہے۔ مگر سمجھ لینا چاہیے کہ اللہ کا نبی اور اس کا رسول جس کے امام بنانے پر مصر ہو وہ بالیقین امام المتقین ہوگا اور اس کا ظاہر و باطن امارت اور خلافت کی طمع سے بالکل منزہ ہوگا اور کسی فتنہ کی مجال نہ ہوگی کہ اس کی طرف نظر اٹھا کر بھی دیکھ سکے۔

اللہ کے رسول نے جس شخص کو اپنی جگہ پر کھڑا کر دیا سمجھ لو کہ جو عنایات ربانی اور تائید آسمانی نبی کے ساتھ تھیں وہ اس کے قائم مقام کی بھی ضرور معین اور دستگیر ہوں گی، اس لئے کہ اللہ کا رسول بدون حکم خداوندی اپنا نائب اور قائم مقام نہیں مقرر کر سکتا۔

جس طرح کسی بادشاہ کا اپنی زندگی میں کسی کو اپنا تخت اور چتر سپرد کر دینا اس کو ولی عہد بنانے کے مرادف ہے۔

اسی طرح امام المتقین کا کسی کو اپنے مصلے پر امامت کے لئے کھڑا کر دینا یہ اس کے مرادف ہے کہ یہ شخص اللہ کے رسول کا ولی عہد اور اس کا جانشین ہے۔

شنبہ یا یکشنبہ کو مزاج مبارک کچھ ہلکا ہوا تو حضرت عباس اور حضرت علی کے سہارے آپ مسجد میں تشریف لائے ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اُس وقت ظہر کی نماز پڑھا رہے تھے، آپ ابو بکر کی باتیں جانب جا کر بیٹھ گئے اور باقی نماز لوگوں کو آپ نے پڑھائی اب آپ امام تھے اور ابو بکر آپ کی اقتدا کرنے لگے اور باقی نمازی ابو بکر کی تکبیروں پر نماز ادا کرنے لگے۔

(بخاری شریف)

یہ ظہر کی نماز تھی اور حضور پُر نور کی یہ امامت آخری امامت تھی اس کے بعد مسجد کی حاضری سے بالکل قطع ہو گیا اور ام فضل کی روایت میں جو یہ گزرا ہے کہ حضور کی آخری نماز مغرب کی نماز تھی، اس سے مستقل امامت کی نفی مراد ہے کہ از اول تا آخر جس نماز میں

امامت اور قراءت فرمائی ہو وہ مغرب کی نماز ہے۔ ہفتہ کے روز حضرت اسامہ اور دیگر صحابہ جن کو جہاد پر مامور فرمایا تھا آپ سے ملنے کے لئے آئے اور آپ سے رخصت ہو کر روانہ ہوئے مدینہ سے ایک کوس چل کر مقام جُرف میں پڑاؤ ڈالا، تعمیل ارشاد کے لئے روانہ ہو گئے مگر آپ کی علالت کی وجہ سے کسی کا قدم نہیں اٹھتا تھا۔ یکشنبہ کو پھر مرض میں شدت ہو گئی حضرت اسامہ یہ خبر سنتے ہی پھر افاں و خیزاں آپ کو دیکھنے کے لئے مدینہ واپس آئے دیکھا تو مرض کی شدت ہے آپ بات نہیں کر سکتے حضرت اسامہ نے جھک کر پیشانی مبارک پر بوسہ دیا، آں حضرت ﷺ نے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھائے پھر اسامہ پر رکھ دیئے، اسامہ کہتے ہیں میں سمجھا کہ آپ میرے لئے دعا فرما رہے ہیں بعد ازاں اسامہ جُرف میں واپس آ گئے جہاں پڑاؤ تھا۔

ابن سعد طبقات میں اور زرقانی شرح مواہب میں لکھتے ہیں کہ اسی روز یعنی یکشنبہ کے دن لدود کا واقعہ پیش آیا۔

صحیح بخاری میں عائشہ صدیقہ سے مروی ہے کہ مرض کی شدت میں ذات الحبب سمجھ کر آپ کے منہ میں دوا ڈالی، آپ اشارہ سے منع بھی فرماتے رہے، مگر ہم یہ سمجھے کہ غالباً یہ طبعی ناگواری ہے جیسا کہ مریض عموماً دوا کو ناپسند کرتا ہے، بعد میں جب آپ کو افاقہ ہوا تو فرمایا کیا میں نے تم کو منع نہیں کیا تھا، تمہاری سزایہ ہے کہ سب کے منہ میں دوا ڈالی جائے سوائے عباس کے کہ وہ اس میں شریک نہ تھے۔

یوم الوصال

یہ دو شنبہ کا روز ہے جس میں آپ نے اس عالم فانی سے عالم جاودانی کی طرف رحلت فرمائی اور رفیقِ اعلیٰ سے جا ملے۔ اسی دو شنبہ کی صبح کو آپ نے حجرہ کا پردہ اٹھایا دیکھا کہ لوگ صف باندھے ہوئے صبح کی نماز میں مشغول ہیں صحابہ کو دیکھ کر آپ مسکرائے چہرہ انور کا یہ حال کہ گویا مصحف شریف کا ایک ورق ہے یعنی سپید ہو گیا ہے ادھر صحابہ کی فرط مسرت سے یہ حالت کہ کہیں نماز نہ توڑ ڈالیں۔

صدیق اکبر نے ارادہ کیا کہ پیچھے نہیں آپ نے اشارہ سے فرمایا کہ نماز پوری کرو ضعف اور ناتوانی کی وجہ سے آپ زیادہ کھڑے نہ ہو سکے حجرہ کا پردہ ڈال دیا اور اندر واپس تشریف لے گئے (رواہ البخاری)

آں حضرت ﷺ کا پردہ اٹھا کر نمازیوں کی طرف دیکھنا یہ چہرہ انور کی آخری جلوہ افروزی تھی اور صحابہ کرام کے لئے جمال نبوت کی آخری زیارت کا آخری موقع تھا۔ عشاق کی زبان حال سے وقت یہ شعر پڑھ رہی تھی۔

و کنت اری کالموت من بین ساعۃ
فکیف بین کان موعده الحشر

میں تو ایک گھڑی ہی کی جدائی کو موت سمجھتا تھا پس اس جدائی کا کیا پوچھنا کہ جہاں لقاء کا وعدہ حشر کے بعد ہو۔

صدیق اکبر جب صبح کی نماز سے فارغ ہوئے تو سیدھے حجرہ مبارکہ میں گئے اور آپ کو دیکھ کر عائشہ صدیقہ سے کہا کہ میں دیکھتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ کو اب سکون ہے جو کرب اور بے چینی پہلے تھی وہ اب جاتی رہی اور چونکہ یہ دن صدیق اکبر کی دو بیویوں میں اس بیوی کی نوبت کا دن تھا جو مدینہ سے ایک کوس کے فاصلہ پر رہتی تھیں۔ آں حضرت ﷺ سے اجازت لیکر وہاں چلے گئے۔

اور ابن الحنفی کی روایت میں ہے کہ صدیق اکبر نے عرض کیا۔

يَا نَبِيَّ اللَّهِ إِنِّي أَرَاكَ قَدْ يَا نَبِيَّ اللَّهِ فِي دَيْكْتَا هَوْنٍ كَمَا أَنَّكَ
أَصْبَحْتَ بِنِعْمَةٍ مِنَ اللَّهِ وَنِعْمَتٍ أَوْفُضَ لِي فِي حَالَتِي فِي صَبْحٍ كِي
فَضْلٍ كَمَا نَحْبُ وَالْيَوْمَ يَوْمٌ هُوَ أَوْ آجُ مِيرِي أَيْكَ بِيَوِي حَبِيبَةٍ بَنَتْ خَارِجَةً
بَنَتْ خَارِجَةً أَفَاتِيهَا قَالَ نَعَمْ كِي نَوْبَتِ كَادَنَ هُوَ أَكْرَاجَا زَاتِ هُوَ تَوُو هَا هَا هُوَ
أَوَّلُ أَفٍ نِيَّ فَرَمَا يَاهَا چلے جاؤ۔

اور دوسرے لوگوں کو جب یہ معلوم ہوا کہ آں حضرت ﷺ کو سکون ہے تو وہ بھی اپنے گھروں کو واپس ہو گئے۔

حضرت علی حجرہ مبارکہ سے باہر آئے لوگوں نے آپ کا مزاج دریافت کیا حضرت علی نے کہا بحمد اللہ اب اچھے ہیں لوگ مطمئن ہو کر منتشر ہو گئے، حضرت عباس نے حضرت علی کا ہاتھ پکڑ کے کہا۔ اے علی خدا کی قسم تین دن کے بعد تو عبد العصا (لاٹھی کا غلام) ہوگا یعنی اور کوئی حاکم ہوگا۔ اور تم اس کے محکوم ہو گے، خدا کی قسم میں یہ سمجھتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ اس بیماری میں وفات پائیں گے بہتر ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ سے اس بارہ میں دریافت کر لیں کہ آپ کے بعد کون خلیفہ ہوگا۔ اگر ہم میں سے ہوگا تو معلوم ہو جائے گا۔ ورنہ آپ اس کو ہمارے بارے میں وصیت فرمادیں گے۔ حضرت علی نے کہا ممکن ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے متعلق انکار فرمادیں تو پھر ہم ہمیشہ کے لئے اس سے محروم ہو جائیں گے، خدا کی قسم میں آپ سے اس بارہ میں ایک حرف بھی نہ کہوں گا۔

عالمِ نزع

لوگ تو یہ سمجھ کر کہ آپ کو افاقہ اور سکون ہے منتشر ہو گئے کچھ دیر نہ گزری تھی کہ عالمِ نزع شروع ہو گیا۔ عائشہ صدیقہ کے آغوش میں سر رکھ کر لیٹ گئے، اتنے میں حضرت عائشہ کے بھائی عبدالرحمن بن ابی بکر ہاتھ میں مسواک لیے آ گئے۔ آپ اُن کی طرف دیکھنے لگے، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا آپ کے لئے مسواک لے لوں، آپ نے اشارہ فرمایا ہاں، میں نے کہا اس کو نرم کر دوں آپ نے اشارہ سے فرمایا ہاں میں نے چبا کر وہ مسواک آپ کو دی۔ اسی وجہ سے عائشہ صدیقہ بطور فخر اور بطور تحدیث بالنعمة یہ کہا کرتی تھیں کہ اللہ تعالیٰ نے اخیر وقت میں میرا آبِ دہن آپ کے آبِ دہن کے ساتھ ملا دیا اور آپ کی وفات میرے حجرہ میں اور میری نوبت کے دن میں اور میرے سینہ اور ہنسی کے درمیان ہوئی۔

فائدہ: ملا علی قاری نے مشائخ طریقت سے نقل کیا ہے کہ جو شخص مسواک پر مواظبت کرے تو مرتے وقت اس کی زبان پر کلمہ شہادت جاری ہو جاتا ہے اور ایمنون کھانے والے کی زبان پر جاری نہ ہوگا۔

آپ کے پاس پانی کا ایک پیالہ رکھا ہوا تھا درد سے بیتاب ہو کر بار بار ہاتھ اُس پیالہ

میں ڈالتے اور منہ پر پھیر لیتے اور یہ کہتے جاتے تھے لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ اِنَّ لِّلْمَوْتِ
سُكْرَاتٍ اللہ سوا کوئی معبود نہیں، بے شک موت کی بڑی سختیاں ہیں، پھر چھت کی طرف
دیکھا اور ہاتھ اٹھا کر یہ فرمایا اللّٰهُمَّ فِی الرَّفِیقِ الْاَعْلٰی۔ اے اللہ میں رفیقِ اعلیٰ میں جانا
چاہتا ہوں (یعنی حظیرۃ القدس) جو انبیاء و مرسلین کا مسکن ہے وہاں جانا چاہتا ہوں۔

عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ میں بار بار آپ سے سُن چکی تھی کہ کسی پیغمبر کی رُوح اُس
وقت تک قبض نہیں کی جاتی کہ جب تک اس کا مقام جنت میں اس کو دکھلا نہ دیا جائے اور اس
کو اختیار نہ دیا جائے کہ دنیا و آخرت میں سے جس کو چاہے اختیار کرے۔

جس وقت آپ کی زبان سے یہ کلمات نکلے میں اسی وقت سمجھ گئی کہ اب آپ ہم میں نہ
رہیں گے آپ نے ملاءِ اعلیٰ اور قربِ خداوندی کو اختیار کر لیا ہے، الغرض آپ کی زبان
مبارک سے یہ کلمات نکلے (اللّٰهُمَّ فِی الرَّفِیقِ الْاَعْلٰی) اور رُوح مبارک عالم بالا کو
پرواز کر گئی اور دستِ مبارک نیچے گر گیا۔

تاریخ وفات

یہ جان گداز اور رُوح فرسا واقعہ جس نے دنیا کو نبوت و رسالت کے فیوض و برکات اور وحی
ربانی کے انوار و تجلیات سے محروم کر دیا بروزِ دو شنبہ دو پہر کے وقت ۱۲ ربیع الاول کو پیش آیا۔

اس میں تو کسی کو اختلاف نہیں کہ آپ کی وفات ماہِ ربیع الاول میں بروزِ دو شنبہ کو ہوئی
اختلاف دو امر میں ہے ایک یہ کہ کس وقت وفات ہوئی دوسرے اس امر میں کہ ربیع الاول
کی کونسی تاریخ تھی۔

مغازی ابنِ اسحق میں ہے کہ چاشت کے وقت آپ کا وصال ہوا اور مغازی موسیٰ بن
عقبہ میں زہری اور عروۃ بن زبیر سے مروی ہے کہ زوال کے وقت وصال ہوا یہی روایت
زیادہ صحیح اور یہ اختلاف معمولی اختلاف ہے چاشت اور زوال میں کچھ زیادہ فصل نہیں، البتہ
تاریخ وفات میں اختلاف شدید ہے، مشہور قول کی بنا پر ۱۲ ربیع الاول کو وفات ہوئی۔ موسیٰ
بن عقبہ اور لیث بن سعد اور خوارزمی نے یکم ربیع الاول کو تاریخ وفات بتلایا ہے اور کلبی اور ابو

مخفف نے دوم ربیع الاول تاریخ وصال قرار دیا ہے۔ علامہ سیبلی نے روض الانف میں اور حافظ عسقلانی نے شرح بخاری میں اسی قول کو مرجح قرار دیا ہے۔

عمر شریف

انتقال کے وقت آپ کی عمر شریف تریسٹھ سال کی تھی۔ یہی جمہور کا قول ہے اور یہی صحیح ہے اور بعض پینسٹھ اور بعض ساٹھ بتلاتے ہیں۔

صحابہ کا اضطراب

اس خبر قیامت اثر کا کانوں میں پہنچنا تھا کہ قیامت آگئی سنتے ہی صحابہ کے ہوش اڑ گئے تمام مدینہ میں تہلکہ پڑ گیا جو اس جاں گداز واقعہ کو سنتا تھا شدر و حیران رہ جاتا تھا۔ ذی النورین عثمان غنی ایک سکتہ کے عالم میں تھے، دیوار سے پشت لگائے بیٹھے تھے، شدت غم کی وجہ سے بات تک نہیں کر سکتے تھے، حضرت علی کا یہ حال تھا کہ زار و قطار روتے تھے، روتے روتے بے ہوش ہو گئے عائشہ صدیقہ اور ازواج مطہرات پر جو صدمہ اور الم کا پہاڑ گرا اس کا پوچھنا ہی کیا۔ حضرت عباس بھی پریشانی میں سخت بے حواس تھے، حضرت عمر کی پریشانی اور حیرانی سب ہی سے بڑھی ہوئی تھی۔ وہ تلوار کھینچ کر کھڑے ہو گئے اور باواز بلند یہ کہنے لگے کہ منافقین کا گمان ہے کہ حضور پر نور انتقال کر گئے، آپ ہرگز نہیں مرے بلکہ آپ تو اپنے پروردگار کے پاس گئے ہیں جس طرح موسیٰ علیہ السلام کوہ طور پر خدا تعالیٰ کے پاس گئے اور پھر واپس آ گئے، خدا کی قسم آپ بھی اسی طرح ضرور واپس آئیں گے اور منافقوں کا قلع قمع کریں گے، حضرت عمر جوش میں تھے تلوار نیام سے نکالے ہوئے تھے کسی کی مجال نہ تھی کہ یہ کہے کہ آں حضرت ﷺ کا انتقال ہو گیا ابو بکر صدیق وصال کے وقت موجود نہ تھے، دو شنبہ کی صبح کو جب دیکھا کہ آپ کو سکون ہے تو عرض کیا یا رسول اللہ بجز اللہ آپ کو سکون ہے اگر اجازت ہو تو گھر ہو آؤں، آپ نے فرمایا اجازت ہے، صدیق اکبر آپ سے اجازت لے کر گھر چلے گئے جو مدینہ سے ایک کوس کے فاصلہ پر تھا، صدیق اکبر تو گھر چلے گئے اور

زوال کے وقت حضور پر نور کا وصال ہو گیا۔ حضرت ابو بکر کو جب اس جان گداز حادثہ کی خبر پہنچی تو فوراً گھوڑے پر سوار ہو کر مدینہ پہنچے۔ مسجد نبوی کے دروازہ پر گھوڑے سے اترے اور حنین و غمگین حجرہ مبارکہ کی طرف بڑھے اور عائشہ صدیقہ سے اجازت لے کر اندر داخل ہوئے آں حضرت ﷺ بستر مبارک پر تھے اور تمام ازواج مطہرات آپ کے گرد بیٹھی ہوئی تھیں۔ ابو بکر صدیق کی آمد کی وجہ سے سوائے عائشہ صدیقہ کے سب نے منہ ڈھک لیا اور پردہ کر لیا۔ صدیق اکبر نے چہرہ انور سے چادر کو ہٹایا اور پیشانی مبارک پر بوسہ دیا اور روئے اور یہ کہا و انبیاء۔ و اخلیاء۔ و اصفیاء تین مرتبہ ایسا کیا کما رواہ احمد وغیرہ

(کما فی الاتحاف شرح الاحیاء ص ۳۰۰ ج ۱۰)

اور کہا کہ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں خدا کی قسم اللہ تعالیٰ آپ کو دو مرتبہ موت کا مزہ نہیں چکھائے گا جو موت آپ کے لئے لکھی گئی تھی وہ آچکی یہ کہہ کر حجرہ شریفہ سے باہر آئے دیکھا کہ عمر جوش میں بھرے ہوئے ہیں، صدیق اکبر نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ انتقال کر گئے ہیں۔ اے عمر کیا تو نے اللہ تعالیٰ کا یہ قول نہیں سنا اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّ اِنَّهُمْ مَّيِّتُونَ وَاٰمَّا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ۔

اب تمام لوگ حضرت عمر کو چھوڑ کر صدیق اکبر کے پاس جمع ہو گئے۔

اصدق اکبر کا مقصود ان لوگوں کا رد کرنا تھا جو یہ کہتے تھے کہ آنحضرت ﷺ دوبارہ پھر زندہ ہوں گے۔ اور منافقین کے ہاتھ پیر کاٹیں گے کیونکہ اگر ایسا ہو تو آپ کی وفات اور موت دوبارہ ہو جائے گی، اس لئے ابو بکر صدیق نے کہا کہ جو موت آپ کے لئے لکھی ہوئی تھی وہ آپ کی اب دنیا میں دوبارہ موت نہیں آئے گی اور اللہ تعالیٰ آپ پر دو موت جمع نہ کرے گا جیسا کہ پہلی امت میں بنی اسرائیل کے لوگ موت کے ڈر سے اپنے گھروں سے نکلے اور ایک منزل میں پہنچ کر غضب الہی سے مر گئے پھر اپنے نبی کی دعاء سے زندہ ہوئے اور پھر اپنے وقت پر مرے تو ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے دنیا میں موت کا دو مرتبہ مزہ چکھایا جن کا قصہ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَهُمْ اَلُوْفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ مُوتُوْا ثُمَّ اَحْيَاهُمْ میں مذکور ہے اور جیسا کہ اس شخص نے موت کا دو مرتبہ مزہ چکھا کہ جس کا ایک قریہ پر گزر ہوا اور اللہ تعالیٰ نے اس کو سو سال کے لئے مردہ بنا دیا اور پھر اس کو زندہ کیا جس کا قصہ اَوْ كَالَّذِيْ مَرَّ عَلٰى قَرْيَةٍ..... فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهُ میں مذکور ہے خلاصہ کلام یہ کہ جس طرح ان لوگوں نے دنیا میں دو مرتبہ موت کا مزہ چکھا۔ اللہ تعالیٰ اپنے نبی پر دو موتوں کو جمع نہ کرے گا۔ اس حدیث کی شرح میں اور بھی قول ہیں تفصیل کیلئے فتح الباری ص ۹۱ ج ۲ کتاب الجنائز و زرقانی شرح مواہب ص ۸ ج ۲ اور مدارج النبوة ص ۵۵۸ ج ۲ تقطیع خرد و یکھیں و شرح قسطانی ص ۶۱ ج ۲ دیکھیں

صدیق اکبر کا خطبہ

صدیق اکبر منبر نبوی کی جانب بڑھے اور آواز بلند لوگوں سے کہا کہ خاموش ہو کر بیٹھ جائیں سب لوگ بیٹھ گئے صدیق اکبر نے حمد و ثناء کے بعد یہ خطبہ پڑھا۔

أَمَّا بَعْدُ مِنْ كَانٍ مِنْكُمْ يَعْبُدُ
اللَّهُ فَإِنَّ اللَّهَ حَيٌّ لَا يَمُوتُ وَمَنْ
كَانَ مِنْكُمْ يَعْبُدُ مُحَمَّدًا ﷺ
فَإِنَّ مُحَمَّدًا قَدَمَاتِ قَالَ اللَّهُ
تَعَالَى وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ
خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ
أَفَأَنْتُمْ مَاتَ أَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلَى
أَعْقَابِكُمْ وَمَنْ يَنْقَلِبْ عَلَى
عَقْبَيْهِ فَلَنْ يَضُرَّ اللَّهَ شَيْئًا وَ
سَيَجْزِي اللَّهُ الشَّاكِرِينَ ۝ وَقَدْ
قَالَ اللَّهُ تَعَالَى لِمُحَمَّدٍ صَلَّى
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّكَ مَيِّتٌ وَ
إِنَّهُمْ مَيِّتُونَ وَقَالَ اللَّهُ تَعَالَى
كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ لَهُ
الْحُكْمُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ وَقَالَ
اللَّهُ تَعَالَى - كُلٌّ مَنْ عَلَيْهَا
فَإِنْ وَابَقِيَ وَجْهَ رَبِّكَ
ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ وَقَالَ
تَعَالَى كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ
إِنَّمَا تُوقُونَ أَجُورَكُمْ يَوْمَ
الْقِيَامَةِ - وَقَالَ إِنَّ اللَّهَ عَمَّرَ

اما بعد جو شخص تم میں سے اللہ کی عبادت کرتا
تھا سو جان لے کہ تحقیق اللہ زندہ ہے اور
اس پر موت نہیں آسکتی اور اگر بالفرض کوئی
شخص محمد ﷺ کی عبادت کرتا تھا تو جان
لے کہ محمد ﷺ وفات پا گئے اور نہیں ہیں
محمد مگر اللہ کے ایک رسول جن سے پہلے اور
بھی بہت سے رسول گذر چکے ہیں سو اگر
آپ کا انتقال ہو جائے یا آپ شہید ہو
جائیں تو کیا تم دین اسلام سے واپس ہو
جاؤ گے اور جو شخص دین اسلام سے واپس
ہوگا تو وہ اللہ کو ذرہ برابر بھی نقصان نہیں
پہنچائے گا اور اللہ عنقریب شکر گزاروں کو
انعام دے گا۔ اور اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو
مخاطب بنا کر یہ کہا ہے کہ بے شک آپ
مرنے والے ہیں اور یہ سب لوگ بھی
مرنے والے ہیں، سب چیز فنا ہونے
والی ہے، صرف خداوند ذوالجلال والا اکرام
کی ذات بابرکات باقی رہے گی، ہر نفس
موت کا مزہ چکھنے والا ہے۔ قیامت کے دن
سب کو اعمال کا پورا پورا اجر ملے گا۔ اور

محمد ﷺ وابقاه حتی اقام
 دین اللہ و اظهر امر اللہ و بلغ
 رسالۃ اللہ و جاهد فی سبیل
 اللہ ثم توفاه اللہ علی ذالک
 وقد ترککم علی الطریقه فلن
 یهلك هالك الا من بعد
 البینة والشفاء فمن کان اللہ
 ربہ فان اللہ حی لا یموت و من
 کان یعبد محمدًا و ینزلہ الہا
 فقد هلك الہة فاتقوا اللہ ایہا
 الناس واعتصموا بدینکم و
 توکلوا علی ربکم فان دین
 اللہ قائم وان کلمۃ اللہ تامۃ
 وان اللہ ناصر من نصرہ و معز
 دینہ وان کتاب اللہ بین
 اظہرنا و هو النور والشفاء وبہ
 ھدی اللہ محمدًا ﷺ و فیہ
 حلال اللہ و حرامہ واللہ
 لانبالی من اجلب علینا من
 خلق اللہ ان سیوف اللہ
 لمسلولة ما وضعناھا بعد
 ولنجا ھدن من خالفنا کما
 جاهدنا مع رسول اللہ ﷺ فلا
 یبغین احد الا علی نفسہ لہ

ابو بکر صدیق نے یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے
 نبی کی عمر دراز کی اور ان کو باقی رکھا، یہاں تک
 کہ اللہ کے دین کو قائم کر دیا اور اللہ کے حکم کو
 ظاہر کر دیا اور اللہ کے پیغام کو پہنچا دیا اور اللہ
 کی راہ میں جہاد کیا پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو
 اپنے پاس بلا لیا، اور رسول اللہ ﷺ تم کو
 سیدھے اور صاف راستہ پر چھوڑ کر دنیا سے
 گئے ہیں۔ اب جو ہلاک اور گمراہ ہوگا وہ حق
 واضح ہونے کے بعد گمراہ ہوگا، پس اللہ تعالیٰ
 جس کا رب ہو تو سمجھ لیجئے کہ اللہ تعالیٰ تو زندہ
 ہے اس کو کبھی موت نہیں آ سکتی اور جو شخص
 محمد ﷺ کی عبادت کرتا تھا اور اُن کو خدا
 جانتا تھا تو جان لے کہ اُس کا معبود تو ہلاک
 ہو گیا۔ اے لوگو! اللہ سے ڈرو اور اللہ کے دین
 کو مضبوط پکڑو اور اپنے پروردگار پر بھروسہ
 رکھو تحقیق اللہ کا دین قائم اور دائم رہے گا اور
 اللہ کا وعدہ پورا ہو کر رہے گا اور اللہ اس شخص کا
 مددگار ہے جو اس کے دین کی مدد کرے اور
 اللہ اپنے دین کو عزت اور غلبہ دیتے والا ہے
 اور اللہ کی کتاب ہمارے درمیان موجود ہے
 اور وہی نور ہدایت اور شفاء دل ہے اسی کے
 ذریعہ اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کو راستہ بتلایا
 اور اس میں اللہ کے حلال و حرام کردہ چیزوں

کا ذکر ہے خدا کی قسم ہمیں اس شخص کی ذرہ برابر پروا نہیں جو ہم پر فوج کشی کرے (یہ باغیوں اور مرتدین کی طرف اشارہ تھا) تحقیق اللہ کی تلواریں جو ہمارے ہاتھوں میں ہیں وہ اس کے دشمنوں پرستی ہوئی ہیں۔ وہ تلواریں ہم نے ابھی تک ہاتھ سے رکھی نہیں اور خدا کی قسم ہم اپنے مخالف سے اب بھی اسی طرح جہاد کریں گے جیسا کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی معیت میں کیا کرتے تھے پس مخالف خوب سمجھ لے اور اپنی جان پر ظلم نہ کرے۔

صدیق اکبر کا ان آیات کی تلاوت کرنا تھا کہ یکنخت حیرت کا عالم دور ہو گیا اور غفلت کا پردہ آنکھوں سے اٹھ گیا اور سب کو یقین ہو گیا کہ آں حضرت ﷺ کا وصال ہو گیا اس وقت حالت یہ تھی کہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ لوگوں نے اس سے پہلے یہ آیت سنی ہی نہ تھی جسے دیکھو وہ انہی آیتوں کی تلاوت کر رہا تھا۔ (زرقانی دطبقات ابن سعد)

حضرت عمر فرماتے ہیں میری حالت بھی یہی ہوئی کہ گویا میں نے آج ان آیتوں کو پڑھا ہے اور اپنے خیال سے رجوع کیا۔

شاہ ولی اللہ قدس سرہ فرماتے ہیں کہ فاروق اعظم خوب جانتے تھے کہ آپ پر ایک دن ضرور موت آنے والی ہے لیکن ان کا گمان یہ تھا کہ جو صورت حال پیش آئی ہے وہ موت نہیں بلکہ کسی باطنی مشغولی کی بناء پر فقط حواس ظاہری کا تعطل ہے جیسا کہ حضور پر نور کو اثناء وحی میں واقع ہوتا تھا، صدیق اکبر کے خطبہ سے فاروق اعظم کا یہ خیال جاتا رہا اور حقیقت حال ان پر منکشف ہو گئی اور اپنے خیال سے رجوع فرمایا، دیکھو قرۃ العینین ص ۲۷۰ ج ۱۱ ایسے نازک وقت اور جائزہ حادثہ میں ایسی ثابت قدمی اور ایسا استقلال صدیق اکبر ہی کا کمال تھا۔

ہم ان کے زور کے قائل ہیں، ہیں وہی شہ زور جو عشق میں دل مضطر کو تھام لیتے ہیں اور ایک روایت میں ہے کہ صدیق اکبر کو جب آل حضرت ﷺ کی وفات کی خبر پہنچی تو فوراً اپنے مسکن سے جو سخ میں تھا روانہ ہو گئے اور کیفیت یہ تھی کہ آنکھوں سے آنسو جاری تھے اور ہچکیاں بندھی ہوئی تھیں اور سینہ سانس سے پانی کے گھڑے کی طرح ہل رہا تھا اسی حالت میں صلاۃ و سلام پڑھتے ہوئے حجرہ مبارکہ میں داخل ہوئے مگر باوجود اس بے مثال حزن و ملال کے عقل اور گویائی میں ذرہ برابر اختلال نہ تھا۔

آپ کے چہرہ انور کو کھولا پیشانی مبارک کو بوسہ دیا اور زار و قطار روتے جاتے تھے اور یہ کہتے جاتے تھے کہ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں آپ حیات اور موت دونوں حالتوں میں پاکیزہ رہے آپ کی وفات سے نبوت اور وحی منقطع ہو گئی جو کسی اور نبی کی وفات سے منقطع نہیں ہوئی تھی آپ تو صیف سے بالا اور برتر ہیں اور گریہ و زاری سے مستغنی ہیں آپ کی ذات بابرکات اس اعتبار سے خاص اور مخصوص ہے کہ آپ کی وفات سے لوگ تسلی حاصل کریں گے اور آپ عام بھی ہیں کہ ہم سب آپ کے رنج و الم میں برابر ہیں اگر آپ کی موت آپ کی خود اختیار کردہ نہ ہوتی (اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے تو آپ کو اختیار دیا تھا مگر آپ نے خود آخرت کو اختیار کیا) تو ہم آپ کی موت کے لئے اپنی جانیں قربان کر دیتے اور اگر آپ ہم کو زیادہ رونے سے منع نہ فرماتے تو ہم آپ پر اپنی آنکھوں کا پانی ختم کر ڈالتے البتہ دو چیزیں ایسی ہیں کہ ان کا ہٹانا اور مٹانا ہمارے اختیار میں نہیں ایک غم فراق اور دوسرے غم میں

وفی رواية ان ابا بكر رضى الله عنه لما بلغه اخبر وهو بالسبح جاء و عيناہ تھملان وزفراته تتردد فی صدره و غصصه ترتفع كقطع الجرة وهو فی ذالك رضوان الله عليه جلد العقل والمقالة (ای ثابت العقل و القول) حتی دخل علی رسول الله ﷺ فاكب علیه و كشف وجهه و مسح و قبل جبينه و جعل يبكي و يقول باني انت و امی طبت حیا و میتا و انقطع لموتك ما لم ينقطع لموت احد من الانبياء من النبوة فعظمت عن الصفة وجللت عن البكاء و خصصت حتی صرت مسلاة و عمت حتی صرنا فيك سواء ولولا ان موتك كان اختيارا منك لجدنا لموتك بالنفوس و لولا انك نهيت عن البكاء لانفدن عليك ماء المشؤون فاما ما لانستطيع نفیه فكمدا و دناف يتحالفان لا يبرحان اللهم ابلغه عنا و اذكرنا يا محمد عند ربك ولنكن من بالك كذا فی الروض الانف ص ۳۷۶ ج ۲ و كذا ذكره الغرالی فی الاحياء و قال الزبيدي قال العراقي رواه ابن ابی الدنيا فی كتاب الضراء من حديث ابن عمر بسند ضعيف كذا فی الانحاف ص ۲۹۹ ج ۱۰

جسم کا لاغر و نحیف ہو جانا یہ دونوں چیز باہم ایک دوسرے کی حلیف ہیں ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوتیں اے اللہ ہمارا یہ حال ہمارے نبی کو پہنچا دے اور اے محمد ﷺ ہم عاشقوں کو بارگاہ خداوندی میں یاد رکھنا امید ہے کہ ہم ملحوظ خاطر رہیں گے۔

اگر آپ! اپنے فیض صحبت سے ہمارے دلوں میں سکینت و طمانیت نہ چھوڑ کر جاتے تو ہم اس وحشت فراق کا کہ جو آپ ہم میں چھوڑ کر چلے گئے ہر گز ہر گز تحمل نہ کر سکتے۔

پھر ابو بکر حجرہ سے باہر آئے اور لوگوں کی تسلی کے لئے کھڑے ہو کر خطبہ دیا جس کا ایک کثیر حصہ صلاۃ و سلام پر مشتمل تھا اور آپ نے خطبہ میں یہ فرمایا۔

بقیہ خطبہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ

أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ وَ
صَدَقَ وَعْدُهُ وَ نَصَرَ عَبْدَهُ وَ
غَلَبَ الْأَحْزَابَ وَحْدَهُ فَلِلَّهِ
الْحَمْدُ وَحْدَهُ۔
میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود
نہیں اور اللہ نے اپنے نبی سے جو وعدہ کیا تھا
وہ سچ کر دکھایا اُس نے اپنے برگزیدہ بندہ کی
مدد کی اور کافروں کی جماعتوں کو شکست دی
اپس حمد اور شکر ہے اس وحدہ لا شریک لہ کا۔

ایہ اسی گزشتہ روایت کا بقیہ ہے جو صرف روض الانف میں مذکور ہے اور ما قبل کا حصہ روض الانف اور احیاء العلوم دونوں میں مذکور تھا اس لئے اس حصہ کے ختم پر دونوں کتابوں کا حوالہ دیدیا، اب روایت کا وہ بقیہ حصہ ذکر کرتے ہیں کہ جو صرف روض الانف میں مذکور ہے وہی یہ ہے فلولا ما خلفت من السکینۃ لم تقم لما خلفت من الوحشۃ اللہم ابلغ نبیک عنا واحفظہ فینا ثم خرج لما قضی الناس غمرانہم وقام خطیباً فیہم بخطبۃ جلہا الصلاۃ علی النبی محمد ﷺ وقال فیہا اشہد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ الی آخر الخطبۃ۔ روض الانف ص ۶۱ ج ۲

۲۔ یہاں سے آخر تک جو خطبہ ہے وہ اتحاف شرح احیاء العلوم میں مذکور ہے، علامہ زبیدی اس خطبہ کو نقل کر کے لکھتے ہیں۔ رواہ بطولہ سیف بن عمر التمیمی فی کتاب الفتوح عن عمرو بن تمام عن ابیہ عن القعقاع قال ابن ابی حاتم سیف بن عمر التمیمی متروک و اخرجہ ابن السکن من طریق ابراہیم بن سعد عن سیف بن عمر عن عمرو بن ابیہ وقال سیف بن عمر ضعیف قلت هو من رجال الترمذی وهو وان کان ضعیفا فی الحدیث فهو عمدۃ فی التاریخ مقبول النقل کذا فی الاتحاف ص ۳۰۲ ج ۱۰

واشهد ان محمد اعبدہ و رسولہ و خاتم انبیاءہ و اشہد ان الکتاب کما نزل وان الدین کما شرع وان الحدیث کما حدث وان القول کما قال وان اللہ هو الحق المبین۔

اور میں شہادت دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے بندے اور رسول اور آخری نبی ہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ کتاب الہی یعنی قرآن کریم اسی طرح موجود ہے جس طرح وہ نازل ہوا تھا اور دین اسی طرح ہے جس طرح مشروع ہوا تھا اور حدیث اسی طرح ہے جس طرح نبی اکرم ﷺ کی زبان مبارک سے حادث اور ظاہر ہوئی تھی اور قول اسی طرح سے ہے جس طرح آپ نے فرمایا تھا اور اللہ تعالیٰ حق ہے اور حق کو واضح کرنے والا ہے۔

اللہم فصل علی محمد عبدک و رسولک و نبیک و حبیبک و امینک و خیرتک و صفوتک فافضل ما صلیت بہ علی احد من خلقک اللہم و اجعل صلواتک و معافاتک و رحمتک و برکاتک علی سید المرسلین و خاتم النبیین و امام المتقین محمد قائد الخیر و امام الخیر و رسول الرحمة اللہم قرب زلفہ و عظم برہانہ و کرم مقامہ و ابعثہ مقاما محمودا یغبطہ بہ

اے اللہ پس تو اپنی خاص رحمتیں اور عنایتیں نازل فرما محمد ﷺ پر جو تیرے خاص برگزیدہ بندہ اور رسول اور نبی اور حبیب اور امین اور بہترین خلایق اور خلاصہ عالم ہیں ان پر ایسی بہترین صلاۃ و سلام نازل فرما کہ جو تو نے اپنے کسی خاص بندہ پر نازل فرمائی ہو اور اے اللہ اپنی صلوات اور عافیت اور رحمت اور برکت نازل فرما سید المرسلین اور خاتم النبیین اور امام المتقین اور قائد الخیر اور امام الخیر اور رسول رحمت پر، اے اللہ ان کے قرب کو اور زیادہ فرما اور ان کی دلیل اور برہان کو عظیم فرما اور ان کے مقام کو مکرم فرما اور ان

الاولون والاخرون و انفعنا
بمقامه المحمود یوم القيامة و
اخره فینا فی الدنیا والاخرة و
بلغه الدرجة والوسيلة من
الجنة اللهم صل علی محمد
و علی آل محمد و بارک علی
محمد و آل محمد کما
صلیت و بارکت علی
ابراہیم انک حمید مجید

کو مقام محمود (مقام شفاعت) میں کھڑا کر کے
جس پر تمام اولین اور آخرین رشک کریں گے
اور قیامت کے دن ہم کو ان کے مقام محمود سے
نفع دے اور دنیا و آخرت میں ہمارے لئے ان
کے عوض اپنی رحمت فرما اور آپ کو جنت میں
درجات عالیہ نصیب فرما اے اللہ محمد اور آل محمد
پر اپنی خاص الخاص رحمتیں اور برکتیں نازل فرما
جیسے خاص رحمتیں اور برکتیں تو نے ابراہیم اور
آل ابراہیم پر نازل کیں انک حمید مجید۔

ثم قال ايها الناس من كان
يعبد محمد افان محمدا
قدمات ومن كان يعبد الله
فان الله حي لم يموت وان الله
قد تقدم لكم في امره فلا
تدعوه جزعا وان الله تبارك و
تعالی قد اختار لنبیه علیه
السلام ما عنده علی ما
عندكم و قبضه الی ثوابه و
خلف فيكم كتابه و سنة نبیه
فمن اخذ بهما عرف و من
فرق بينهما انكر۔ يائيها الذين

پھر ابو بکر صدیق نے یہ کہا کہ اے لوگو! جو تم
میں محمد (ﷺ) کی عبادت کرتا تھا سو جان
لے کہ محمد (ﷺ) رحلت فرما گئے اور جو اللہ کی
عبادت کرتا تھا سو اللہ تعالیٰ ہی لایموت ہے
اس پر موت نہیں آسکتی وہ زندہ ہے مرا نہیں
اور حق تعالیٰ نے آپ کی وفات کے متعلق
پہلے ہی اشارہ کر دیا تھا لہذا گھبرانے کی
ضرورت نہیں اور اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کے
لئے بجائے تمہارے اپنے قرب اور جوار کو
پسند کیا اور دار کرامت کی طرف ان کو بلا لیا
اور ان کے بعد تمہاری ہدایت کے لئے اپنی
کتاب اور اپنے نبی کی سنت کو تم میں باقی

یہاں تک جو خطبہ نقل کیا گیا وہ اتحاف شرح احیاء العلوم ۳۰۲ سے نقل کیا گیا ہے لیکن سوائے درود شریف کے خطبہ کے
کچھ جزء الروض الانف ص ۶ ج ۲ میں بھی مذکور ہیں اس کے بعد یعنی ثم قال ايها الناس من كان يعبد
محمد الخ سے لے کر ولا تستنظروہ فیلحق بكم تک خطبہ اتحاف شرح احیاء اور روض الانف دونوں
کتابوں میں مذکور ہے وہاں دیکھ لیا جائے۔

اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوَّامِيْنَ بِالْقِسْطِ
وَلَا يَشْغَلْنِكُمُ الشَّيْطَانُ
بِمَوْتِ نَبِيِّكُمْ وَلَا يَلْفِتْنَكُمْ عَنْ
دِيْنِكُمْ وَعَا جَلُوا الشَّيْطَانَ
بِالْخِزْيِ تَعْجِزُوْهُ وَلَا
تَسْتَنْظِرُوْهُ فَيَلْحَقْ بِكُمْ
يَفْتَنُكُمْ ۝

چھوڑا پس جس نے کتاب اور سنت دونوں کو مضبوط پکڑا اُس نے حق کو پہچانا اور جس نے کتاب و سنت میں تفریق کی (مثلاً قرآن کو تو مانا اور سنت کو نہ مانا) تو اُس نے حق کو نہیں اپنایا اے ایمان والو! حق اور انصاف کے قائم کرنے والے ہو جاؤ اور شیطان لعین تم کو نبی کی موت کی وجہ سے دین سے نہ ہٹا دے شیطان کے فتنہ میں ڈالنے سے پہلے خیر کو جلد لے لو اور خیر میں سبقت کر کے شیطان کو عاجز اور لاچار بنا دو اور شیطان کو اتنی مہلت نہ دو کہ وہ تم سے آکر ملے اور تم کو کسی فتنہ میں مبتلا کرے۔

فَلَمَّا فَرَغَ مِنْ خُطْبَتِهِ قَالَ يَا
عُمَرُ اَنْتَ الَّذِي بَلَغْنِي عَنْكَ
اِنَّكَ تَقُولُ عَلَيَّ بَابُ نَبِيِّ اللّٰهِ
وَالَّذِي نَفْسُ عُمَرَ بِيَدِهِ مَا مَاتَ
نَبِيُّ اللّٰهِ اَمَّا عَلِمْتَ اَنْ رَّسُوْلُ
اللّٰهِ ﷺ قَالَ يَوْمَ كَذَا كَذَا
وَكَذَا وَقَالَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ فِي
كِتَابِ اِنَّكَ مَيِّتٌ وَاَنْهَمُ
مَيِّتُونَ فَقَالَ عُمَرُ وَاللّٰهِ لَكَ اَنْبِيَا
لَمْ اَسْمَعْ بِهَا فِي كِتَابِ اللّٰهِ

اُنہم قال ايها الناس من كان يعبد محمد افان محمد اقدمت سے لے کر یہاں تک یعنی قبل حق حکم تک خطبہ کا یہ حصہ اتحاف شرح احیاء اور روض الانف دونوں کتابوں میں مذکور ہے اور اس کے بعد کا حصہ یعنی فلما فرغ من خطبته سے لے کر اخیر تک یہ حصہ فقط الروض الانف میں مذکور ہے، ومن غفلا الله عنه

تعالیٰ قبل الان لما نزل بنا
اشهد ان الكتاب كما نزل
وان الحديث كما حدث وان
الله تبارك وتعالى حي
لا يموت انا لله وانا اليه
راجعون صلوات الله على
رسوله وعند الله نحسب
رسوله۔

کہ گویا میں نے کتاب اللہ کی یہ آیت اس
سے پہلے سنی ہی نہ تھی میں گواہی دیتا ہوں
کہ قرآن اسی طرح ہے جس طرح وہ نازل
ہوا اور حدیث اسی طرح ہے جس طرح وہ
حادث اور صادر ہوئی اور اللہ تبارک و تعالیٰ
حی لا یموت ہے۔ انا للہ وانا الیہ
راجعون اللہ تعالیٰ کی رحمتیں ہوں اُس
کے رسول پر اور ہم اللہ سے امید رکھتے ہیں
کہ ہم کو اس مصیبت پر اجر ملے گا۔

سقیفہ بنی ساعدہ میں انصار کا اجتماع

ادھر تو یہ حادثہ جان گداز پیش آیا۔ اور کچھ یہ خبر ملی کہ انصار سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہیں
اور آپ کی جانشینی کا مسئلہ درپیش ہے مہاجرین نے صدیق اکبر سے کہا کہ آپ بھی سقیفہ میں
تشریف لے جائیں ہم بھی آپ کے ساتھ چلتے ہیں۔ ابو بکر اور عمر مع مہاجرین کے سقیفہ میں
تشریف لے گئے (مفصل واقعہ انشاء اللہ عنقریب ذکر کریں گے)
ابو بکر و عمر کو یہ اندیشہ ہوا کہ مبادا غلبت میں کسی کے ہاتھ پر بیعت کر بیٹھیں اور بعد میں وہ
فتنہ کا سبب بنے اور مسلمانوں کے لئے مصیبت بن جائے۔ جب اس مسئلہ کا تصفیہ ہو گیا اور
بالا اتفاق صدیق اکبر آپ کے خلیفہ اور جانشین مان لئے گئے تب اگلے روز آپ کی تجہیز و
تکمیل میں مشغول ہوئے، سقیفہ میں اجتماع کا واقعہ دو شنبہ کی شام کو پیش آیا اس لئے کہ
آنحضرت ﷺ کی وفات حسرت آیات دو شنبہ کے روز زوال کے قریب ہوئی اس کے
بعد صدیق اکبر رخ سے تشریف لائے اور خطبہ دیا۔ وغیرہ وغیرہ اس کے بعد کہیں شام کو سقیفہ
میں اجتماع کا واقعہ پیش آیا۔

حضرات اہل بیت حجرہ نبوی میں جمع تھے اور صدیق اکبر اور فاروق اعظم انصار کے جمع
ہونے کی خبر سن کر سقیفہ میں چلے گئے، ان حضرات کو یہ فکر تھی کہ آں حضرت ﷺ کا تو وصال

ہو گیا اور آسمان سے وحی کا اُترنا ختم ہوا اور حضور پر نور ہم کو آنے والے فتنوں سے ڈراتے رہے ہیں مبادا اس وقت امت میں تشنت اور افتراق کا کوئی فتنہ نہ قائم ہو جائے جس سے اسلام کا تمام نظام درہم و برہم نہ ہو جائے اور تینیس سالہ نبوت میں جو اسلام کا نظام قائم ہوا ہے خدا نخواستہ وہ باہمی افتراق کی نذر نہ ہو جائے اور امت کا شیرازہ منتشر ہو جائے جس کا جوڑ پھر مشکل ہو۔

اگر کسی بادشاہ کا انتقال ہو جائے تو جب تک اس کا کوئی جانشین نہ ہو جائے اس وقت تک اس کی تجہیز و تکفین کا انتظام نہیں کیا جاتا، ایسے وقت میں تجہیز و تکفین کا مسئلہ اتنا اہم نہیں ہوتا جتنا کہ جانشینی کا مسئلہ اہم ہوتا ہے، خیر خواہان حکومت کو یہ فکر ہوتی ہے کہ انتظام مملکت میں خلل نہ آنے پائے غنیم موقع پا کر بے خبری میں حملہ نہ کر بیٹھے جس میں تمام ملک کی تباہی اور بربادی کا اندیشہ ہے بلکہ بسا اوقات بنظر مصلحت بادشاہ کی وفات کو بھی چھپا لیتے ہیں اور جانشینی کے بعد اس کا اعلان کرتے ہیں اور شیعہ حکومتوں میں بھی یہی قاعدہ ہے۔

اور اگر بادشاہ کے انتقال کے بعد سلطنت میں دو امیر ہو جائیں تو وہ سلطنت ضرور برباد ہو جائیگی ایک سلطنت میں دو خلیفہ کا ہونا موجب خرابی اور باعث بربادی ہے اور آپ کی وفات کے بعد منافقین اور کفار کی طرف سے غدر اور شور و شر کا احتمال اور اندیشہ تھا ایسے وقت میں شیرازہ اسلام کی حفاظت اولین کام تھا بایں نظر شیخین۔ (صدیق اکبر اور فاروق اعظم) نے یہ گمان کیا کہ تجہیز و تکفین کوئی مشکل کام نہیں اور اہل بیت (گھر والوں) سے متعلق ہے سب صحابہ کا اس میں شریک ہونا ضروری نہیں غلامانِ غلامانِ اہل بیت بھی یہ خدمت انجام دے سکتے ہیں۔

اور اں حضرت ﷺ نے اس تینیس سالہ مدت میں جو مصیبتیں اسلام کے سر بلند کرنے اور کفر کے سرنگوں کرنے میں اٹھائیں اب اُن کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا اور اس وقت آں حضرت ﷺ دار فانی سے عالم جاودانی کی طرف رحلت فرما گئے ہیں اب اگر آپ کے ان مہمات کے لئے کوئی صحیح جانشین مقرر نہ ہوا تو اندیشہ ہے کہ طرفۃ العین میں ریاست اسلام کا کارخانہ درہم و برہم ہو جائے اور سالہا سال کی محنت و مشقت اور غزوات اور سرایا اور تبلیغ اور دعوت میں جو تکلیفیں اٹھائیں وہ یکلخت سب رائیگاں ہو جائیں اور سرے سے پھر کفر کا جھنڈا کھڑا ہو جائے اور شیطان علیہ اللعۃ حسب سابق لوگوں کو اپنی راہ پر لگا لے اور نبوت آپ پر ختم ہو چکی ہے تو اگر پھر ویسی ہی تاریکی دنیا میں پھیل جائے تو پھر کہاں سے آفتاب ہدایت نکلے گا۔

چونکہ شد خورشید و مارا کرد داغ چارہ نبود در مقامش از چراغ

اس لئے ابو بکر و عمر کو یہ فکر ہوئی کہ بحرِ دو فاتِ آں حضرت کوئی آپ کا جانشین مقرر ہو جائے تاکہ اسلام کی ریاست اور سیاست کا کام بدستور جاری ہے اور اسلام کی بات جوں کی توں بنی رہے۔ اور کوئی منافق اور دشمن اسلام (جو اسی تاک میں ہیں) سر نہ اٹھا سکے اسی میں تمام امت کی صلاح اور فلاح مضمر ہے ابو بکر و عمر کو تو یہ فکر تھی اور تجہیز و تکفین کی طرف سے بسبب اہل بیت کے بے فکر تھے نیز تمام صحابہ کرام کو یہ معلوم تھا کہ وفات سے انبیاء کرام کے اجسام مبارکہ میں کوئی تغیر نہیں آتا، اس لئے تاخیرِ دفن کا کوئی اندیشہ نہ کیا اور کمالِ دانش مندی سے فتنہ اور فساد کا دروازہ بند کر دیا اور مسلمانوں کو افتراق سے بچا لیا۔ تجہیز و تکفین میں اگر کچھ تاخیر ہو جائے تو مضائقہ نہیں اگر اسلام کی ریاست کا انتظام نہ ہو اتو نہ معلوم کہ دم کے دم میں کیا کیا خرابیاں برپا ہو جائیں اور پھر تجہیز و تکفین بھی حلاوت سے نہ ہو سکے۔

سدا دور دوراں دکھاتا نہیں گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں

چنانچہ انصار اس بات پر آمادہ تھے کہ ایک سرداران میں سے ہو اور ایک مہاجرین میں سے ہو یہ ایک عظیم فتنہ تھا، ایک سلطنت میں دو امیروں کا ہونا یہی سلطنت کی بربادی کا باعث ہے اس لئے ابو بکر و عمر نے اس طرف خاص توجہ کی اور جب جانشینی کا مسئلہ طے ہو گیا تب اطمینان کے ساتھ تجہیز و تکفین میں مشغول ہوئے رضی اللہ عنہم و جزاھم من الاسلام والمسلمین خیرا خیرا امین۔

چشم بداندیش کہ برکنہ باد عیب نماید ہنرش در نظر
ابو بکر صدیق تو سقیفہ میں رفع فتنہ کے لئے گئے تھے مگر تقدیر کی کسی کو کیا خبر لوگوں نے ابو بکر ہی کو گھیر لیا۔ اور زبردستی خلیفہ بنا لیا، بتاؤ اس میں ابو بکر کا کیا قصور ہے وہ بیچارے تو بہت کچھ ٹالتے رہے مگر ان کے ہوتے ہوئے لوگوں کی نظر میں کوئی بچا ہی نہیں ابو بکر صدیق کو تو اپنی خلافت کا وہم و گمان بھی نہ تھا فقط رفع فتنہ مد نظر تھا ان کو کیا خبر تھی کہ خلافت میرے ہی سر پر جائے گی۔ ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء۔

تجہیز و تکفین اور غسل

صدیق اکبر کی بیعت سے فارغ ہونے کے بعد لوگ تجہیز و تکفین میں مشغول ہوئے۔ جب غسل کا ارادہ کیا تو یہ سوال پیدا ہوا کہ کپڑے اتارے جائیں یا نہیں، ہنوز ابھی کوئی تصفیہ نہیں ہوا تھا کہ یکنخت سب پر ایک غنودگی طاری ہو گئی اور غیبی طور پر یہ آواز سنائی دی کہ اللہ کے رسول کو برہنہ نہ کرو کپڑوں ہی میں غسل دو چنانچہ پیرا بن مبارک ہی میں آپ کو نہلایا گیا۔ اور بعد میں وہ نکال لیا گیا۔

حضرت علی کریم اللہ وجہہ غسل دے رہے تھے اور حضرت عباس اور اُن کے دونوں صاحبزادے فضل اور قثم کروٹیں بدلتے تھے اور اسامہ اور شقران پانی ڈال رہے تھے۔ غسل کے بعد حول کے بنے ہوئے تین کپڑوں میں آپ کو کفن دیا گیا جن میں قمیص اور عمامہ نہ تھا۔ اور وہ پیرا بن جس میں آپ کو غسل دیا گیا وہ اتار لیا گیا۔^۱

تجہیز و تکفین کے بعد یہ سوال پیدا ہوا کہ آپ کہاں دفن ہوں، صدیق اکبر نے کہا میں نے آنحضرت ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ پیغمبر اسی جگہ دفن ہوتے ہیں جہاں ان کی روح قبض ہوتی ہے۔ (رواہ الترمذی وابن ماجہ)

چنانچہ اسی جگہ آپ کا بستر اٹھا کر قبر کھودنا تجویز ہوا۔ لیکن اس میں باہم اختلاف ہوا کہ کس قسم کی قبر کھودی جائے، مہاجرین نے کہا مکہ کے دستور کے مطابق بغلی قبر کھودی جائے انصار نے کہا مدینہ کے طریقہ پر لحد تیار کی جائے ابو عبیدہ بغلی قبر اور ابو طلحہ لحد کھودنے میں ماہر تھے۔ یہ طے پایا کہ دونوں کو بلانے کے لئے آدمی بھیج دیا جائے جو نہ شخص پہلے آجائے وہ اپنا کام کرے۔ چنانچہ ابو طلحہ پہلے آ پہنچے اور آپ کے لئے لحد تیار کی۔^۲

اور قبر کو کوہان کی شکل پر بنا دیا گیا جیسا کہ بخاری شریف میں ہے۔

فائدہ: ہر نبی کا دفن۔ اُن کے محل وفات ہونے کا مطلب یہ ہے کہ بہتر یہ ہے کہ محل وفات میں اُن کو دفن کیا جائے اور اگر کسی عارض کی وجہ سے دوسری جگہ دفن ہوں تو یہ اور بات ہے۔

نماز جنازہ

سنن ابن ماجہ میں عبد اللہ بن عباس سے مروی ہے کہ منگل کے روز جب آپ کی تجہیز و تکفین سے فارغ ہوئے تو جنازہ شریف کو قبر کے کنارہ پر رکھ دیا گیا ایک ایک گروہ حجرہ شریفہ میں آتا تھا اور تنہا نماز پڑھ کر باہر واپس آ جاتا تھا کوئی کسی کی امامت نہیں کرتا تھا الگ الگ بغیر امام کے نماز پڑھ کے واپس آ جاتے تھے۔

شامل ترمذی میں روایت ہے کہ لوگوں نے صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دریافت کیا کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جنازہ کی نماز پڑھی جائے، آپ نے فرمایا جنازہ پڑھو لوگوں نے کہا کس طرح ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا۔ لوگوں کا ایک ایک گروہ حجرہ میں جائے اور تکبیر کہے پھر درود اور دعا پڑھے اور باہر آ جائے پھر دوسرا گروہ داخل ہو اور اسی طرح تکبیر کہیں اور پھر درود اور دعا کے بعد واپس آ جائیں اسی طرح سب لوگ نماز پڑھیں۔

قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ صحیح یہی ہے کہ آپ پر حقیقۃً نماز جنازہ پڑھی گئی اور یہی جمہور کا مسلک ہے (انتہی کلامہ) اور اسی کو امام شافعی نے کتاب الام میں جزم کے ساتھ بیان کیا ہے کہ آپ پر نماز جنازہ پڑھی گئی۔

بعض کہتے ہیں کہ آپ پر نماز جنازہ نہیں پڑھی گئی بلکہ لوگ حجرہ شریفہ میں فوج فوج داخل ہوتے تھے اور صلاۃ و سلام اور درود و دعا پڑھ کر واپس آ جاتے تھے۔

چنانچہ ابن سعد کی ایک روایت میں ہے کہ ابو بکر اور عمر ایک گروہ کے ساتھ حجرہ نبوی میں داخل ہوئے اور جنازہ نبوی کے سامنے کھڑے ہو کر یہ پڑھا۔

السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ	سلام ہو آپ پر اے اللہ کے نبی اور اُس کی
وَرَحْمَةُ اللَّهِ اللَّهُمَّ انا نشهد	رحمتیں اور برکتیں ہوں آپ پر اے اللہ ہم
انه قد بلغ ما انزل اليه ونصح	گواہی دیتے ہیں کہ رسول اللہ نے وہ سب
لامته وجاهد في سبيل الله	کچھ پہنچا دیا جو اس پر اتارا گیا اور آپ نے
حتى اعز الله دينه وتمت	امت کی خیر خواہی کی اور اللہ کی راہ میں جہاد
كلمته فاجعلنا يا الهنا ممن	کیا یہاں تک کہ اللہ نے اپنے دین کو

يَتَّبِعِ الْقَوْلَ الَّذِي اُنْزِلَ مَعَهُ وَ غَالِبَ كِيَا اور اس کا بول بالا ہوا اے اللہ ہم کو
اجمع بيننا وَ بَيْنَهُ حَتَّى يَعْرِفْنَا وَ ان لوگوں میں سے بنا جنہوں نے آپ کی
نعرفه فانه كان بالْمُؤْمِنِينَ رُوفاً وَ حى کا اتباع کیا اور ہم کو آپ کے ساتھ جمع کر
رحيماً لا نَبْتَغِيْ بِالْاِيْمَانِ بَدَلًا وَ آپ ہم کو اور ہم آپ کو پہچانیں آپ
ولا نَشْتَرِيْ بِهِ ثَمَنًا۔ مسلمانوں پر بڑے مہربان تھے ہم اپنے

ایمان کا کوئی معاوضہ اور قیمت نہیں چاہتے۔

لوگوں نے آمین کہی۔ جب مرد فارغ ہو گئے تو عورتوں نے عورتوں کے بعد بچوں نے

اسی طرح کیا۔ ۱۔

تنبیہ: اس روایت میں صراحۃً ابو بکر و عمر کا نماز جنازہ پڑھنا مذکور ہے اور یہ امر متواتر
اور قطعی ہے لہذا حضرات شیعہ کا یہ کہنا کہ خلفاء ثلاثہ جنازہ رسول میں شریک نہیں ہوئے۔
سید جھوٹ ہے اور خلاف عقل ہے کہ خلفاء آپ کے جنازہ میں شریک نہ ہوں۔

مسند بزار اور مستدرک حاکم میں ہے کہ آپ نے ایک روز مرض الوفا میں اہل بیت کو
حضرت عائشہ کے گھر میں بلایا۔ اہل بیت نے دریافت کیا یا رسول اللہ آپ کے جنازہ کی نماز کون
پڑھائے۔ آپ نے فرمایا کہ جب میری تجہیز و تکفین سے فارغ ہو جاؤ تو تھوڑی دیر کے لیے حجرہ
سے باہر چلے جانا سب سے پہلے مجھ پر جبریل نماز پڑھیں گے پھر میکائیل پھر اسرافیل پھر ملک
الموت پھر باقی فرشتے اس کے بعد تم ایک ایک گروہ کر کے اندر آنا اور مجھ پر صلاۃ و سلام پڑھنا۔

علامہ سیبلی فرماتے ہیں کہ حق جل شانہ نے آپ کے بارے میں یہ ارشاد فرمایا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلَائِكَتَهُ يُصَلُّوْنَ عَلٰى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ
وَسَلِّمُوا تَسْلِيْمًا۔

اس آیت میں ہر مسلمان کو صلاۃ و سلام کا فرداً فرداً حکم ہے۔ جس طرح آپ کی حیات میں
صلاۃ و سلام بغیر امام اور بغیر جماعت کے فرض تھا۔ اسی طرح آپ کی وفات کے بعد بھی بغیر
کسی جماعت اور امام کے صلاۃ و سلام کا فریضہ فرداً فرداً ادا کیا گیا۔ ۲۔

فائدہ: ابن دحیہ فرماتے ہیں کہ میں ہزار آدمیوں نے آپ کی نماز جنازہ پڑھی۔

تذفین

دوشنبہ کو دوپہر کے وقت آپ کا وصال ہوا یہ وہی دن اور وہی وقت تھا کہ جب آپ ہجرت کر کے مدینہ میں داخل ہوئے تھے۔ چہار شنبہ کی شب میں آپ دفن ہوئے، جمہور کا یہی قول ہے اور بعض روایات اس بارے میں صریح ہیں جن میں تاویل کی گنجائش نہیں بعض کہتے ہیں کہ سہ شنبہ کو مدفون ہوئے۔

حضرت علی اور حضرت عباس اور ان کے دونوں صاحب زادے فضل اور قثم نے آپ کو قبر میں اتارا۔ جب دفن سے فارغ ہوئے تو کوہان کی شکل میں آپ کی تربت تیار کی اور پانی چھڑکا۔

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم دفن سے فارغ ہو کر کفِ افسوس ملتے ہوئے اور خون کے آنسو بہاتے ہوئے اور اس مصیبت کبریٰ پر انا للہ و انا الیہ راجعون پڑھتے ہوئے گھروں کو واپس ہوئے۔

نَفْسِی الْفِدَاءَ لِقَبْرَانْتِ سَاکِنَہِ فِیہِ الْعَفَافِ وَ فِیہِ الْجُودِ وَالْکَرَمِ
اَلَا یَا ضَرِیْحًا ضَمَّ نَفْسًا زَکِیَّہَ عَلَیْکَ سَلَامُ اللّٰہِ فِی الْقَرَبِ وَالْبَعْدِ
عَلِیْکَ سَلَامُ اللّٰہِ مَا هَبْتَ الصَّبَا وَمَا نَاحَ قَمْرِیْ عَلَی الْبَانِ وَالرَّندِ
وَمَا سَجَعْتَ وَرَقَ وَغَنَتِ حَمَامَہُ وَمَا اَشْتَاقَ ذُو وَجَدَالِی سَاکِنِی نَجْدِ
وَمَا لِیْ سِوٰی حَسْبِیْ لَکُمْ اَلْاِحْمَدِ
اَمْرَ غٍ مِّنْ شَوْقِیْ عَلٰی بَابِکُمْ خَدٰی ۲

لطائف و معارف

آں حضرت ﷺ کی وفات کا بیان قارئین کرام نے پڑھ لیا اب ہم اس کے متعلق کچھ لطائف و معارف ہدیہ ناظرین کرتے ہیں سُبْحَانَکَ لَا عِلْمَ لَنَا اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا اِنَّکَ اَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَکِیْمُ۔

(۱)

سفر آخرت کی تیاری حضراتِ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی سنت ہے۔ حضراتِ انبیاء کو اپنے زمانہ وفات کے قریب ہونے کا علم، وحی خداوندی اور اشاراتِ غیبیہ سے ہو جاتا ہے۔ میان عاشق و معشوق رمزیت کرنا کاتبینِ راہم خبر نیست اور عبادِ صالحین کو بذریعہ الہام اور رویائے صالحہ کے بعض اوقات اپنی وفات کی آمد کی اطلاع ہو جاتی ہے نبوت ختم ہو گئی مگر رویائے صالحہ اور رویائے صادقہ ہنوز امت میں باقی ہیں کہ جس کے ذریعہ بعض اوقات آئندہ پیش آنے والے واقعات کبھی صراحتہ اور کبھی بطور رمز اور اشارات بتلا دیئے جاتے ہیں مگر یہ امر ضرور ملحوظ خاطر رہے کہ خواب دیکھنا کسی کے اختیار میں نہیں خواب دکھانا اللہ تعالیٰ کا فعل ہے جس کو چاہیں اور جس وقت چاہیں اور جتنا چاہیں اور جس طرح چاہیں دکھلائیں اور نہ چاہیں تو نہ دکھلائیں اور کوئی قاعدہ اور ضابطہ نہیں۔ ع

کس نکشو دو نکشاید بحکمت ایں معمارا

اور علامہ مومنین کو کبھی بذریعہ خواب اور کبھی بتقاضائے عمر اور کبھی بابتلاء بیماری تنبہ ہو جاتا ہے کہ وقت قریب آ گیا ہے اور کبھی اپنے ہم عصروں اور معمرؤں کے انتقال کو دیکھ کر خیال آ جاتا ہے کہ میرے ہم عمر اب دنیا سے جا رہے ہیں، مجھے بھی تیاری کر لینی چاہیے اور موت کی آمد آمد کی خبر اور اطلاع کا سب سے واضح اور روشن ذریعہ ساٹھ برس کی عمر کو پہنچ جانا اور بڑھاپے کا آ جانا ہے کہ جس کے بعد حجت ختم ہو جاتی ہے۔ کما قال تعالیٰ اُولَہٗم نَعْمُرْ کُمْ مَّا یَتَذَکَّرُ فِیْہِ مَنْ تَذَکَّرْ وَجَآءَ کُمْ النَّذِیْرُ۔

بہر حال تنبہ کا فقط ایک ذریعہ نہیں بہت سے ذرائع سے موت کی تیاری کر سکتا ہے پھر یہ خیال کرنا چاہیے کہ حضراتِ انبیاء کرام اللہ کے برگزیدہ بندے ہیں معصوم ہیں ان کی مغفرت قطعی اور یقینی ہے اور ہم گنہگار و ناکار و نالائق و ناجار تو سراپا جرم و قصور ہیں ہمیں تو تیاری میں کوئی کسر ہی نہ چھوڑنی چاہئے جس قدر ممکن ہو توبہ اور استغفار کریں اور یہ دعاء کیا کریں۔ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَنْتَ وَلِیُّ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا وَ الْحَقِّیْنِ بِالصَّالِحِیْنَ اٰمِنْ یَا رَبَّ الْعَالَمِیْنَ۔

(۲) واقعہ قرطاس

واقعہ قرطاس کے متعلق حضرات شیعہ فاروق اعظم پر یہ طعن کرتے ہیں کہ آخری وقت میں پیغمبر خدا کو وصیت کرنے سے منع کیا اور کاغذ نہ لکھنے دیا اس طرح آپ کی نافرمانی اور حکم عدولی کی

جواب

یہ ہے کہ اس حکم کے مخاطب خاص حضرت عمر نہ تھے بلکہ تمام حاضرین حجرہ سے کاغذ قلم دوات لانے کو فرمایا تھا۔ اور ظاہر ہے کہ حجرہ نبوی کے حاضرین اکثر حضرات اہل بیت ہی تھے جن میں حضرت علی اور حضرت عباس بھی تھے اگر حضرت عمر کاغذ اور قلم دوات نہیں لائے تو حضرت علی اور حضرت عباس کو کس نے منع کیا تھا، جب حضرت علی اور حضرت عباس بھی کاغذ و قلم و دوات نہ لائے تو معلوم ہوا کہ حضرت علی و حضرت عباس کی بھی یہی رائے تھی جو حضرت عمر کی تھی کہ ایسی تکلیف اور بیماری کی شدت میں حضور پر نور کو تکلیف نہ دی جائے، پس اگر یہ حکم وجوب اور فرضیت کے لئے تھا تو تمام حاضرین گنہگار اور فرمان نبوی کے مخالف ہوئے حضرت عمر کی کیا خصوصیت کہ جو خاص انہی کو مورد طعن بنایا جائے۔

نیز اس گفتگو کے بعد۔ آں حضرت ﷺ پانچ روز اس عالم میں تشریف فرما رہے نہ تو حضور نے دوبارہ کاغذ قلم دوات حاضر کرنے کا حکم دیا اور نہ حضرات اہل بیت اور نہ دیگر اصحاب میں سے کسی نے اس بارہ میں کچھ عرض کیا، معلوم ہوا کہ یہ کوئی امر واجب نہ تھا اور نہ حضور پر نور خود ضرور لکھوادیتے لقولہ تعالیٰ۔ یَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ وَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ۔ اور حضرت امیر بھی ان پانچ دن میں کسی نہ کسی وقت کاغذ قلم دوات لا کر اس امر و جوبی کی تعمیل کر لیتے اور نافرمانوں کے زمرہ میں نہ رہتے۔ حضرت عمر حجرہ نبوی کے دربان و پاسبان تو نہ تھے کہ کوئی شخص بغیر حضرت عمر کی اجازت کے کاغذ قلم لا کر لکھوانہ سکے حضرت عمر کی یہ گزارش ایسی تھی جیسے حضرت علی کو رسول اللہ ﷺ نے صلح حدیبیہ میں صلح نامہ میں سے لفظ رسول اللہ مٹانے کو کہا مگر حضرت علی نے نہ مانا پس حضرت علی کا یہ حکم نہ ماننا صورتہ اگرچہ معصیت ہو مگر درحقیقت کمال محبت اور کمال عظمت ہے جس پر ہزاروں طاعتیں قربان ہیں۔

اور حضرت عمر کا یہ فرمانا کہ حَسْبُنَا كِتَابُ اللَّهِ۔ ہمیں قرآن کافی ہے اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہمیں حدیث کی حاجت نہیں بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ دین مکمل ہو چکا ہے جس میں تمام ضروری امور بتلا دیئے گئے ہیں، اب دین کا کوئی تازہ حکم باقی نہیں رہا غالباً آپ کو بمقتضائے شفقت یہ اندیشہ ہے کہ ہم آپ کے بعد گمراہی میں نہ مبتلا ہو جائیں یعنی ہمارے دین میں خلل نہ واقع ہو جائے۔ حضرت عمر نے ازراہ محبت و شفقت عرض کیا۔ یا رسول اللہ آپ اس بیماری میں تکلیف نہ برداشت فرمائیں کتاب اللہ ہم کو گمراہی سے بچانے کے لئے کافی ہے۔ پس حضرت عمر کی یہ گزارش عین محبت اور عین خیر خواہی ہے معاذ اللہ نہ فرمائی اور حکم عدولی نہیں۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ آں حضرت ﷺ خلافت کے متعلق کوئی تحریر لکھوانا چاہتے تھے تو ہم یہ عرض کریں گے کہ دو حال سے خالی نہیں یا تو ابوبکر کی خلافت لکھوانا چاہتے تھے یا حضرت امیر کی بصورت اول تو خود ہی آں حضرت نے اس کا ارادہ ملتوی کر دیا تھا اور یہ فرمایا کہ یا سابی اللہ والمؤمنون الا ابابکر۔ اللہ تعالیٰ اور اہل ایمان سوائے ابوبکر کے کسی کی خلافت کو قبول ہی نہیں کریں گے، اس معاملہ کو آپ نے حق تعالیٰ پر اور پھر مسلمانوں کے اجماع اور اتفاق پر چھوڑ دیا اور اگر حضرت علی کی خلافت لکھوانا منظور تھی تو حضرات شیعہ کے نزدیک اس کی ضرورت نہ تھی اس لئے کہ اس واقعہ سے پہلے ہزاران ہزار لوگوں کی موجودگی میں غدیر خم کے میدان میں حضرت علی کی ولایت کا خطبہ فرمادیا تھا اور حضرت امیر کو ہر مؤمن اور مؤمنہ کا مولا بنا دیا تھا۔ اور یہ قصہ تمام دنیا میں مشہور ہو گیا تھا پس اس شہرت اور تواتر اور اعلان عام کے بعد ایک خانگی نوشتہ کی جو ایک مختصر سے حجرہ میں چند اہل بیت کے سامنے ہو کیا ضرورت ہے۔

(۳) امامت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ

مرض الوفات میں آنحضرت ﷺ کا صدیق اکبر کو نماز کا امام مقرر کرنا احادیث صحیحہ سے ثابت ہے اور شیخ جلال الدین سیوطی تاریخ الخلفاء میں لکھتے ہیں کہ یہ حدیث متواتر ہے اس حدیث کو حضرت عائشہ صدیقہ اور حضرت علی اور عبد اللہ بن مسعود اور عبد اللہ بن عباس اور عبد اللہ بن عمر اور عبد اللہ بن زعد اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہم نے علیحدہ علیحدہ روایت کیا ہے۔ آھ صحیح بخاری میں ہے کہ عائشہ صدیقہ نے تین بار انکار کیا مگر باوجود اس کے آں

حضرت ﷺ بار بار یہی فرماتے رہے کہ ابو بکر کو حکم دو کہ وہ نماز پڑھائیں اور بے شمار احادیث سے یہ ثابت ہے کہ آں حضرت ﷺ نے مسلمانوں کو اس امر کی تاکید فرمائی کہ نماز کا امام ایسے شخص کو مقرر کریں کہ جو علم اور قرأت اور ورع اور تقویٰ میں سب سے فائق ہو اور حضراتِ شیعہ کے نزدیک تو سوائے افضل اور اشرف کے کسی کو امام بنانا جائز ہی نہیں۔

اب ان ارشادات کے بعد یہ امر بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ آں حضرت ﷺ کا اپنی جگہ ابو بکر کو امام مقرر کرنا اس امر کی صریح دلیل ہے کہ حضور کی نظر میں ابو بکر ہی سب سے زیادہ اعظم اور افضلی تھے۔ جیسا کہ تمام مفسرین کا اجماع ہے سورہ لیل کی یہ آیتیں وَسَيُجَنَّبُهَا الْأَتْقَى الْخ ابو بکر صدیق کے بارے میں نازل ہوئیں اور اس آیت میں اتقی (سب سے زیادہ متقی اور پرہیزگار) سے ابو بکر مراد ہیں اور قرآن کریم میں دوسری جگہ ارشاد ہے۔ إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ۔ حضرات شیعہ بتلائیں کہ اگر حضرت ابو بکر کافر تھے یا فاسق تھے یا منافق تھے تو رسول اللہ ﷺ نے ان کو کیوں امام بنایا اور بعض نمازوں میں کیوں ان کی اقتداء کی اور آں حضرت ﷺ کی وفات کے بعد حضرت امیر۔ شیخین اور حضرت عثمان کے پیچھے کیوں نمازیں پڑھتے رہے، حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں:

وَالْمَقْصُودُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَدَّمَ ابْنَ أَبِي بَكْرٍ إِمَامًا لِلصَّحَابَةِ كُلِّهِمْ فِي الصَّلَاةِ الَّتِي هِيَ أَكْبَرُ أَرْكَانِ الْإِسْلَامِ الْعَمَلِيَّةِ قَالَ الشَّيْخُ أَبُو الْحَسَنِ الْأَشْعَرِيُّ وَتَقْدِيمُهُ لَهُ أَمْرٌ مَعْلُومٌ بِالضَّرُورَةِ مِنْ دِينِ الْإِسْلَامِ قَالَ وَتَقْدِيمُهُ لَهُ دَلِيلٌ عَلَى أَنَّهُ أَعْلَمُ الصَّحَابَةِ وَأَقْرَاهُمْ لِمَا ثَبَتَ فِي الْخَبَرِ الْمَتْفِقِ عَلَى صِحَّتِهِ بَيْنَ الْعُلَمَاءِ أَنَّ رَسُولَ

اللہ ﷻ قال یوم القوم
 اقرأهم لكتاب الله فان كانوا
 فی القراءة سواء فاعلمهم
 بالسنة فان كانوا فی السنة
 سواء فاکبرهم سنا فان كانوا
 فی السن سواء فاقدمهم
 مسلماً (اسلاماً) قلت و هذا
 من کلام الاشعری رحمہ اللہ
 مما ینبغی ان یکتب بماء
 الذهب ثم قد اجتمعت هذه
 الصفات کلها فی الصدیق
 رضی اللہ عنہ وارضاه لہ

سے زیادہ عالم ہو اور اگر کتاب اللہ کے علم
 میں سب برابر ہوں تو پھر وہ شخص امامت
 کرے کہ جو سنت نبوی کا سب سے زیادہ
 عالم ہو اور اگر علم سنت میں سب برابر ہوں
 تو پھر جو عمر میں سب سے بڑا ہو (حدیث
 میں ہے کہ اللہ تعالیٰ مسلمان بوڑھے سے
 شرماتا ہے) اور اگر عمر میں بھی برابر ہوں تو
 جو اسلام لانے میں مقدم ہو وہ امامت
 کرے اور اس حدیث کی صحت پر تمام علماء
 کا اتفاق ہے۔ حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں
 کہ امام اشعری کا یہ کلام آب زر سے لکھنے
 کے قابل ہے اور ابو بکر صدیق تو ان تمام
 صفات کے جامع تھے۔

حضرات شیعہ کو اس امر کا اقرار ہے کہ حضرت علی اور حضرت عباس نبی اکرم ﷺ کے
 حجرہ مبارکہ میں برابر آمد و رفت رکھتے تھے مگر آپ نے سوائے ابو بکر کے کسی اور شخص کو امامت
 کا حکم نہیں دیا۔

صحابہ کرام نے اس امامت سے صدیق اکبر کی خلافت پر استدلال کیا اور ابن عساکر
 نے علی کرم اللہ وجہہ کا قول نقل کیا ہے کہ وہ کہتے تھے کہ حضور پر نور نے ابو بکر کو امامت کا حکم دیا
 اور ہم موجود تھے۔ غائب نہ تھے اور تندرست تھے بیمار نہ تھے پس جس شخص کو رسول
 اللہ ﷺ نے دین کے بارہ میں ہمارا امام بنانا پسند کیا ہم اس کو دنیا کے معاملہ میں اپنا امام
 بنانا کیوں نہ پسند کریں۔

نیز آں حضرت کا اپنے آخری خطبہ میں صدیق اکبر کے درپچہ کے سوا تمام درپچوں کے
 بند کرنے کا حکم دینا وغیرہ وغیرہ یہ سب ابو بکر صدیق کی افضلیت اور ان کی خلافت کے
 اشارات تھے جو اہل نظر کے نزدیک عبارات اور تصریحات کے قائم مقام ہیں۔

(۴) ایک شبہ اور اس کا ازالہ

شبہ یہ ہے کہ مسند احمد میں سعد بن ابی وقاص سے مروی ہے۔

امر رسول اللہ ﷺ بسد الابواب الشارعة فسی المسجد و ترک باب علی (مسند ص ۱۷۵ ج ۱)
 نبی کریم ﷺ نے حکم دیا کہ مسجد کی طرف جتنے دروازے کھلے ہوئے ہیں وہ سب بند کر دیئے جائیں اور صرف حضرت علی کا دروازہ چھوڑ دیا۔

سو مسند کی یہ روایت صحیحین کی روایت کے معارض ہے کہ جس میں یہ تصریح ہے کہ سوائے ابوبکر کے تمام دروازے اور درتپے بند کر دیئے جائیں۔

جواب یہ ہے

کہ مسند احمد کی روایت صحیحین کی روایت کے ہم پلہ نہیں اور اگر بالفرض مسند احمد کی روایت صحیح بھی ہو تو صحیحین کی حدیث سے منسوخ ہوگی اس لئے کہ وہ مرض الوفا کے زمانہ کا حکم ہے جو آخری حکم ہے اور حضرت علی کے متعلق جو حکم ہے وہ سابق حکم ہے یہ اس وقت کا حکم ہے کہ جب مسجد تعمیر ہو رہی تھی اور حضرت علی مسجد کی طرف کے دروازہ سے آتے اور جاتے اور نکلتے تھے اور یہ کلمہ کہ سوائے ابوبکر کے مسجد کی طرف تمام درتپے بند کر دیئے جائیں یہ حکم وفات سے تین روز پہلے کا ہے اور آخری حکم سابق حکم کے لئے ناسخ ہوتا ہے۔

(۵) مدت امامت ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

امام زہری ابوبکر ابن ابی سبرۃ سے راوی ہیں کہ صدیق اکبر نے لوگوں کو سترہ نمازیں پڑھائیں اور بعض کا قول یہ ہے کہ بیس نمازیں پڑھائیں واللہ اعلم۔
 علامہ سیوطی فرماتے ہیں کہ حسن ۲ بصری کی ایک مرسل روایت میں یہ آیا ہے کہ آں

اقال الزہری عن ابی بکر بن ابی سبرۃ ان ابا بکر صلی بہم سبع عشرة صلاة وقال غیرہ عشرین صلاة واللہ اعلم کذا فی البدایہ والنہایہ ص ۲۳۵ ج ۵ ۲ روایت کی اصل عبارت یہ ہے۔
 وفی مراسیل الحسن البصری ان رسول اللہ مرض عشرة ايام صلی ابوبکر بالناس تسعة ايام منها ثم خرج رسول اللہ فی اليوم العاشر منها یہادی بین رجلین اسماء والفضل بن عباس حتی صلی خلف ابی بکر رواہ الدارقطنی فی هذا الحدیث انه مرض عشرة ايام وهو غریب کذا فی الروض الانف ص ۳۶۹ ج ۲

حضرت علیؓ دس دن بیمار رہے۔ جن میں سے نو دن ابو بکرؓ نے لوگوں کو نماز پڑھائی پھر آں حضرت علیؓ دسویں دن اسامہ اور فضل بن عباس کے سہارے مسجد میں تشریف لے گئے اور ابو بکر کے پیچھے نماز ادا کی اس حدیث کو دارقطنی نے روایت کیا ہے اور یہ حدیث غریب ہے۔

(۶) تارخ وفات

اس پر تو تمام علماء کا اتفاق ہے کہ آں حضرت علیؓ کی وفات دوشنبہ کے دن ربیع الاول کے مہینہ میں ہوئی لیکن اختلاف اس میں ہے کہ جس دن حضور پر نور روحی فداہ کی وفات ہوئی اس دن کوئی تارخ تھی مشہور یہ ہے کہ ربیع الاول کی بارہ تارخ تھی لیکن اس میں اشکال یہ ہے کہ حجۃ الوداع میں آپ کا وقوف عرفات بالاتفاق جمعہ کے دن تھا۔ جس سے معلوم ہوا کہ ذی الحجہ کی نویں تارخ جمعہ کے دن تھی اور ذی الحجہ کی پہلی تارخ پنجشنبہ کو تھی تو ایسی صورت میں سال آئندہ میں دوشنبہ کو بارہویں ربیع الاول نہیں ہو سکتی خواہ تینوں مہینے یعنی ذی الحجہ اور محرم اور صفر میں دن کے مانے جائیں یا انتیس انتیس کے یا بعض تیس کے اور بعض انتیس کے اسی اشکال کی بناء پر بعض علما نے تارخ وفات تیرہویں ربیع الاول مانی ہے اور بعض نے چودھویں اور بعض نے پندرہویں اور بعض نے سکوت کیا ہے جیسا کہ حافظ ابن رجبؒ نے لطائف المعارف میں لکھا ہے اور بعض علماء نے یہ کہا ہے۔ کہ ممکن ہے کہ مکہ اور مدینہ کی تاریخوں میں اختلاف مطلع کی وجہ سے اختلاف ہو اور مدینہ منورہ میں ربیع الاول کی پہلی تارخ پنجشنبہ کو ہوئی ہو تو دوشنبہ کو بارہویں ربیع الاول ہوگی واللہ اعلم مزید تفصیل اگر درکار ہو تو فتاویٰ مولانا عبدالحی لکھنوی قدس اللہ سرہ کی جلد سوم ملاحظہ کریں۔

فائدہ علمیہ (۱)

حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ بخاری کی یہ روایت اس امر کی واضح دلیل ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم دوشنبہ کے دن صبح کی نماز میں شریک نہیں ہو سکے اور قدرت نہ ہونے کے باعث آپ واپس ہو گئے اس لئے کہ بخاری کے لفظ یہ ہیں وادخسی النبی ﷺ الحجاب فلم یقدر علیہ حتی مات امام بیہقی فرماتے ہیں کہ ایک روایت میں ہے کہ

آں حضرت ﷺ صبح کی نماز میں شریک ہوئے۔ مگر یہ راوی کا وہم ہے، اس لئے کہ بخاری و مسلم کی روایتوں میں اس کی تصریح ہے کہ آپ صبح کی نماز میں شریک نہیں ہوئے، راوی کو گزشتہ نماز ظہر کی شرکت کا القباس ہو گیا۔ آخری نماز جو آپ نے مسجد میں جماعت کے ساتھ ادا کی وہ جمعرات کے دن ظہر کی نماز تھی جس کے بعد آپ نے خطبہ دیا تھا اور اس کے بعد جمعہ اور ہفتہ اور اتوار تین دن گزرے کہ آپ مسجد میں تشریف نہیں لاسکے، دو شنبہ کے روز صبح کے وقت حجرہ شریفہ سے برآمد ہوئے مگر قدرت نہ ہوئی اور واپس ہو گئے۔

اور حسن بصری کی ایک مرسل روایت میں ہے کہ آں حضرت ﷺ دس روز بیمار رہے اور ابو بکر نے نو دن لوگوں کی امامت کی۔

فائدہ (۲)

دنیا سے رخصت ہوتے وقت پیغمبر خدا کا کسی کو اپنی جگہ امام مقرر کرنا اپنے مصلے پر اس کو کھڑا کر دینا ایسا ہے جیسا کہ کوئی بادشاہ کسی کو اپنے تخت پر بٹھلا کر کہیں چلا جائے۔ پیغمبر خدا کی نماز کا بوریا تخت شاہی سے کہیں بالا اور برتر ہے، اس لئے آپ کی وفات کے بعد صحابہ نے ابو بکر کے ہاتھ پر بیعت کی اور دین و دنیا کا اُن کو امام اور ماویٰ اور ملجا بنایا۔ کیونکہ جس طرح نبی کا امت سے افضل ہونا ضروری ہے۔ اسی طرح نبی کا خلیفہ اور جانشین وہی ہو سکتا ہے جو سب سے افضل ہو ا فضیلت اور خلافت نبوت میں تلازم ہے خلافت راشدہ نبی کی جانشینی ہے کوئی دنیاوی ولی عہدی نہیں اس لئے صحابہ نے جس کو سب سے افضل سمجھا اُس کو آں حضرت کا خلیفہ بنایا۔

فائدہ (۳)

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ صدیق اکبر حضور پر نور کی اخیر حیات تک امام رہے اور شیعوں کا یہ کہنا کہ حضور نے ان کو امامت سے معزول کر دیا تھا بالکل غلط ہے۔

(۷) سقیفہ بنی ساعدہ اور بیعت خلافت

دو شنبہ کے روز دو پہر کے وقت آں حضرت ﷺ نے اس عالم فانی سے عالم جاودانی

کی طرف رحلت فرمائی سنتے ہی تمام صحابہ کے ہوش اڑ گئے اور تہلکہ عظیم برپا ہو گیا بعضوں کو تو یہ خیال ہو گیا کہ حضور پر نور نے ابھی انتقال ہی نہیں فرمایا۔ یہ خیال فرطِ محبت کے سبب سے تھا نہ کہ نا فہمی کی وجہ سے صدیق اکبر یہ خبر قیامت اثر سنتے ہی افتاں و خیزاں و نالاں و گریاں پہنچے اور صحابہ کو تسلی دی۔

شام کے وقت ایک شخص نے ابو بکر کو آ کر یہ خبر دی کہ انصار سقیفہ بنی ساعدہ میں مجتمع ہیں۔ اور سعد بن عبادہ کے ہاتھ پر بیعت کرنا چاہتے ہیں اور بعض انصار یہ بھی کہتے ہیں کہ ایک امیر ہم میں سے ہو اور ایک امیر قریش میں سے، انصار کا گمان یہ تھا کہ استحقاقِ خلافت انصار کو ہے اس لئے کہ انصار نے دین کی مدد کی اور رسول اللہ ﷺ کو اپنے ہاں ٹھہرایا اور آپ کے ساتھ ہو کر اعداء اللہ سے جہاد و قتال کیا بعضوں نے اس کی مخالفت کی باہم بحث و تکرار ہونے لگی۔

رفتہ رفتہ اس امر کی اطلاع ابو بکر و عمر کو پہنچی یہ دونوں بزرگ مع ابو عبیدہ بن الجراح اس اختلاف کی روک تھام کے لئے سقیفہ کی طرف چلے مبادا کوئی فتنہ نہ کھڑا ہو جائے عاصم بن عدی اور عویم بن ساعدہ سے ملاقات ہو گئی۔ عاصم اور عویم نے ان کو وہاں جانے سے روکنے کا قصد کیا۔ لیکن یہ نہ رُکے اور جس قدر جلد ممکن ہو سکا سقیفہ میں جہاں انصار مجتمع تھے جا پہنچے اور باہم مباحثہ ہونے لگا۔

جب حضرت ابو بکر اور حضرت عمر، سقیفہ میں پہنچے تو حضرت سعد بن عبادہ وہاں موجود تھے کھلے ہوئے بیٹھے تھے۔ مریض تھے انصار اُن کو اُن کے مکان سے نکال کر لائے تھے تاکہ اُن کو امیر بنائیں۔

سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی تقریر

سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور حمد و ثناء کے بعد یہ فرمایا:

اما بعد فنحن الانصار و کتیبۃ : اما بعد۔ ہم انصار یعنی دین اسلام کے
الاسلام و انتم یا معشر : مددگار ہیں اور لشکر اسلام ہیں اور تم اے گروہ
قریش رہط بیننا وقد دفت : مہاجرین۔ تم ہم میں ایک قلیل جماعت ہو

الینا دافۃ من قومکم فاذا ہم یریدون ان یغصبونا الامر
(یعنی تم اقلیت ہو اور ہم اکثریت میں ہیں) اور تحقیق تمہاری قوم کی ایک قلیل جماعت ہمارے یہاں پناہ گیر ہوئی اور اب وہ ہم سے ہمارا حق خلافت غصب کرنا چاہتے ہیں۔

ایک اور روایت میں ہے کہ سعد بن عبادہ نے اپنی تقریر میں یہ فرمایا:

یا معشر الانصار لکم ساقۃ و فضیلۃ لیست لاحد من العرب ان محمدًا ﷺ لبث فی قومہ بضع عشرۃ سنۃ یدعوہم فما امن بہ الا القلیل ما کانوا یقدرون علی منعہ ولا علی اعزاز دینہ ولا علی دفع ضیم حتی اذا اراد اللہ بکم الفضیلۃ ساق الیکم الکرامۃ و رزقکم الایمان بہ و برسولہ والمنع لہ و اصحابہ و الا عزازلۃ و لدینہ و الجہاد لاعدائہ فکنتم اشد الناس علی عداوۃ حتی استقامت العرب لامر اللہ طوعاً و کرہاً و اعطى البعید المقادۃ صاغراً فدانت لرسولہ باسیافکم العرب و توفاه اللہ و هو عنکم

اے معشر انصار تم کو دین اسلام کے بارے میں ایسی سبقت اور فضیلت حاصل ہے جو عرب میں سوائے تمہارے کسی کو حاصل نہیں۔ آنحضرت ﷺ اپنی قوم میں تیرہ برس اسلام کی دعوت دیتے رہے مگر اس مدت میں بہت تھوڑے لوگ آپ پر ایمان لائے جن میں یہ طاقت نہ تھی کہ وہ آپ کی حفاظت کر سکتے اور نہ ان میں آپ کے دین کو عزت دینے اور سر بلند کرنے کی طاقت تھی یہاں تک کہ ان میں یہ بھی طاقت نہ تھی کہ کسی دشمن کے ظلم کو اپنے سے ہٹا سکیں حق جل و علانے جب تم کو فضیلت دینا چاہی تو عزت و کرامت کا سامان تم تک پہنچایا اور تم کو ایمان لانے کی توفیق دی اور نبی کریم ﷺ اور آپ کے اصحاب کی حفاظت تم سے کرائی اور اپنے دین کی عزت تم سے کرائی اور خدا کے دشمنوں سے تم نے جہاد کیا اور خدا کے دشمنوں پر تم سب سے زیادہ سخت ثابت ہوئے یہاں تک کہ

راضِ قریر العین۔ استبدوا بہذا الامر دون الناس فانہ لکم دونہم!

تمام عرب حکمِ خداوندی کے سامنے جھک گیا اور دور والوں نے بھی مجبور و مقہور ہو کر گردن ڈال دی اور تمہاری تلواروں سے تمام عرب رسول اللہ ﷺ کا فرمانبردار بنا اور پھر اللہ نے اپنے نبی کو وفات دی اور حضور پر نور نے جس وقت دنیا سے رحلت کی تو وہ تم سے راضی تھے اور آپ کی آنکھیں تم سے ٹھنڈی تھیں پس تم ہی اس منصبِ خلافت کو حاصل کرو۔ یہ تمہارا ہی حق ہے۔ اوروں کا نہیں۔

حاضرین نے اس تقریر کو بہت پسند کیا اور ہر طرف سے تحسین کی صدا بلند ہوئی۔ تقریر ختم ہونے کے بعد پھر اس مسئلہ پر بحث شروع ہوئی اور مہاجرین نے اس پر اعتراض کیا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے اولین اصحاب ہیں کہ آپ پر سب سے پہلے ایمان لائے اور آپ کا قبیلہ اور گروہ ہیں اور آپ کے ساتھ ہجرت کی یعنی خویش اور اقارب اور وطن سب کو خیر باد کہہ کے یہاں آئے اس پر بعض انصار نے یہ کہا کہ بہتر یہ ہے کہ دو امیر ہوں ایک مہاجرین میں سے اور ایک انصار میں سے اور دونوں امیر باہم صلاح و مشورہ سے خلافت کا کام انجام دیں سعد بن عبادہ نے سنتے ہی کہا کہ یہ پہلی کمزوری ہے۔

حضرت عمر نے چاہا کہ کچھ بولیں مگر صدیق اکبر نے اُن کو یہ کہہ کر (علیٰ رسلک) اے عمر ٹھہرو خاموش کر دیا۔ حضرت عمر چونکہ صدیق اکبر کو ناراض کرنا نہیں چاہتے تھے اس لئے بیٹھ گئے اور صدیق اکبر نے تقریر شروع فرمائی۔

صدیق اکبر کی تقریر

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور حق تعالیٰ کی حمد و ثناء کے بعد یہ فرمایا۔

ان اللہ قد بعث فینا رسولاً شہیداً علی امة لیعبدوه و یوحده وہم یعبدون من دونہ الہة شتی من حجر و خشب فعظم علی العرب ان یتروا دین ابناء ہم فخص اللہ المهاجرین الاولین من قومہ بتصدیقہ و المواساة له والصبر معہ علی شدة اذی قومہم و تکذیبہم ایاہ و کل الناس لہم مخالف زار علیہم فلم یستوحشوا لقلۃ عددہم و شنف الناس لہم فہم اول من عبد اللہ فی ہذہ الارض و امن باللہ وبالرسول وہم اولیاءہ و عشیرتہ و احق الناس بھذہ الامر من بعدہ لا ینازعہم الا ظالم و انتم یا معشر الانصار من لا ینکر فضلہم فی الدین ولا سبقتہم فی الاسلام رضیکم اللہ انصارا لدینہ و رسولہ و جعل الیکم ہجرۃ فلیس بعد المهاجرین الاولین عندنا بمنزلتکم فنحن الامراء و

تحقیق اللہ تعالیٰ نے ہم میں ایک رسول بھیجا کہ جو امت کے نگرانی کرے تاکہ لوگ ایک اللہ کی عبادت کریں اور یہ لوگ آپ کی بعثت سے پہلے پتھر اور لکڑی کے بنائے ہوئے بتوں کی پرستش کرتے تھے، عرب کو اپنے آبائی دین کا چھوڑنا بہت شاق اور گراں ہوا پس حق جل شانہ نے آپ کی قوم میں سے مهاجرین اولین کو توفیق خاص عطا فرمائی کہ سب سے پہلے آپ کی تصدیق کی اور سب سے پہلے آپ کی خدمت کی اور آپ کے نمکسار بنے اور قوم کی طرف سے جو سختی سخت اذائیں اور تکلیفیں پہنچیں ان پر صبر کیا حالانکہ اس وقت تمام لوگ ان کے مخالف تھے مگر باوجود قلت تعداد کے لوگوں کی دشمنی سے گھبرائے نہیں اور اس حالت میں آپ کا ساتھ نہیں چھوڑا پس مهاجرین اولین۔ تمام لوگوں میں سب سے اول ہیں جنہوں نے روئے زمین پر اللہ کی عبادت کی اور اللہ اور اس کے رسول پر سب سے پہلے ایمان لائے اور یہی لوگ آنحضرت ﷺ کے اولیاء اور عشیرہ ہیں یعنی آپ کے قرابت دار اور کنبہ دار ہیں اور یہی لوگ آپ کے بعد امر خلافت کے سب سے زیادہ حقدار ہیں اس معاملہ میں سوائے ظالم کے کوئی ان سے

انتم الوزراء لا تقاونون
بمشورة ولا تقضى دونكم
الامور

نہیں جھگڑ سکتا اور اے گروہ انصار۔ تمہاری
فضیلت اور دین اسلام میں سبقت کا کسی کو
انکار نہیں اللہ تعالیٰ نے تم کو پسند کیا کہ اپنے
رسول کا اور اپنے دین کا انصار یعنی معین و
مددگار بنایا اور اپنے رسول کو تمہاری طرف
ہجرت کرائی پس مہاجرین اولین کے بعد
ہمارے نزدیک تمہارا ہی مرتبہ ہے کسی اور
شخص کا نہیں پس ہم امیر ہیں اور تم ہمارے
وزیر ہو بغیر تمہارے مشورے کے امور
انجام نہیں دیئے جائیں گے۔

اور ایک روایت میں ہے کہ صدیق اکبر نے انصار کے جواب میں یہ فرمایا۔

ماذ کرتم من خیر فانتم اهل
وما تعرف العرب هذا الامر
الا لهذا الحی من قریش هم
اوسط العرب نسبا و دارا

اے گروہ انصار تم نے جو اپنے محاسن اور
فضائل بیان کیئے بیشک تم اس کے اہل ہو
لیکن اہل عرب اس امر خلافت کو سوائے
قبیلہ قریش کے کسی اور کے لئے قبول نہیں
کریں گے کیونکہ قبیلہ قریش۔ باعتبار
حسب و نسب کے اور باعتبار مکان کے
سب سے افضل اور برتر ہے۔

بخاری شریف ص ۱۰۱ کتاب المغارین۔

صدیق اکبر کا مطلب یہ تھا کہ خلیفہ ایسی قوم سے ہونا چاہیے کہ جن کی سرداری اور
شرافت جسی و نسبی لوگوں میں مسلم ہوتا کہ لوگ اسی کی امارت پر متفق ہو سکیں اور اس کی
اطاعت اور فرمانبرداری سے عار نہ محسوس کریں کیونکہ جب تک کسی قسم کی شرافت اور برتری
اور بزرگی مسلم نہ ہو، اس وقت تک لوگ اطاعت پر آمادہ نہیں ہوتے بلکہ اس کو حقیر و ذلیل
سمجھتے ہیں صدیق اکبر کا منشاء یہ تھا کہ قریش کی فضیلت اور برتری تمام عرب میں مسلم ہے اور

اوس اور خزر ج کو خاص عزت و وقعت کی نگاہ سے نہیں دیکھتے اس لئے اگر انصار میں سے کسی کو امیر بنایا گیا تو قبائل عرب اس کی اطاعت پر آمادہ نہ ہوں گے اور ملک کے عام باشندے ان کی امارت پر متفق نہ ہوں گے اور خلافت اور امارت کے لئے سب سے اہم اور ضروری امر یہ ہے کہ لوگ امیر سے راضی ہوں اور اس کی امارت پر مجتمع اور متفق ہوں۔

چنانچہ ایک روایت میں ہے کہ صدیق اکبر نے انصار کو مخاطب بنا کر یہ کہا:

یا معشر الانصار انا واللہ
ماننکرم فضلکم ولا بلائکم
فی الاسلام ولا حقکم
الواجب علینا ولکن قد
عرفتم ان هذا الحی من
قریش بمنزلة من العرب
فلیس بها غیرهم وان العرب
لن تجتمع الا علی رجل
منهم فنحن الامراء وانتم
الوزراء فانقوا اللہ ولا تصدموا
الاسلام ولا تکونوا اول من
احدث فی الاسلام الا وقد
رضیت لکم احد ہذین
الرجلین لی ای لعمر ولایہ
عبیدۃ فایہما بایعتم فہولکم
ثقة الحدیث ۱

اے گروہ انصار خدا کی قسم ہم تمہاری فضیلت
اور اسلام کی خدمت اور اعانت اور تمہارے
حق واجب کے منکر نہیں۔ لیکن تم خوب
جانتے اور پہچانتے ہو کہ قبیلہ قریش کو عزت
ووجاہت کا جو مرتبہ ملک عرب میں حاصل
ہے وہ کسی دوسرے قبیلہ کو حاصل نہیں ہے
اور عرب کے باشندے سوائے قبیلہ قریش
کے کسی اور شخص کی امارت پر متفق نہیں ہو
سکتے (اور بغیر ملک کے اتفاق کے کارخانہ
حکومت کا نہیں چل سکتا) اس لئے قریش
امراء ہوں گے اور انصار وزراء ہوں گے پس
اے انصار اللہ سے ڈرو اور اسلام میں سب
سے پہلے بدعت جاری کرنے والے تم نہ بنو
اور میری رائے یہ ہے کہ خلافت اور امارت
کے لئے یہ دو آدمی پسندیدہ ہیں ایک عمر اور
ایک ابو عبیدہ۔ ان میں سے جس کے ہاتھ
پر بھی بیعت کر لو گے وہ تمہارا قابل وثوق اور
قابل اطمینان امیر ہوگا۔

صدیق اکبر کی اس تقریر دل پذیر کے بعد حباب بن المذہب بن الجموح کھڑے ہوئے اور کہا کہ مناسب یہ ہے کہ ایک امیر ہم میں سے ہو اور ایک تم میں سے صدیق اکبر نے فرمایا کہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ الایمة من قریش۔ خلفاء اور امراء قریش میں سے ہوں گے۔ علامہ قاری فرماتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے اور چالیس صحابہ سے مروی ہے، کذا فی شرح الشمائل للعلامة القاری۔

محمد بن اسحق راوی ہیں کہ صدیق اکبر نے اس وقت یہ فرمایا:

انہ لایحل ان یکون
للمسلمین امیران فانہ مہما
یکن ذلکم یختلف امرہم و
احکامہم و تتفرق جماعتہم
و یتنازعون فیما بینہم ہنالک
تترک السنة و تظہر البدعة و
تعظم الفتنة و لیس لاحد علی
ذالک صلاح وان هذا الامر
فی قریش ما اطاعوا اللہ و
استقاموا علی امرہ قد بلغکم
ذالک او سمعتموہ عن رسول
اللہ ﷺ وَلَا تَنَازَعُوا فَتَفْشَلُوا
وَتَذْهَبَ رِیْحُکُمْ وَاصْبِرُوا إِنَّ
اللہَ مَعَ الصَّابِرِینَ فنحن الامراء
وانتم الوزراء اخواننا فی
الدین و انصارنا علیہ۔ ۲

تحقیق یہ امر بالکل روا نہیں کہ مسلمانوں کے دو امیر ہوں اس سے مسلمانوں کے امور اور احکام میں اختلاف پیدا ہوگا اور جماعت میں تفرقہ پڑ جائے گا اور آپس میں جھگڑے کھڑے ہو جائیں گے اور اس وقت سنت تو متروک ہو جائے گی اور بدعت ظاہر ہو جائے گی اور ایک عظیم فتنہ برپا ہوگا۔ اس میں مسلمانوں کی خیر نہیں اور یہ امر خلافت قریش میں رہے گا جب تک قریش اللہ کی اطاعت کریں اور اس کے حکم پر قائم رہیں اور یہ حدیث تم کو پہنچ چکی ہے یا تم خود نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے سن چکے ہو آپس میں نزاع نہ کرو بزدل ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا خیزی ہوگی۔ صبر کرو اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے پس ہم امیر ہیں اور تم ہمارے وزیر ہو دینی بھائی ہو اور دین میں ہمارے معین اور مددگار ہو۔

فاروق اعظم بولے افسوس۔ اے دولواریں ایک نیام میں نہیں ساتیں اور ایک عورت کے دو شوہر نہیں ہوتے یعنی ایک سلطنت کے دو امیر کیسے ہو سکتے ہیں۔ فاروق اعظم کا جواب عقلی تھا اور صدیق اکبر کا جواب عقلی تھا نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا صریح ارشاد نقل کر دیا اور بشیر بن سعد انصاری نے کہا کہ میں نے بھی یہ حدیث نبی کریم ﷺ سے سنی ہے اور دیگر انصار اور مہاجرین نے بھی اس حدیث کی تصدیق کی۔ حباب بن منذر وغیرہ جو انصار کی خلافت پر مصر تھے۔ اس حدیث کے سنتے ہی ان کا بھی خیال بدل گیا اور مجمع میں جو امارت کی بابت شور و غل برپا تھا وہ یکنخت رفع ہو گیا سب کے سب ایک خاموشی کی حالت میں ہو گئے۔

زید بن ثابت کا تب الوحی نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ مہاجرین میں سے تھے اس لئے آپ کا خلیفہ مہاجرین میں سے ہوگا جس طرح ہم نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اعموان و انصار ہیں اسی طرح ہم خلیفہ رسول کے انصار اور مددگار بن کر رہیں گے اور پھر ابو بکر کا ہاتھ پکڑ کر کہا کہ یہ تمہارے خلیفہ ہیں ان سے بیعت کرو۔ ۲

سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کا اعتراف

قال الامام احمد حدثنا عفان : امام احمد بن حنبل اپنی مسند میں راوی ہیں کہ
ثنا ابو عوانة عن داود بن : جب آنحضرت ﷺ کا وصال ہو گیا تو ابو
عبد اللہ عن حمید بن : بکر صدیق اس وقت اپنے گھر تھے فوراً آئے
عبد الرحمن قال توفي رسول : اور آپ کے چہرہ انور سے چادر مبارک اٹھائی
اللہ و ابو بکر فی صائفة من : اور بوسہ دیا اور صحابہ کرام کو تسلی دی، بعد میں
المدينة قال فجاء فكشف عن : جب یہ خبر ملی کہ انصار سقیفہ میں جمع ہیں تو
وجهه فقبله وقال فداك ابی : ابو بکر و عمر تیزی کے ساتھ انصار کے مجمع میں
وامی ما اطلبك حیا و میتا : پہنچے اور ابو بکر نے کلام کیا۔ انصار کے فضائل

۱۔ فاروق اعظم کا یہ کلام سیرت حلبیہ میں مذکور ہے، اصل عبارت یہ ہے۔ و فی رواية (ای عن عمر) قلت سيفان في غمد واحد لا يكونان هيهات لا يجتمع فحلان في مغرس كذا في السيرة الحلبیة ص ۳۵۸ و وقع فی حدیث سالم بن عبید عند البزار وغیرہ فی قصة الوفات فقالت الانصار منا امیر و منكم امیر فقال عمر واخذ بيد ابی بکر۔ اسيفان فی غمد واحد لا یصطلح الخ کذا فی فتح الباری ص ۲۵ ج ۷ مناقب ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

سات محمد و رب الكعبة
 فذكر الحديث قال فانطلق
 ابو بكر و عمر يتعادان حتى
 اتوهم فتكلم ابو بكر فلم
 يترك شيئا انزل في الانصار
 الا ذكره قال ولقد علمتم ان
 رسول الله ﷺ قال لو
 سلك الناس واديا و سلكت
 الانصار واديا لسلكت وادي
 الانصار لقد علمت ايا سعد
 ان رسول الله ﷺ قال - و
 انت قاعد قریش ولا هذا
 الامر خیر الناس تبع لبرهم
 وفاجرهم تبع لفاجرهم فقال له
 سعد صدقت نحن الوزراء
 وانتم الامراء -

و مناقب میں جو کچھ بھی نازل ہوا تھا ابو بکر
 نے ان میں سے کوئی چیز بھی ایسی نہیں
 چھوڑی کہ جس کا اس مجلس میں ذکر اور بیان
 نہ کیا ہو اور یہ کہا کہ تم کو معلوم ہے کہ نبی کریم
 ﷺ نے فرمایا کہ اگر لوگ ایک وادی سے
 چلیں اور انصار دوسری وادی سے چلیں تو
 میں انصار کی وادی سے چلوں گا اور خدا کی
 قسم اے سعد تم کو خوب معلوم ہے کہ ایک
 مرتبہ جب کہ تم نبی کریم ﷺ کی مجلس میں
 بیٹھے ہوئے تھے تو آپ نے یہ فرمایا کہ
 قریش ہی اس امر خلافت کے والی اور متوالی
 ہوں گے، ان میں سے اچھے اچھوں کے
 تابع ہیں اور برے بروں کے تابع ہیں سعد
 بن عبادہ نے ابو بکر سے کہا کہ تم نے سچ کہا۔
 ہم وزراء ہیں اور تم ہی امراء ہو۔

اس روایت میں صراحت موجود ہے کہ ابو بکر صدیق نے، سعد بن عبادہ کو قسم دے کر کہا
 کہ تمہاری موجودگی میں نبی کریم ﷺ نے کہا کہ امر خلافت کے والی قریش ہوں گے، سعد
 نے لفظ صدقت کہہ کر صدیق اکبر کی تصدیق کی اسی وجہ سے حافظ ابن کثیر نے اس
 روایت کے لئے ایک خاص عنوان قائم فرمایا ہو ہذا۔ ذکر اعتراف سعد بن عبادہ
 بصحة ما قاله الصديق يوم السقيفة ۲

۱۔ لقد علمت میں لام مؤنثہ للقسیم ہے، اس لئے اس کا ترجمہ خدا کی قسم سے کیا گیا۔ (منہ عفا اللہ عنہ)

عبداللہ بن مسعود سے مروی ہے کہ جب انصار نے یہ کہا کہ منا امیر و منکم امیر ایک امیر ہم میں سے ہو اور ایک تم میں سے تو حضرت عمر نے یہ کہا اے معشر انصار تم کو معلوم ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حکم دیا کہ ابو بکر لوگوں کی امامت کریں پس تم میں سے کون شخص ہے کہ جو ابو بکر پر پیش قدمی کرنا پسند کرے، انصار نے کہا اللہ کی پناہ کہ ہم ابو بکر پر پیش قدمی کریں رواہ النسائی والبیہقی والحاکم وصححه عن ابن مسعود۔ (کذابی شرح الشامائل للعلامة القاری ص ۲۱۹ ج ۲) مطلب یہ تھا کہ آں حضرت ﷺ کا خاص طور پر تاکید اور اصرار کے ساتھ ابو بکر کو امام بنانا اور اپنا قائم مقام مقرر کرنا یہ اس امر کی دلیل ہے کہ آپ کی نظر میں سب سے افضل اور مقدم ابو بکر ہیں۔

اور شامائل ترمذی ۲ کی روایت میں ہے کہ جب انصار نے یہ کہا منا امیر و منکم امیر تو فاروق اعظم نے حضرت ابو بکر کی تین خصوصیتیں بیان کی اور علی الاعلان فرمایا کہ بتلاؤ کہ یہ تین خصوصیتیں سوائے ابو بکر کے کسی اور شخص میں بھی پائی جاتی ہیں۔

اول: یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ابو بکر کو قرآن میں ثانی اثنین اذہما فی الغار فرمایا، ابو بکر کو نبی کریم کا ثانی بتلایا اور آپ کا یار غار بتایا۔ (دوم) یہ کہ ابو بکر کو آپ کا صاحب خاص

۱۔ فی روية النسائی و ابی یعلی والحاکم وصححه عن ابن مسعود انه قال لما قالت الانصار منا امیر و منکم امیر فاتاهم عمر بن الخطاب فقال یا معشر الانصار الستم تعلمون ان رسول اللہ ﷺ قد امر ابا بکر ان یؤم الناس فایکم یطیب نفسا ان یتقدم علی ابی بکر فقالت الانصار نعوذ باللہ ان یتقدم علی ابی بکر۔ کذافی شرح الشامائل۔

۲۔ فقالت الانصار منا امیر و منکم امیر قال عمر من له مثل هذه الثلاث (ای الفضائل الثلاث التی لابی بکر) (۱) ثانی اثنین اذہما فی الغار (۲) اذ یقول لصاحبه لا تحزن (۳) ان اللہ معنا۔ الحدیث ثابت اللہ تعالیٰ فی هذه الایة ثلاثة فضائل لابی بکر الاولى ثانی اثنین۔ والثانی اثبات الصحبة له فی قوله تعالیٰ اذ یقول لصاحبه لا تحزن۔ الثالثة اثبات المعية فی قوله تعالیٰ ان اللہ معنا فاثباته تعالیٰ تلك الفضائل الثلاث بنص القرآن یؤذن باحقیقته للخلافة کذافی شرح الشامائل للشیخ عبد الرؤف المناوی و العلامة القاری ص ۲۲۰ ج ۲ وقال الحافظ العسقلانی فی الفتح ص ۲۵ ج ۲ ووقع فی حدیث سالم بن عبید عند البزار وغیره فی قصة الوفاة فقالت الانصار منا امیر و منکم امیر فقال عمرو اخذ بید ابی بکر اسیفان فی غمدو احد لا یصطلحان واخذ بید ابی بکر فقال من له هذه الثلاثة اذہما فی الغار من ہما۔ اذ یقول لصاحبه من صاحبه لا تحزن ان اللہ معنا۔ مع من۔ ثم بسط یدہ فباعہ ثم قال بایعوه فباعہ الناس، فتح الباری ص ۲۵ ج ۲ مناقب ابی بکر

اور محبت باختصاص فرمایا اذِیْ قَوْلُ لِصَاحِبِهِ لَا تَحْزَنْ۔ (سوم) یہ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے اپنی معیت خاص کو ذکر فرمایا۔ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا فرمایا۔ ورنہ علم اور احاطہ کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کی معیت عام ہے اور سب کو شامل اور متناول ہے وَهُوَ مَعَكُمْ اَیْنََمَا کُنْتُمْ۔ یہ تین فضیلتیں ابو بکر کے لئے نص قرآن سے ثابت ہیں جس میں اشارہ اس طرف ہے کہ ابو بکر ہی سب سے افضل ہیں اور وہی سب سے زیادہ مستحق خلافت ہیں۔

(کذا فی شرح الشرائع للعلامة القاری والشیخ المناوی ص ۲۲۰ ج ۲)

فاروق اعظم نے صدیق اکبر کی افضلیت کے دلائل میں فقط تین فضائل کے ذکر پر اکتفا فرمایا کہ جو روز روشن کی طرح بالکل واضح تھے ورنہ آیت کے سیاق و سباق میں صدیق اکبر کی افضلیت کے اور بھی دلائل موجود ہیں۔ فاروق اعظم نے صرف تین پر اکتفا فرمایا اور سنئے (۱)۔ ان لا تنصروه فقد نصره اللہ۔ اذ اخرجہ الذین کفروا اس آیت میں ابو بکر صدیق کے سوا سب کو ترک نصرت پر عتاب اور تہدید ہے اس لئے کہ ابو بکر صدیق تو آپ کے ساتھ تھے، اور آپ کے ناصر مددگار تھے ابو بکر عتاب سے مستثنیٰ ہیں۔

دوم یہ کہ من جانب اللہ نبی کریم ﷺ کی نصرت ابو بکر صدیق کی نصرت کو متضمن ہے کیونکہ ابو بکر صدیق آپ کے ساتھ تھے پس حضور پر نور کی طرح ابو بکر منصور اور مؤید من اللہ تھے وہی الحق بالخلافة ہوں گے۔

سوم یہ کہ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِیْنَتَهٗ عَلَیْہِ میں صحیح قول کی بنا پر علیہ کی ضمیر ابو بکر صدیق کی طرف راجع ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنی سکینت و طمانیت ابو بکر پر نازل کی اس لئے کہ ابو بکر صدیق ہی آں حضرت ﷺ کی محبت میں غایت درجہ حزین و مضطرب تھے اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی خاص سکینت و طمانیت سے سرفراز فرمایا۔

چہارم یہ کہ اس آیت میں ابو بکر کو ثانی اثنین بتلایا گیا ہے جس میں اشارہ اس طرف ہے کہ ابو بکر صدیق کمالات علمیہ اور کمالات عملیہ میں آں حضرت ﷺ کے ثانی اور قائم مقام ہیں اور مقام و قرب اور غار انوار و تجلیات میں آپ کے رفیق اور یار غار ہیں۔

پنجم یہ کہ اذِیْ قَوْلُ لِصَاحِبِہ میں ”صاحب“ سے باجماع مفسرین ابو بکر صدیق مراد ہیں۔ حق جل شانہ نے قرآن کریم میں خاص طور پر ابو بکر صدیق کو آں حضرت ﷺ کا صاحب

یعنی رفیق خاص اور مصاحب با اختصاص اور محب صادق و سراپا اخلاص بتایا اشارہ اس طرف ہے کہ ابو بکر صدیق کی صحبت اور رفاقت دائم اور مستمر ہے حیات دنیویہ میں آپ کے ساتھی اور رفیق ہیں اور عالم برزخ اور عالم آخرت اور میدان حشر اور حوض کوثر پر بھی آپ کے ساتھ ہوں گے اور جنت میں بھی آپ کے رفیق ہوں گے اسی وجہ سے بعض علماء نے لکھا ہے کہ جو شخص ابو بکر کے صحابی ہونے کا انکار کرے وہ کافر ہے کیونکہ وہ حق تعالیٰ کے اس قول ”الصاحب“ کا منکر ہے۔

ششم یہ کہ ابو بکر کے متعلق یہ فرمایا لا تحزن اے ابو بکر تم غمگین اور رنجیدہ نہ ہو، یہ اس امر کی دلیل ہے کہ ابو بکر صدیق آں حضرت ﷺ کے عاشق جاں نثار اور غمگین و غمگسار تھے۔ ہفتم یہ کہ لا تحزن کے بعد ان اللہ معنا فرمایا اور اللہ تعالیٰ کی خاص الخاص معیت کی بشارت دی جس کی تفصیل ہجرت کے بیان میں گزر چکی ہے۔ ہذا کلمہ توضیح ما افادہ العلامة القاری فی شرح الشمائل۔

بعد ازاں صدیق اکبر نے کہا کہ یہ عمر اور ابو عبیدہ دونوں یہاں موجود ہیں تم لوگ ان دونوں میں سے جس کے ہاتھ پر چاہو بیعت کر لو عمر اور عبیدہ نے کہا۔ خدا کی قسم یہ ناممکن ہے کہ آپ کے ہوتے ہوئے ہم امر خلافت کے والی بنیں۔ آپ تمام مہاجرین میں افضل ہیں اور نماز جو دین کا ستون ہے اور دین اسلام کا سب سے اعلیٰ اور افضل رکن ہے اس میں آپ رسول اللہ ﷺ کے خلیفہ اور قائم مقام ہوئے اے ابو بکر آپ اپنا دست مبارک بڑھائیے ہم آپ کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں۔

ایک روایت میں ہے کہ ابو بکر نے عمر سے کہا کہ ہاتھ بڑھاؤ تاکہ میں تمہارے ہاتھ پر بیعت کروں عمر نے ابو بکر سے کہا کہ تم افضل ہو۔ ابو بکر نے جواب دیا انت اقوی منی۔ تم مجھ سے زیادہ قوی ہو اسی پر تکرار ہوتا رہا۔ آخر میں عمر نے کہا ان قوتی لك مع فضلك۔ یعنی میری قوت آپ کی فضیلت کے ساتھ مل کر کام کرنے میں ہے یعنی افضل تو امیر ہوگا اور اقوی اس کا وزیر یا تدبیر ہوگا کذا فی شرح الشمائل للعلامة القاری ص ۲۳۱ ج ۲، اس کے بعد پھر حضرت عمر نے صدیق اکبر سے کہا کہ اے ہاتھ اور بیعت کے لئے بڑھاؤ، پس جب ان دونوں حضرات عمر اور ابو

عبیدہ نے چاہا کہ آگے بڑھ کر ابوبکر سے بیعت کریں تو بشیر بن سعد انصاری نے سبقت کی اور اٹھ کر سب سے پہلے ابوبکر کے ہاتھ پر بیعت کی پھر حضرت عمر اور حضرت ابو عبیدہ نے بیعت کی۔

جب حباب بن منذر نے دیکھا کہ بشیر بن سعد نے ابوبکر کے ہاتھ پر بیعت کر لی تو چلا کر یہ کہا کہ تو نے قرابت کا لحاظ نہ رکھا اور اپنے ابن عم (سعد بن عبادہ) کی امارت کو پسند نہ کیا اور اس پر رشک اور حسد کیا بشیر بن سعد نے جواب دیا کہ خدا کہ قسم یہ بات نہیں بلکہ بات یہ ہے کہ میں مہاجرین سے ان کا حق چھیننا پسند نہیں کرتا۔ پھر قبیلہ اوس کے لوگ قبیلہ خزرج کی امارت کو پسند نہیں کرتے تھے ان کو اندیشہ یہ تھا کہ اگر ایک مرتبہ سعد بن عبادہ کو امیر بنالیا اور امارت خزرج میں چلی گئی تو پھر قبیلہ اوس کو اس فضیلت میں سے کبھی حصہ نہیں ملے گا۔ اسید بن حضیر قبیلہ اوس کے نقیب اور سردار وہاں موجود تھے انہوں نے قبیلہ اوس کے لوگوں کو مشورہ دیا کہ اٹھو اور ابوبکر کے ہاتھ پر بیعت کرو، یہ لوگ اٹھے اور ابوبکر کے ہاتھ پر بیعت کی ان کا بیعت کرنا تھا کہ حضرت سعد اور خزرج کا ارادہ درہم برہم ہو گیا۔

بعد ازاں چاروں طرف سے لوگ ابوبکر کی بیعت کے لئے اُمنڈ پڑے اور کہیں تل رکھنے کو جگہ نہ رہی۔ سعد بن عبادہ ایک گوشہ میں بیٹھے ہوئے تھے کسی نے کہا کہ دیکھو کہ کہیں سعد دب کر نہ مر جائے۔ حضرت عمر نے کہا اللہ اس کو مارے سعد اٹھ کر گھر چلے گئے اور لوگ بیعت کر کے اپنے گھروں کو واپس ہو گئے۔

بیعت خاصہ کے بعد بیعت عامہ

غرض یہ کہ ابوبکر صدیق باجماع مہاجرین و انصار خلیفہ منتخب ہو گئے اور بیعت کے بعد جلسہ ختم ہو گیا یہ بیعت دو شنبہ کی شام کو ہوئی جس دن آنحضرت ﷺ کا وصال ہوا یعنی ۱۲ ربیع الاول ۱ھ بوقت شام دو شنبہ کے دن یہ بیعت خاصہ تھی اور بیعت عامہ وفات کے دوسرے دن بروز سہ شنبہ مسجد نبوی میں منبر پر ہوئی۔

بیعت السقیفہ کے دوسرے دن یعنی بروز منگل عامۃ الناس مسجد نبوی میں جمع ہوئے،

إقوال الحافظ ابن کثیر قلت کان هذا (ای امر البیعة فی السقیفة) فی بقیة یوم الاثنين فلما کان الغد صبیحة یوم الثلاثاء اجتمع الناس فی المسجد فتمت البیعة من المهاجرین والانصار قاطبة وکان ذلك قبل تجهیز رسول الله ﷺ تسليماً کذا فی البدایة والنهاية ص ۲۴۸ ج ۵۔

تمام اصحاب کبار اور مہاجرین و انصار موجود تھے پہلے حضرت عمرؓ نے منبر پر بیٹھ کر ایک مختصر اور جامع تقریر کی اور حضرت ابوبکر خاموش بیٹھے رہے۔

بیعت عامہ سے پہلے مسجد نبوی میں حضرت عمر کا خطبہ

حضرت عمرؓ نے کہا مجھے اُمید تھی کہ آنحضرت ﷺ کی وفات ہم سب کے بعد ہوگی پس اگر محمد ﷺ وفات پا گئے (تو انشاء اللہ دین میں کوئی خلل نہیں آئے گا) اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے درمیان ایک نور ہدایت (قرآن) باقی رکھا ہے جو تمہاری ہدایت کا ذریعہ ہے اور حضور پر نور کے بعد ابوبکر صدیق تم میں موجود ہیں جو رسول اللہ ﷺ کے یار غار اور ثانی اثنین دو میں کے دوسرے ہیں اور آپ کے صاحب خاص اور رفیق باختصاص ہیں تمام مسلمانوں میں زیادہ وہی تمام مملکت کے ولی اور حقدار ہیں پس اے مسلمانو اٹھو اور ان کے ہاتھ پر بیعت کرو۔

ایک روایت میں ہے کہ فاروق اعظم نے فرمایا اے مسلمانو بتاؤ سوائے ابوبکر کے کون ہے کہ جس کو اللہ نے ثانی اثنین اذہما فی الغار فرمایا ہو۔ اور کون ہے کہ جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کا صاحب خاص فرمایا ہو۔ اذیقول لصاحبہ اور کون ہے کہ اللہ تعالیٰ خاص طور پر اس کے ساتھ ہو۔ ان اللہ معنا۔ مطلب یہ تھا کہ یہ وہ صفات فاضلہ ہیں کہ آسمان کے نیچے اور زمین کے اوپر کوئی فرد بشر ایسا نہیں کہ جو ان صفات فاضلہ میں ابوبکر کا شریک اور سہم ہو پھر استحقاق خلافت میں کیسے کوئی ان کا شریک اور سہم ہو سکتا ہے خوب سمجھاؤ

اقال البخاری انہانا ابراہیم بن موسیٰ ثنا ہشام عن معمر عن الزہری اخبرنی انس بن مالک انہ سمع خطبۃ عمر الاخیرۃ حین جلس علی المنبر و ذالک الغد من یوم توفی رسول اللہ ﷺ و ابوبکر صامت لایتکلم قال کنت ارجو ان یعیش رسول اللہ ﷺ حتی یدبُرنا یرید بذالک ان یکون اخرهم

۲ البدیۃ والنبیۃ ج: ۵ ص: ۲۲۸

فان ینک محمد قدمات فان اللہ عزوجل بین اظهر کم نور تہتدون بہ ہدی اللہ محمد ﷺ وان ابوبکر صاحب رسول اللہ و ثانی اثنین و انہ اولی المسلمین باسور کم ففو موافبا یعوہ و کانت طائفہ قد بایعوا قبل ذلک فی سقیفۃ بنی ساعدۃ و کانت بیعة العامة علی المنبر۔

کہ جس کو حق جل شانہ ثانی اثنین فرمائیں وہ بلاشبہ لاثانی ہے لہذا اے مسلمانو! تم اس لاثانی کی طرف بڑھو اور اس کے ہاتھ پر بیعت کرو رسول اللہ کے ہاتھ کے بعد یہ دوسرا ہاتھ ہے۔
شیخ فرید الدین عطار عننطق الطیر میں فرماتے ہیں:

خواجه اول کہ اول یار او ست	ثانی اثنین اذہمانی الغار او ست
صدر دین صدیق اکبر قطب حق	درہمہ چیز ازہمہ بردہ سبق
ہرچہ حق از بارگاہ کبریا	ریخت در صدر شریف مصطفیٰ
اوہمہ در سینہ صدیق ریخت	لاجرم تا بود ازو تحقیق ریخت
چوں تو کردی ثانی اثنین قبول	ثانی اثنین او بود بعد از رسول

صدیق اکبر سے بیعت لینے کی درخواست

حضرت عمر جب اپنے خطبہ سے فارغ ہوئے تو حضرت ابو بکر سے عرض کیا اصعد المنبر منبر پر چڑھیے صدیق اکبر نے تامل کیا مگر حضرت عمر برابر اصرار کرتے رہے۔ تب صدیق اکبر منبر پر جا کر بیٹھے اور عامۃ الناس نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔

بیعت عامہ کے بعد صدیق اکبر کا پہلا خطبہ

صدیق اکبر حضرت عمر کے اصرار سے منبر پر بیٹھے مگر جس درجہ پر نبی اکرم ﷺ بیٹھا کرتے تھے، اُس کو چھوڑ کر ایک درجہ نیچے بیٹھے اور عامۃ المسلمین سے بیعت عامہ لی۔ بیعت سے فراغت کے بعد حاضرین سے مخاطب ہو کر یہ فرمایا:

اما بعد۔ ایہا الناس فانی	اے لوگو! میں تمہارا والی اور امیر بنا دیا گیا
قدولیت علیکم ولست	ہوں اور میں تم سے بہتر نہیں ہوں اگر میں
بخیر کم فان احسنت	اچھا کام کروں تو تم میری مدد کرنا اور اگر
فاعینونی وان اسأت فقومونی	کوئی بُرا کام کروں تو تم مجھ کو ٹھیک کر دینا
الصدق امانة والكذب خیانة	صداقت۔ امانت ہے اور کذب خیانت

اصل عبارت اس طرح ہے۔ قال الزہری عن انس بن مالک سمعت عمر یقول یومئذ لابی بکر اصعد المنبر فلم یزل بہ حتی صعد المنبر فبايعه الناس عامۃ کذا فی البدایہ والنہایہ ص ۲۳۸ ج ۵

والضعیف فيكم قوى عندي حتى ازيح علتہ ان شاء الله تعالى والقوى فيكم ضعيف حتى آخذ منه الحق ان شاء الله تعالى لا يدع قوم الجهاد في سبيل الله الا ضربهم الله بالذل ولا يشيع في قوم قط الفاحشة الا عثمهم الله بالبلاء اطيعوني ما اطعت الله ورسوله فاذا عصيت الله ورسوله فلا طاعة لي عليكم قوموا الى صلاتكم يرحمكم الله وهذا اسناد صحيح

ہے اور جو شخص تم میں ضعیف ہے وہ میرے نزدیک قوی ہے تا آنکہ اس کی تکلیف کو دور نہ کروں یعنی اس کا حق نہ دلا دوں۔ انشاء اللہ تعالیٰ اور جو تم میں قوی ہے وہ میرے نزدیک ضعیف ہے یہاں تک کہ میں اُس سے حق وصول نہ کر لوں جو قوم جہاد فی سبیل اللہ ترک کر دیتی ہے اللہ اس قوم کو ذلیل کرتا ہے، اور جس قوم میں بے حیائی اور بدکاری شائع ہو جاتی ہے تو ساری قوم پر کوئی بلا اور مصیبت آتی ہے تم میری اطاعت کرو جب تک میں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کروں اور جب میں اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کروں تو تم پر میری اطاعت نہیں اب نماز کیلئے اٹھو اللہ تم پر رحم فرمائے آمین۔

موسیٰ بن عقبہ نے مغازی میں اور حاکم نے مستدرک میں عبدالرحمن بن عوف سے روایت کیا ہے اور حاکم نے اس کو صحیح بتایا ہے۔

خطب ابوبکر فقال والله ما كنت حريصا على الامارة يوما وليلة قط ولا كنت راغباً ولا سألتها الله في سرو علانية ولكنني اشفقت من الفتنة ومالي من الامارة من

صدیق اکبر نے خطبہ دیا اور یہ کہا خدا کی قسم میں امارت اور خلافت کا کبھی خواہشمند نہیں ہوا نہ دن میں نہ رات میں اور نہ کبھی اس کی طرف مائل ہوا اور نہ حق تعالیٰ سے علانیہ یا پوشیدہ طور پر میں نے کبھی امارت کی دعا مانگی البتہ مجھے یہ ڈر ہوا کہ کوئی فتنہ نہ کھڑا ہو

راحة لقد قلدت امرا عظيما
مالی به من طاقة ولا یدالا
بتقوية الله كذافی شرح
الشمائل للعلامة القاری۔
جائے اس لئے بادل ناخواستہ میں نے
امارت کو قبول کر لیا اور مجھے امارت میں کوئی
راحت نہیں میری گردن پر ایک عظیم بوجھ ڈالا
گیا جس کے اٹھانے کی اپنے اندر طاقت
نہیں پاتا مگر یہ کہ اللہ میری مدد فرمائے۔

اور کنز العمال کی کتاب الخلافت پر صدیق اکبر کا خطبہ بایں الفاظ منقول ہے۔

عن ابی بکر انه قال یا ایہا
الناس ان کنتم ظننتم انی
اخذت خلافتکم رغبة فیہا
او ارادة استیثار علیکم و علی
المسلمین فلا والذی نفسی
بیدہ ما اخذتہا رغبة فیہا و
استیثارا علیکم ولا علی احد
من المسلمین ولا حرصت
علیہا لیلۃ ولا علانیۃ ولقد
امرا عظیما لا طاقة لی بہ الا
ان یعین اللہ تعالیٰ ولوددت
انہا الی ای اصحاب رسول
اللہ ﷺ علی ان یعدل فیہا
فہی الیکم رد ولا بیعة لکم
عندی فادفعوا لمن احببتہم
فانما انا رجل منکم رواہ ابو
نعیم فی فضائل الصحابة
صدیق اکبر نے خطبہ دیا اور یہ کہا اے لوگو اگر
تمہارا یہ گمان ہے کہ میں نے یہ خلافت اس
لئے قبول کی ہے کہ میں خلافت اور امارت
میں راغب تھا یا میں مسلمانوں پر اپنی برتری
اور فوقیت چاہتا تو قسم ہے اُس خداوند
ذوالجلال کی جس کے قبضہ میں میری جان
ہے میں نے اس ارادہ سے خلافت کو قبول
نہیں کیا۔ خدا کی قسم میں نے امارت اور
خلافت کی دن اور رات کی کسی ساعت میں
کبھی حرص نہیں کی اور نہ ظاہر و باطن میں خدا
ہی سے اس کی دعاء مانگی میری تمنا تو یہ تھی کہ
میرے سوا کسی اور صحابی کو یہ منصب سونپ دیا
جاتا جو مسلمانوں میں عدل کرتا۔ اور اب میں
تم سے یہ کہتا ہوں کہ یہ تمہاری خلافت اور
امارت تم کو واپس ہے اور جو بیعت تم میرے
ہاتھ پر کر چکے ہو وہ سب ختم ہے، اب جس کو
چاہو یہ امارت اور خلافت سپرد کرو تم میں کا
ایک فرد میں بھی ہوں والسلام۔

(۸) حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیعت

جب سب لوگ بیعت کر چکے تو صدیق اکبر نے مجمع پر ایک نظر ڈالی تو لوگوں میں حضرت علی اور حضرت زبیر کو نہ پایا فرمایا کہ میں اس مجمع میں علی اور زبیر کو نہیں دیکھتا ان کو بھی بلا لو۔ انصار میں سے کچھ لوگ اُٹھے اور حضرت علی اور حضرت زبیر کو بلا کر لائے۔

(کنز العمال ص ۳۱ ج ۳ کتاب الخلافۃ)

صدیق اکبر نے کہا اے رسول اللہ ﷺ کے چچا زاد بھائی اور آپ کے داماد کیا تم مسلمانوں میں تفرقہ ڈالنا چاہتے ہو اور یہی حضرت زبیر سے کہا حضرت علی اور حضرت زبیر نے کہا اے خلیفہ رسول اللہ آپ ہمیں ملامت نہ کریں ہم مسلمانوں میں تفرقہ ڈالنا نہیں چاہتے اور عرض کیا۔

قال علی والزبیر ما غضبنا
الا لانا اخرنا عن المشورة وانا
نری ابا بکر احق الناس بها انه
لصاحب الغار وانا لنعرف
شرفه وخیره ولقد امره رسول
الله ﷺ ان یصلی بالناس
وهو حی۔ اسناد جید ولله
الحمد والمنة ۲

حضرت علی اور حضرت زبیر نے کہا کہ ہمیں کسی چیز کا رنج نہیں۔ خیال صرف اس بات کا ہے کہ خلافت کے مشورہ میں ہم کو شریک نہیں کیا گیا باقی ہم یقین کے ساتھ جانتے ہیں کہ خلافت کے سب سے زیادہ حقدار ابوبکر ہیں وہ نبی کریم ﷺ کے یار غار ہیں اور ہمیں ان کا فضل اور شرف اور ان کی بھلائی بخوبی معلوم ہے اور تحقیق نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے ان کو اپنی زندگی میں امام مقرر کیا کہ لوگوں کو نماز پڑھائیں (یہ بھی ان کے افضل ہونے کی دلیل ہے) اس روایت کی سند نہایت کھری ہے۔

و فی روایۃ انہ رضیہ لدیننا اور ایک روایت میں ہے کہ حضرت علی نے یہ
افلا نرضاه لدنیانا فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ابو بکر کو ہمارے
دین کے لئے پسند فرمایا۔ پس کیا ہم ابو بکر کو
اپنی دنیاؤں کے لئے پسند نہ کریں۔

اور یہ کہہ کر ان دونوں حضرات نے ابو بکر صدیق کے ہاتھ پر بیعت کی خراجہ الحاکم
(ازلۃ الخفاء ص ۲۷ ج ۲)

صدیق اکبر نے حضرت علی اور حضرت زبیر سے معذرت کی اور یہ کہا کہ خدا کی قسم مجھے
امارت کی ذرہ برابر حرص نہ تھی نہ کبھی دل میں اس کی رغبت ہوئی اور نہ کبھی حق تعالیٰ سے ظاہراً
اور پوشیدہ امارت کی دعا مانگی مگر مجھ کو فتنہ کا اندیشہ ہوا یعنی یہ اندیشہ ہوا کہ اگر معاملہ کو تمہاری
آمد تک مؤخر رکھوں تو مبادا کوئی فتنہ کھڑا ہو جائے۔

حضرات شیعہ کہتے ہیں کہ حضرت علی کو نہ کسی نے پوچھا اور نہ بلایا تو حضرات شیعہ
بتلائیں کہ حضرت ابو بکر حضرت عمر کو کس نے پوچھا اور کس نے بلایا تھا خود ہی فتنہ کے خوف
سے چلے گئے تھے، نیز خلافت کا کام ان کی نظر میں کوئی بڑا کام نہ تھا کہ جس کے واسطے یہ
انتظار کرتے کہ فلاں کو آجائے دو اور فلاں کو تشریف لانے دو۔

بہر حال حضرت علی اور حضرت زبیر نے ابتداء ہی میں صدیق اکبر کے ہاتھ پر بیعت کی۔
وقد صحح ابن حبان وغیرہ من ابن حبان وغیرہ نے ابو سعید خدری کی اس
حدیث ابی سعید الخدری روایت کو صحیح بتایا ہے جس میں یہ بیان کیا ہے

۱ شرح الشماک ج ۲ ص ۲۲۲ ۲ قال الامام احمد حدثنا علی بن عباس ثنا الولید بن مسلم
اخبرنی یزید بن سعید عن عبد الملك بن عمير عن رافع الطائي رفيق ابی بکر الصديق في
غزوة ذات السلاسل قال وسأله عما قيل في بيعتهم فقال وهو يحدثه عما نقولت به الانصار
وما كلمهم به وما كلم به عمر بن الخطاب الانصار وما ذكرهم به من امامتي اياهم باسم
رسول الله ﷺ في مرضه فبايع نبي لذلك وقبلتها منهم وتخوفت ان تكون فتنه بعد هارده
وهذا اسناد جيد قوى ومعنى هذا انه رضى الله عنه انما قبل الامامة تخوفاً ان تصع فتنه اربى
من تركه قبولها رضى الله عنه وارضاه كذا في البداية والنهاية ص ۲۳۷ ج ۵ اور ایک روایت ہے۔
فقال راى ابو بكر ان رسول الله ﷺ قبض والناس حديث عهد بكفر فخفت عليهم ان يرتد
واوان يختلفوا فدخلت فيها وانا كاره ولم يزل يبي اصحابي فلم يزل يعتذر حتى عذرت رواه
ابن راهويه والعدنى والبهوى وابن خزيمة كذا في كثر اعمال ص ۱۲۵ ج ۳
۳ ازلۃ الخفاء ج ۲ ص ۲۷، سیرت حلبیہ ج ۳ ص ۲۶۰

وغیرہ ان علیا بایع ابابکر فی ۱۱ کہ حضرت علی نے شروع ہی میں ابوبکر
اول الامر ۱۱ کے ہاتھ پر بیعت کر لی تھی۔

حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ صحیح اور حق یہی ہے کہ حضرت علی نے شروع ہی میں ابوبکر
کے ہاتھ پر بیعت کر لی تھی، حضرت علی کسی وقت بھی صدیق اکبر سے جدا نہیں ہوئے تمام
نمازیں ابوبکر کے پیچھے پڑھتے تھے۔ ۲

نیز ابوسعید خدری رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے علاوہ دیگر صحابہ سے بھی منقول ہے کہ حضرت علی
نے شروع ہی میں ابوبکر صدیق کے ہاتھ پر بیعت کی۔ جس کو حاکم کے علاوہ ابوداؤد طیالسی
اور ابن سعد اور ابن ابی شیبہ اور ابن جریر اور بیہقی اور ابن عساکر نے روایت کیا ہے۔ ۳

اور صحیح بخاری میں عائشہ صدیقہ سے مروی ہے کہ حضرت علی نے چھ ماہ بعد جب
حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا وصال ہو گیا تب ابوبکر صدیق کے ہاتھ پر بیعت کی بعض علماء
نے بخاری کی روایت کو ترجیح دی ہے اور امام بیہقی نے ابن حبان کی روایت کو ترجیح دی ہے اور
بعض علماء نے دونوں روایتوں میں اس طرح تطبیق دی ہے کہ حضرت علی نے ایک بیعت تو
شروع ہی میں کر لی تھی لیکن جب بعد میں فدک کا واقعہ پیش آیا اور رنجش اور ملال کی نوبت
آئی اور پھر حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا کی علالت کی وجہ سے حضرت علی کا حضرت ابوبکر کے
پس آنا جانا بھی کم ہو گیا تو لوگوں کو یہ وہم ہو گیا کہ حضرت علی صدیق اکبر کی خلافت سے
راضی نہیں تو اس وہم کے دور کرنے کے لئے حضرت علی نے مجمع عام میں دوبارہ بیعت کی تو
یہ دوسری بیعت درحقیقت پہلی بیعت کی تجدید تھی۔ ۴

صحیح بخاری میں عائشہ صدیقہ سے مروی ہے کہ حضرت فاطمہ الزہراء کی وفات کے بعد
حضرت علی نے حضرت ابوبکر کے پاس پیغام بھیجا کہ میرے گھر تشریف لائیں لیکن کوئی دوسرا
شخص آپ کے ہمراہ نہ ہو۔ (اشارہ حضرت عمر کی طرف تھا کہ وہ سخت ہیں اور ابوبکر نرم ہیں)
حضرت عمر نے سنا تو کہا کہ خدا کی قسم آپ تنہا نہ جائیں۔ ابوبکر صدیق نے کہا خدا کی قسم میں
ضرور جاؤں گا، مجھے یہ توقع نہیں کہ وہ میرے ساتھ کچھ کریں گے، چنانچہ حضرت ابوبکر

۱ فتح الباری، ج: ۷، ص: ۳۷۹ ۲ البدایہ والنہایہ، ج: ۵، ص: ۲۴۹ ۳ فتح الباری، ج: ۷، ص: ۳۷۹۔

۴ فتح الباری، ج: ۷، ص: ۳۷۹۔

تشریف لے گئے تو حضرت علیؑ نے حمد و ثناء کے بعد کہا:

انا قد عرفنا فضلك وما اعطا
 الله لم ننفس عليك خيرا ساقه
 الله اليك ولكنك استبددت لـ
 علينا بالامر وكننا نرى لقرا بتنا
 من رسول الله ﷺ ان لنا في
 هذا الامر نصيبا حتى فاضت
 عينا ابى بكر فلما تكلم ابو بكر
 قال والذي نفسي بيده لقرا به
 رسول الله ﷺ احب الى ان
 اصل قرابتى واما الذى شجر
 بينى وبينكم من هذه الاموال
 فلم آل فيها عن الخير ولم
 اترك امرا رأيت رسول
 الله ﷺ يصنعه فيها
 الا صنعت فقال على لابی بكر
 موعذك العشية للبيعة فلما
 صلى ابو بكر الظهر رقى المنبر
 فتشهد و ذكر شأن على و
 تخلفه عن البيعة و عذره
 بالذى اعتذر اليه ثم استغفر و
 تشهد على فغطم ۲ حق ابى

اے ابو بکر ہم آپ کے فضل اور شرف کو
 خوب جانتے اور پہچانتے ہیں۔ اور جو خیر اور
 عزت یعنی خلافت اللہ تعالیٰ آپ کی طرف
 کشاں کشاں لایا ہے ہمیں اس پر ذرہ برابر
 رشک اور حسد نہیں لیکن ہمیں شکوہ اس کا ہے
 کہ خلافت کا معاملہ ہم سے بغیر مشورہ کیے
 اکیلے ہی طے کر لیا اور رسول اللہ ﷺ کی
 قرابت کی وجہ سے مشورہ میں ہمارا بھی حق
 ہے، حضرت علیؑ اسی قسم کے گلے اور شکوے
 کی باتیں کرتے رہے یہاں تک کہ ابو بکر
 صدیق کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے
 ابو بکر صدیق بولے قسم ہے اس ذات پاک
 کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔
 رسول اللہ ﷺ کی قرابتوں کی پاس داری
 مجھے اپنی قرابتوں کی پاس داری سے کہیں
 زیادہ محبوب ہے اور ان اموال فذک و بنی
 تضریر کے بارہ میں باہم جو اختلاف پیش آیا
 سوان میں میں نے خیر اور بہتری میں کوئی
 کمی نہیں کی اور رسول اللہ ﷺ کے
 طریقہ کو ترک نہیں کیا جس طرح

۱ قولہ ولکنک استبددت بالامر قال المازری وعل علیا اشار الى ان ابابکر استبد علیہ بامور عظام کان مثله علیہ ان تکثر فیها
 ویشاوره وانه اشار الى انه لم يستشر فی عقد الخلفه لاولاً۔ ولفظ لابی بكر انه خشی من اتاخر عن البيعة الاختلاف لما كان وقع
 من الانصار كما تقدم فی حدیث السقیفه فلم یتنظر وفتح الباری ص ۷۹، ج ۷ ۲ البدایہ والنہایہ ج ۵، ص ۲۳۹

بکر و حدث انه لم يحمله على
الذى صنع نفاسة على ابي
بكر ولا انكار الذى فضله الله
به ولكننا كنا نرى لنا فى هذا
الامر نصيبا فاستبد علينا
فوجدنا فى انفسنا فسر
بذلك المسلمون وقالوا
اصبت۔ اے

آپ ان اموال کا انتظام کرتے تھے اسی
طرح میں نے بھی کیا حضرت علی نے صدیق
اکبر سے کہا کہ میرا آپ سے یہ وعدہ ہے کہ
زوال کے بعد بیعت کے لئے حاضر ہوں گا،
ابو بکر صدیق ظہر کی نماز سے فارغ ہو کر منبر پر
چڑھے اور خدا کی حمد و ثناء کی اور اس کے بعد
حضرت علی کی شان کو اور ان کی بیعت نہ
کرنے کو اور ان کی تاخیر کے عذر کو بیان فرمایا
اور استغفار کے بعد منبر سے اتر آئے۔

ان کے بعد حضرت علی نے اللہ کی حمد و ثناء کی اور پھر حضرت ابو بکر کے فضائل اور حقوق
بیان کیے اور ابو بکر صدیق کے ہاتھ پر بیعت کی اور یہ کہا کہ مجھ سے جو کچھ تاخیر ہوئی اس کی
وجہ معاذ اللہ یہ نہ تھی کہ مجھے صدیق اکبر کی خلافت پر کچھ شک تھا اور نہ یہ وجہ تھی کہ مجھے اُن کی
فضیلت اور برتری سے کوئی انکار تھا بلکہ صرف اتنی بات تھی کہ اس معاملہ میں ہمارا بھی کچھ حق
تھا۔ کہ ہم سے کچھ رائے لیتے لیکن ابو بکر نے استبداد سے کام لیا اور ہمارے بلا مشورہ یہ
معاملہ طے کر لیا۔ اس لئے ہم اپنے دل میں رنجیدہ ہوئے مسلمان حضرت علی کی یہ گفتگو سن
کر خوش ہو گئے اور سب نے اَصْبَتْ اور اُخْسَنْتْ کہا۔

ان تمام روایات سے یہ امر روز روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ حضرت علی کو صدیق اکبر کی
افضلیت اور اہلیت خلافت میں ذرہ برابر شک نہ تھا اور نہ ذرہ برابر خلاف صدیقی پر کوئی حسد
یا رشک تھا اور بصدرِ رضا و رغبت ابو بکر کے ہاتھ پر بیعت کی اور جو شکوہ شکایت تھی وہ بنا بر
محبت تھی۔ غیروں سے شکایت نہیں ہوتی، بلکہ اس روایت سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت
علی کا دل حضرت ابو بکر کی محبت سے لبریز تھا اور اُن کی افضلیت میں کوئی شک و شبہ نہ تھا،
بیعت سے علیحدگی کا سبب معاذ اللہ کوئی رشک و حسد نہ تھا بلکہ ایک مجاہد و مخلصانہ شکوہ تھا اور
بطورِ ناز تھا۔ حقیقت اس کی کچھ نہ تھی۔ ابو بکر صدیق سقیفہ میں اپنی بیعت لینے نہیں گئے تھے

بلکہ مہاجرین و انصار کے باہمی نزاع کو رفع کرنے گئے اور وہاں جانے کے بعد خود اپنی بیعت کی درخواست نہیں کی۔ بلکہ حاضرین نے بالاتفاق خود اُن کے ہاتھ پر بیعت کی ایسی حالت میں اگر بیعت نہ لیتے تو فتنہ اور فساد کا اندیشہ تھا اور خطرہ تھا کہ بات اختیار سے باہر نہ ہو جائے، ایسے نازک اور ناگہانی حالت میں یہ کہنا کہ فلا نے کو نہیں بلایا اور فلا نے سے مشورہ نہیں کیا مناسب نہیں صدیق اکبر نے حضرت علی کو جب یہ باتیں بتلائیں تو سارا گلہ اور شکوہ دم کے دم میں دور ہو گیا اور دل و جان سے ابوبکر سے بیعت کی۔

علامہ حلبی سیرت حلبیہ میں فرماتے ہیں کہ جب مہاجرین اور انصار جمع ہو گئے تو صدیق اکبر نے حضرت علی کو بلانے کے لئے آدمی بھیجا جب حضرت علی آ گئے تو یہ فرمایا:

ما خلفک یا علی من امر
الناس قال خلفنی عظیم
المعتبة ورايتکم استقلیتم
برایکم فاعتذر الیہ ابوبکر
رضی اللہ عنہ بخوف الفتنة
لواخرثم اشرف علی الناس
وقال ایہا الناس هذا علی بن
ابی طالب لابیعة لی فی عنقه
وهو بالخیار عن امرالا وانتم
بالخیار جمیعاً فبیعتکم فان
رأیتم لہا غیری فاننا اول من
یبایع فلما سمع ذلك علی
کرم اللہ وجہہ زال ما کان قد
داخله فقال اجل لانری لہا
غیرک امد دیدک فبایعه هو
والنفر الذین کانوا معہ الخ

اے علی تم کو اس بیعت کے معاملہ سے کسی چیز نے مؤخر رکھا حضرت علی نے کہا ایک بڑے شکوہ اور رنج نے ہم کو مؤخر رکھا کہ تم نے ہم سے بغیر مشورہ کیے یہ معاملہ طے کر لیا۔ ابوبکر صدیق نے معذرت کی کہ وہ وقت نہایت پریشانی اور اضطراب کا تھا اگر اس امر کو ملتوی رکھا جاتا تو اندیشہ فتنہ کا تھا اور پھر صدیق اکبر لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا اے لوگو یہ علی بن ابی طالب تمہارے سامنے ہیں ابھی تک میری بیعت کا فائدہ اُن کی گردن میں نہیں اُن کو پورا اختیار ہے کہ چاہے میرے ہاتھ پر بیعت کریں یا نہ کریں اور اے مسلمانو تم اگرچہ میرے ہاتھ پر بیعت کر چکے ہو لیکن تم کو بھی پورا اختیار ہے کہ اپنی بیعت کو

واپس لے لو اور اگر میرے سوا کسی اور کے ہاتھ پر بیعت کرنا چاہتے ہو تو تم کو اختیار ہے جس کو چاہو دوبارہ اپنا امیر بنالو۔ اس دوسرے امیر کے ہاتھ پر سب سے پہلے بیعت کرنے والا میں ہوں گا۔ صدیق اکبر کا یہ کلام سنتے ہی حضرت علی کے تمام شکوے اور شکایات یکنخت دل سے دور ہو گئے اور یہ کہا کہ ابوبکر ہم تم سے زیادہ کسی کو خلافت کا اہل نہیں سمجھتے۔ اپنا ہاتھ بڑھاؤ حضرت علی نے اور ان کے ساتھ جتنے لوگ تھے سب نے صدیق اکبر کے ہاتھ پر بیعت کی۔

سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیعت

سقیفہ بنی ساعدہ میں سب لوگوں نے ابوبکر صدیق کے ہاتھ پر بیعت کی مگر سعد بن عبادہ نے بیعت سے انکار کر دیا اور گھر چلے گئے کچھ روز تک صدیق اکبر نے ان سے کوئی تعرض نہیں کیا۔ حضرت عمر نے کہا کہ سعد سے ضرور بیعت لینی چاہئے۔ بشیر بن سعد نے کہا تنہا آدمی ہے اس سے درگزر کرو اور ان کی حالت پر رہنے دو ایک دفعہ انکار کر چکے ہیں دوبارہ چھیڑنے سے اندیشہ ہے کہ ان کا کنبہ اور قبیلہ ان کی حمایت کے لئے کھڑا ہو جائے اور گشت و خون کی نوبت آجائے۔ سب نے اس رائے کو پسند کیا۔ مگر سعد اس واقعہ کے بعد نہ تو ابوبکر کے ساتھ نمازوں میں شریک ہوتے تھے (کسی اور مسجد میں نماز پڑھتے ہوں گے) اور نہ ان سے بات کرتے تھے یہاں تک کہ ابوبکر کا انتقال ہو گیا۔ ابوبکر کے انتقال کے بعد سعد شام چلے گئے اور وہیں ان کا انتقال ہوا۔ امام طبری فرماتے ہیں کہ سعد نے بھی تھوڑی دیر کے بعد اسی دن ابوبکر کے ہاتھ پر بیعت کر لی تھی واللہ اعلم۔

صدیق اکبر کا خلافت سے دستبرداری کا ارادہ

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فتنہ اور اختلاف کے اندیشہ سے اور پھر لوگوں کے اصرار

سے خلافت کو قبول تو فرمایا مگر دل پر صدمہ گزرا کہ تو نے اس بار امانت یعنی خلافت کو کیوں اپنے سر رکھا اور رنجیدہ اور غمگین اپنے گھر میں بیٹھ گئے فاروق اعظمؓ۔ جب صدیق اکبر کے پاس گئے تو صدیق اکبر نے فاروق اعظم کو بہت ملامت کی اور شکوہ و شکایت کی کہ تو نے مجھ کو اس بلا میں پھنسایا۔ لوگوں میں فیصلہ کرنا بہت دشوار ہے، فاروق اعظم نے تسلی دی اور کہا کہ کیا تم کو رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد معلوم نہیں۔ کہ والی اور حاکم اگر اجتہاد کرے اور صواب کو پہنچے تو اس کے لئے اس فیصلہ میں دواجر ہیں اور اگر اجتہاد میں خطا واقع ہو جائے تو اس لئے ایک اجر ہے یہ سن کر صدیق اکبر کا بوجھ کچھ ہلکا ہوا، (ابن راہویہ وخیثمہ فی فضائل الصحابة) ہب۔

ایک روایت میں ہے کہ بیعت کے بعد صدیق اکبر تین دن تک دروازہ بند کیے گھر میں بیٹھے رہے، جب مسجد میں تشریف لاتے تو منبر نبوی پر کھڑے ہو کر فرماتے ہیں۔

ایہا الناس قد اقلتکم بیعتکم
فبايعوا من احببتم کل ذلك
يقوم اليه علي بن ابي طالب
فيقول لا والله لا ثقيلك ولا
تستقيلك من ذا الذي
يؤخرک وقد قدمک رسول
الله ﷺ ۲

اے لوگو! میں تمہاری بیعت واپس کرتا ہوں جس سے چاہے بیعت کر لو۔ بار بار کہتے ہر بار حضرت علی کھڑے ہوتے اور یہ جواب دیتے خدا کی قسم یہ ہرگز نہیں ہو سکتا ہم نہ آپ کو واپس کریں گے اور نہ آپ سے واپس لیں گے، کون ہے جو آپ کو پیچھے ہٹائے جب کہ رسول اللہ ﷺ نے آپ کو آگے کیا۔

اروایت کے اصل الفاظ یہ ہیں عن موسیٰ بن ابراہیم عن رجل من آل ربيعة انه بلغه ان اباہر حین استخلف قعد فی بیتہ حزینا فدخل علیہ عمر فاقبل علیہ یلومہ وقال انت الذی کلفتنی هذا الامر وشکا الیہ الحکم بین الناس فقال له عمر او ما علمت ان رسول اللہ ﷺ قال ان الوالی اذا اجتهد فاصاب الحق فله اجران وان اجتهد فخطا الحق فله اجر واحد فکانہ سہل علی ابی بکر۔ ابن راہویہ وخیثمہ فی فضائل الصحابة ہب۔ کنز العمال ص ۱۳۵ ج ۳ کتاب الخلافة ۲ کنز العمال ج ۳ ص ۱۴۰

حکایت

عن يحيى بن سعيد عن القاسم بن محمد قال توفي رسول الله ﷺ وعمره بن العاص بعمران او بالبحرين فبلغتهم وفاة رسول الله ﷺ واجتماع الناس على ابي بكر فقال له اهل الارض من هذا الذي اجتمع الناس عليه ابن صاحبكم قال لا قالوا فاخوه قال لا قالوا فاقرب الناس اليه قال لا قالوا فما شأنه قال اختاروا خیرهم فامرّوه فقالوا لن يزالوا بخیر ما فعلوا هذا (ابن جریر)

تکھی بن سعید قاسم بن محمد سے راوی ہیں کہ جب نبی کریم ﷺ کی وفات ہوئی تو عمرو بن العاص اس وقت عمان یا بحرین میں تھے، جب وہاں یہ خبر پہنچی کہ آنحضرت ﷺ کا وصال ہو گیا اور لوگوں کے اتفاق سے ابوبکر خلیفہ ہو گئے تو وہاں کے باشندوں نے عمرو بن العاص سے پوچھا کہ جس شخص کی خلافت پر لوگ متفق ہوئے۔ یہ کون شخص ہے کیا یہ شخص تمہارے نبی کا بیٹا ہے عمرو بن العاص نے کہا نہیں لوگوں نے کہا کہ کیا پھر ان کا بھائی ہے عمرو بن العاص نے کہا کہ یہ آپ کا بھائی بھی نہیں لوگوں نے کہا کہ کیا پھر یہ شخص تمہارے نبی کا سب سے زیادہ قریبی رشتہ دار ہے عمرو بن العاص نے کہا نہیں لوگوں نے کہا پھر یہ کون شخص ہے کہ جس کو لوگوں نے متفقہ طور پر اپنا امیر بنایا عمرو بن العاص نے کہا کہ جو شخص سب سے افضل اور بہتر تھا لوگوں نے اس کو منتخب کیا اور اس کو اپنا امیر بنالیا تو وہاں کے لوگوں نے کہا کہ یہ لوگ ہمیشہ خیر میں رہیں جب تک ایسا کرتے رہیں گے۔

خلفاء راشدین کے بارہ میں جو لوگ تعصب رکھتے ہیں اُن کے بارے میں شیخ فرید الدین عطار قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں۔

اے گرفتار تعصب ماندہ
در خلافت نیست میل اے بیخبر
میل گر بودے دراں دو مقتدا
کے روا داری کہ اصحاب رسول
یا نشا نندش بجائے مصطفیٰ
اختیار جملہ شان گر نیست راست
بلکہ ہرچہ اصحاب پیغمبر کنند
گر خلافت از ہوا می راندی

دائما در بغض و در حب ماندہ
میل کے آید ز بو بکر و عمر
ہر دو کردندے پسر را پیشوا
مردنا حق را کنند از جان قبول
بر صحابہ نیست ایں باطل روا
اختیار جمع قرآن بس خطا است
حق کنند و لائق حق در کنند
خویش را بر سلطنت بنشاندی

حکایت

چوں عمر پیش اولیس آمد بجوش
ایں خلافت گر خریدارے بود
چوں اولیس ایں حرف بشنود از عمر
تو بیفکن ہر کہ می خواہد زراہ
چوں خلافت خواست افگندن امیر
جملہ گفتندش مکن اے پیشوا
عہدہ در گردنت صدیق کرد
گر تو می چچی سراز فرمان او
چوں شنود ایں حجت محکم عمر
از زمان تو صحابہ خستہ اند
در فضولی می کنی دیوان سیاہ

گفت افگندم خلافت راز دوش
می فروشم گر بدینارے بود
گفت تو بگذارو فارغ در گزر
باز برگیر و رودتا پیش گاہ
آں زماں برخاست از یاران نفیر
خلق را سرکشہ از بہر خدا
آں نہ برعمیا کہ بر تحقیق کرد
ایں زماں از تو بر نجد جان او
کار از ایں حجت بروشد سخت تر
در زبان بت پرستان رستہ اند
گوئے بردی گر زبان داری نگاہ

(۹) مسئلہ وصایت

تمام مہاجرین اور انصار کے اتفاق سے صدیق اکبر کا خلیفہ بنایا یہ اس امر کی دلیل ہے کہ آں حضرت ﷺ نے کسی شخص کے لئے خلافت کی وصیت نہیں فرمائی تھی کہ فلاں شخص میرے بعد خلیفہ ہوگا اور نہ صراحتہ کسی شخص کو خلافت کے لئے نامزد فرمایا تھا نہ ابو بکر کو اور نہ علی کو البتہ صدیق اکبر کی خلافت کے متعلق اشارات فرمائے اور تمام زندگی ابو بکر کے ساتھ وہ معاملہ رکھا جو بادشاہ کا ولی عہد کے ساتھ ہوتا ہے۔

حضرات شیعہ کہتے ہیں کہ حضرت علی رسول اللہ ﷺ کے وصی اور خلیفہ تھے صحیحین میں ہے کہ حضرت عائشہ کے سامنے یہ ذکر کیا گیا کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی کو اپنا وصی بنایا تھا، حضرت عائشہ نے کہا کون کہتا ہے۔ آخر وقت میں میں آپ کو اپنے سینہ سے لگائے بیٹھی تھی، اسی حالت میں آپ کا وصال ہو گیا مجھے معلوم نہیں کہ آپ نے حضرت علی کے متعلق کب وصیت کی۔

(۱) صحیحین میں ہے کہ جب فاروق اعظم کے خنجر مارا گیا اور لوگ آپ کی زندگی سے ناامید ہوئے تو عرض کیا گیا۔

الاتستخلف یا امیر المؤمنین
فقال ان استخلف فقد
استخلف من هو خیر منی
یعنی ابا بکر وان اترك فقد
ترك من هو خیر منی یعنی
رسول اللہ ﷺ
اے امیر المؤمنین آپ کسی شخص کو اپنا خلیفہ
کیوں نہیں بنا دیتے فرمایا کہ اگر میں کسی کو
خلیفہ بنا دوں تو اس میں کوئی حرج نہیں
صدیق اکبر جو مجھ سے بہتر تھے انہوں نے
وفات کے وقت اپنا خلیفہ مقرر کر دیا تھا اور
اگر میں کسی کو خلیفہ نہ بناؤں تو اس میں کوئی
مضائقہ نہیں اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے
بھی کسی کو اپنا خلیفہ نہیں بنایا تھا۔

(۲) حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مرض الوفا میں عرض کیا گیا۔

الاتستخلف علينا فقال ما استخلف رسول الله ﷺ فاستخلف ولكن ان يرد الله بالناس خيرا فسيجمعهم بعدى على خيرهم كما جمعهم بعد نبهم على خيرهم اخرجہ البيهقي و اسنادہ جيد۔

اے امیر المؤمنین آپ ہم پر کسی کو خلیفہ کیوں نہیں بنا دیتے۔ حضرت علی نے کہا کہ نبی کریم ﷺ نے کسی کو خلیفہ نہیں بنایا پس میں کیوں خلیفہ بناؤں لیکن اگر اللہ تعالیٰ کا ارادہ لوگوں کے ساتھ خیر کا ہوگا تو میرے بعد لوگوں کو کسی بہتر آدمی پر متفق اور مجتمع کر دے گا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم کی وفات کے بعد لوگوں کو ایک بہترین خلق یعنی ابوبکر پر متفق اور جمع کر دیا۔ اس حدیث کو امام بیہقی نے روایت کیا اور اسناد اس کی نہایت جید ہے۔

(۳) صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت عباس نے حضرت علی سے آں حضرت ﷺ کے مرض الوفا میں کہا کہ تم خدا کی قسم تین روز کے بعد عبد العصا (لاٹھی کے غلام) ہو گے یعنی آپ کی وفات قریب ہے لہذا تم آں حضرت ﷺ دریافت کر لو کہ آپ کے بعد کون خلیفہ ہوگا۔ حضرت علی نے کہا:

انی لا اسئله ذلك
تحقیق میں اس بارے میں آپ سے کچھ دریافت نہیں کروں گا۔

(۴) سفیان ثوری رحمہ اللہ تعالیٰ راوی ہیں کہ حضرت علی نے ایک مرتبہ یہ خطبہ دیا۔

يا ايها الناس ان رسول الله ﷺ لم يعهد اليها في هذه الامارة شيئا حتى راينا من الراى ان نستخلف ابابكر فاقام واستقام حتى مضى لسبيله ثم ان ابابكر راى من

اے لوگو! رسول اللہ ﷺ نے ہمیں امارت اور خلافت کے بارے میں کوئی وصیت نہیں فرمائی آپ کی وفات کے بعد سب کی متفقہ رائے سے ابوبکر خلیفہ مقرر ہوئے اور خلافت کا کام نہایت عمدگی سے انجام دیا یہاں تک کہ دنیا سے رخصت ہوئے پھر

الرأى ان يستخلف عمر فاقام ابو بکر نے اپنی رائے سے عمر کو خلیفہ مقرر کیا
و استقام حتى مضى لسبيله عمر نے نہایت خوبی سے خلافت کا کام انجام
هذا كله من البداية والنهاية۔ دیا یہاں تک کہ دنیا سے رخصت ہوئے۔

(۵) صحیحین میں ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے خطبہ دیا اور یہ فرمایا کہ جو شخص یہ
گمان کرے کہ ہمارے پاس سوائے کتاب اللہ کے اور اس صحیفہ کے جس میں دیات وغیرہ
کے احکام ہیں۔ کوئی اور کتاب اور کوئی وصیت نامہ ہے تو وہ بالکل جھوٹ بولتا ہے۔

حضرات شیعہ کہتے ہیں کہ آں حضرت ﷺ نے حضرت علی کی خلافت کی وصیت کی
تھی اہل سنت کہتے ہیں کہ اگر آں حضرت ﷺ نے حضرت علی کو خلافت کے لئے نامزد کیا
ہوتا تو ناممکن اور محال تھا کہ صحابہ کرام اس پر عمل نہ کرتے۔ صحابہ کرام جنہوں نے اللہ اور اس
کے رسول کے لئے جان و مال خویش و اقارب سب قربان کر دیئے ان کی نسبت یہ بدگمانی
کہ انہوں نے دیدہ و دانستہ رسول اللہ ﷺ کی وصیت کو رد کر دیا۔ یہ قرآن کریم کی صریح
تکذیب ہے جو صحابہ کرام کی تو صیغہ سے بھرا پڑا ہے۔ نیز اگر حضرت علی یا حضرت عباس
وغیرہ کسی کی خلافت کے متعلق کوئی نص یا وصیت ہوتی تو وہ قطعاً متواتر ہوتی اس کا چھپا رہنا
عادۃً محال تھا ضرور وہ نص مجلس میں پیش ہوتی، جیسے ابو بکر صدیق نے انصار کے سامنے جب
حدیث پیش کی ”الا ائمتہ من قریش“ تو انصار نے فوراً اس کی اطاعت کی اور اپنی امارت کے
خیال کو چھوڑ دیا۔ نیز اگر خلافت کے بارے میں کوئی نص ہوتی تو کوئی نہ کوئی تو اس مجلس میں
یہ کہتا کہ تم لوگ کیوں اس قدر لرز رہے ہو۔ حضور پر نور نے تو فلاں شخص کو امامت اور خلافت
کے لئے معین اور نامزد کر دیا ہے نبی کریم ﷺ اگر سوائے ابو بکر کے کسی اور کو مثلاً حضرت علی
یا حضرت عباس کو مقرر کر جاتے تو یہ ناممکن تھا کہ صحابہ میں سے کوئی بھی اس کو ظاہر نہ کرتا سقیفہ
بنی ساعدہ کا اجتماع۔ خلیفہ ہی کی تعیین کے لئے تو تھا وہاں اس لئے جمع ہوئے تھے، اگر
خلافت کے بارے میں کوئی نص ہوتی تو انصار منا امیر و منکم امیر نہ کہتے اور نہ
سقیفہ میں کسی زبان سے یہ نکلا کہ حضور پر نور غدیر خم کے خطبہ میں من کنت مولاه
فعلی مولاه سے حضرت علی کی خلافت کی طرف اشارہ فرما چکے ہیں اب اس بحث کی
ضرورت نہیں۔ نیز اگر حضرت علی کے پاس اپنی خلافت کی کوئی نص یا وصیت موجود ہوتی تو

صحابہ کرام کے سامنے اس کو ضرور پیش کرتے اور اگر نہ مانتے تو ابو بکر و عمر سے جہاد و قتال کرتے جیسے حضرت معاویہ سے قتال کیا، خصوصاً جب کہ ابوسفیان نے حضرت علی سے یہ کہا کہ تم بیعت کے لئے ہاتھ بڑھاؤ میں تمہارے ہاتھ پر بیعت کرتا ہوں اور اگر تم چاہو تو ابو بکر کے مقابلہ میں تمام میدان سواروں اور پیادوں سے لا کر بھر دوں۔

حضرت علی نے نہایت سختی سے جواب دیا کہ جاؤ مجھے تمہاری نصیحت کی ضرورت نہیں تم مسلمانوں میں فتنہ اور فساد کرنا چاہتے ہو۔

معلوم ہوا کہ حضرت علی کے پاس کوئی نص یا وصیت موجود نہ تھی اور وہ دل و جان سے صدیق اکبر کی خلافت کو خلافتِ حقہ اور خلافتِ راشدہ سمجھتے تھے اور ان کی خلافت کے خلاف لب کشائی کو فتنہ اور فساد سمجھتے تھے۔

حضرت علی کے نزدیک اگر صدیق اکبر کی خلافت حق نہ ہوتی تو ضرور ابو بکر سے مقابلہ اور مقاتلہ کرتے جیسے حضرت معاویہ سے کیا اس لئے کہ اسد اللہ الغالب ہونے کے بعد اعداء اللہ سے مقابلہ نہ کرنا غایت درجہ بزدلی اور ایمان کی کمزوری ہے، پس حضرت علی کا یہ سکوت اگر بوجہ لا چاری اور مجبوری تھا تو لا چار اور مجبور آدمی لائق امارت و خلافت نہیں اور اگر یہ کہا جائے کہ حضرت علی نے باوجود قدرت کے اپنی خلافت کی نص یا وصیت کو بنا برتقیہ ظاہر نہیں کیا تو یہ بزدلی بھی ہے اور نفاق بھی ہے اور بزدل اور منافق خلیفہ نہیں ہو سکتا۔

حضرات شیعہ یہ کہتے ہیں کہ حضرت علی کا خلفاء ثلاثہ کے ساتھ رہنا اور مسجد میں ان کے پیچھے نمازیں پڑھنا اور انہی کے مطابق قرآن پڑھنا اور کسی بات میں سرمو ان کے خلاف نہ کرنا یہ سب بنا برتقیہ تھا لیکن اشکال اور سوال یہ ہے کہ حضرت علی جب اپنے زمانہ خلافت میں خطبہ دیتے تھے تو خلفاء ثلاثہ کے فضائل اور مناقب بیان کیا کرتے تھے سوا اگر یہ بھی تقیہ سے تھا تو ہم یہ پوچھتے ہیں کہ امیر المؤمنین علیؑ کیسے شیر خدا تھے کہ خلفاء ثلاثہ کے انتقال کے بعد بھی ان سے ڈرتے تھے اور ڈر کر ان کی تعریف کرتے تھے افسوس کہ شیر خدا ہو کر مردوں سے ڈرے اور خلیفہ اور بادشاہ ہونے کے بعد بھی انہی کے موافق احکام جاری کرے معاذ اللہ حضرت علیؑ ایسے بزدل اور نامرد نہ تھے جیسے حضرات شیعہ کہتے ہیں۔

اہل سنت والجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ حضرت علیؑ حقیقتہً شیر خدا تھے اور ان کا ظاہر و باطن یکساں تھا حضرات شیعہ کہتے ہیں کہ ان کا ظاہر و باطن مختلف تھا، بندہ تو ظاہر کو دیکھتا ہے دل کی خبر اللہ کو ہے، حضرت علیؑ جب ظاہر میں برسرِ منبر خلفاء ثلاثہ کی تعریف فرماتے تو مسلمانوں کے ذمہ یہ فرض ہے کہ حضرت علیؑ کو صادق اور راست باز سمجھیں، شیعوں کے نزدیک حضرت علیؑ معصوم تھے اور معصوم کی اطاعت فرض ہے اور اس کی نافرمانی فسق ہے نیز یہ امر مسلمات فریقین سے ہے کہ حضرت علیؑ رضی اللہ تعالیٰ عنہ صدیق اکبر کے ابتداء خلافت سے لے کر انتہا تک اور اسی طرح عہدِ فاروقی اور عہدِ عثمانی میں از اول تا آخر تمام آخرت امور مہمہ میں خلفاء ثلاثہ کے مشیر خاص اور شریک حال رہے اور جس قدر لڑائیاں ہوئیں ان میں ان کا مشورہ شامل رہا اور مالِ غنیمت میں سے اپنا حصہ لیتے رہے اور نمازوں میں اُن کی اقتداء کرتے رہے اور مسائلِ دینیہ میں اُن کے ہم نوا اور ہم صفیر رہے یہ سب اس امر کی واضح دلیل ہے کہ حضرت علیؑ کرم اللہ وجہہ خلفاء ثلاثہ کی خلافت کو دل سے حق سمجھتے تھے اور حیدر کرار صاحبِ ذوالفقار کے اس پچیس سالہ عمل کو تقیہ پر محمول کرنا، شیعہ ہی اس کی جرأت کر سکتے ہیں، ہم اہل سنت والجماعت کا عقیدہ تو یہ ہے کہ حضرت علیؑ کرم اللہ وجہہ کے غلامانِ غلامان کی شان بھی اس سے اعلیٰ اور ارفع ہے کہ ہم دل سے جن کو کافر و منافق و غاصب و خائن سمجھتے ہوں ظاہراً اُن سے یہ محبانہ اور دوستانہ معاملہ کریں اور اُن کے پیچھے نمازیں ادا کریں اور انہی کا بگاڑا ہوا قرآن پڑھتے رہیں۔ لا حول ولا قوۃ الا باللہ۔

رہا یہ امر کہ خود نبی کریم ﷺ نے کسی کو امارت اور خلافت کے لئے کیوں نہ مقرر فرما دیا۔ سو اس کا

جواب

یہ ہے کہ حضور پر نور کے ذمہ امیر اور خلیفہ کی تعیین اور نامزدگی واجب نہ تھی یہ مسئلہ آپ نے مسلمانوں کے اجتہاد اور مشورہ پر چھوڑ دیا کہ اپنی صواب دید سے کسی کو اپنا امیر منتخب کر لیں اور اشارۃً اپنا منشاء مبارک اس طرح ظاہر فرما دیا کہ ابو بکر کو اپنی جگہ نماز کا امام مقرر یا، یہ خلافت کی جانب اشارہ تھا اور جب آپ کو یہ معلوم ہو گیا کہ میرا یہ اشارہ صحابہ کے لئے کافی ہوگا۔ اس لئے ابو بکر کے لئے جو وصیت نامہ تحریر کرنا چاہتے تھے اس کا ارادہ بھی ترک کر دیا

کہ اب اس کی ضرورت نہیں، اس لئے کہ قضاء و قدر میں یہ طے پا چکا ہے کہ مسلمان سوائے ابوبکر کے کسی پر متفق نہ ہوں گے۔

علامہ سیوطی تاریخ الخلفاء میں لکھتے ہیں کہ حضور پر نور نے جو کسی کو خلیفہ مقرر نہیں فرمایا اس کی وجہ وہ ہے جو مسند بزار کی ایک حدیث میں مذکور ہے۔

عَنْ حذيفة قال قالوا يا رسول الله الا تستخلف علينا قال ان استخلف عليكم فتعصوا خليفتي انزل عليكم العذاب واخرجه الحاكم في المستدرک

حذیفہ راوی ہیں کہ لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ ہم پر کوئی امیر اور خلیفہ کیوں نہ مقرر کر جائیں۔ آپ نے فرمایا اگر میں کسی کو خلیفہ مقرر کر دوں اور پھر تم اس کی نافرمانی کرو تو تم پر اللہ کا عذاب نازل ہوگا اور اس حدیث کو حاکم نے مستدرک میں روایت کیا ہے۔

(۱۰) مسئلہ خلافت میں اہل سنت اور

اہل تشیع کے منشاء اختلاف کی مختصر تشریح

اہل سنت اور اہل تشیع میں سب سے بڑا اختلافی مسئلہ مسئلہ خلافت ہے اس لئے ہم نہایت اختصار کے ساتھ یہ بتلانا چاہتے کہ منشاء خلاف کیا ہے۔ وہ یہ کہ شیعوں کے نزدیک خلافت کا دار و مدار قرابت اور علاقہ مصاہرت (دامادی) پر ہے اس لئے شیعوں کے نزدیک رسول اللہ ﷺ کے بعد خلافت جناب امیر کوملنی چاہیے تھی کہ وہ آپ کے قریبی رشتہ دار تھے اور داماد بھی تھے اہل سنت یہ کہتے ہیں کہ خلافت نبوی کا دار و مدار تقرب پر ہے نہ کہ قرابت (رشتہ داری) پر جو شخص سب سے زیادہ خدا اور اس کے رسول کا مقرب ہوگا۔ وہ شخص خلیفہ رسول اور جانشین نبی ہوگا۔ خلافت نبوت کو قرابت اور مصاہرت یعنی رشتہ داری سے کیا علاقہ خلافت کا دار و مدار اگر قرابت نسبی پر ہوتا تو آپ کے بعد خلیفہ یا تو آپ کے چچا حضرت عباس ہوتے یا آپ کی صاحبزادی حضرت فاطمہ الزہراء ہوتیں بلکہ حضرت فاطمہ ہوتیں اور کوئی مردان کی طرف سے کار خلافت کو انجام دیتا جیسا کہ دنیا کا دستور ہے اور حضرت فاطمہ کے بعد

امام حسن خلیفہ دوم ہوتے اور امام حسن کے بعد امام حسین خلیفہ سوم ہوتے اور امام حسین کے بعد اگر حضرت علی زندہ رہتے تو پھر حضرت علی خلیفہ چہارم ہوتے، غرض یہ اگر خلافت کا مدار قرابت پر ہو تو شیعوں کے اس قاعدہ کی بنا پر بھی حضرت علی خلیفہ چہارم ہی ہوتے ہیں پھر اگر اہل سنت نے حضرت علی کو خلیفہ چہارم بنایا تو کیا قصور کیا۔ حضرت علی کو جو خلافت ملی وہ مہاجرین اور انصار ہی کی بیعت سے ملی۔ حضرات شیعہ نے تو حضرت علی کو کچھ بھی نہیں دیا اور اگر علاقہ مصاہرت (دامادی) پر نظر کی جائے تو اس لحاظ سے حضرت عثمان غنی سب سے زیادہ خلافت بلا فصل کے مستحق تھے اس لئے کہ حضرت عثمان آنحضرت ﷺ کے دوہرے داماد تھے کہ جن کے عقد میں پیغمبر کی دو بیٹیاں یکے بعد دیگرے آئیں اور اسی وجہ سے وہ اہل اسلام میں ذی النورین کے لقب خاص سے مشہور ہوئے رہا یہ امر کہ حضرت عثمان ذی النورین کے عقد میں جو یکے بعد دیگرے دو صاحبزادیاں آئیں وہ حضور پر نور کے سامنے ہی انتقال کر گئیں سو یہ امر استحقاق خلافت کو زائل نہیں کرتا، اس لئے کہ اس سبب سے ان کو جو شرف خاص حاصل ہوا تھا وہ صرف نکاح سے حاصل ہو چکا تھا۔ بی بی کے زندہ رہنے اور نہ رہنے کو اس میں کوئی دخل نہیں جیسے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے انتقال کے بعد بھی حضرت علی کو شرف دامادی حاصل رہا۔ حضرت علی کا یہ شرف حضرت سیدہ کے وصال سے زائل نہیں ہو گیا۔

رہا یہ امر کہ شیعہ یہ کہتے ہیں کہ یہ دونوں صاحبزادیاں رقیہ، ام کلثوم رسول اللہ ﷺ کی نہ تھیں بلکہ حضرت خدیجہ الکبریٰ کے پہلے شوہر سے پیدا ہوئی تھیں تو یہ صریح دھوکہ اور فریب ہے۔ ان کی کتاب کلینی شریف مطبوعہ لکھنؤ میں صاف لکھا ہوا موجود ہے۔

و تزوج خدیجۃ و هو ابن بضع و
عشرین سنة فولد له منها قبل
مبعثہ القاسم و رقیۃ و زینب و ام
کلثوم و ولد له بعد المبعث
الطیب و الطاهر و الفاطمة اصول
کافی کلینی ص ۲۷۸ باب۔
مولد النبی ﷺ

آں حضرت ﷺ نے بیس سال سے
زیادہ عمر میں خدیجہ سے نکاح کیا اور قبل
بعثت ان کے بطن سے قاسم اور رقیہ اور
زینب اور ام کلثوم پیدا ہوئے اور بعثت کے
بعد طیب اور طاہر اور فاطمہ پیدا ہوئے۔
(اصول کافی کلینی باب مولد النبی ﷺ)

غرض یہ کہ حضرت فاطمہ کی طرح رقیہ اور ام کلثوم بھی آپ کی صاحبزادیاں تھیں جن میں سے حضرت فاطمہ کی پیدائش بعد بعثت ہوئی اور رقیہ اور ام کلثوم کی پیدائش قبل از بعثت ہوئی اور ولادت کے تقدم اور تاخر کو خلافت میں کوئی دخل نہیں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جو دامادی کا شرف حاصل تھا وہ حضرت سیدہ کے وصال کے بعد بھی باقی رہا حضرت سیدہ کے وصال سے دامادی کا شرف ختم نہیں ہو گیا اسی طرح حضرت عثمان کے دو ہرے شرف دامادی کو سمجھو۔

مسئلہ خلافت میں حضرات شیعہ کی عجیب و غریب خرافات اور مضحکات اور مبکیات (ہنسانے والی اور رزلانے والی باتیں) ہیں ان کو نقل کرتے ہوئے بھی شرم آتی ہے، حضرات شیعہ کہتے ہیں آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ دروز تک اپنے اہل و عیال کو ساتھ لئے ہوئے ایک ایک مہاجر اور انصار کے گھر مدد طلب کرتے ہوئے پھرے کہ دیکھو مجھے پیغمبر خدا نے اپنا خلیفہ بنا دیا تھا، ان لوگوں نے میری خلافت چھین لی تم میرا حق دلا دو مگر چار شخصوں کے سوا کسی نے مدد کا اقرار نہ کیا آپ نے ناچار ہو کر یہ کہا کہ تم چار شخصوں سے کیا ہوگا۔ اس قصہ کو اصلی آب و تاب کے ساتھ اگر دیکھنا ہو تو حق الیقین و تذکرۃ الایمہ میں دیکھیں۔ ہم اہل سنت الجماعت غلامان غلامان سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا عقیدہ یہ ہے کہ یہ سارا قصہ فرضی اور بے اصل ہے اور سراسر خلاف عقل ہے۔ اور حضرت علی جیسے سرخیل اولیاء عالم کی شان ولایت اور شان زہد کے سراسر منافی ہے۔

متروکات نبوی

آں حضرت ﷺ کی تمام زندگی درویشانہ اور فقیرانہ تھی دودھ مہینہ تک گھر میں تو انہیں چڑھتا تھا پانی اور کھجور پر گزر تھا، کچے حجروں میں زندگی بسر فرماتے تھے کبل پوش تھے اور بورے اور ٹاٹ پر بیٹھتے تھے آپ کے پاس کیا رکھا تھا کہ جو وفات کے بعد وارثوں کے لئے چھوڑ جاتے۔

حضرت عمرو بن حارث جو ام المؤمنین جویریہ رضی اللہ عنہا کے بھائی تھے فرماتے ہیں۔

ما ترک رسول اللہ ﷺ عند : آن حضرت ﷺ نے اپنی وفات کے
 موتہ درہما ولا دینارا ولا : وقت نہ کوئی درہم چھوڑا اور نہ دینار اور نہ
 عبدا ولا امة ولا شیئا الا بغلته : غلام اور نہ باندی نہ اور کوئی شے مگر ایک سفید
 البیضاء وسلاحہ وارضاء : خچر اور ہتھیار اور کچھ زمین جس کو اپنی زندگی
 جعلها صدقۃ۔ صحیح : ہی میں مسلمانوں کے لئے صدقہ (وقف)
 بخاری کتاب الوصایا۔ : کر گئے تھے۔ (بخاری شریف)

عمرو بن حارث رضی اللہ عنہ کی حدیث میں جس زمین کا ذکر ہے اس سے تین
 جائدادیں مراد ہیں۔

(۱) جائداد مدینہ، مدینہ کی جائداد سے بنو نضیر کی زمین مراد ہے، جو حق جل شانہ نے آپ کو
 بطور فنی عطا فرمائی تھی جس کا ذکر قرآن کریم میں ہے اور یہ زمین برابر آپ کے قبضہ میں رہی
 اس زمین کی آمدنی سے اپنے اہل و عیال کا سالانہ خرچہ دیدیتے اور جو بچتا اُس سے ہتھیار اور
 گھوڑے اور سامان جہاد خریدتے، (صحیح بخاری ص ۲۵۵ کتاب التفسیر سورہ حشر)
 (۲) خیبر کی زمین جو آپ کو ہم میں ملی تھی۔

(۳) فدک کی نصف زمین جو فتح خیبر کے بعد آپ کو اہل خیبر سے صلحا حاصل ہوئی تھی خیبر
 اور فدک کی زمینوں سے جو آمدنی ہوتی اس کو وقتی اور ناگہانی ضروریات میں صرف فرماتے۔
 یہ زمینیں رسول اللہ ﷺ کی سمجھی جاتی تھیں اور تاحین حیات آپ کے قبضہ میں رہیں
 حق جل شانہ کی طرف سے آپ کو اختیار تھا کہ جس طرح چاہیں تصرف کریں۔ مگر حضور پر نور
 ان زمینوں کی آمدنی سے صرف بقدر نفقہ اہل و عیال لیتے تھے اور باقی کل آمدنی اسلام اور
 مسلمانوں کی ضرورتوں اور مصلحتوں میں خرچ فرماتے تھے۔ اپنی عیش و عشرت کے لئے معاذ
 اللہ ایک پیسہ بھی خرچ نہ فرماتے تھے۔ ظاہر ان جائدادوں میں آپ کا تصرف مالکانہ تھا مگر
 درحقیقت متولیانہ تھا۔ یہ زمینیں اللہ کی تھیں۔ یعنی وقف تھیں اور آپ بحکم خداوندی اس کے
 متولی تھے، اس کے حکم کے مطابق خرچ کرتے تھے چونکہ خداوند ذوالجلال کی طرف سے یہ
 حکم تھا کہ ان زمینوں کی آمدنی سے اپنے اہل و عیال کا سالانہ نفقہ بھی دے دیا کرو اس لئے
 آپ بنی نضیر کی جائداد سے ازواج مطہرات کا سالانہ نفقہ دیدیا کرتے تھے۔

حضرات اہل بیت کو آپ کی وفات کے بعد یہ خیال ہوا کہ یہ زمینیں رسول اللہ ﷺ کی ملکیت اور ذاتی جائیداد تھیں اس لئے بطور وراثت اہل بیت پر تقسیم ہونی چاہئیں چنانچہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے خیبر اور فدک اور بنی نضیر کی جائیدادوں سے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے اپنا حصہ طلب کیا۔ صدیق اکبر نے عرض کیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ سنا ہے کہ ہم گروہ انبیاء نہ کسی کے مال کے وارث ہوتے ہیں اور نہ ہمارا کوئی وارث بنتا ہے۔ ہم جو کچھ چھوڑ جائیں وہ سب فی سبیل اللہ صدقہ اور خیرات ہے، البتہ جو نفقہ اور خرچ ان میں مقرر ہے وہ بدستور اسی طرح رہے گا۔ اور جس جس کام میں نبی کریم ﷺ خرچ کرتے تھے ابو بکر بھی اس میں اسی طرح خرچ کرے گا۔ اور آل رسول اس مال میں سے اسی طرح کھائے گی جس طرح نبی کریم ﷺ کے زمانے میں کھاتی تھی۔ اور خدا کی قسم۔ رسول اللہ ﷺ کی قرابت کے ساتھ سلوک اور احسان مجھے اپنی قرابت کے سلوک اور احسان سے کہیں زیادہ محبوب ہے۔

صدیق اکبر کا یہ جواب حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا کو ناگوار خاطر گزرا اور رنجیدہ ہوئیں۔ نہ معلوم کیوں رنجیدہ ہوئیں صدیق اکبر نے تو حضرت سیدہ کے والد محترم ﷺ کا صریح ارشاد سراپا رشاد پیش کر دیا۔ ان کا عذر تو ظاہر ہے، مگر حضرت سیدہ کے رنج و ملال کی کوئی یقینی وجہ سمجھ میں نہیں آئی صدیق اکبر کہہ تو گزرے مگر حضرت سیدہ کے رنج و ملال کی وجہ سے بے چین اور بے تاب رہے۔

دو گونہ رنج و عذاب است جان مجنون را بلائے صحبت لیلیٰ بلائے فرصت لیلیٰ

صدیق اکبر نے عمل تو اسی پر کیا کہ جو نبی اکرم ﷺ سے سنا تھا کہ کسی کو اس جائیداد میں سے بطور وراثت کچھ نہیں دیا حتیٰ کہ اپنی بیٹی عائشہ کو بھی اس میں سے کچھ نہیں دیا اور نہ حفصہ بنت عمر کو کچھ دیا اور نہ ازواج مطہرات کو کچھ بطور وراثت دیا۔ البتہ حضرت سیدہ کو راضی کر لیا اور ان کے گھر تشریف لے گئے اور ان سے معذرت کی تا آنکہ حضرت سیدہ صدیق اکبر سے راضی ہو گئیں۔

حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ صدیق اکبر نے اولاً تقسیم میراث سے انکار فرمایا۔ اور بعد ازاں غالباً حضرت سیدہ نے صدیق اکبر سے یہ درخواست کی ہوگی کہ خیر اور فدک کی زمینوں کا انتظام حضرت علی کے سپرد کر دیا جائے اور حضرت علی ہی اس کے ناظر اور نگران رہیں صدیق اکبر نے اس سے بھی انکار کر دیا کہ ان زمینوں کا میں خود ہی انتظام کروں گا جس طرح نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کرتے تھے حضرت سیدہ کو بمقتضائے بشریت رنج اور ملال ہوا۔

صدیق اکبر کی وفات کے بعد حضرت عمر نے دو سال تک ان زمینوں کا انتظام اپنے ہاتھ میں رکھا دو سال کے بعد جب حضرت علی اور حضرت عباس نے اس بارے میں گفتگو کی تو حضرت عمر نے آں حضرت ﷺ اور صدیق اکبر کے طرز عمل کا حوالہ دیتے ہوئے تقسیم میراث سے تو صاف عذر کر دیا البتہ تالیف قلب کے لئے یہ صورت نکالی کہ مدینہ کی جائداد یعنی بنو نضیر کی زمین کا انتظام تو حضرت عباس اور حضرت علی کے ہاتھ میں دے دیا کہ مشترکہ طور پر تم دونوں مل کر اس جائداد کا انتظام کرو اور ان دونوں سے یہ عہد لے لیا کہ تم اس کی آمدنی کو ان ہی مصارف میں خرچ کرنا کہ جہاں جہاں رسول اللہ ﷺ خرچ کیا کرتے تھے اور دونوں سے اس کا اقرار لے لیا اس اقرار سے یہ بات ان پر واضح کر دی کہ یہ میراث نہیں بلکہ وقف ہے ان دونوں حضرات نے اس صورت کو منظور کر لیا۔ اور مشترکہ طور پر بغیر تملک کے دونوں مدینہ کی جائداد کے متولی اور ناظم ہو گئے۔

اصل عبارت اس طرح ہے۔ بما اخبرناہ الصدیق انہ قال لا نورت ما ترکنا فہو صدقۃ فحجبھا وغیرھا من ازواجہ وعمہ عن المیراث بہذا النص الصریح فسألتہ ان ینظر علی فی صدقۃ الارض التی بخیر وفدک فلم یجبھا الی ذلک لانہ رأى ان حقا علیہ ان یقوم فی جمیع ما کان یتولاه رسول اللہ ﷺ وهو الصادق البار الراشد التابع للحق رضی اللہ عنہ فحصل لہا وہی امرأۃ من البشر لیست یراجیۃ العصمة عتب و تغضب ولم تکلم الصدیق حتی ماتت ام البدایۃ والنہایۃ ص ۲۳۹ ج ۵ پھر حافظ ابن کثیر کتاب مذکور کے ص ۲۸۹ ج ۵ پر لکھتے ہیں۔ وکانہا سألتہ بعد ہذا ان یجعل زوجہا ناظرا علی ہذہ الصدقۃ فلم یجبھا الی ذلک لما قدمناہ فتعتبت علیہ بسبب ذلک وہی امرأۃ من بنات آدم تأسف کما یا سفون ولیست یراجیۃ العصمة مع وجود نص رسول اللہ ﷺ وقد روینا عن ابی بکر رضی اللہ عنہ انہ ترضا فاطمۃ وتلاینہا قبل موتہا فرضیت رضی اللہ عنہا۔ انتہی ثم ذکر حدث الاسترضاء فراجعہ۔

اور خیبر اور فدک کی جو زمینیں تھیں ان کا انتظام حضرت عمرؓ نے اپنے پاس رکھا، اس طرح حضرت عمرؓ نے آں حضرت کی متروکہ زمینوں کو دو حصوں پر تقسیم کر دیا ایک اموال بنی نضیر یعنی جائیداد مدینہ جس میں سے اہل بیت ازواج مطہرات کے سالانہ مصارف دیئے جاتے تھے اس کا انتظام تو حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ کے سپرد کر دیا اس لئے کہ دونوں حضرات اہل بیت کی ضروریات اور مصارف سے بخوبی واقف تھے اور اسی لئے یہ دونوں حضرات خواستگار تولیت ہوئے کہ وقف نبویؐ میں ذوی القربیٰ یعنی اقرباء نبویؐ کا بھی حق ہے بلکہ ان کا حق سب سے مقدم ہے اور یہ دونوں حضرات ذوی القربیٰ کے احوال اور ان کی ضروریات سے بخوبی واقف تھے اس لئے حضرت عمرؓ نے سمجھا کہ یہ جائیداد ان کی تولیت میں دے دینا مناسب ہے اور لا نورث ما ترکنا صدقہ کا گھر گھر چرچا ہو چکا ہے۔ اس لئے اب یہ اندیشہ نہیں کہ لوگ اس دینے کو میراث سمجھ جائیں گے اس لئے اموال بنی نضیر کو ان دونوں کی تولیت میں دے دیا اور دوسری جائیداد یعنی فدک اور خیبر کی جائیداد جس کی آمدنی مصالح عامہ میں صرف ہوتی تھی اس کا انتظام بحیثیت خلیفہ ہونے کے حضرت عمرؓ نے اپنے ہاتھ میں رکھا، چند روز تک دونوں حضرات حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ متفق رہے اور مل کر جائیداد مدینہ کا انتظام کرتے رہے مگر کچھ عرصہ بعد دونوں میں اختلاف پیش آیا، جیسا کہ جب ایک جائیداد کے دو منتظم ہوں تو اختلاف رائے کی وجہ سے نزاع کا پیش آنا مستبعد نہیں اسی طرح حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ میں دربارہٴ انتظام جائیداد اختلاف اور نزاع پیدا ہوا فیصلہ کے لئے دونوں حضرت عمرؓ کے پاس گئے اور یہ درخواست کی کہ تولیت تو تقسیم کر دیں کہ جائیداد مدینہ کے ایک نصف کا منتظم اور متولی حضرت علیؓ کو بنادیں اور جائیداد کے دوسرے نصف کا متولی اور منتظم حضرت عباسؓ کو بنادیں تاکہ اختلاف اور باہمی مخالفت سے محفوظ ہو جائیں مگر حضرت عمرؓ نے اس سے صاف انکار کر دیا اور یہ خیال فرمایا کہ اگر ہر ایک کی تولیت کا حصہ الگ الگ کر دیا گیا تو یہ صورت تقسیم میراث کی صورت کے مشابہ ہوگی اس لئے حضرت عمرؓ نے تقسیم تولیت سے صاف انکار فرمادیا اور یہ کہہ دیا کہ یہ تو قیامت تک بھی نہیں ہو سکے گا۔

اور یہ فرمایا کہ اگر تم سے تولیت کا کام سرانجام نہ پاسکے تو یہ زمین مجھے واپس کر دو میں حسب سابق خود اس کا انتظام کروں گا۔

حضرت عباس اور حضرت علی کا منشاء یہ تھا کہ ہر ایک کو بقدر اپنے اپنے حصہ کے جداگانہ متولی کر دیا جائے تاکہ نزاع اور اختلاف کی نوبت نہ آئے۔ تولیت کی تقسیم چاہتے تھے، میراث اور ملک کی تقسیم نہیں چاہتے تھے مگر حضرت عمر نے اس کو منظور نہ فرمایا کہ مبادا آئندہ چل کر اس تقسیم تولیت سے لوگ تقسیم میراث نہ سمجھ جائیں۔

چند روز تک یہ مشترکہ تولیت اسی طرح چلتی رہی بعد میں چل کر حضرت علی نے حضرت عباس کا قبضہ اٹھا دیا اور تمام جائداد پر حضرت علی قابض ہو گئے اور اپنی صواب دید سے اس کا انتظام فرمایا حضرت علی کا تنہا اس جائداد پر قابض ہو جانا یہ بھی اس امر کی دلیل ہے کہ یہ مال حضرت علی کے نزدیک بھی وقف تھا اور کسی کی ملک اور میراث نہ تھا، اس لئے کہ متولی کا دوسرے متولی کے قبضہ کو اٹھا دینا ظلم نہیں بلکہ بسا اوقات ایسا ہی قرین مصلحت ہوتا ہے، البتہ کسی کی ملک اور میراث پر قبضہ کر لینا یہ ظلم ہے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ شیعوں کے نزدیک معصوم اور اہل سنت کے نزدیک محفوظ ہیں ان سے کسی کی ملک اور میراث کا غصب اور تغلب ناممکن ہے، نیز اگر یہ میراث ہوتی تو اس میں حضرت عباس کے علاوہ ازواج مطہرات کا بھی حصہ تھا اس کا دینا بھی لازم اور ضروری تھا۔

حضرت علی اور حضرت عباس کا حضرت عمر سے اس بات کا خواستگار ہونا کہ آدھوں آدھ بانٹ کر دونوں کو جدی جدی زمین کا متولی کر دیں یہ اس بات پر شاہد ہے کہ یہ جھگڑا فقط تولیت کا تھا میراث کا نہ تھا۔ میراث کے تقسیم کر دینے میں کوئی حرج نہیں بلکہ ایک شئی مشترک کو دو مالکوں میں تقسیم کر دینا عقلاً و نقلاً مستحسن ہے نیز حضرت عمر کا یہ عہد لینا کہ تم اس زمین میں وہی کرنا جو نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کیا کرتے تھے خود اس بات کی دلیل ہے کہ حضرت عمر نے اُن کو متولی کر کے دیا تھا ورنہ اس شرط کے کیا معنی۔ اگر میراث میں دیا ہوتا تو میراث تو وارثوں کی ملک ہوتی ہے اور مالک کو اپنی چیز کا اختیار ہوتا ہے کہ اپنے حصہ میں جو چاہے تصرف کرے اس سے اس قسم کے عہد لینے کے کیا معنی ورنہ ہر شخص سے بہ نسبت اراضی مملوکہ یہی عہد لیا جایا کرتا۔ پھر حضرت عمر کا یہ فرمانا کہ قیامت تک اس کے خلاف حکم نہ

دوں گا خود اس کی دلیل ہے کہ یہ ترکہ نبوی حضرت علی اور حضرت عباس کو بطور تولیت دیا تھا ان بطور میراث اس لئے کہ تقسیم میراث میں کوئی حرج نہیں ہر وارث کو اس کا حصہ علیحدہ کر کے دے دینے میں کوئی قباحت نہیں۔

بلکہ

اول بار بھی حضرت علی اور حضرت عباس کا حضرت عمر کے پاس آنا محض طلب تولیت کے لئے تھا جیسا کہ لفظ اور ادفعھا الینا سے یہ بات خود ظاہر ہے اس لئے کہ دفع کے معنی کسی چیز کے حوالہ اور سپرد کر دینے کے ہیں بطور میراث اور بطور تملیک کوئی چیز دینے پر دفع کا لفظ نہیں بولا جاتا مگر صدیق اکبر نے بطور تولیت بھی دینا کسی کو گوارا نہ کیا کیونکہ حضرت فاطمہ کی طلب میراث کا قصہ تازہ تھا اور اس قصہ سے سب کے کان پڑتے تھے اس وقت اگر بطور تولیت ہی دے دیتے تو ہر کوئی اس دینے کو میراث ہی کا دینا سمجھتا اور یہی وجہ فی الجملہ موجب گرائی خاطر حضرت علی اور حضرت عباس معلوم ہوتی ہے اس لئے ان دونوں کو حضرت صدیق سے ایک درجہ کشیدگی تھی کہ وہ ان کی تولیت تک کے بھی روادار نہ ہوئے اور عجب نہیں کہ مقتضائے بشریت ان دونوں کے دل میں خیال آیا ہو کہ اگرچہ یہ حدیث لانورث ما ترکنا صدقہ بلاشبہ صحیح ہے لیکن ہمارے استحقاق تولیت اور اہلیت و صلاحیت میں بھی کوئی تردد نہیں مگر با اینہم اس زمین کو صدیق اکبر نے اپنے ہی قبضہ میں رکھا ہے کوئی بات ضرور ہے۔

ان دونوں حضرات کا یہ خیال پیرایہ حال سے یا کسی قال سے حضرت عمر کو مترشح ہوا اس لئے انہوں نے بطور تنبیہ و شکایت یہ فرمایا کہ کیا تم ابو بکر کو کاذب اور آثم اور خائن سمجھتے ہو جیسے اقارب اور احباب سے جب کوئی بے اعتنائی ظہور میں آتی ہے تو مبالغہ یہ کہہ دیا کرتے ہیں کہ کیا تم مجھ کو اپنا بھائی یا دوست نہیں سمجھتے حالانکہ سویداء قلب میں ان کی محبت مرکوز ہوتی ہے مگر محض ظاہری طور اگر کوئی بات پیش آتی ہے تو ایسا کہہ دیا کرتے ہیں موقع تعریض و عتاب میں اس قسم کا محاورہ کلام اللہ میں استعمال ہوا ہے۔ کما قال تعالیٰ حتی اذا استیأس الرسل و ظنوا انہم قد کذبوا جاء ہم نصرنا۔ یعنی یہاں تک کہ جب رسولوں کو ناامیدی ہونے لگی اور وہ یوں خیال کرنے لگے کہ نصرت و امداد کے جو وعدے ان سے کیے تھے وہ غلط تھے حضرات

انبیاء کو تہہ دل سے یقین تھا کہ وعدہ ہائے الہی قطعاً و یقیناً صادق ہیں ایک روز بلاشبہ امداد الہی ضرور بالضرور آنے والی ہے لیکن بمقتضائے بشریت جب انبیاء کرام کے دلوں میں بے اختیار بے چینی اور پریشانی پیدا ہوئی تو حق تعالیٰ نے اپنے مجاہدین و مخلصین کو بطور شکایت و عتاب مبالغۃً یہ فرمایا کہ کیا امداد خداوندی میں ذرا تاخیر کی بنا پر یہ گمان کرنے لگے کہ معاذ اللہ خدا نے اپنے پیغمبروں سے غلط وعدے کیئے تھے موقعِ تعریض و عتاب میں مبالغۃً ایسا کہہ دیا کرتے ہیں اسی طرح حضرت عمر نے جب یہ دیکھا کہ حضرت علی اور حضرت عباس کے کلام سے صدیق اکبر سے رنج اور آزر دگی کی بو آتی ہے تو حضرت عمر نے بطور شکوہ و مبالغہ و مخلصانہ عتاب آمیز لہجہ میں مبالغۃً یہ فرمایا کہ کیا تم دونوں ابو بکر کو کاذب و خائن و غیرہ سمجھتے ہو واللہ ابو بکر تو بار آور راشد اور تابع للحق تھے حالانکہ حضرت عمر کو یقین تھا کہ حضرت علی اور حضرت عباس کے دل میں صدیق اکبر کی محبت ایسی پختہ اور راسخ ہے کہ کسی طرح بھی نکالے نہیں نکل سکتی اس لئے زبان سے ایسے کلمات کا نکالنا جن سے رنج اور آزر دگی مترشح ہوتی ہے محبِ صادق کی شان کے مناسب نہیں۔

باغِ فدک کی حقیقت

باغِ فدک ایک نہایت مختصر کھجوروں کا باغ تھا جس میں سے آں حضرت ﷺ اپنے اہل و عیال کو بقدر قوت لایموت سال بھر کا نفقہ دے دیا کرتے تھے اور باقی جو کچھ بچتا تھا وہ فقراء و مساکین پر تقسیم کر دیتے تھے آپ کی وفات کے بعد جب حضرت صدیق اکبر آپ کے خلیفہ اور جانشین اول مقرر ہوئے تو اس وقت حضرت فاطمہ نے اس امر کی درخواست کی کہ یہ باغ مجھ کو وراثت میں دیدیا جائے، صدیق اکبر نے جواب دیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ ہم انبیاء کا نہ کوئی وارث ہوتا ہے اور نہ ہم کسی کے وارث ہوتے ہیں ہم جو کچھ چھوڑتے ہیں وہ صدقہ اور وقف ہوتا ہے۔ حضرت سیدہ یہ سن کر نادام یا غمگین ہوئیں اور پھر اس معاملہ میں کوئی کلام نہیں فرمایا۔

باغِ فدک ایک معمولی سا باغ تھا کوئی لاکھوں یا کروڑوں کی جاگیر نہ تھی کہ جس کی نسبت یہ کہا جائے کہ خلیفہ وقت نے اس عظیم الشان باغ کو اس لئے غصب کیا ہے کہ خلیفہ اور اس کی اولاد اس باغ کی آمدنی سے شاہانہ اور امیرانہ ٹھاٹ جمائے اور اس کی بے شمار

آمدنی سے عیش و عشرت کا سامان مہیا کرے کسی خلیفہ نے اس باغ کا اپنی اولاد کے نام بیعنامہ یا ہبہ نامہ نہیں لکھ دیا بلکہ مصارفِ شرعیہ میں اس کی آمدنی کو خرچ کرتے رہے یہاں تک کہ جناب امیر خلیفہ ہوئے تو وہ باغ حسب دستور آپ کی نگرانی میں آگیا اور آپ نے بھی اس باغ کو حسب قاعدہ مستمرہ خلفاء سابقین بدستور قدیم جاری رکھا اور کسی قسم کے ذاتی تصرف کو اس میں دخل نہیں دیا اور جناب امیر نے اپنے دور خلافت میں اس باغ کا انتظام رکھا کہ جو سابق خلفاء کے زمانہ میں رہا اگر حضرات شیعہ کے قول کے مطابق کہ باغ فدک اہل بیت کا حق تھا اور خلفاء سابقین نے اُس کو غصب کر رکھا تھا تو حضرت علی نے اپنے دور خلافت میں اس غصب شدہ چیز کو اہل حق اور اہل استحقاق کو کیوں نہ واپس کر دیا۔

حضرات شیعہ اس کے جواب میں یہ کہتے ہیں کہ باغ فدک چونکہ غصب ہو چکا تھا اور ائمہ معصومین کا طریقہ یہ ہے کہ غصب شدہ چیز کو واپس نہیں لیتے تو حضرات اہل سنت جواب میں یہ عرض کریں گے کہ آپ کے نزدیک جیسے باغ فدک غصب ہو چکا تھا اسی طرح خلافت بھی تو غصب ہو چکی تھی تو کیا وجہ ہے کہ جناب امیر نے ایک معمولی چیز کو تو چھوڑ دیا اور بڑھیا چیز یعنی خلافت کو واپس لے لیا اور اس کے غصب شدہ ہونے کا ان کو خیال نہ آیا اور پھر ان مدعیان غصب کو یہ خیال نہیں آتا کہ خلفاء کرام نے زمانہ خلافت میں فقیرانہ اور درویشانہ زندگی گزاری اور اہل بیت عظام کو بیک وقت پچاس پچاس اور ساٹھ ساٹھ ہزار درہم دینا دیا کرتے تھے۔ ہر مرتبہ کا عطیہ کیا باغ فدک کی قیمت سے کم ہوتا تھا۔ کسی محاسب سے حساب تو کرالیں۔ خیر اور عطایا کو جانے دو صرف ایک مرتبہ کے عطیہ کا شمار کو لو کہ جس وقت شہر بانو شہزادی ایران خلیفہ برحق کے زمانہ خلافت سراپا شوکت و عظمت میں مقید ہو کر آئیں تو خلیفہ وقت نے حضرت علی اور حسین کو حصہ غنیمت دینے کے بعد تینوں کو تیس ہزار درہم دیئے اور اس کے علاوہ خاص امام حسین رضی اللہ عنہ کو شہر بانو مع زیور جواہرات کے اُن کو عطا کی۔ جس کا ہر جوہر اور موتی اتنا قیمتی تھا کہ ایک موتی کی قیمت سے کم از کم سو باغ فدک خریدے جاسکیں۔ پس اگر بالفرض باغ فدک چھین ہی لیا تھا مگر جب اس کے بعد اس قدر بیش بہا عطایا اور ہدایا دیدیئے کہ جن سے ہزاروں باغ فدک خریدے جاسکیں تو حضرات شیعہ ہی انصاف کریں کہ کیا یہ شکوہ بیجا نہیں اگر کوئی شخص کسی کا ایک پیسہ چھین کر اس کو ایک ہزار دیدے تو کیا وہ مستحقِ شکر گزاری نہیں۔

حضرات شیعہ سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ ایران جس سے کروڑوں شیعہ صد ہا سال سے پرورش پا رہے ہیں وہ فاروق اعظم ہی کا توفیق کیا ہوا ہے کیا اب تک غصب شدہ باغِ فذک کا ضمان اورتاوان پورا نہیں ہوا۔

ایک شبہ اور اس کا ازالہ

حضرت سیدۃ النساء فاطمۃ الزہراءؑ نے جب صدیق اکبر سے نبی اکرم ﷺ کی متروکہ اراضی سے اپنا حصہ میراث طلب کیا تو صدیق اکبر نے فرمایا کہ انبیاء کرام کے متروکہ میں وراثت نہیں ہوتی وہ جو کچھ چھوڑیں وہ سب فی سبیل اللہ صدقہ ہے۔

فغضببت فاطمۃ بنت رسول اللہ ﷺ فہجرت ابابکر فلم تزل مهاجرة حتی توفیت۔ (بخاری شریف باب فرض الخس) حضرت سیدہ کی وفات ہو گئی

اب اشکال یہ ہے کہ حضرت سیدہ اس ارشاد فیض بنیاد لانورث ما ترکنا صدقۃ سننے کے بعد کیوں ناراض اور غصہ ہوئیں بجائے رضاء و تسلیم کے یہ برعکس معاملہ کیا گیا۔ صدیق اکبر تو ارشاد نبوی کی بناء پر مجبور اور معذور تھے۔

اور حضرات شیعہ کے نزدیک چونکہ حضرت سیدہ معصوم تھیں اس لئے اشکال ان کے مسلک پر شدید ہے کہ ایسے وقت میں جب کہ رسول اکرم و سرور عالم جیسے پدر بزرگوار کا جائزہ صد مہ پیش آیا ہو دنیا کی ایک حقیر چیز کا قصہ چھیڑنا اور اس کو اس قدر طول دینا کہ اپنے باپ کے خسر اور ان کے جانشین سے سلام و کلام ترک کر دینا کس قدر شانِ عصمت کے خلاف ہے۔

اس شبہ کا جواب جس طرح اہل سنت کے فہمہ ہے اسی طرح حضرات اہل تشیع کے فہمہ بھی ہے کہ وہ بتلائیں کہ حضرت سیدہ کیوں ناحق غصہ ہوئیں۔ اہل سنت کو تو دردِ وافض کی طرح مدافعتِ خوارج کی بھی فکر ہے کہ مبادا کوئی خارجی حضرت سیدہ کی شانِ مطہر میں یہ لب کشائی کرے کہ وفاتِ نبوی عالم کے لئے ایک حادثہ جائزہ تھا۔ ایسے مصیبت کے وقت میں اول تو میراث کا مطالبہ ہی زیبا نہ تھا اور حضرت سیدہ کی شانِ زہد سے بعید تھا اور اہل تشیع

کے نزدیک تو حضرت سیدہ معصومہ تھیں اور پھر جب ابو بکر صدیق نے حضور پر نور کا ارشاد سنا یا ارشاد سنا دیا تو اس کو دل و جان سے تسلیم کرنا تھا غم و غصہ کے کیا معنی۔ اس واقعہ میں صدیق اکبر پر کوئی اعتراض نہیں اشکال اور شبہ جو کچھ بھی ہے وہ حضرت سیدہ کے متعلق ہے جس کا جواب فریقین (اہل سنت اور اہل تشیع دونوں) کے ذمہ ہے اہل تشیع اپنی فکر کریں۔ ہم اہل سنت والجماعت غلامانِ غلامانِ خاندانِ اہل نبوت و سگانِ کوچہ اہل بیت حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا کی براءت و نزاہت کے لئے جو کچھ عرض کرتے ہیں وہ سنئے۔

اہل سنت کا جواب

حضرت سیدہ کی ناراضی کے متعلق روایات میں جو الفاظ آئے ہیں وہ مختلف ہیں بعض میں تو لفظ فغضبت فاطمة آیا ہے جیسا کہ گزرا اور بعض روایات بخاری و مسلم میں لفظ فوجدت فاطمة آیا ہے۔ جیسا کہ صحیح بخاری ص ۶۰۹ ج ۲۔ باب غزوہ خیبر میں لفظ فوجدت فاطمة علی ابی بکر آیا ہے۔

اور لفظ وجدت جس طرح بمعنی غضب آتا ہے جو غصہ پر دلالت کرتا ہے، اسی طرح بمعنی حزن بھی آتا ہے جو حزن و غم اور رنج و ملال پر دلالت کرتا ہے۔

حضرت سیدہ نے جب صدیق اکبر سے اپنا حصہ میراث طلب کیا اور صدیق اکبر نے اُن کو پیغمبر ﷺ کی یہ حدیث سنا دی تو عجب نہیں کہ ان کو اس طلب گاری پر ایک گونہ ندامت اور رنج ہوا ہو۔ اس لئے کہ انبیاء و المرسلین اور اولیاء کا ملین کا طریقہ یہ ہے کہ اگر اُن سے کوئی ذرہ برابر بے اعتدالی یا کوئی سہو و غفلت۔ ظہور میں آجائے تو نادام اور شرمندہ ہوتے ہیں جیسے حضرت آدم علیہ السلام کا بھول کر گیہوں کھانے پر نادام ہونا اور حضرت نوح علیہ السلام کا بے خبری میں اپنے فرزند کے لئے دعاء نجات پر نادام ہونا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قتل پر شرمندہ ہونا خود قرآن کریم میں موجود ہے۔

پس عجب نہیں کہ حضرت سیدہ کو اس پر ندامت ہوئی ہو کہ میں نے لاعلمی میں کیوں میراث کا سوال کیا۔ اگر مجھ کو پہلے سے لائورٹ ماسٹر کتنا صدقہ کی خبر ہوتی تو ہرگز میراث کا سوال نہ کرتی۔ اور پھر اسی خجالت و ندامت میں حضرت سیدہ کی علالت کا سلسلہ

شروع ہو گیا جس کے باعث صدیق اکبر کے رابط و ضبط میں فرق آ گیا ہو اور ملنا جلنا بدستور سابق نہ رہا ہو اور حضور پر نور کی وفات کا صدمہ جانکاہ۔ وہ کسی وقت دل سے جدا نہ ہوتا تھا معاذ اللہ یہ نہ تھا کہ سلام و کلام کی بھی نوبت نہ آتی ہو۔ ایسی متارکت تو تین دن سے زیادہ حرام ہے چہ جائیکہ تمام عمر کے لئے ہو نیز سب کو معلوم ہے کہ صدیق اکبر حضرت سیدہ کے محرم نہ تھے جن کے ساتھ ہمیشہ آپ کو کلام اور سلام کا اتفاق ہوتا ہو اور پھر اس معاملہ کی وجہ سے اس کو ترک کر دیا گیا ہو کیونکہ غیر محرم سے بلا ضرورت سلام و کلام درست نہیں۔

پس حضرت سیدہ کی یکسوئی اور علیحدگی کی علت دراصل یہ ندامت اور اپنی علالت اور صدمہ مفارقت پدری و نبوی تھی ظاہر بینوں نے یہ سمجھا کہ شاید یہ علیحدگی اور یکسوئی بوجہ غصہ اور ناراضگی ہے، اس لئے ان روایت کرنے والوں نے اپنی سمجھ کے موافق لفظ غضبت سے روایت کیا یا نیچے کے راویوں نے وجہت کی اصل روایت کو بمعنی غضبت سمجھ کر لفظ غضبت کے ساتھ روایت بالمعنی کیا اصل اور صحیح روایت وجہت فاطمہ بمعنی حزن ہے اور غضبت فاطمہ روایت بالمعنی ہے جس کو راوی نے غصہ اور ناراضگی سمجھ کر اپنی سمجھ کے موافق روایت کیا ہے دراصل غصہ اور ناراضگی نہ تھا بلکہ بمقتضائے بشری ایک طبعی رنج اور آزر دگی تھی جو ان کے کمال بزرگی کی دلیل ہے اور وقتی اور عارضی طور پر کچھ شکر رنجی ہو جانا یہ شان نبوت کے بھی خلاف نہیں جیسے حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کے درمیان پیش آئی اس کو جھگڑا نہیں کہہ سکتے ایسے امور پیش آ ہی جاتے ہیں اور پھر بہت ہی جلد زائل ہو جاتے ہیں بلکہ بسا اوقات از دیا محبت کا سبب بن جاتے ہیں اور پہلے سے زیادہ شیر و شکر ہو جاتے ہیں۔

(۲)۔ اور اگر ہم مان بھی لیں کہ حضرت فاطمہ زہراء اس بارے میں صدیق اکبر سے رنجیدہ اور آزر دہ خاطر یا غصہ اور ناراض بھی ہوئیں تب بھی اس سے حضرت صدیق اکبر کا قصور وار ہونا ثابت نہیں ہوتا ممکن ہے کہ حضرت سیدہ کسی غلط فہمی کی بنا پر ابو بکر کو قصور وار سمجھ کر ناراض اور غصہ ہو گئی ہوں کسی خیال کی بنا پر انبیاء و مرسلین کو باہم غصہ پیش آ جاتا ہے حالانکہ وہ بالیقین معصوم ہوتے ہیں جیسے حضرت موسیٰ کا حضرت ہارون پر غصہ ہونا قرآن کریم میں مذکور ہے پس جس طرح حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون دونوں ماجور اور معذور

اور بے قصور تھے اسی طرح اس میراث کے مقدمہ میں حضرت فاطمہ اور حضرت صدیق دونوں کو بے قصور اور دونوں کو ماجور جانو۔

(۳) اور اگر اس پر بھی حضراتِ شیعہ صدیق اکبر کو قصور وار ٹھہرائیں تو یہ خیال کریں کہ جب حضرت صدیق تائب ہو گئے اور حضرت سیدہ کے گھر جا کر اُن کو راضی کر لیا تو حضراتِ شیعہ کو بھی چاہئے کہ وہ بھی راضی ہو جائیں، حضرت سیدہ اُن کے زعم میں معصوم ہیں اور معصوم کی اقتداء ضروری ہے اور معصوم کی مخالفت ناجائز ہے، پس جب کہ حضرت سیدہ صدیق اکبر سے راضی ہو گئیں تو اب صدیق اکبر سے ناراضی اہل تشیع مذہب پر ناجائز ہوگی، حضرت سیدہ کے راضی ہو جانے کے بعد اگر کوئی ناراض ہوتا ہے تو ہوا کرے ہمیں اس کی فکر ہے اور نہ پروا۔

اب رہا یہ سوال کہ حضرت سیدہ نے ایسے صدمے اور رنج کے وقت میراث کیوں طلب کی سو جواب یہ ہے کہ معاذ اللہ مقصود مال و منال نہ تھا بلکہ تبرک نبوی اور یادگار پدری پیش نظر تھا، نیز رزقِ حلال کی طلب اولیاء اور اتقیا کا شعار ہے اور ظاہر ہے کہ متروکہ نبوی سے بڑھ کر دنیا میں کوئی مال حلال نہیں ہو سکتا کہ جس میں کسی قسم کی بھی حرمت یا کراہت کا بھی احتمال نہیں پس حضرت سیدہ کو یہ خیال ہوا کہ اگر آپ کا متروکہ مجھ کو مل جائے تو بلاشبہ رزقِ حلال سے بے فکری ہو جائے اور آپ کا تبرک اور آپ کی نشانی دل کی تسلی کا سامان ہو۔

ایک ضروری تنبیہ

حضراتِ شیعہ کہتے ہیں کہ حضرت سیدہ صدیق اکبر پر غصہ ہوئیں اور حدیث میں ہے کہ فاطمۃ بضعة منی من اغضبها فقد اغضبنی یعنی فاطمہ میرا خنجر ہے جس نے فاطمہ کو ناراض کیا اُس نے مجھ کو ناراض کیا۔

سو جاننا چاہئے کہ صدیق اکبر اس میں داخل نہیں اس لئے کہ غضب اور اغصاب میں فرق ہے۔ غضب کے معنی غصہ ہونے کے ہیں اور اغصاب کے معنی دوسرے کو جان بوجھ کر ناراض کرنے اور غصہ دلانے کے ہیں سو صدیق اکبر نے معاذ اللہ حضرت سیدہ کو ناراض نہیں کیا بلکہ ارشادِ نبوی کی تعمیل کی حضرت سیدہ نہ معلوم کس وجہ سے ابو بکر سے ناراض ہوئیں۔

حضرات شیعہ ہی بتلائیں کہ بے وجہ کیوں غصہ ہوئیں اہل سنت تو اُن کے غصہ ہونے کے قائل ہی نہیں ہمارے نزدیک تو حضرت سیدہ نے لاعلمی کی بنا پر میراث کا سوال کیا صدیق اکبر نے جب ارشاد نبوی سنایا تو اپنی اس غیر مناسب استدعاء اور ناحق طلب پر شرمندہ اور نادم ہوئیں اور بوجہ خجالت و ندامت صدیق اکبر سے خلط و ملط اور آمد و شد بھی سابق کے لحاظ سے کم ہو گئی لوگوں نے اس کو غصہ اور ناراضگی خیال کر لیا ورنہ صدیق اکبر حضرت سیدہ کے کوئی محرم نہ تھے جن سے سلام و کلام کی رسم جاری ہوتی اور پھر منقطع ہو جاتی تو ناراضگی کا شبہ ہوتا، حضرت سیدہ کا کلام محض ایک ضرورت کی بنا پر تھا، جب ضرورت نہ رہی تو کلام کی بھی ضرورت نہ رہی باقی حضرت علیؓ برابر صدیق اکبر کے شریک حال رہے اور برابر اُن کے پیچھے نمازیں پڑھتے رہے اور ادھر صدیق اکبر بوجہ کمال نیاز مندی و در دولت پر حاضر ہوئے اور اس احتمال پر کہ شاید حضرت سیدہ ناراض ہو گئیں عذر و معذرت کی یہاں تک کہ حضرت سیدہ کو راضی کر کے اپنے گھر واپس آ گئے معاذ اللہ ابو بکر خلافت اور امارت کے نشہ میں نہیں پڑے رہے کہ حضرت سیدہ کی خبر ہی نہ لیتے جگر گوشہ رسول کے رنج اور آزر دگی سے نیچین اور بے تاب ہو گئے اور در دولت پر حاضر ہو کر اُن کو راضی کیا اور اگر حضرات شیعہ اس گزارش پر بھی اکتفا نہ کریں اور پھر بھی ابو بکر کو قصور وار ٹھہرائیں تو پھر عرض یہ ہے کہ صدیق اکبر نے حضرت سیدہ کو کیا ناراض کیا بلکہ حضرت علیؓ نے جب ابو جہل کی بیٹی سے نکاح کا ارادہ کیا اس وقت حضرت سیدہ کو ناراض کیا جس پر حضور پر نور نے خطبہ دیا اور یہ ارشاد فرمایا فاطمۃ بضعة منی من اغضبها فقد اغضبنی اب آپ فرمائیے کہ حضرت علیؓ نے کس بناء پر یہ ارادہ فرمایا تھا۔ صدیق اکبر کے پاس تو ارشاد نبوی لا نورث ما ترکنا صدقة کا سہارا تھا حضرت علیؓ کے پاس کیا سہارا تھا علاوہ بریں بارہا خانگی امور میں حضرت سیدہ اور حضرت علیؓ میں باہم رنجش پیش آتی تھی، چنانچہ ایک روز اسی باہمی رنجش کے باعث حضرت امیر خفا ہو کر مسجد میں آ لیے تھے جس پر آں حضرت ﷺ نے ابو تراب کے لقب سے مشرف فرمایا۔

میراث نبوی ﷺ

صدیق اکبر اور فاروق اعظم اور عثمان غنی اور علی مرتضیٰ اور حضرت عائشہ صدیقہ وغیرہم

سے مروی ہے کہ آن حضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہم یعنی گروہ انبیاء کے مال میں میراث نہیں، ہم جو کچھ چھوڑیں وہ سب خدا کی راہ میں صدقہ اور خیرات ہے۔

(۱) حکمت اس میں یہ ہے کہ خلق خدا کو یہ معلوم ہو جائے کہ حضرت انبیاء نے دعوت حق اور تبلیغ دین میں جو کچھ بھی محنت اور مشقت اٹھائی وہ محض خدا تعالیٰ کے لئے تھی اس سے دُنیا مطلوب نہ تھی یہاں تک کہ اولاد کو بھی اس میں کوئی حصہ نہیں ملتا۔

(۲) نیز انبیاء کرام۔ امت کے حق میں روحانی باپ ہیں لہذا ان کا مال امت کے تمام افراد کے لئے وقف ہوگا، کسی خاص فرد کے لئے مخصوص نہ ہوگا۔

(۳) نیز حضرات انبیاء کرام۔ ہر وقت بارگاہ خداوندی میں حاضر اور مقیم رہتے ہیں اور مالک حقیقی کی مالکیت ہر وقت اُن کی نظروں کے سامنے رہتی ہے اس لئے حضرات انبیاء کرام اپنے آپ کو کسی چیز کا بھی مالک نہیں سمجھتے جیسا کہ بزرگوں کا قول ہے۔

الانبياء لا يمشهدون ملکا مع ۝ یعنی انبیاء خدا کے سامنے کسی کی ملکیت کو اللہ ۝ نہیں دیکھتے۔

عوام کی نظروں سے مالک حقیقی کی ملکیت چونکہ پوشیدہ ہے اس لئے وہ اپنے آپ کو مالک مجازی سمجھتے ہیں مگر انبیاء کرام اپنے کو مالک مجازی بھی نہیں سمجھتے جو چیز ان کے ہاتھ میں ہوتی ہے اس کو خدا ہی کی تصور کرتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ ہم خداوند ذوالجلال کے دسترخوان پر بیٹھے ہوئے ہیں ہم کو اس سے منتفع اور مستفید ہونے کی اجازت ہے۔ اسی وجہ سے ان اموال میں انبیاء کرام پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی اور نہ وفات کے بعد ان میں میراث اور وصیت جاری ہوتی ہے۔

حیات نبوی ﷺ

تمام اہل سنت والجماعت کا اجماعی عقیدہ ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام وفات کے بعد اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نماز اور عبادت میں مشغول ہیں اور حضرات انبیاء کرام کی یہ برزخی حیات اگرچہ ہم کو محسوس نہیں ہوتی لیکن بلاشبہ یہ حیات حسی اور جسمانی ہے اس لئے کہ روحانی اور معنوی حیات تو عامہ مؤمنین بلکہ ارواح کفار کو بھی حاصل ہے۔

احادیث صحیحہ اور صریحہ سے ثابت ہے کہ مردے سنتے ہیں مگر جواب نہیں دے سکتے۔
مقتولین بدر سے آپ کا خطاب فرمانا صحیحین اور تمام کتب حدیث میں مذکور اور مشہور ہے نیز
حدیث میں ہے۔

ما من احد یمر بقبر اخیه : جو شخص اپنے مؤمن بھائی کی قبر پر گزرے
المؤمن کان یعرفہ فی الدنیا : جس کو مرنے سے پہلے وہ دنیا میں پہچانتا
فیسلم علیہ الا عرفہ ورد علیہ : تھا اور اس پر سلام کرے تو وہ مردہ بھی اس کو
السلام رواہ ابن عبد البر : پہچانتا ہے اور اس کے سلام کا جواب دیتا
صححہ ابو محمد عبد الحق : ہے اس حدیث کو حافظ ابن عبد البر نے
وقال ﷺ ان المیت یعرف من : روایت کیا اور شیخ عبد الحق نے اس کو صحیح بتایا
یغسلہ ویحملہ ویدلہ فی : نیز نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد
قبرہ رواہ احمد وغیرہ۔ ۱ : ہے کہ تحقیق میت اُس شخص کو پہچانتا ہے جو
اس کو غسل دے اور اس کو اٹھائے اور اس کو
قبر میں اتارے اس حدیث کو امام احمد
وغیرہ نے روایت کیا۔

مسند ابی یعلیٰ میں انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے
ارشاد فرمایا۔

الانبياء احياء فري قبورهم : انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نماز و نیاز
یصلون۔ : میں مشغول ہیں۔ ۲۔

شیخ جلال الدین سیوطی نے اس حدیث کو حسن فرمایا اور علامہ مناوی فیض القدیر شرح

ازرقانی۔ ج ۵، ص ۲۳۴

۲۔ شیخ الاسلام و بلوی در شرح بخاری بعد نقل احادیث حیات انبیاء می فرماید۔ از اس احادیث معلوم شود کہ انبیاء زندہ اند و
قبر بعد از وفات حیات حسی و اجساد ایشان نیز ثابت باشند و بسیدہ مگردند و آن حیات بچو حیات دنیا باشد با وجود استغناء
از غذا و با حصول قوت نفوذ در عالم چہ خدا از اسباب مادی است کہ در دنیا حیات بدان مشروط است و خدا تعالیٰ قادر
است کہ بے آل نیز زندہ دار و واحداث و ایجاد یعنی احوال و اعراض در بدن کند کہ التفات (احتیاج بقذا امر ترفع گردد)۔
شرح شیخ الاسلام ص ۱۴۷ ج ۶، کذافی مدارج النبوة ص ۶۵ ج ۲ کتاب الانبیاء، وراجعہ فقہ فصل الکلام۔

جامع صغیر میں فرماتے ہیں ”ہذا حدیث صحیح“ اور علامہ سیوطی مرقاۃ الصعوط حاشیہ سنن ابی داؤد میں فرماتے ہیں کہ حیاتِ انبیاء کے بارے میں احادیث درجہ تو اتر کو پہنچی ہیں اور انبیاء الاذکیاء حیاتِ الانبیاء میں فرماتے ہیں۔

حیات النبی ﷺ فی قبرہ ہو
وسائر الانبیاء معلومة عندنا
علما قطعیا لما قام عندنا من
الادلة فی ذلك و تواترت به
الاخبار الدالة علی ذلك۔
نبی اکرم ﷺ کی حیات اپنی قبر مطہر میں
اور تمام انبیاء کرام کی حیات اپنی قبروں
میں علم قطعی اور یقینی سے معلوم ہے اس لئے
کہ حیاتِ انبیاء دلائل سے ثابت ہے اور
احادیث متواتر اس پر شاہد ہیں۔

اور اس حدیث سے فقط انبیاء کرام کی حیات بیان کرنا مقصود نہیں بلکہ یہ بتلانا ہے کہ جس طرح انبیاء کرام اس حیاتِ دنیویہ میں مشغول عبادت تھے اسی طرح اس حیاتِ برزخیہ میں بھی مشغول عبادت ہیں بلاغت کا قاعدہ ہے کہ کلام میں آخری قید محط کلام ہوتی ہے لہذا الانبیاء احياء فی قبورہم یصلون میں مقصود کلام۔ صلاۃ اور عبادت فی القبر کا بیان کرنا ہے اصل حیات امر مفروغ ہے یصلون سے پہلے حیات کا ذکر محض تمہید کے لئے ہے اور مقصود یہ ہے کہ انبیاء کرام کے اجسام مطہرہ اگرچہ اس عالم سے دوسرے عالم میں منتقل ہو گئے لیکن وہی اجسام حسب سابق مشغول عبادت ہیں اور اعمال حیات اور اشغال زندگی بدستور جاری ہیں اور اعمال و اشغال میں نماز کی تخصیص اس لئے فرمائی کہ ایمان کے بعد درجہ نماز کا ہے اور نماز انبیاء کرام کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔ غرض یہ کہ حضرت انبیاء کرام کی حیات جسمانی ہے محض روحانی نہیں اس لئے کہ مرنے کے بعد روحانی حیات اور سمع اور ادراک حضرت انبیاء کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ احادیث صحیحہ سے تمام افراد اور آحاد بشر کے لئے ثابت ہے اور حدیث سے مقصود انبیاء کرام کی خصوصیت اور ان کا امتیاز بیان کرنا ہے،

ایچ ۳۰ ص ۱۸۴ ۲ پوشیدہ نماز کہ دیدن آں حضرات انبیاء صلوات اللہ وسلامہ علیہم وکلم آںہا چنانچہ در حدیث مذکور بوضوح پیوستہ ناظر در آں ست کہ آںہا با شخاص واجساد دیدہ و قول مختار و مقرر مجبور ہم اس است کہ انبیا بعد اذ وقت موت زندہ اند حیات دنیوی۔ تیسیر القاری ص ۲۶۲ ج ۳ باب ذکر ادراک مایہ السلام یعنی مانند حیات دنیوی بلکہ حیات برزخی اوشان اعلیٰ واقوی است نہ حیات دنیویہ ہمرا تب کہ عقل از تصور آں قاصر است ۱۲

حدیث میں ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ جمعہ کے دن تم مجھ پر کثرت سے درود پڑھا کرو کیونکہ تمہارا درود میرے سامنے پیش کیا جاتا ہے۔ صحابہ نے عرض کیا۔

کیف تعرض صلاتنا علیک
وقد ارمیت یقولون بلیت فقال
ان الله حرم على الارض ان
تأکل اجساد الانبیاء اخرجہ
ابو داؤد وقال البیهقی لہ
شواہد وقال العلامة القاری
رواہ ابن حبان فی صحیحہ
والحاکم و صححہ وقال
النووی اسنادہ صحیح اہل

ہمارا صلوٰۃ و سلام آپ پر کیسے پیش ہوگا
حالانکہ وفات کے بعد آپ کا جسم بوسیدہ
اور ریزہ ریزہ ہو چکا ہوگا۔ آں حضرت
ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تحقیق اللہ تعالیٰ
نے زمین پر حرام کر دیا کہ وہ انبیاء کے
اجسام کو کھائے اس حدیث کو ابو داؤد نے
روایت کیا، امام بیہقی فرماتے ہیں کہ اس
حدیث کے اور بھی شواہد ہیں اور یہ حدیث
صحیح ہے۔

صحابہ کا یہ سوال اور آں حضرت ﷺ کا یہ جواب اس امر کی صریح دلیل ہے کہ حیات سے جسمانی حیات مراد ہے۔ محض روحانی حیات مراد نہیں ورنہ اگر فقط روح مبارک پر درود کا معروض ہونا مراد ہوتا تو صحابہ کرام کا یہ سوال وقد ارمیت کہ آپ کا جسم تو وفات کے بعد بوسیدہ ہو جائے گا اور پھر حضور پر نور کا یہ جواب کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر اجساد انبیاء کو حرام کر دیا ہے سب بے معنی ہو جائے محض روح پر اعمال پیش ہونے کے لئے جسم کا محفوظ رہنا ضروری نہیں آپ جواب میں یہ فرمادیتے کہ تمہیں جسم سے کیا بحث تمہارا صلوٰۃ و سلام تو میری روح پر پیش ہوگا محض روح پر اعمال کا پیش ہونا انبیاء کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ احادیث صحیحہ سے یہ امر ثابت ہے کہ مردے کلام و سلام کو سنتے ہیں اور بعض ایام میں ان پر ان کے اقارب کے اعمال پیش ہوتے ہیں جیسا کہ شرح الصدور فی احوال الموتی والقبور للعلامة السیوطی میں اس پر مفصل کلام کیا ہے، روح متصل بالجسد پر قبر میں امت کے اعمال کا پیش ہونا یہ نبی اکرم ﷺ کی خصوصیت ہے۔ ہذا توضیح ما قالہ العلامة القاری فی شرح مشکوٰۃ ۲

اور سنن ابن ماجہ میں ابوالدرداء سے روایت ہے کہ جمعہ کے روز خاص طور پر مجھ پر کثرت

سے درود پڑھا کرو، جمعہ کا دن یوم مشہود ہے جس میں ملائکہ اللہ بکثرت حاضر ہوتے ہیں جو شخص بھی مجھ پر درود پڑھے گا وہ مجھ پر پیش کیا جائے گا۔ ابوالدرداء کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا۔

وبعد الموت قال ان الله حرم
على الارض ان تأكل اجساد
الانبياء فنبى الله حى يرزق۔
رواہ ابن ماجہ قال الدمیری
رجاله ثقات كذا فی فیض
القدير

وقال الزرقانی رواہ ابن ماجہ برجال ثقات عن ابی الدرداء مرفوعاً۔ الخ زرقانی ص ۳۳۶ ج ۵
شیخ تقی الدین سبکی فرماتے ہیں کہ صدیق اکبر اور فاروق اعظم مسجد نبوی میں آواز بلند کرنے کو ناپسند فرماتے تھے اور جو شخص مسجد نبوی میں آواز بلند کرتا تو اس کو یہ فرماتے۔

لقد اذیت رسول الله ﷺ تحقيق تو نے آواز بلند کر کے رسول اللہ
فرے قبرہ۔

معلوم ہوا کہ صدیق اکبر اور فاروق اعظم کے نزدیک آں حضرت ﷺ قبر مبارک میں اسی جسم اطہر کے ساتھ زندہ ہیں اور جس طرح حکم خداوندی لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ الایہ۔ اس حیات دنیاویہ میں آپ کے سامنے بلند آواز سے بولنا ممنوع تھا اسی طرح اب اس حیات برزخیہ میں آپ کے سامنے بلند آواز سے بولنا ممنوع ہے۔

اور ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهَا کا یہ حال تھا کہ اگر مسجد نبوی کے متصل مکانات اور دیوار میں کسی کیل اور میخ ٹھونکنے کی آواز حجرہ نبوی تک پہنچتی تو عائشہ صدیقہ فوراً اس کے پاس یہ کہلا کر بھیجتیں۔

لا تؤذوا رسول الله ﷺ رسول الله ﷺ کو کیل اور میخ ٹھونکنے کی
آواز سے تکلیف مت پہنچاؤ۔

شیخ سبکی فرماتے ہیں کہ تمام صحابہ کرام اور سلف صالحین کا یہی عمل تھا کہ آپ کے ادب اور تعظیم میں مسجد نبوی میں آواز بلند نہیں کرتے تھے (کما قال تعالیٰ إِنَّ الَّذِينَ يَغُضُّونَ أَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ امْتَحَنَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ فَلِتَقْوَىٰ)

سید الملائکۃ المقرئین سیدنا جبریل امین ایک مرتبہ حضور پر نور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بعد ادب آپ کے سامنے دوزانو بیٹھ کر عرض کیا۔ اَذْنُو مِنْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ اجازت ہو تو آپ سے قریب ہو جاؤں۔ آپ نے اجازت دی جبریل امین نے حضور پر نور کے دونوں گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر آہستہ آواز سے عرض معروض کی۔

اور علیٰ ہذا مرض الوفات میں جب ملک الموت آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو بعد ادب و نیاز۔ پست آواز سے قبض روح کی اجازت چاہی۔ شفاء السقام ص ۵۴ اویو یذ الک ما قال تعالیٰ إِنَّ الَّذِينَ يُنَادُونَكَ مِنْ وَرَاءِ الْحُجُرَاتِ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ۔ اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

من صلی علیّ عند قبری : جو شخص میری قبر کے قریب سے مجھ پر درود سمعتہ و من صلی علیّ نائیا : پڑھتا ہے اُسے میں خود سنتا ہوں اور جو دور بلغتہ : دراز سے مجھ پر درود پڑھتا ہے وہ مجھ کو بذریعہ فرشتوں کے پہنچا دیا جاتا ہے۔

اور ظاہر ہے کہ قرب اور بعد کا یہ فرق حیات جسمانی کے اعتبار سے ہے نہ کہ حیات روحانی کے اعتبار سے۔

علامہ مناوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں۔

وذلك لان لروحه تعلقا بمقر : اور وجہ اس کی یہ ہے کہ آپ کی روح بدنہ الشریف و حرام علی : مبارک کو آپ کے جسد اطہر کے مستقر یعنی الارض ان تا کل اجساد : قبر شریف کے ساتھ تعلق ہے اور زمین پر الانبياء فحالہ کحال النائم : انبیاء کرام کے اجسام کو کھانا قدرۃ ممنوع الذی ترقی روحہ بحسب : ہے، پس قبر شریف میں آپ کا حال ایسا

قواھا ما شاء اللہ لہ بحسب قدرہ عند اللہ فی ملکوت الہی ولہا بالبدن تعلق و لذلک الا خبر بسماعہ صلاة المصلی علیہ عند قبرہ و ذالک لانہ ینافیہ ما مرفی خبرہ حیث ما کنتم فصلوا علی من ان معنہ لا تتکلفوا المعاودة الی قبری فان صلاتکم تبلغنی حیث کنتم ما ذالک الا لان الصلاة فی الحضور مشافہة افضل من الغیبة لکن المنہی عنہ هو الاعتیاد الراجع للحمیة المخالف لکمال الصیبة والا جلال اہل

ہے جیسے سونے والے کا حال ہوتا ہے کہ اس کی روح کو عروج ہوتا ہے جس قدر جس درجہ اللہ کے یہاں اس کا مرتبہ ہوتا ہے اسی قدر اس کو عالم ملکوت میں عروج ہوتا ہے اور باوجود اس کے اس کی روح کو اس کے بدن سے تعلق رہتا ہے اسی وجہ سے آنحضرت ﷺ نے خبر دی ہے کہ جو میری قبر کے قریب سے مجھ پر صلاۃ و سلام پڑھے گا اس کو میں خود سنوں گا اور یہ حدیث مذکور اس حدیث کے منافی نہیں کہ جس میں یہ آیا ہے کہ تم جہاں بھی ہو مجھ پر درود بھیجا کرو اس لئے کہ اس حدیث کے معنی یہ ہیں کہ بار بار میری قبر پر حاضری کی مشقت اور کلفت مت اٹھاؤ تمہارا درود سلام مجھ کو ہر جگہ سے پہنچے گا۔

جس سے معلوم ہوا کہ حاضر ہو کر بالمشافہ صلاۃ و سلام۔ غائبانہ صلاۃ و سلام سے افضل ہے۔ البتہ ایسی بار بار حاضری جس سے بارگاہ نبوت کی عظمت و ہیبت میں کمی آجائے اس کو منع فرمایا۔ اور مسند بزار میں بسند جید عبد اللہ بن مسعود سے مرفوعاً مروی ہے کہ امت کے اعمال آپ پر پیش ہوتے ہیں اور آپ ان کے لئے دُعائے مغفرت کرتے ہیں۔ ۱۷

ان تمام روایات سے یہ امر بخوبی واضح ہو گیا کہ نبی اکرم ﷺ اور دیگر انبیاء کرام قبروں میں زندہ ہیں اور ان کے اجسام مبارکہ بوسیدہ اور بالیدہ ہونے سے محفوظ ہیں اور وفات کے بعد عبادات سے معطل نہیں بلکہ نماز پڑھتے ہیں اور حج کرتے ہیں اور اللہ کی طرف سے اُن کو رزق ملتا ہے اور مزار مبارک پر جو شخص حاضر ہو کر صلاۃ و سلام پڑھتا ہے اس

کو خود سنتے ہیں اور امت کے اعمال آپ پر قبر ہی میں پیش کیئے جاتے ہیں یہ تمام امور اس امر کی قطعی دلیل ہیں کہ حضرات انبیاء کی حیات جسمانی ہے اور ارواح طیبہ کا اجسام مبارک سے تعلق قائم ہے غرض یہ کہ انبیاء کرام کی حیات دلائل قطعیہ سے ثابت ہے اور یہ امر بدیہی ہے کہ امت نے جسد اطہر کو وفات کے بعد قبر شریف میں ودیعت رکھا ہے اور شریعت نے مزار مبارک کی زیارت کی تاکید اکید کی ہے اور قبر مبارک ہی میں امت کے اعمال پیش ہوتے ہیں اور قبر مبارک ہی میں آپ نماز ادا فرماتے ہیں اور قبر مبارک ہی میں آپ کو اللہ کی طرف سے رزق پہنچتا ہے اور اجسام مبارک کا قبروں میں دفن کیا جانا مشاہدہ اور معائنہ سے ثابت ہے جس میں کسی شک اور شبہ کی گنجائش نہیں اور اجساد مطہرہ کا قبور سے دوسری جگہ منتقل ہونا کہیں ثابت نہیں اور احادیث متواترہ سے انبیاء کرام کی جو حیات ثابت ہے وہ حیات فی القبور ہے نہ کہ حیات فی السموات۔

اور قبور میں اجسام ودیعت رکھے گئے ہیں تو ثابت ہو گیا کہ انبیاء کرام کی حیات جسمانی ہے اور روح کا اصل تعلق اجسام سے قبروں میں ہے۔ غرض یہ کہ ان روایات سے یہ امر خوب واضح ہو گیا کہ وفات کے بعد نبی اکرم ﷺ کا اصل ۲ مستقر قبر مبارک ہے کہ جہاں آپ کا جسد اطہر محفوظ ہے نہ کہ آسمان اور اسی مقام پر آپ کی روح مبارک کا جسد اطہر سے تعلق ہے اور اسی جگہ آپ پر امت کے اعمال پیش ہوتے ہیں اور بائیں ہمہ آپ کی روح مبارک کو عالم علوی سے بھی تعلق ہے لہذا اگر آپ کی روح مبارک سیر و تفریح کے لئے اعلیٰ علیین اور ملکوت السموات والارض میں باذن خداوندی جہاں چاہے جائے تو وہ اس کے منافی نہیں حق تعالیٰ شانہ کو اختیار ہے کہ اپنے برگزیدہ بندہ کو جہاں چاہے سیر کرائے اور امور آخرت اور احوال برزخ کو احوال دنیا پر قیاس کرنا نادانی ہے۔

علامہ قاری شرح شفاء میں لکھتے ہیں ۳

المعتقد المعتمد انه ﷺ حی فی قبره کسائر الانبیاء فی

وہ عقیدہ جس پر سلف و خلف کا اعتماد ہے وہ

یہ کہ نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم اپنی قبر

۱۔ جذب القلوب۔ ص ۲۰۴ ۲۔ قال الحافظ فی التلخیص ج ۳ ص ۳۲۹ واما اجساد ہم فی فی القبور فتح الباری باب التلبیۃ

اذا نجدہ فی الوادی۔ ج ۳ ص ۱۴۲۔

جمع ہوئے ہوں قدرت قدیمہ کے لحاظ سے لقاء روحانی و جسمانی اور زمینی اور آسمانی اور ہر قسم کا نقل مکانی سب برابر ہیں محض استبعاد طبعی سے احادیث نبویہ کو رد کرنا بے عقلی اور بے دینی کی دلیل ہے باقی اصل حقیقت اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے کہ کس کیفیت اور کس شان سے ملاقات ہوئی۔ کس نکشاد و نکشاید حکمت ایں معمارا۔

حدیث میں ہے کہ مومن کی قبر کشادہ کر دی جاتی ہے اور جنت کا باغ بنا دی جاتی ہے۔ پس اگر روضہ اقدس کو نمونہ فردوس بریں اور رشک علیین بنا دیا جائے تو کیا استبعاد ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایام محاصرہ میں عرض کیا گیا کہ شام چلے جائیں تاکہ وہاں اس فتنہ اور بلاء سے محفوظ ہو جائیں تو یہ فرمایا کہ میں دار ہجرت (مدینہ منورہ) اور اس حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قرب اور مجاورت کو نہیں چھوڑ سکتا۔

ایک مرتبہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اپنے مکان کے گواڑ بنوائے تو یہ حکم دیا کہ یہ گواڑ مدینہ سے باہر لے جا کر بنائے جائیں تاکہ اُن کے بنانے کی آواز مسجد نبوی میں نہ آئے اور اس آواز کی وجہ سے حضور پر نور کو تکلیف نہ ہو (زرقانی شرح مواہب ص ۴۳۰ ج ۸ و شفاء السقام ص ۱۷۳)

ابونعیم وغیرہ سعید بن مسیب سے روایت کرتے ہیں کہ جن ایام میں واقعہ حرہ پیش آیا مسجد نبوی میں میرے سوا کوئی تنفس نہ تھا ان ایام میں جب نماز کا وقت آجاتا تو میں قبر مبارک سے اذان کو سنتا اس کے مطابق نماز ادا کرتا۔ تین دن تک مسجد نبوی میں نماز نہیں ہوئی۔ میں قبر مبارک سے اذان کی آواز سن کر نماز پڑھتا تھا، (زرقانی شرح مواہب ص ۲۳۲ ج ۵)

یہ واقعہ بھی اس کی دلیل ہے کہ روح مبارک کا اسی جسد اطہر سے تعلق قائم ہے کہ جو روضہ اقدس میں ودیعت رکھا گیا ہے سید سمودی و فاء الوفاء باب ثامن کی فصل ثانی ص ۷۷۰ ج ۲ میں لکھتے ہیں۔

و اما ادلة حياة الانبياء فمقتضاها
حياة الابدان كحالة الدنيا مع
الاستغناء عن الغذاء ومع قوة
التفوذ في العالم وقد اوضحنا
المسئلة في كتابنا المسمى

بالوفالما لحضرة المصطفى
ﷺ اه
مماثل اور مشابہ ہے فرق یہ ہے کہ عالم
برزخ میں باوجود حیات جسمانی ہونے
کے غذاء سے مستغنی ہیں اور اللہ تعالیٰ نے
نفوذ کی قوت عطا فرمائی ہے اور ہم نے اس
مسئلہ کی پوری توضیح اپنی کتاب الوفاء میں
کی ہے۔ اھ

اور عہد صحابہ و تابعین سے لے کر اس وقت تک اُمت کے تمام علماء و صلحاء کا یہ عمل رہا ہے
کہ جو شخص زیارت نبوی کے لئے جاتا ہے اس کے واسطے سے حضور پر نور کی خدمت میں ہدیہ
سلام بھیجتے ہیں اور بہت سے اولیاء اُمت نے جب حضور پر نور پر سلام پڑھا ہے تو حجرہ مبارکہ
میں سے وعلیک السلام کی آواز اپنے کانوں سے سنی ہے۔ (فیض القدر ص ۹۷ ج ۲)۔

جان می دہم در آرزو اے قاصد آخر باز گو

در مجلس آن نازنین حرفے کہ از مای رود

یہ اس امر کی صریح دلیل ہے کہ روح مبارک کو جسم اطہر کے ساتھ اسی قبر منور میں تعلق
ہے اسی جگہ سلام پڑھا جاتا ہے اور اسی جگہ سے جواب سنا جاتا ہے۔

ایک شبہ اور اس کا جواب

شبہ یہ ہے کہ قرآن کریم صراحۃً آپ کی موت کے متعلق ناطق ہے إِنَّكَ مَيِّتٌ وَ
إِنَّهُمْ مَيِّتُونَ اور حضور پر نور کا ارشاد ہے انسی رجل مقبوض اور صدیق اکبر نے
وفات کے دن یہ خطبہ دیافان محمد اقدامات جس کو تمام صحابہ نے تسلیم کیا۔ پھر حیات
نبوی کے کیا معنی۔

جواب

اں حضرت ﷺ نے بحکم کُلِّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ تھوڑی دیر کے لئے موت کا
مزہ چکھا اور پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو زندہ کر دیا اور زمین پر آپ کے جسم کو کھانا حرام کیا پس آپ

اب حیات جسمانی کے ساتھ زندہ ہیں اور آپ کی یہ حیات حیات شہداء سے کہیں اکمل اور افضل ہے۔ (کذا فی شرح المواہب و مدارج النبوة باب پنجم ذکر فضائل آل حضرت ﷺ ۱)

قال الامام البيهقي في كتاب
الاعتقاد الانبياء عليهم الصلاة
والسلام بعد ما قبضوا ردت
اليهم ارواحهم فهم احياء
عند ربهم كالشهداء ۲

امام بیہقی کتاب الاعتقاد میں فرماتے ہیں
کہ حضرات انبیاء کی ایک مرتبہ قبض روح
کے بعد پھر ان کی ارواح ان کے ابدان
میں واپس کر دی گئیں پس انبیاء کرام حق
تعالیٰ کے پاس شہداء کی طرح (بلکہ ان
سے بڑھ کر) زندہ ہیں۔

اور حیات شہداء کے متعلق علامہ آلوسی روح المعانی ص ۷۱ ج ۲ میں فرماتے ہیں۔

واختلف في هذه الحياة
فذهب كثير من السلف الى
انها حقيقة بالروح والجسد و
لكننا لاندر كها في هذه
النشأة استدلو بسياق قوله
تعالى عند ربهم يرزقون و بان
الحياة الروحانية التي ليست
بالجسد ليست من
خواصهم فلا يكون لهم
امتيار بذلك على من عداهم
و ذهب البعض الى انها
روحانية

حیات شہداء کی حقیقت میں علماء کا اختلاف
ہے جمہور سلف کا مسلک یہ ہے کہ یہ حیات
جسم اور روح کے ساتھ ہونے کی دلیل یہ
ہے کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ شہداء کو خدا
کے پاس رزق دیا جاتا ہے اور ظاہر ہے کہ
رزق جسم کے لئے ہوتا ہے، نیز حیات
روحانیہ شہداء کے ساتھ مخصوص نہیں روحانی
حیات تو تمام مردوں کو حاصل ہے خواہ
مؤمن ہوں یا کافر۔ پس آیت بل احياء
سے جسمانی حیات مراد نہ ہو بلکہ روحانی
حیات مراد ہو تو پھر شہداء کا امتیاز اور
خصوصیت کیا ہوئی حالانکہ مقصود آیت سے

شہداء کا امتیاز اور ان کی خصوصیت کا بیان کرنا ہے کہ جو ان کے ساتھ مخصوص ہو

اور دوسروں میں وہ خصوصیت نہ پائی جائے اور ظاہر ہے کہ وہ خصوصیت اور امتیاز

حیات جسمانی ہے اور بعض علماء ادھر گئے ہیں کہ شہداء کی حیات روحانی ہے۔

پس جب کہ شہداء کی حیات جسمانی ہے تو حضرات انبیاء کرام جو شہداء سے کہیں اعلیٰ اور افضل ہیں ان کی حیات بدرجہ اولیٰ جسمانی ہوگی۔

علامہ سبکی فرماتے ہیں کہ یہ ناممکن ہے کہ شہید کو نبی سے بڑھ کر کوئی اعلیٰ اور ارفع مرتبہ حاصل ہو سکے نیز شہداء کو یہ مرتبہ عالیہ (یعنی حیات جسمانی) کا مرتبہ نبی کی شریعت اور ملت کی حفاظت میں جان بازی اور سرفروشی کے صلہ میں ملا ہے۔ پس قیامت تک جو خدا کی راہ میں جہاد کرے گا اور شہید ہوگا تو ان تمام شہداء کا اجر نبی کریم کے نامہ اعمال میں ثبت ہوگا اور آپ کا مقام ان تمام شہداء سے باعتبار حیات کے سب سے اعلیٰ اور ارفع ہوگا۔ اس لئے کہ دین کا سنگ بنیاد رکھنے والے حضور پر نور ہیں لہذا آپ کی تنہا حیات تمام شہداء عالم کی حیات سے زیادہ قوی اور بلند ہوگی۔ (دیکھو شفاء السقام ص ۱۴۰) نیز یہ کہ نبی اکرم ﷺ شہید بھی ہیں چنانچہ۔

شیخ جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں کہ شاذ و نادر ہی کوئی نبی ایسا ہوگا جہاں نبوت کے ساتھ شہادت جمع نہ کی گئی ہو پس انبیاء کرام نبی ہونے کے اعتبار سے بھی زندہ ہیں اور شہید ہونے کے اعتبار سے بھی زندہ ہیں کیونکہ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ کے عموم میں داخل ہیں۔

اور ہمارے نبی اکرم ﷺ نے بحالت شہادت وفات پائی اس لئے کہ آپ کی وفات اس زہر کے اثر سے ہوئی ہے کہ جو یہود نے خیبر میں آپ کو دیا تھا۔ (رواہ البخاری)

اخرج احمد و ابو يعلى	امام احمد ابو يعلى اور طبرانی اور حاکم اور بیہقی
والطبرانی والحاکم والبيهقى	روایت کرتے ہیں کہ عبد اللہ بن مسعود یہ
عن ابن مسعود قال لان	کہتے تھے کہ میں نو مرتبہ یہ قسم کھاؤں کہ
احلف تسعا ان رسول الله	رسول اللہ ﷺ مقتول ہوئے یہ بہتر ہے
ﷺ قتل قتلا احب الى من	اس سے کہ میں ایک مرتبہ یہ قسم کھاؤں کہ
ان احلف واحدة انه لم يقتل و	نبی اکرم ﷺ مقتول نہیں ہوئے اور وجہ
ذلك ان الله اتخذه نبيا و	اس کی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبی بھی
اتخذه شهيدا۔	بنایا اور شہید بھی بنایا۔

بلکہ آں حضرت ﷺ تو سید الشہداء اعلیٰ میں تمام شہداء کے اعمال آپ کے نامہ اعمال اور میزان میں ہیں پس آپ کی حیات تمام شہداء کی حیات سے اکمل اور اقویٰ ہوگی۔ علامہ شہاب خفاجی فرماتے ہیں۔

الانبياء والشهداء احياء و حياة : انبياء اور شہداء یہ دونوں گروہ اپنی قبروں میں
الانبياء اقوى اذالم يسلط : زندہ ہیں لیکن انبیاء کی حیات شہداء کی حیات
عليهم الارض فهم كالنائمين : سے بہت زیادہ قوی ہے اور جب زمین کو
والنائم لا يسمع ولا ينطق : انبیاء کرام کے اجسام مبارکہ پر مسلط نہیں کیا
حتى يتنبه (حاشیہ حیات) : اور انبیاء کے اجسام مطہرہ بعینہ محفوظ ہیں تو سمجھ
الانبياء للبيهقي) : لو کہ انبیاء کرام بمنزلہ سونے والوں کے

ہیں اور سونے والا حالت نوم میں سننے اور جواب دینے سے معطل رہتا ہے
جب تک وہ کسی کی طرف متوجہ نہ ہو۔

حیات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس اللہ سرہ کا کلام معرفت التیام

اہل سنت والجماعت کے تمام سلف اور خلف کا اس پر اتفاق ہے کہ حضرات انبیاء کرام
اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور ان کے اجسام مطہرہ تغیرات ارضی سے محفوظ ہیں اور مشغول
عبادت ہیں۔ عرب اور عجم کے حضرات متکلمین اور محدثین اور مفسرین اور اولیاء عارفین اس
موضوع پر مستقل رسالے اور مقالے لکھتے چلے آئے۔

تیرھویں صدی کے اخیر میں سرخیل اولیاء و عارفین و سرتاج حضرات متکلمین حضرت
مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس اللہ سرہ نے اس موضوع پر آب حیات کے نام سے ایک مستقل
کتاب تحریر فرمائی جو حقائق و معارف لدنیہ کا ایک عجیب و غریب خزینہ اور گنجینہ ہے۔

سید محمودی و فاء الوفاء ص ۴۰۵ ج ۲ میں لکھتے ہیں۔ لا شک فی حیاته ﷺ بعد وفاته و کذا سائر
الانبياء عليهم الصلاة والسلام احياء في قبورهم حياة اكمل من حياة الشهداء التي
اخبر الله تعالى بها في كتابه العزيز و نبينا ﷺ سيد الشهداء و اعمال الشهداء في
ميزانه۔ اھ

حسب ارشاد باری تعالیٰ كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ اور اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّ اَنْهُمْ مَّيِّتُونَ تمام سلف اور خلف اس پر متفق ہیں کہ سوائے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے تمام حضرات انبیاء کرام پر موت طاری ہوئی اور اُن کی تجہیز و تکفین کی گئی اور مقابر میں دفن کیے گئے اس کے بعد حضرات متکلمین و محدثین یہ فرماتے ہیں کہ حضرات انبیاء کرام ایک مرتبہ موت طاری ہونے کے بعد دوبارہ زندہ کیے گئے اور قیامت تک زندہ رہیں گے انبیاء کرام پر اگرچہ تھوڑی دیر کے لئے موت طاری ہوئی مگر وہ موت دائم اور مستمر نہیں بلکہ عارض اور غیر مستمر تھی۔ اور مولانا محمد قاسم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ یہ فرماتے ہیں کہ حضرات انبیاء کرام کی وفات اور ممات تو کتاب اور سنت اور اجماع اُمت اور مشاہدہ عالم سے ثابت ہے جس کا اعتقاد ضروری ہے۔

اور انکار ناجائز ہے لیکن انبیاء کرام کی موت اور وفات کی حقیقت اور نوعیت اور کیفیت عامہ مؤمنین کی موت کی نوعیت اور کیفیت سے مختلف ہے عامہ مؤمنین کی موت۔ مزیل حیات ہے اور انبیاء کرام کی وفات ساثر حیات ہے انبیاء کرام کی وفات اور ممات ظاہری ہے جس کے باطن میں اُن کی حیات مستور ہے جس طرح زیر پردہ سحاب نور آفتاب مستور ہو جاتا ہے، اسی طرح زیر پردہ ممات۔ انبیاء کرام کی حیات مستور ہو جاتی ہے۔ معاذ اللہ۔ مولانا کا یہ مطلب ہرگز ہرگز نہیں کہ انبیاء کرام پر موت طاری ہی نہیں ہوئی بلکہ مولانا موت اور وفات کے اعتقاد کو لازم اور ضروری سمجھتے ہیں۔ مولانا کا تمام کلام۔ حضرات انبیاء کرام کے وفات اور موت کی نوعیت اور کیفیت کے تعین میں ہے انبیاء کرام کی وفات سے ذرہ برابر انکار نہیں جیسے حضرات متکلمین کا یہ اختلاف کہ صفات باری تعالیٰ عین ذات ہیں یا لا عین اور لا غیر۔ یہ انصاف کی نوعیت کی تعین میں کلام ہے نفس اوصاف میں کلام نہیں اسی طرح حضرت نانوتوی کا تمام کلام انبیاء کرام کی وفات اور ممات کی تعین میں ہے اور نفس موت کے اعتقاد کو لازم اور ضروری سمجھتے ہیں چنانچہ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں کہ میں انبیاء کرام کو انھیں اجسام دنیاوی کے تعلق کے اعتبار سے زندہ سمجھتا ہوں پر حسب ہدایت كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ اور اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّ اَنْهُمْ مَّيِّتُونَ تمام انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی نسبت موت کا اعتقاد بھی ضرور ہے۔

لیکن انبیاء کرام کی زندگی زیر پردہ موت۔ ظاہر بینوں کی نظر سے مستور ہے مثل اُمت

کے ان کی موت میں زوالِ حیات نہیں۔ حضراتِ انبیاء زندہ ہیں اُن کی موت اُن کی حیات کے لئے ستر ہے۔ رافعِ حیات اور دافعِ حیات نہیں!

بلکہ موت کے وقت انبیاء کرام کی حیات اور بھی شدید ہو جاتی ہے، موتِ انبیاء کرام اور موتِ عوام میں ایسا فرق ہے جیسا کہ شمع یا چراغ کو کسی ہنڈیا میں رکھ کر اوپر سرپوش رکھ دینے میں اور شمع اور چراغ کے گل ہو جانے میں فرق ہے۔ گل ہو جانے میں نور زائل ہو جاتا ہے اور ہنڈیا میں رکھ کر سرپوش رکھ دینے سے نور مستور ہو جاتا ہے زائل نہیں ہوتا بلکہ سرپوش رکھ دینے سے تمام شعاعیں باہر سے سمت کر اس ظرف میں آ جاتی ہیں بلکہ خود شعلہ چراغ میں سما جاتی ہیں جس سے وہ نور اور شدید ہو جاتا ہے، پس عام مؤمنین کی موت سے ان کی حیات کا نور بالکل زائل ہو جاتا ہے اور انبیاء کرام کی موت سے ان کی حیات کا نور مستور ہو جاتا ہے زائل نہیں ہوتا اگرچہ ظاہرِ نظر میں فرق نہ معلوم ہو شمع اور چراغ گل ہو جائے یا کسی ظرف میں رکھ دینے کی وجہ سے اس کا نور مستور ہو جائے باعتبار مکان کے اندھیرا دونوں صورتوں میں برابر ہے ۲

اور اس ظاہری موت کی وجہ سے حضراتِ انبیاء کرام کا قبروں میں مستور ہو جانا بمنزلہ چلہ کشی یا پردہ نشینی یا گوشہ نشینی سمجھا جائے گا۔ ۳

(۱) اور دلیل اس کی یہ ہے کہ حضراتِ انبیاء کرام کے اجسام مبارکہ کا حسب سابق صحیح و سالم رہنا اور تغیرِ ارضی سے بالکل محفوظ رہنا۔

(۲)۔ اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ان کی ازواجِ مطہرات کے نکاح کا حرام ہونا۔

(۳)۔ اور اُن کے اموال میں میراث کا جاری نہ ہونا۔ امورِ ثلاثہ میں سے ہر امرِ حیاتِ انبیاء پر شاہدِ عدل ہے اور اس امر کی صریح دلیل ہے کہ ارواحِ طیبہ کا اجسام مبارکہ سے تعلق منقطع نہیں ہوا بلکہ موت کے بعد بھی انبیاء کرام کو اپنے ابدان سے اسی قسم کا تعلق ہے جس قسم کا پہلے تھا بخلاف شہداء کے کہ موت سے انکی ارواح کا ان دنیاوی ابدان سے تعلق منقطع ہو جاتا ہے اور ان ابدان کو چھوڑ کر ابدانِ جنت سے تعلق ہو جاتا ہے یہی وجہ معلوم ہوتی ہے کہ شہداء کے مال میں میراث جاری ہوئی اور انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے مال میں میراث جاری

نہوئی حالانکہ یُوَصِّیْکُمُ اللّٰهُ فِیْ اَوَّلٰ دِکُمْ لِذَکْرِ مِثْلٍ حَظِّ الْاُنْثٰی سب کو عام ہے، عوام ہوں یا رسول اللہ ﷺ نیز شہداء کی ازواج کو بعد عدت معروفہ نکاح کی اجازت ہوئی جو انقطاع حیات پر دل ہے اور رسول اللہ ﷺ کی ازواج کی شان میں یہ حکم آیا وَلَا اَنْ تَنْکِحُوْا اَزْوَاجَہُمْ مِنْۢ بَعْدِہٖ اَبَدًا جو ابدی طور پر حرمت نکاح ازواج مطہرات پر دل ہے۔ معلوم ہوا کہ نکاح منقطع نہیں ہوا جیسا کہ اَزْوَاجُہُمْ اُسْہَا تُھُمْ بھی اسی پر دل ہے کہ علاقہ زوجیت حسب سابق قائم ہے کیونکہ ازواج جمع زوجہ کی ہے جو صفت مشبہ ہے دوام اور ثبوت پر دل ہے اور والد جسمانی کی منکوحہ سے نکاح کی حرمت کو اسی طرح بیان فرمایا وَلَا تَنْکِحُوْا مَا نَکَحَ اٰبَآءُکُمْ نکاح فعل ماضی ہے جو حدوث اور تجدید پر دلالت کرتا ہے جس سے منکوحیت کا زوال ہویدا ہے اور جب ازواج مطہرات کا نکاح ہی منقطع نہیں ہوا تو ازواج مطہرات منجملہ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ ہو جائیں گی۔

اور بقاء نکاح بے علاقہ روح و جسد متصور نہیں شہداء میں باوجود حیات کے بوقت موت جسم خاکی سے کچھ تعلق باقی نہیں رہتا شہداء اور عامہ مؤمنین کی موت میں فرق اتنا ہے کہ ارواح شہداء کو جسد اول سے تعلق منقطع ہو جانے کے بعد اور ابدان سے تعلق پیدا ہو جاتا ہے اور اس حساب سے ان کو حیات روحانی و جسمانی دونوں حاصل ہو جاتی ہیں اور باقی مؤمنین امت کے لئے اس نقصان کی کچھ مکافات نہیں کی جاتی بہر حال ابدان دنیا سے دونوں کو کچھ تعلق نہیں رہتا۔ تو پھر اشیاء متعلقہ ابدان دنیوی سے کہاں تعلق رہ سکے گا کہ اُن کے اموال و ازواج جو ان کے توں انھیں کے ازواج و اموال سمجھے جائیں اور کسی اور کو نکاح کی اجازت نہ ہو اور وارثوں کو تقسیم و تصرف کرنے کی اجازت نہ دیں کیونکہ مال اور ازواج ارواح کو بتقاضائے تعلق جسمانی مطلوب ہوتے ہیں بذات خود مطلوب روحانی نہیں اس لئے بعد انقطاع علاقہ جسمانی ازواج و اموال کے ساتھ جو علاقہ تھا وہ بدرجہ اولیٰ منقطع ہو جائے گا اور باوجود حیات شہداء ان کی ازواج کو مثل ازواج دیگر مؤمنین امت بعد انقضائے عدت اختیار نکاح ہوگا اور اُن کے اموال متروکہ میں میراث بدستور معلوم جاری رہے گی موت شہداء کے حق میں موجب زوال حیات اول ہے اور وہ حیات جس کے تحقق پر کلام اللہ اور احادیث صحیحہ ناطق ہیں وہ حیات ثانی ہے اور

لفظ عند ربہم اسی طرف مشیر معلوم ہوتا ہے ہاں علاقہ حیات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام منقطع نہیں ہوتا اس لئے ازواجِ نبوی ﷺ اور نیز اموالِ نبوی ﷺ بدستور آپ کے نکاح اور آپ ہی کی ملک باقی رہیں گے۔ اور اغیار کو اختیار نکاح ازواج اور ورثہ کو اختیار تقسیم اموال نہ ہوگا۔ بالجملہ موت انبیاء کرام اور موت عوام میں زمین و آسمان کا فرق ہے وہاں استتار زیر پردہ موت ہے اور یہاں انقطاع حیات بوجہ عروض موت ہے اور شاید یہی وجہ ہو کہ جناب باری نے حضرت سرور عالم کو انک میت سے جدا خطاب فرمایا اور آپ کے سوا دوسروں کو وانہم میتون سے جدا خطاب فرمایا اور مثل جملہ لاحقہ ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عِنْدَ رَبِّكُمْ تَخْتَصِمُونَ سب کو شامل کر کے اِنَّكُمْ مَّيْتُونَ نہ فرمایا سو وہ موت اسی فرق مراتب کی طرف اشارہ ہے۔

پس جس طرح حیاتِ نبوی ﷺ اور حیاتِ مؤمنین اُمت میں فرق ہے اور جس طرح نومِ نبوی اور نومِ مؤمنین میں فرق ہے جیسا کہ حدیث میں ہے تنام عینای ولا ینام قلبی و كذلك الانبیاء تنام اعینہم ولا تنام قلوبہم (بخاری شریف)

اسی طرح موتِ نبوی ﷺ اور موتِ مؤمنین میں بھی فرق ہے۔ حدیث میں ہے کہ النوم اخو الموت۔ اور قرآن کریم میں ہے اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنفُسَ حِينَ مَوْتِهَا وَالَّتِي لَمْ تَمُتْ فِي مَنَامِهَا۔ حق جل شانہ نے اپنے کلام پاک میں موت اور نوم دونوں کو ایک سلک میں کھینچا ہے اور دونوں کی حقیقت توفی اور امساک بیان فرمائی ہے۔

عامہ مؤمنین کو بحالتِ خواب توفی و امساک روح کی وجہ سے ادراک و شعور میں جو تعطل ہوتا ہے وہ حضراتِ انبیاء کو بوقتِ خواب نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ انبیاء کرام کے خواب میں اور وحی بیداری میں کچھ فرق نہیں ہوتا، انبیاء کی آنکھیں سوتی ہیں اور دل اُن کے بیدار رہتے ہیں اور ان کا خواب بمنزلہ وحی بیداری کے ہوتا ہے جیسا کہ حضرت ابراہیم اور حضرت اسمعیل علیہما السلام کا واقعہ اِنِّیْ اَرٰی فِی الْمَنَامِ اَنِّیْ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰی اس پر شاہد عدل ہے عامہ مؤمنین کی قوتِ علمیہ اور ادراکیہ بوقتِ خواب معطل ہو جاتی ہے مگر حضراتِ انبیاء کرام کی قوتِ علمیہ بوقتِ خواب بدستور باقی رہتی ہے (یہاں تک حضرت مولانا نوح توئی کے کلام کا خلاصہ ختم ہوا) حضراتِ اہل علم۔ اصل آب حیات کی مراجعت فرمائیں۔

اب یہ مؤلف حقیر سر اپا تقصیر۔ اہل اسلام کی خدمت میں عرض گزار ہے کہ آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ سے یہ امر روز روشن کی طرح واضح ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام روحانی اور جسمانی حیثیت سے عامۃ البشر سے جدا اور ممتاز ہیں اور قرب خداوندی میں جبریل و میکائیل اور ملائکہ مقربین سے افضل اور برتر ہیں حضرت آدم کو حق جل شانہ نے خاص اپنے دست قدرت سے پیدا فرمایا اور تاج خلافت کا ان کے سر پر رکھا اور اس جسم خاکی کو اجسام نورانیہ (ملائکہ) کا مسجود بنایا اور حضرات انبیاء کو جسمانی حیثیت سے عامۃ البشر پر امتیاز عطا کیا کہ ان کے اجسام مبارکہ کو ایسا نظیف اور لطیف اور مطہر اور معطر پیدا کیا کہ ان حضرات کے اجسام سے جو پسینہ نکلتا تھا وہ اس درجہ خوشبودار ہوتا تھا کہ مشک اور عنبر بھی اس سے کمتر اور فروتر تھا۔

اخرج البيهقي وغيره عن عائشة قالت قلت يا رسول الله انك تدخل الخلاء فاذا خرجت دخلت في اثرك فما اري شيئا الا اني اجد رائحة المسك قال انا معشر الانبياء تنبت اجسادنا على ارواح اهل الجنة فما خرج منها من شيء ابتلعتة الارض۔ (خصائص كبرى ج ۱ ص ۷۰)

امام بیہقی وغیرہ نے عائشہ صدیقہ سے روایت کیا ہے کہ عائشہ کہتی ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ بیت الخلاء جاتے ہیں اور آپ کے بعد میں بیت الخلاء جاتی ہوں تو وہاں کوئی چیز مجھ کو نظر نہیں آتی الا یہ کہ مشک کی خوشبو پاتی ہوں آپ نے فرمایا۔ ہم گروہ انبیاء کی خاص شان ہے ہمارے اجسام کی پیدائش اور نشوونما اہل جنت کی ارواح کے طور و طریق پر ہوتی ہے جو چیز بھی انبیاء کے بدن سے نکلتی ہے زمین اُس کو فوراً نگل لیتی ہے۔

امام رازی نے تفسیر کبیر ج ۲ ص ۴۵۵ میں اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى اٰدَمَ وَنُوْحًا وَاٰلَ اِبْرٰهِيْمَ وَاٰلَ عِمرَانَ عَلٰى الْعَالَمِيْنَ کی تفسیر میں طبعی کا کلام نقل کیا ہے کہ انبیاء کرام قوائے جسمانیہ و روحانیہ میں تمام عالم سے ممتاز اور جدا ہوتے ہیں حضرات اہل علم تفسیر کبیر کی مراجعت کریں۔

۲۔ شیخ جلال الدین سیوطی نے خصائص کبریٰ ص ۷۰ ج ۱ اور علامہ ج ۱ ص ۷۰ ج ۱ میں اس حدیث کے طرق اور اسانید پر کلام کیا اور یہ بتلایا ہے کہ یہ حدیث مستند اور معتبر ہے اور سات سندوں سے مروی ہے لہذا جن لوگوں نے اس حدیث کو موضوع قرار دیا ہے وہ قطعاً صحیح نہیں، خصائص کبریٰ ص ۷۰ ج ۱ اور علامہ قاری نے شرح شفا قاضی عیاض ص ۱۶۰ ج ۱ میں اس حدیث کو مستند اور ثابت قرار دیا ہے چنانچہ فرماتے ہیں۔ قال ابن وحید بعد ان اور دھندلہ سند ثابت قیل وهو اقوی مافی الباب آھ

یعنی انبیاء کرام کے اجسام اہل جنت کی ارواح کی طرح نظیف اور لطیف اور پاکیزہ ہوتے ہیں جس طرح اہل جنت کے جسم سے جو چیز نکلتی ہے وہ مشک وغیرہ سے زیادہ پاکیزہ اور معطر ہوتی ہے اسی طرح انبیاء کرام کے اجسام سے جو چیز نکلتی ہے وہ بھی مشک وغیرہ کی طرح معطر ہوتی ہے یعنی انبیاء کرام کے اجسام کی فطرت اور حقیقت اور مزاجی کیفیت اور ساخت و پرداخت اہل جنت کے طور و طریق پر ہوتی ہے اور اسی وجہ سے انبیاء کے اجسام مبارک وفات کے بعد اہل جنت کے ارواح اور اجسام کی طرح بوسیدہ اور بالیدہ ہونے سے محفوظ رہتے ہیں اور اسی وجہ سے علماء کی ایک جماعت آں حضرت ﷺ کے فضلات اور بول و براز کی طہارت کی قائل ہے، (دیکھو شرح شفاء، قاضی عیاض للعلامة القاری) ۱۔

حدیث میں ہے کہ جب نبی اکرم ﷺ نے کچھنے لگوائے تو عبد اللہ بن زبیر کو حکم دیا کہ یہ خون کسی ایسی جگہ ڈال آؤ کہ جہاں کسی کی نظر نہ پڑے عبد اللہ بن زبیر اس خون کو پی گئے، جب واپس آئے تو آں حضرت نے دریافت فرمایا کہ اے عبد اللہ کیا کیا۔ عرض کیا یا رسول اللہ میں اس کو نہایت پوشیدہ جگہ میں رکھ آیا ہوں کہ جہاں کسی کی نظر نہیں پہنچ سکتی، آپ نے فرمایا شاید تو نے اس کو پی لیا ہے افسوس۔ (آخر جہالہز اروا ابو یعلیٰ والطبرانی والحاکم والبیہقی) ۲۔ اور ام ایمن۔ اور ام یوسف کا بول نبوی پی جانا اور پھر ان کا کبھی بیمار نہ ہونا یہ بھی احادیث میں آیا ہے۔ ۳۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرات انبیاء کرام کے اجسام اپنے باپ آدم علیہ السلام کے جسم مبارک کا نمونہ ہیں کہ جو جنت میں حق تعالیٰ کے دست قدرت سے پیدا ہوا اس لئے وفات کے بعد صحیح و سالم رہتے ہیں اور تغیرات ارضی سے محفوظ ہوتے ہیں جس طرح اہل جنت کے اجسام تغیر و تبدل سے محفوظ ہوں گے اسی طرح انبیاء کرام کے اجسام بھی وفات کے بعد تغیر و تبدل سے محفوظ ہو جاتے ہیں۔ حضرت آدم کی اصلی اور محبوب ترین اولاد۔ انبیاء کرام ہیں اور حدیث میں ہے کہ الولد سرلابیہ پس عجب نہیں کہ ما خلقت بیدی کے انوار و برکات اور بلا واسطہ دست قدرت سے تخلیق و تکوین کے آثار انبیاء کرام کو اپنے والد محترم حضرت آدم سے وراثت میں ملے ہوں اور جو چیز اصطفاء اور اجتناء کے لوازم میں

سے ہو اس کی توریث فقط مصطفین الاخیار کی حد تک محدود ہے اور سلامت اجساد انبیاء بعد الوفات اسی اصطفاء آدم کے لوازم میں سے ہو جس کی توریث خاص برگزیدہ بندوں کے لئے مخصوص کر دی گئی ہو آں حضرت ﷺ کے جسمانی خصائص کی تفصیل اگر درکار ہو تو شرح شفاء قاضی عیاض اور خصائص کبریٰ کو ملاحظہ فرمائیں۔

جو شخص حضرات انبیاء کرام کی جسمانی و روحانی خصوصیتوں کو پیش نظر رکھے گا اس کو اس امر میں ذرہ برابر شک نہ رہے گا کہ حضرات انبیاء اگرچہ ظاہراً جنس حیات میں عامۃ البشر کے ساتھ شریک ہیں لیکن درحقیقت اور درپردہ حیات انبیاء کی حقیقت اور نوعیت اور کیفیت عامۃ الناس کی حیات سے بالکل مختلف اور جدا ہے اور تمام عالم کی بیداری کو ان حضرات کی بیداری کے ساتھ وہ نسبت بھی نہیں جو قطرہ کو دریا کے ساتھ ہوتی ہے، یہ تو انبیاء کرام کی حیات اور بیداری کا کچھ حال عرض کیا۔ اور انبیاء کرام کے خواب کا یہ حال ہے کہ بحالت خواب انبیاء کی آنکھیں سوتی ہیں اور دل ان کے بیدار ہوتے ہیں جیسا کہ بخاری شریف میں متعدد جگہ مذکور ہے اور بخاری شریف کی احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نوم انبیاء کا ناقض وضو نہیں

نوم النبی عند الامام الاعظم لا ینقض الوضوء حتما فاعلم
اور حدیث میں ہے کہ:

ماشاء ب نسی قط وما احتلم ۱؎ کسی نبی کو کبھی جمائی نہیں آتی اور نہ کسی نبی
قط ۲؎ کو کبھی احتلام ہوا

کیونکہ تشاؤب اور احتلام شیطان کے تلاعب سے ہوتا ہے اور انبیاء کرام اس سے پاک اور منزہ ہوتے ہیں۔

اور انبیاء کرام کا خواب وحی ہوتا ہے جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قصہ ہے اِنِّیْ
اَرٰی فِی الْمَنَامِ اَنِّیْ اَذْبَحُکَ فَاَنْظُرْ مَا ذَاتَرٰی اس کی صریح دلیل ہے یہ ناممکن ہے
کہ انبیاء کرام کا خواب اضغاث احلام کے قبیل سے ہو اور اس ناچیز کا ایک شعر بھی ہے۔

خواب پیغمبر چو صبح صادق است وحی بیداری چو روز روشن است

ازرقانی شرح مواہب ج ۵: ص ۲۳۸ ۲؎ کمافی بدء الوحی من صحیح البخاری وکان لا یری رؤیا الا جاءت مثل فلق الصبح ۱۲

حدیث میں ہے۔

وكان النبي صلى الله عليه وسلم اذا نام لم يوقظه حتى يكون هو يستيقظ لاننا لا ندري ما يحدث له في نومه۔ (بخاری شریف باب الصعید الطیب وضوء المسلم من کتاب التیمم ص ۴۹ ج ۱ وقسط لانی ص ۳۶ ج ۱ وفتح الباری ص ۳۸ ج ۱)

صحابہ کرام کہتے ہیں کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم جب سویا کرتے تھے تو ہم آپ کو جگاتے نہیں تھے یہاں تک کہ آپ خود ہی بیدار ہوں، اس لئے کہ ہم کو معلوم نہیں کہ خواب کی حالت میں آپ کو من جانب اللہ کیا چیز پیش آرہی ہے اور اس حالت میں آپ پر کیا وحی نازل ہو رہی ہے تو ہم آپ کو جگا کر اس وحی کے انقطاع کا سبب کیوں بنیں۔

موسیٰ علیہ السلام جب سو گئے تو حضرت یوشع نے فرمایا لا اوقظہ میں موسیٰ علیہ السلام کو جگاؤں گا نہیں۔ (بخاری شریف)

پس جس طرح حضرات انبیاء کی حیات اور ان کی بیداری اور ان کا خواب عامہ مؤمنین کے حیات اور بیداری اور خواب سب سے جدا اور ممتاز ہے اسی طرح سمجھو کہ انبیاء کرام کی وفات و ممات بھی عامہ مؤمنین کی وفات اور ممات سے جدا اور ممتاز ہے۔

حق جل شانہ نے اللہ یتوفی الانفس حیث موتہا واللتی لہم تمت فی منامہا میں۔ عامۃ الناس کی توفی کو دو قسموں پر منقسم فرمایا ہے ایک توفی نوم۔ اور ایک توفی موت۔ اور ظاہر ہے کہ انبیاء کرام کی توفی منام عامۃ الناس کی توفی منام سے بالکل جدا اور ممتاز ہے، بوقت خواب عامۃ الناس کے قوائے حیہ اور قوائے علمیہ معطل ہو جاتے ہیں مگر حضرات انبیاء کرام کے قوائے ادراکیہ بوقت خواب معطل نہیں ہوتے۔ ان حضرات کی آنکھیں سوتی ہیں اور دل بیدار ہوتے ہیں یعنی ان حضرات کی غفلت بحالت خواب محض ظاہری ہوتی ہے اور باطنی طور پر اس میں بیداری اور ہوشیاری مستور ہوتی ہے۔

اسی طرح حضرات انبیاء کی توفی موت۔ عامۃ الناس کی توفی موت سے جدا اور ممتاز ہوتی ہے اور منام کی طرح ان کی وفات اور ممات ظاہری ہوتی ہے جس کے پردہ میں حیات مستور ہوتی ہے۔

حضرات انبیاء کرام کے متعلق یہی اعتقاد ضروری ہے اور لازمی ہے کہ وہ بمقتضائے بشریت سوتے ہیں لیکن یہ اعتقاد ضروری نہیں کہ ان کا سونا ہمارے سونے کی طرح ہے بلکہ ان کے خواب میں بیداری مستور ہوتی ہے اسی طرح حضرات انبیاء کرام کے متعلق یہ اعتقاد ضروری اور لازمی ہے کہ حسب ارشاد باری کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ اور اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّ اِنَّهُمْ مَّيِّتُونَ۔ حضرات انبیاء کو بھی موت عارض ہوتی ہے لیکن یہ اعتقاد ضروری نہیں کہ ان حضرات کی موت ہماری موت کی طرح ہے اور جس طرح ہم موت کا مزہ چکھتے ہیں اسی طرح انبیاء نے موت کا مزہ چکھا ہے بلکہ ایسا اعتقاد سراسر خلاف ادب ہے جو بلاشبہ اپنے اندر گستاخی کو چھپائے ہوئے ہے، ہر شخص اپنے اپنے مرتبہ کے مطابق موت کا مزہ چکھتا ہے

مرگ ہر یک اے پسر ہمرنگ دوست	پیش دشمن دشمن و بردوست دوست
خلق در بازار یکساں مے روند	آں یکے در ذوق و دیگر درد مند
ہم چنین در مرگ یکساں مے رویم	نیم در خسراں و نیم خسر ویم

اور برابر و احرار کی موت کا یہ حال ہوتا ہے، جس کو عارف رومی نے بیان کیا ہے

ظاہرِ مرگ و باطنِ زندگی ظاہرِش ابتر نہاں پائندگی

حضرات عارفین کے اس قسم کے کلمات نقل کرنے سے صرف اتنا مقصود ہے کہ مولانا نانوتوی کی یہ تعبیر کہ انبیاء کرام کی وفات سائر حیات تھی بالکل یہ مزیل حیات نہ تھی۔ یہ ایسی تعبیر نہیں کہ جو محل انکار بن سکے۔

مولانا نانوتوی۔ آب حیات اور اپنے مکتوبات میں اس امر کا صراحت کے ساتھ ذکر فرماتے کہ حسب ہدایت کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ اور اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّ اِنَّهُمْ مَّيِّتُونَ۔ انبیاء کرام کے حق میں نسبت موت کا اعتقاد ضروری اور لازم ہے کلام صرف اس کی نوعیت کی تعیین میں فرماتے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ جنس عام میں اشتراک کی وجہ سے یہ لازم نہیں کہ درجات اور مراتب اور صفات اور کیفیات میں بھی اتحاد ہو جائے۔ فرق مراتب بہر حال لازم ہے۔

گر فرق مراتب نکنی زندیقی

پس جس طرح انبیاء کرام کی نوم اور خواب میں اُن کی بیداری اور ہوشیاری مستور ہوتی ہے، اسی طرح اگر انبیاء کرام کی وفات میں اُن کی حیات مستور ہو تو کیا استبعاد ہے۔

حضرات اولیاء عارفین فرماتے ہیں کہ ممکنات موجود ہیں مگر ان کے وجود عارضی میں ان کا عدم ذاتی مستور ہے حضرت خواجہ باقی باللہ قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں

بشناس کہ کائنات رودر عدم اند بل در عدم ایستاده ثابت قدم اند
ممکنات کا وجود کوئی حقیقی وجود نہیں محض ایک نمود بے بود ہے۔

کل ما فی الكون وہم او خیال او عکس فی المرایا او ظلال
اور برائے نام ہماری یہ ہستی ہماری نیستی کا آئینہ ہے جس میں سے قدم قدم پر عدم چمکتا ہوا اور جھلکتا ہوا نظر آتا ہے بخوان باب العلل۔ انسان جب بیمار ہوتا ہے تو اس وقت اس کو اپنی حیات میں موت نظر آنے لگتی ہے۔ اور یہ بیماری بمنزلہ آئینہ کے ہے جس میں سے انسان کو اپنی موت نظر آتی ہے جہاں کوئی مجبوری اور لا چاری پیش آئی تو اسی وقت اپنی قدرت حادثہ کے پردہ میں سے اپنا ذاتی عجز نظر آنے لگتا ہے اور جب کوئی دقیق اور غامض مسئلہ سامنے آتا ہے اور عقل اُس کے حل سے جواب دے نہیں سکتی ہے تو اس وقت اپنے علم حصولی حادث کے پردہ میں سے اپنا جہل ذاتی نظر آنے لگتا ہے۔

پس اگر اسی طرح کسی عالم ربانی اور عارف یزدانی اور چودھویں صدی کے ایک مولوی معنوی یعنی مولانا نانوتوی کو اپنے نور بصیرت سے حضرات انبیاء کی وفات اور ممات کے پردہ میں سے اُن کی حیات ذاتی نظر آتی ہو تو کیا استبعاد ہے۔

اذالم تر الھلال فسلم لاناس راوہ بالابصار
موت اور حیات بیشک ایک دوسرے کی ضد ہیں لیکن ایک ضد کا دوسری ضد کے تحت میں مستور اور مغموں ہونا بارگاہ انبیاء اور اولیاء میں مسلم ہے، عارف رومی فرماتے ہیں۔

در عدم ہستی برادر چوں بوو ضد اندر ضد کے مکنون شود
اور مولانا روم نے مثنوی میں شرح وسط سے اس مسئلہ پر کلام فرمایا ہے یُخْرِجُ الْحَيَّ
مِنَ الْمَيِّتِ بَدَا إِلَى آخِرِهِ۔

بات لمبی ہو گئی۔ اس نابکار و ناہنجار کا تو یہ حال ہے کہ جب سلف صالحین اور علماء ربانین کی حیات طیبہ اور ان کی پاکیزہ زندگی کا خیال آتا ہے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہماری زندگانی۔ بمنزلہ موت کے ہے اور ہماری بیداری بمنزلہ خواب کے ہے یعنی ہماری یہ ناقص اور

مکدر حیات ہماری ممات کی ساتر ہے اور ہماری اس برائے نام بیداری میں ہمارا خواب غفلت مستور ہے ہمارا حال تو یہ ہے:-

وَحَبَّرَنِي الْبَوَابُ اَنْكَ نَائِمٌ فَقُلْتُ اِذَا سَتِيقُظْتُ اَيْضًا فَنَائِمٌ
اور عارف رومی کا یہ شعر زبان پر آ جاتا ہے۔

آزمودم مرگ من در زندگی است چوں رہم زیں زندگی پائندگی است

اقتلوننی اقتلوننی یا ثقات ان فی قتلی حیاتی فی حیات

یا منیر الخدیاروح البقاء اجتذب روحی وجُدلی باللقاء

امام قرطبی حیاتِ انبیاء کرام کے دلائل بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔

يَحْصُلُ مِنْ جَمَلَتِهِ الْقَطْعُ بِأَنْ
مَوْتَ الْأَنْبِيَاءِ أَمَّا هُوَ رَاجِعٌ إِلَى
أَنْ غَيَّبُوا عَنْ بَحِثٍ لَا نَدْرُكُهُمْ
وَأَنْ كَانُوا مَوْجُودِينَ أَحْيَاءَ
وَلَا يَرَاهُمْ أَحَدٌ مِنْ نَوْعِنَا إِلَّا مَنْ
خَصَّهُ اللَّهُ تَعَالَى بِكَرَامَةٍ مِنْ
أَوْلِيَائِهِ أَنْتَهَى۔ كَذَافِي شَرْحِ
الْمَوَاهِبِ لِلزَّرْقَانِيِّ ص ۲۳۴
ج ۵ وَكَذَافِي أَنْبَاءِ الْأَذَكِيَاءِ
بِحَيَاةِ الْأَنْبِيَاءِ لِلْسَيُوطِيِّ ص
۱۴۹ ج ۲۔ از مجموعة

رسائل سيوطي۔

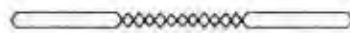
اور علامہ سبکی اور علامہ زرقانی اور حافظ ابن قیم کے نزدیک بھی یہی مختار ہے کہ انبیاء کرام کی موت کی حقیقت صرف اس قدر ہے کہ وہ ہماری نظروں سے پوشیدہ کر دیئے گئے وہ بلاشبہ زندہ ہیں اگرچہ ہم اپنی آنکھوں سے اُن کی حیات کا مشاہدہ نہیں کر سکتے جیسے سونے والا زندہ ہوتا ہے مگر ہم کو اس کی حیات کا ادراک اور شعور نہیں ہوتا تمام حضرات محدثین کا یہی مسلک ہے۔

اور امام بیہقی^۱ نے جزء حیات الانبیاء کے اخیر میں لکھا ہے کہ انبیاء کرام کی موت من کل الوجوہ موت نہیں بلکہ اُن کی موت کی حقیقت صرف بیہوشی اور عدم احساس کا درجہ ہے۔

علامہ مناوی فیض القدیر ص ۱۹ ج ۵ میں فرماتے ہیں کہ موت کا اطلاق کبھی تعطل عن الحواس والا دراک پر آتا ہے جیسا کہ حدیث میں بیدار ہونے کے بعد الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي أَحْيَانَا بَعْدَ مَا أَمَاتَنَا وَالِيَهُ النُّشُورُ کا پڑھنا آیا ہے اس حدیث میں احیانا سے جگانا مراد ہے اور اماتنا سے سُلا نا مراد ہے، موت کا اطلاق نوم پر کیا گیا ہے اور اسی طرح شیخ ابن علان مکی نے شرح کتاب الاذکار میں لکھا ہے۔ (دیکھو شرح کتاب الاذکار) ۲

اور علامہ زبیدی نے شرح قاموس ۳ (مادہ موت) میں موت کے معانی اور اطلاقات پر مفصل کلام کیا ہے حضرات اہل علم شرح قاموس کی مراجعت فرمائیں۔

ایں سخن رائیست ہرگز اختتام ختم کن واللہ اعلم بالسلام



۱ امام بیہقی کی اصل عبارت ہے۔ فہم احیاء عند ربہم کالشہداء فاذا نفخ فی النّفخ الاولی صعقوا ثم لا یکون ذلک موتانی جمیع معانیہ الا فی ذہاب الاستشعار حص ۱۴ ۲ شرح کتاب الاذکار۔ ج ۱، ص: ۲۸۷ ۳ ج ۱، ص: ۵۸۶

ازواجِ مطہرات

قَالَ اللَّهُ عَزَّوَجَلَّ النَّبِيُّ أَوْلَىٰ
بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنْفُسِهِمْ
وَأَزْوَاجُهُ أُمَّهَاتُهُمْ
لگاؤ ہے اور پیغمبر کی بیبیاں مومنین کی محترم
مائیں ہیں۔

مومن کا وجود ایمانی اور اس کی حیات روحانی پیغمبر کے تعلق اور اتصال سے ہے اس
لئے پیغمبر مومنین کے حق میں بمنزلہ روحانی باپ کے ہے۔
جیسا کہ ایک قراءت میں ہے کہ وہو اب لہم کہ وہ نبی بمنزلہ باپ کے ہے۔ اور
اس کی عورتیں عزت و احترام میں بمنزلہ ماؤں کے ہیں۔

قَالَ تَعَالَىٰ يٰنِسَاءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ
كَأَحَدٍ مِّنَ النِّسَاءِ اِنَّ اَتَّقِيْنَ
فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ
الَّذِي فِيْ قَلْبِهِ مَرَضٌ وَقُلْنَ
قَوْلًا مَّعْرُوفًا وَقَرْنَ فِيْ بُيُوتِكُنَّ
وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ
الْأُولَىٰ وَاَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَاَتِينَ
الزَّكٰوةَ وَاَطِعْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ
ط اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ
عَنكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ
وَيُطَهِّرَ كُمْ تَطْهِيرًا وَاذْكُرْنَ
مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوتِكُنَّ مِّنْ اٰيٰتِ
اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ
لَطِيْفًا خَبِيْرًا ۝۱۵

اے پیغمبر کی عورتو! تم مثل اور عورتوں کے
نہیں۔ اگر تم تقویٰ پر قائم رہو پس تمہارے
تقویٰ کا مقتضی یہ ہے کہ تم بات کرتے
وقت نرمی سے کام نہ لینا مبادا کوئی دل کا
روگی تمہاری نرمی سے طمع اور لالچ میں
پڑ جائے اور کہو بات، بات کے طریقے
کے مطابق جس میں نہ نرمی ہو اور نہ سختی ہو
اور قرار پکڑو اپنے گھروں میں اور پہلی
جاہلیت کی طرح اپنی زینت کا اظہار نہ کرو
اور قائم رکھو نماز کو اور زکوٰۃ دیتی رہو۔ اور
اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت میں لگی
رہو۔ اے پیغمبر کے گھر والو۔ اللہ تعالیٰ
صرف یہ چاہتا ہے کہ تم سے گندگی کو دور

کردے اور تم کو خوب اچھی طرح سے پاک صاف کر دے اور جو اللہ کی آیتیں اور حکمت کی باتیں تمہارے گھروں میں تلاوت کی جاتی ہیں ان کو خوب یاد رکھو بیشک اللہ تعالیٰ بھیدوں کا جاننے والا اور خبردار ہے۔

فوائد و لطائف

(۱) امہات المؤمنین کا عظیم الشان لقب انھیں ازواج کے ساتھ مخصوص ہے کہ جو آپ کی زوجیت میں رہیں باقی جن عورتوں سے آپ نے نکاح تو فرمایا لیکن عروسی اور مقاربت سے پیشتر ہی ان کو طلاق دیدی ان کے لئے یہ لقب استعمال نہیں کیا جاسکتا۔

(۲) اور اسی وجہ سے کہ ازواج مطہرات۔ مؤمنین کی محترم مائیں قرار دی گئی ہیں آں حضرت ﷺ کی وفات کے بعد کسی شخص کا ان سے نکاح کرنا ناجائز اور حرام قرار دیا گیا کما قال اللہ تعالیٰ:-

وَمَا كَانَ لَكُمْ أَنْ تُؤْذُوا رَسُولَ اللَّهِ وَلَا أَنْ تُنكِحُوا أَزْوَاجَهُ مِنْ بَعْدِهِ أَبَدًا إِنَّ تُبَدُّوا شَيْئًا أَوْ تُخَفُّوهُ فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا

تمہارے لئے یہ ہرگز روا نہیں کہ تم رسول اللہ ﷺ کو کسی قسم کی ایذا اور تکلیف پہنچاؤ اور نہ یہ جائز ہے کہ کبھی بھی آپ کے بعد آپ کی بیویوں سے نکاح کروالبتہ تحقیق اللہ کے نزدیک یہ بات بہت ہی بڑا گناہ ہے اگر تم اس قسم کی کوئی شے ظاہر یا دل میں پوشیدہ رکھو تو جان لو کہ تحقیق اللہ تعالیٰ ہر شے کو خوب جاننے والا ہے۔

ایک باغیرت اور باحمیت انسان کے لئے یہ تصور رہی باعثِ ایذا اور موجبِ تکلیف ہے کہ اس کی بیوی اس کے بعد کسی اور کے نکاح اور زوجیت میں جائے اور ظاہر ہے کہ کائنات میں آں حضرت ﷺ سے بڑھکر کون غیور ہو سکتا ہے۔

دوم یہ ہے کہ جب وہ امہات المؤمنین قرار دی گئیں تو پھر کسی کی زوجیت میں جانا ان کی شان اور مرتبہ کے خلاف ہے۔

سوم یہ کہ اپنے باپ کی منکوحہ سے نکاح کرنا عقلاً اور عرفاً ہر اعتبار سے فحش اور مذموم ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ:

وَلَا تَنْكِحُوا مَا نَكَحَ آبَاءُكُمْ
مِّنَ النِّسَاءِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ إِنَّهُ
كَانَ فَاحِشَةً وَمَقْتًا وَسَاءَ
سَبِيلًا۔ ۱

تم ان عورتوں کو نکاح میں مت لاؤ جن کو
تمہارے آباؤ اجداد نکاح میں لائے
ہیں مگر جو اس سے پیشتر ہو چکا سو ہو چکا۔
اس میں شک نہیں کہ یہ نہایت بیجائی ہے اور
خدا کے سخت غضب کا موجب ہے اور
بہت بُرا طریقہ ہے۔

إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً سے عقلی فحش کی طرف اشارہ ہے یعنی عقلاً کھلی ہوئی بے حیائی ہے کہ باپ کی منکوحہ کو اپنے نکاح میں لایا جائے۔

اور مقنا سے شرعی فحش کی طرف اشارہ ہے یعنی شرعاً یہ فعل نہایت مذموم ہے اور خدا کی سخت ناراضی کا سبب ہے۔

اور وَسَاءَ سَبِيلًا سے عرفی فحش کی طرف اشارہ ہے یعنی یہ طریقہ نہایت بُرا طریقہ ہے۔ براء بن عازب سے روایت ہے کہ میں نے اپنے ماموں کو دیکھا کہ جھنڈا لئے جا رہے ہیں میں نے پوچھا کہاں کا ارادہ ہے جواب دیا کہ ایک شخص نے اپنے باپ کی بیوی سے نکاح کر لیا ہے آں حضرت ﷺ نے مجھ کو اس لئے بھیجا ہے کہ اس کی گردن اڑا دوں اور اس کا تمام مال ضبط کر لوں۔ (رواہ عبد الرزاق وابن ابی شیبہ و احمد والحاکم والبیہقی)

پس جبکہ جسمانی باپ کی منکوحہ کو نکاح میں لانا عقلاً شرعاً اور عرفاً ہر طرح فحش اور مذموم ہے تو روحانی باپ یعنی پیغمبرِ رُوحی فداہ کی منکوحہ کو نکاح میں لانے کا تصور کس درجہ فحش اور مذموم ہوگا۔

چہارم یہ کہ اگر عورت دوسرے شوہر کے سامنے پہلے شوہر کے کچھ محاسن اور مناقب ذکر کرے تو دوسرے شوہر کو طبعاً ناگوار ہوتا ہے۔ اس لئے شریعت اسلامیہ نے جسمانی اور

روحانی باپ کی منکوحہ کو نکاح میں لانے کو سخت ممنوع قرار دیا تاکہ اپنے جسمانی اور روحانی باپ سے قلب میں کوئی کدورت نہ آنے پائے خصوصاً روحانی باپ یعنی پیغمبر سے کدورت تو کفر اور شقاوت کے مترادف ہے۔

پنجم یہ کہ ازواجِ مطہرات نے جو آنحضرت ﷺ کی زوجیت میں رہ کر خصوصاً عورتوں کے متعلق خصوصی احکام اور مسائل معلوم کیے ہیں وہ لوگوں تک بلاشبہ اور تردد کے پہنچ جائیں بالفرض اگر آپ کی وفات کے بعد دوسرے کی زوجیت میں جائیں تو ازواجِ مطہرات کی روایت کے استناد اور وثاقت میں طاعنین کو لب کُشائی کا موقع مل جائے گا۔

(۳) آیت تطہیر اصل میں ازواجِ مطہرات کے حق میں نازل ہوئی جیسا کہ آیت کا سیاق و سباق اس کے لئے شاہد عدل ہے جس کے لئے نہ کسی تاویل کی حاجت اور نہ کسی توجیہ کی ضرورت اول سے آخر تک خطاب ازواجِ مطہرات کو ہے۔ لیکن آنحضرت ﷺ نے حضرت علی اور امام حسن اور حسین اور حضرت سیدۃ النساء فاطمہ الزہراء کو بھی اس حکم میں داخل فرمایا اور ان کو جمع کر کے یہ دعا فرمائی اَللّٰهُمَّ هٰؤُلَاءِ اَهْلُ بَيْتِيْ اَذْهَبْ عَنْهُمْ الرَّجْسَ وَطَهِّرْهُمْ تَطْهِيراً۔ اے اللہ یہ بھی میرے اہل بیت ہیں ان سے بھی تو گندگی کو دور فرما اور ان کو پاک کر جس طرح آیۃ لَمَسْجِدِ اُسَیْسَ عَلٰی النَّقْوٰی مِنْ اَوَّلِ یَوْمٍ دراصل مسجد قبا کے بارے میں نازل ہوئی لیکن آنحضرت ﷺ نے مسجد نبوی کو بھی اس حکم میں داخل فرمایا کیونکہ وہ بدرجہ اولیٰ اس کی مستحق ہے۔ اسی طرح آیۃ تطہیر دراصل ازواجِ مطہرات کے بارے میں نازل ہوئی مگر چونکہ آپ کی آل و اولاد بدرجہ اتم اس کی مستحق تھی۔ اس لئے آپ نے ان کو بھی اس میں شامل فرمایا باقی ازواج تو پہلے ہی سے اہل بیت میں داخل ہیں۔ ان کو عبا میں داخل کرنے کی ضرورت نہیں ان آیات کا نزول ہی ازواجِ مطہرات کے بارے میں ہوا آیات میں اول سے آخر تک تمام خطابات ازواجِ مطہرات ہی کو ہیں۔ بلکہ اصل مقتضائے لغت یہ ہے کہ ازواج اصالتاً داخل ہوں اور ذریت تبعاً کیونکہ اہل بیت کے معنی لغت میں گھر والوں کے ہیں۔ اور گھر والوں کے مفہوم میں بیوی سب سے پہلے داخل ہے اور لفظ آل اصل میں اہل تھا اس لئے اس کا اصل مصداق بھی بیوی ہے۔

ازواجِ مطہرات کی تعداد اور ترتیبِ نکاح

آپ کی ازواجِ مطہرات گیارہ تھیں جن میں سے دو نے آپ کی حیات ہی میں انتقال کیا۔ ایک حضرت خدیجہ۔ دوسری حضرت زینب بنت خزیمہ اور نو بیبیاں حضور کی وفات کے وقت تھیں۔

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخَدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا تَزَوَّجْتُ شَيْئًا مِنْ نِسَائِي وَلَا زَوْجَتِ شَيْئًا مِنْ بَنَاتِي إِلَّا بِوَحْيٍ جَاءَنِي بِهِ جِبْرِئِيلُ عَنْ رَبِّي عَزَّوَجَلَّ أَخْرَجَهُ عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ مُحَمَّدٍ النَّيْسَابُورِيُّ بِسَنَدِهِ

ابو سعید خدری سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے نہ اپنا نہ اپنی کسی بیٹی کا اس وقت تک نکاح نہیں کیا جب تک جبریل امین اللہ عزوجل کے پاس سے وحی لے کر میرے پاس نہیں آگئے۔ اس روایت کو نیشاپوری نے اپنی سند سے ذکر کیا ہے۔

اُم المؤمنین خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ تعالیٰ عنہا

اُم المؤمنین خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بالاجماع آپ ﷺ کی پہلی بیوی ہیں اور بالاجماع پہلی مسلمان ہیں کوئی مرد اور کوئی عورت اسلام لانے میں آپ سے مقدم نہیں۔ حضرت خدیجہ قبیلہ قریش سے تھیں۔ والد کا نام خویلد اور ماں کا نام فاطمہ بنت زائدہ تھا۔ سلسلہ نسب قریش تک اس طرح پہنچتا ہے۔ خدیجہ بنت خویلد بن اسد بن عبد العزیٰ بن قصی۔ قصی پر پہنچکر آں حضرت ﷺ سے سلسلہ نسب مل جاتا ہے۔

چونکہ حضرت خدیجہ جاہلیت کے رسم و رواج سے پاک تھیں اس لئے بعثت نبوی سے پیشتر وہ طاہرہ کے نام سے مشہور تھیں۔

آپ کا پہلا نکاح ابوہلہ بن زرارہ تمیمی سے ہوا جن سے ہند اور ہالہ دو بیٹے پیدا

ہوئے۔ ہند اور ہالہ دونوں مشرف باسلام ہوئے دونوں صحابی ہیں۔ ہند بن ابی ہالہ نہایت فصیح و بلیغ تھے حلیہ نبوی کے متعلق مفصل روایت انہی سے مروی ہے۔

ابو ہالہ کے انتقال کے بعد عتیق بن عائد مخزومی کے نکاح میں آئیں جن سے ایک لڑکی پیدا ہوئی جس کا نام ہند تھا۔ ہند بھی اسلام لائیں اور صحابیت کے شرف سے مشرف ہوئیں۔ مگر ان سے کوئی روایت منقول نہیں۔ کچھ عرصہ کے بعد عتیق کا بھی انتقال ہو گیا اور حضرت خدیجہ پھر بیوہ رہ گئیں ۱۔

نفسیہ بنت منیبہ سے روایت ہے کہ حضرت خدیجہ بڑی شریف اور مالدار عورت تھیں جب بیوہ ہو گئیں تو قریش کا ہر شریف آدمی ان سے نکاح کا متمنی تھا۔ لیکن جب آں علیہا السلام حضرت خدیجہ کا مال تجارت لے کر سفر میں گئے اور عظیم نفع کے ساتھ واپس ہوئے تو حضرت خدیجہ آپ کی طرف راغب ہوئیں اور مجھے آپ کا عندیہ معلوم کرنے کے لئے بھیجا۔ چنانچہ میں آپ سے آکر ملی اور کہا کہ آپ کو نکاح سے کیا چیز مانع ہے آپ نے فرمایا میرے ہاتھ میں کچھ نہیں۔ میں نے کہا کہ اگر آپ اس فکر سے کفایت کیے جائیں اور مال اور جمال اور کفایت کی طرف آپ کو دعوت دی جائے یعنی پھر تو کوئی عذر نہ ہوگا۔ آپ نے فرمایا وہ کون ہے۔ میں نے کہا۔ خدیجہ آپ نے قبول کیا۔ ۲۔

اصل وجہ یہ ہے کہ جوں جوں زمانہ نبوت اور بعثت کا قریب ہوتا جاتا تھا اسی قدر آپ کی کرامتیں اور آپ کے ظہور کی بشارتیں ظاہر ہوتی جاتی تھیں کبھی علماء توریت اور انجیل کی زبان سے اور کبھی کانہوں سے اور کبھی ہوائف اور غیبی آوازوں سے توریت اور انجیل کا جو عالم آپ کو دیکھتا تھا یہی کہتا کہ یہی نو نہال اور یہی نو جوان وہ پیغمبر آخر الزمان ہونے والا ہے جس کی حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ نے پیشین گوئی کی ہے۔

حضرت خدیجہ کو ان واقعات کا خوب علم تھا۔ ابھی اپنے غلام میسرہ سے سفر شام کے واقعات اور راہب کا قصہ سن چکی تھیں بکیرا راہب کا قصہ اس اس سے پیشتر پیش آچکا تھا۔ ادھر ان کے چچا زاد بھائی ورقہ بن نوفل توریت و انجیل کے زبردست عالم تھے۔ نبی آخر الزمان کے ظہور کے منتظر تھے۔ جن کا مفصل واقعہ بعثت نبوی کے بیان میں گزر چکا ہے۔

ان واقعات کی وجہ سے حضرت خدیجہ کے دل میں آپ سے نکاح کا شوق پیدا ہوا اور اسی اثنا میں یہ واقعہ پیش آیا کہ جاہلیت کی ایک عید میں مکہ کی عورتیں جمع ہوئیں اور ان میں حضرت خدیجہ بھی تھیں۔ دیکھتی کیا ہیں کہ یکا یک ایک شخص نمودار ہوا اور باواز بلند یہ ندا دی۔

انہ سیکون فی بلد کن نہی
یقال لہ احمد فمن استطاع
منکن ان تكون زوجة لہ
فلتفعل فحصبہ الا خدیجة
فاغضت علی قوله رواہ
المدائنی عن ابن عباس۔
اے عورتو! تمہارے شہر میں عنقریب ایک
نبی ظاہر ہوگا جس کا نام احمد ہوگا۔ جو عورت
تم میں سے اس کی بیوی بن سکے تو وہ اس کو
ضرور کر گزرے۔ سب عورتوں نے اس
ندادینے والے کے سنگریزے مارے مگر
حضرت خدیجہ نے کوئی سنگریزہ نہیں مارا
بلکہ سنگر خاموش ہو گئیں۔

حضرت خدیجہ کا قلب پہلے ہی سے اس سعادت کے حصول میں تمناؤں اور آرزوؤں کا
جولا نگاہ بنا ہوا تھا۔ مگر اس ہاتفِ نبی کی آواز نے اور آتش شوق کو بھڑکا دیا۔

ابنِ الحلق کی ایک روایت ہے کہ حضرت خدیجہ کے غلام میسرہ جب سفرِ شام سے واپس
آئے اور تمام حالات اور واقعات اور نسطور راہب کی گفتگو بیان کی تو حضرت خدیجہ نے
سنگریز فرمایا: ان کان ما قال الیہودی حقا ما ذلک الا ہذا۔ اگر اس یہودی کا ہن
کی بات سچی ہے تو پھر اس کا مصداق آپ ہی ہیں۔^۲

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عید میں عورتوں کے جمع ہونے کا واقعہ میسرہ کی واپسی سے پیشتر کا
ہے۔ حضرت خدیجہ کا نام طاہرہ رکھا نہیں گیا بلکہ من جانب اللہ لوگوں سے ان کو طاہرہ کہلوا یا گیا
تھا تا کہ ان کی طہارت و نزاہت مشہور ہو جائے جس طرح کہ نبی اکرم ﷺ کو امین کہلوا یا
گیا۔ تا کہ آپ کی امانت اور دیانت مسلم ہو جائے اور کسی کو اس میں کلام کی گنجائش نہ رہے۔
ایسے ہی موقعہ کے لئے کہا گیا ہے کہ زبانِ خلق کو نقارہ خدا سمجھو۔ چونکہ خدیجہ اپنے زمانہ کی مریم
تھیں اس لئے حضرت مریم کی طرح ان کو بھی وَطَّهَّرْکِ وَاصْطَفَاکِ عَلٰی نِسَاءِ
الْعَالَمِینَ سے خاص حصہ ملا اور طاہرہ کے نام سے مشہور ہوئیں۔ اب ظاہر ہے کہ ایسی طاہرہ

اور مطہرہ خاتون کا میلان کسی طاہر اور مطہر ہی کی طرف ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا اور اس سے بڑھ کر کون سچا ہو سکتا ہے۔ **الطَّيِّبَاتُ لِلطَّيِّبِينَ وَالطَّيِّبُونَ لِلطَّيِّبَاتِ** سب کو معلوم ہے کہ نبوت و رسالت کوئی بادشاہت نہیں۔ دنیا کی عیش و عشرت سے اسے ذرہ برابر تعلق نہیں۔ درہم و دینار کی یہ مجال نہیں کہ پیغمبر کے گھر میں کوئی شب گزار سکے۔ الا یہ کہ کسی قرض خواہ کے انتظار میں ایک آدھی شب ٹھہر جاتے ”اگر ماند شے ماند شے دیگر نمی ماند“ ہفتے اور مہینے گزر جائیں کہ دن میں چولہا نہ سلگے۔ اور راتیں گزر جائیں کہ گھر میں چراغ روشن نہ ہو اور یہ بھی سب کو معلوم ہے کہ مال و دولت عیش و عشرت زرا اور زیور کی محبت عورتوں کی فطرت میں داخل ہے۔

مگر با ایں ہمہ حضرت خدیجہ کا تمام اشرف اور رؤساء مکہ کو باوجود ان کی تمنا اور آرزو کے چھوڑ کر آنحضرت کی طرف مائل ہونا آپ کی طہارت اور نزاہت کی روشن دلیل ہے اور اسی سے حضرت خدیجہ کے فہم اور فراست کا اندازہ ہو سکتا ہے پیغمبر کی زوجیت کی خواہش اور تمنا کرنا معمولی عقل کا کام نہیں۔ انتہائی دور بین اور دور اندیش عقل اس تمنا پر آمادہ کر سکتی ہے۔ کیونکہ عقل بتلاتی ہے کہ پیغمبر کی زوجیت میں جانے کے لئے یہ شرط ہے کہ دنیا سے ہاتھ دھوئے اور فقر اور فاقہ کے لحاف اور بچھونے کو کھواب اور زربفت کے لحاف بچھونے سے زیادہ بہتر سمجھے۔ پیغمبر کی زوجیت کی تمنا۔ فقر و فاقہ کی تمنا ہے اور مصائب و آلام کو دعوت دینا ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ اگر کوئی شخص یہ وصیت کرے کہ مرنے کے بعد میرا مال اقل الناس (سب سے عاقل اور سمجھدار کو دیا جائے) تو مرنے کے بعد اس شخص کو دیا جائے کہ جو دنیا میں سب سے زائد زاہد ہو (کذا فی تنبیہ المغترین للشعرانی ص ۵۰) اس لئے کہ سب سے زیادہ عاقل وہی ہے کہ جو فانی کو چھوڑ کر باقی کو اختیار کرے اس سے زیادہ کون احمق ہوگا کہ جس نے آخرت کی لازوال نعمتوں کو دیکر ایک جیفہ اور مردار کو خرید لیا ہو **فَمَا رِبِحَتْ تِجَارَتُهُمْ وَمَا كَانُوا مُهْتَدِينَ**۔

حضرت خدیجہ نے یہ سب جان بوجھ کر اور خوب سوچ سمجھ کر اپنی طرف سے پیام کی ابتدا کی۔ اور رؤساء مکہ کی آرزوں کو خاک میں ملا دیا۔ بھلا جس مبارک خاتون نے دنیا ہی کے ٹھکرانے کا عزم بالجزم کر لیا ہو تو وہ اپنا دنیا کو کہاں نظر میں لاسکتی ہے جب مال ہی سے کوئی علاقہ

نہیں رہا تو پھر اس کے فرزندوں سے کیا علاقہ کسی شریف اور رئیس کی ثروت اس خاتون کو اپنی طرف کب مائل کر سکتی ہے۔ کہ جو اپنی ہی دولت کو خدا کی راہ میں لٹانے کے لئے تیار بیٹھی ہو۔

آپ نے اپنے شفیق چچا ابوطالب کے مشورہ سے اس پیام کو قبول کیا حضرت خدیجہ کے والد خویلد کا پہلے ہی انتقال ہو چکا تھا لیکن ان کے چچا عمر بن اسد نکاح کے وقت زندہ تھے وہ اس تقریب میں شریک ہوئے۔

تاریخ معین پر ابوطالب مع اعیان خاندان کے جن میں حمزہ بھی تھے۔ حضرت خدیجہ کے مکان پر آئے اور شادی کی رسم ادا ہوئی۔ ابوطالب نے خطبہ نکاح پڑھا (جو ابتداء کتاب میں گزر چکا ہے) اور پانسودرہم مہر مقرر ہوا۔^۱

نکاح کے وقت حضرت خدیجہ کی عمر چالیس سال کی اور آں حضرت کی عمر ۲۵ سال تھی۔ مجلس عقد میں میں ورقہ بن نوفل بھی تھے۔ ابوطالب جب خطبہ نکاح سے فارغ ہوئے تو ورقہ بن نوفل نے مختصری تقریر کی جو زرقانی میں مذکور ہے۔^۲

ولیمہ

بعض روایات میں مذکور ہے کہ ایجاب و قبول کے بعد حضرت خدیجہ نے ایک گائے ذبح کرائی اور کھانا پکوا کر مہمانوں کو کھلایا۔^۳

الحاصل

حضرت خدیجہ کی تمنا اور آرزو کا ابتدائی مرحلہ طے ہوا لیکن منزل مقصود (یعنی بعثت نبوی) ابھی دور ہے اور امید و بیم کی کشمکش اور انتظار کی بے چینی ہنوز بدستور ہے۔

چنانچہ ایک روز کا واقعہ ہے کہ آپ حضرت خدیجہ کے پاس گئے۔ حضرت خدیجہ دیکھتے ہی آپ کو لپٹ گئیں اور سینہ سے لگا لیا۔ اور کہا

بابی وامی واللہ ما افعل هذا
 الشئ ولکنی ارجوان تکون
 انت النبی الذی ستبعث
 فان تکن هوفاعرف حقی
 ومنزلتی وادع الاله الذی
 یبعثک لی قالت فقال لها
 واللہ لئن کنت انا هو قد
 اصطنعت عندی مالا اضیعه
 ابدان یکن غیری فان الاله
 الذی تصنعین هذا لاجله
 لا یضیعک ابدا
 (باب تزویج النبی صلی اللہ
 علیہ وسلم خدیجۃ وفضلہا)

میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں۔ اس فعل
 سے میری کوئی غرض نہیں۔ مگر یہ مجھ کو امید
 ہے کہ شاید آپ ہی وہ نبی ہوں جو عنقریب
 مبعوث ہونے والے ہیں۔ پس اگر آپ
 ہی وہ نبی ہوئے تو بعثت کے بعد میرے حق
 کو یاد رکھیں اور جو خدا آپ کو نبوت سے
 سرفراز فرمائے اس سے میرے لئے دعا
 فرمائیں آپ نے جواب دیا اگر وہ نبی میں
 ہی ہوا تو جان لے کہ تو نے میرے ساتھ وہ
 احسان کیا ہے کہ جس کو میں کبھی نہیں بھول
 سکتا۔ اور اگر میرے سوا کوئی اور ہوا تو سمجھ
 لے کہ جس خدا کے لئے تو یہ عمل کر رہی ہے
 وہ کبھی تیرے عمل کو ضائع نہ کریگا۔

زبیر بن بکار راوی ہیں کہ حضرت خدیجہ بار بار ورقہ بن نوفل کے پاس جاتیں اور آپ
 کے متعلق دریافت کرتیں ورقہ یہ جواب دیتے۔

ما اراہ الانبی هذه الامۃ الذی
 بشرہ موسیٰ وعیسیٰ

میرا گمان یہ ہے کہ یہ وہی نبی ہیں کہ جن کی
 حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ نے بشارت
 دی ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت خدیجہ نے ورقہ سے جا کر آپ کا حال بیان
 کیا تو ورقہ نے ایک قصیدہ کہا جس کے بعض اشعار یہ ہیں۔

هذی ۲ خدیجۃ تاتیننی لأخبرها ومالنا بخفی الغیب من خبر
 بأن أحمذ یاتیہ فیخبرہ جبریل انک مبعوث إلی البشر

۱ فتح الباری۔ ج: ۷، ص: ۱۰۰ ۲ ہذی کا اشارہ دراصل خدیجہ کی طرف نہیں بلکہ اس شوق اور انتظار کی طرف ہے کہ
 جس نے ان کو بے چین کر رکھا ہے گویا کہ ان کا شوق اور اضطراب ایک محسوس شئی ہے جس کی طرف اشارہ کیا جاسکتا ہے

یہ خدیجہ بار بار میرے پاس آتی ہے کہ میں اس کو خبر دوں اور مجھ کو غیب کی خبر نہیں کہ جبریل آپ کے پاس اللہ کا پیام لیکر آئیں گے کہ آپ لوگوں کی طرف نبی بنا کر بھیجے گئے ہیں فَقُلْتُ عَلَى الَّذِي تَرْجِيْنِ يَنْجِزُهُ لَكَ إِلَّا لَهُ فَرْجِي الْخَيْرِ وَانْتَظِرِي ورقہ کہتے ہیں میں نے خدیجہ کو جواب دیا کہ عجب نہیں کہ جس کی تو امید کرتی ہے اللہ اس کو پورا کرے تو اللہ سے خیر کی امید لگائے رکھ اور اس کی منتظر رہ (اصابہ ترجمہ ورقہ بن نوفل) ورقہ کے یہ اشعار مستدرک میں بھی مذکور ہیں حافظ ذہبی نے اس پر سکوت کیا ہے۔ ورقہ کے اور بھی قصائد ہیں جن سے ورقہ کے اشتیاق اور انتظار کا پتہ چلتا ہے۔

اولاد

انھیں کے لطن سے آپ کی چار صاحبزادیاں زینب۔ رقیہ و امّ کلثوم وفاطمہ اور دولہ کے پیدا ہوئے (جن کا مفصل بیان اولاد کے بیان میں آئندہ آئے گا) اولاد ذکر صغر سنی ہی میں انتقال کر گئی البتہ صاحبزادیاں بڑی ہوئیں اور بیاہی گئیں۔

وفات

جب تک حضرت خدیجہ زندہ رہیں اس وقت تک آپ نے دوسرا عقد نہیں کیا۔ نبوی میں ہجرت سے تین سال پیشتر مکہ میں انتقال کیا۔ اور حجون میں دفن ہوئیں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود قبر میں اتارا نماز جنازہ اس وقت تک مشروع نہیں ہوئی تھی پچیس سال آپ ﷺ کی زوجیت میں رہیں پینسٹھ سال کی عمر میں انتقال کیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَيْہِ رَاجِعُوْنَ۔

فضائل و مناقب

۱۔ بخاری اور مسلم میں ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ جبریل امین آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ یہ خدیجہ آپ کے لئے کھانا لئے آرہی ہیں جب آپ کے پاس آئیں تو ان کے پروردگار کی طرف سے اور پھر میری طرف سے ان کو سلام

کہہ دیجئے اور ان کو جنت کے ایک محل کی بشارت دیدیجئے جو ایک ہی موتی کا بنا ہوا ہوگا۔ اور اس محل میں نہ کوئی شور و غل ہوگا اور نہ کسی قسم کی مشقت اور تکلیف ہوگی۔ یہ بخاری اور مسلم کی روایت تھی۔ نسائی کی روایت میں ہے کہ حضرت خدیجہ نے سُن کر یہ جواب دیا۔

ان اللہ هو السلام وعلى
جبریل السلام وعليك يا
رسول الله السلام ورحمة الله
وبركاته وزاد ابن السني من
وجه آخر وعلي من سمع
السلام الا الشيطان۔

تحقیق اللہ تعالیٰ تو خود ہی قدوس اور سلام
ہیں یعنی اللہ پر کیا سلام بھیجا جائے البتہ
اے جبریل آپ پر سلام ہو اور یا رسول اللہ
آپ پر بھی اللہ کا سلام ہو اور اس کی رحمتیں
اور برکتیں آپ پر نازل ہوں (کہ جن
کے طفیل میں مجھ پر یہ رحمتیں اور برکتیں
نازل ہو رہی ہیں۔ ابن سنی کی روایت میں
اس قدر اور اضافہ ہے کہ اس پر بھی سلام ہو
جو اس کو سُن رہا ہو سوائے شیطان کے۔

طلبہ حدیث اگر اس حدیث کے لطائف و معارف معلوم کرنا چاہیں تو فتح الباری (باب تزویج النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خدیجہ وفضلہا) اور زرقانی شرح مواہب ۲ کی مراجعت کریں۔ چونکہ ان لطائف و معارف کا تعلق عربیت اور بلاغت سے ہے اس لئے ان کو چھوڑ دیا گیا۔

حافظ ابن قیم فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ جل شانہ کا کسی کو سلام کہلا کر بھیجنا یہ وہ فضیلت اور منقبت ہے کہ جس میں حضرت خدیجہ کا کوئی شریک اور سہیم نہیں،
۲۔ علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ عورتوں میں سب سے افضل یہ تین عورتیں ہیں۔ حضرت خدیجہ اور حضرت فاطمہ اور حضرت عائشہ لیکن اس میں اختلاف ہے کہ ان تین میں کون افضل ہے۔ حافظ ابن عبد البر فرماتے ہیں کہ ابن عباس کی ایک مرفوع روایت سے یہ اشکال حل ہو جاتا ہے۔

وہ روایت یہ ہے:

سیدۃ النساءِ العلمین مریم ثم تمام عالم کی عورتوں کی سردار مریم ہیں پھر
فاطمۃ ثم خدیجۃ ثم آسیۃ قال فاطمہ اور پھر خدیجہ اور پھر آسیہ امراۃ
وهذا حدیث حسن یرفع فرعون۔ ابن عبد البر کہتے ہیں۔ یہ حدیث
الاشکال حسن ہے جس سے اشکال اٹھ جاتا ہے۔

تفصیل اگر درکار ہو تو زرقانی شرح مواہب اور فتح الباری اور تفسیر روح المعانی ۲ کی
مراجعت کریں۔

ام المؤمنین سودہ بنت زمعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

حضرت خدیجہ کے انتقال کے کچھ ہی روز بعد حضرت سودہ آپ کے نکاح میں آئیں یہ بھی
اشراف قریش میں سے تھیں انکا سلسلہ نسب یہ ہے۔ سودہ بنت زمعۃ بن قیس بن عبد شمس بن
عبد ود بن نصر بن مالک بن حسل بن عامر بن لوئی۔ (سیرۃ ابن ہشام و عیون الاثر)

لوئی بن غالب پر پہنچ کر آں حضرت ﷺ سے سلسلہ نسب مل جاتا ہے والدہ کا نام شمس
بنت قیس بن عمرو بن زید انصاریہ ہے انصار میں سے قبیلہ بنی النجار کی تھیں۔ ابتداء نبوت میں
مشرف باسلام ہوئیں پہلا نکاح ان کے چچا زاد بھائی سکران بن عمرو سے ہوا صحابہ نے جب
دوسری بار حبشہ کی طرف ہجرت کی تو سودہ اور سکران بھی ان مہاجرین میں تھے۔ جب مکہ
واپس ہوئے تو راستہ میں سکران کا انتقال ہو گیا۔ ایک بیٹا عبد الرحمن نامی یادگار چھوڑا
عبد الرحمن مشرف باسلام ہوئے اور جنگ جلولاء میں شہید ہوئے۔

آں حضرت ﷺ حضرت خدیجہ کے انتقال سے نہایت غمگین اور پریشان تھے۔ ایک
دن خولہ بنت حکیم آپ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا یا رسول اللہ آپ کو خدیجہ کے نہ
ہونے سے پریشان دیکھتی ہوں۔ آپ نے فرمایا ہاں بال بچوں کی پرورش اور گھر کا انتظام اسی
سے تھا۔ خولہ نے کہا کیا میں آپ کے لئے کہیں پیام نہ دوں آپ نے فرمایا مناسب ہے اور
عورتیں ہی اس کام کے لئے زیادہ موزوں ہیں آپ نے فرمایا کس جگہ پیام دینے کا خیال ہے

۱۔ زرقانی۔ ج: ۲۔ ص: ۲۲۳ ۲۔ سورۃ آل عمران کی اس آیت بِمَآرِسِهِمْ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَاكِ وَطَهَّرَكِ
وَاصْطَفَاكِ عَلَىٰ نِسَاءِ الْعَالَمِينَ کے تحت میں تفسیر روح المعانی کی مراجعت کریں

خولہ نے کہا اگر کنواری سے نکاح کرنا چاہیں تو آپ کے نزدیک تمام مخلوق میں جو سب سے زیادہ محبوب ہے۔ اس کی بیٹی عائشہ سے نکاح فرمائیں اور اگر بیوہ سے چاہیں تو سودہ بنت زمعہ موجود ہے جو آپ پر ایمان لائی اور آپ کا اتباع کیا۔ آپ نے فرمایا دونوں جگہ پیام دیدو۔ خولہ اول سودہ کے پاس گئیں۔ اور کہا مجھ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہارا پیام دیکر بھیجا ہے۔ سودہ نے کہا مجھ کو کوئی عذر نہیں۔ مگر میرے باپ سے اس کا تذکرہ کرلو۔ اور جاہلیت کے طریقہ پر ان کو سلام کرنا خولہ کہتی ہیں کہ میں ان کے باپ کے پاس پہنچی اور جاہلیت کے طریقہ پر انعم صبا کا کہا پوچھا کون ہے۔ میں نے کہا خولہ ہوں۔ آپ نے مرحبا کہہ کر دریافت کیا کہ کیسے آنا ہوا میں نے کہا محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب کا آپ کی بیٹی سے پیام لیکر آئی ہوں۔ آپ نے سکر کہا ہاں بیشک وہ شریف کفو ہیں۔ لیکن معلوم نہیں کہ سودہ کی کیا رائے ہے میں نے کہا وہ بھی آمادہ ہے۔ چنانچہ اس کے بعد آں حضرت تشریف لے گئے اور نکاح پڑھا گیا۔

حضرت سودہ کے بھائی عبد اللہ بن زمعہ کو جو اس وقت تک مشرف باسلام نہ ہوئے تھے جب ان کو اس کا علم ہوا تو سر پر خاک ڈال لی۔ جب مشرف باسلام ہوئے تو اپنی اس حرکت پر بہت نادم ہوئے اور جب کبھی اس کا خیال آ جاتا تو یہ کہتے کہ میں اس روز بڑا ہی نادان تھا کہ جس روز میں نے اپنے سر پر اس وجہ سے خاک ڈالی کہ آنحضرت ﷺ نے میری بہن سے نکاح فرمایا۔ اس حدیث کو امام احمد نے سند جید کے ساتھ روایت کیا ہے۔ سند اس کی حسن ہے۔

چونکہ حضرت سودہ اور حضرت عائشہ کا نکاح قریب قریب ہی ہوا ہے اس لئے علماء سیر میں اختلاف ہے کہ کونسا نکاح پہلے ہوا صحیح اور رائج قول یہی ہے کہ حضرت سودہ کا نکاح پہلے ہوا اور چار سو درہم مہر قرار پایا۔

ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے سودہ کو طلاق دینے کا ارادہ فرمایا۔ حضرت سودہ نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھ کو اپنی زوجیت میں رہنے دیجئے میری تمنا یہ ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ مجھ کو آپ کی ازواج میں اٹھائے اور چونکہ میں بوڑھی ہو گئی ہوں اس لئے اپنی باری حضرت عائشہ کو ہبہ کیے دیتی ہوں آپ ﷺ نے اس کو منظور فرمایا۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے طلاق دیدی تھی۔ بعد میں رجوع فرمایا۔ واللہ اعلم۔

شکل و صورت

حضرت سودہ کا قد لانا اور بدن بھاری تھا۔ مزاج میں ظرافت تھی کبھی کبھی آں حضرت کو ہنساتیں۔ ماہ ذی الحجۃ ۲۳ھ میں مدینہ منورہ میں حضرت عمر کے اخیر زمانہ خلافت میں وفات پائی۔ (رواہ البخاری فی تاریخہ بسند صحیح)

بعض کہتے ہیں کہ ۵۴ھ میں وفات پائی۔ واقعہ یہ ہے کہ اس کو راجح قرار دیا ہے واللہ اعلم

ام المؤمنین عائشہ صدیقہ بنت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہا وعن لیہا

حضرت عائشہ صدیقہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا حضرت ابو بکر صدیق کی صاحب زادی ہیں والدہ ماجدہ کا نام زینب اور ام رومان کنیت تھی۔ حضرت عائشہ کے خود کوئی اولاد نہیں ہوئی لیکن اپنے بھانجے عبداللہ بن زبیر کے نام سے ام عبداللہ اپنی کنیت رکھی حضرت سودہ کے بعد یا متصل ماہ شوال ۱۰ نبوی میں آں حضرت رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا نے ان سے نکاح فرمایا۔

خولہ بنت حکیم نے آپ کی طرف سے جا کر پیام دیا۔ (جیسا کہ پہلے گذرا) ابو بکر صدیق نے کہا کہ مطعم بن عدی نے اپنے بیٹے جبیر سے عائشہ کا پیام دیا تھا جسکو میں منظور کر چکا ہوں

وَاللّٰہُ مَا اخلف ابو بکر وعدا قط : اور خدا کی قسم ابو بکر نے کبھی کوئی وعدہ خلافی نہیں کی۔

ابو بکر صدیق یہ کہہ کر سیدھے مطعم کے گھر پہنچے اور مطعم سے مخاطب ہو کر کہا کہ نکاح کے متعلق کیا خیال ہے۔ مطعم کی بیوی بھی سامنے تھی مطعم نے بیوی سے مخاطب ہو کر کہا تمہاری کیا رائے ہے مطعم کی بیوی نے ابو بکر سے مخاطب ہو کر کہا کہ تمہارے یہاں نکاح کرنے سے مجھ کو قوی اندیشہ ہے کہ کہیں میرا بچہ صابی یعنی بے دین نہ ہو جائے اور اپنا آبائی دین چھوڑ کر تمہارے دین

۱۱۱ صابہ ج: ۲ ص ۳۳ ۱۲ ام رومان قدیم الاسلام ہیں اسلام لائیں اور آں حضرت کے دست مبارک پر بیعت کی اور جب صدیق اکبر ہجرت کر کے مدینہ منورہ پہنچ گئے تب ام رومان عبداللہ بن ابی بکر کے ہمراہ ہجرت کر کے مدینہ گئیں مشہور قول یہ ہے کہ ۶ھ میں وفات پائی اور آنحضرت اُنکی نعش کو اتارنے کے لئے قبر میں اترے اور ام رومان کیلئے دعائے مغفرت کی۔ تفصیل کیلئے ص ۳۵ ج ۴ ترجمہ ام رومان کی مراجعت کریں۔

میں نہ داخل ہو جائے۔ ابو بکر صدیقؓ مطعم کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا اے مطعم تم کیا کہتے ہو مطعم نے کہا میری بیوی نے جو کہا وہ آپ نے سن لیا۔ جس عنوان سے مطعم اور اس کی بیوی نے متفقہ طور پر انکار کیا ابو بکر اس کو سمجھ گئے اور یہ محسوس کر لیا کہ وعدہ کی ذمہ داری اب مجھ پر باقی نہیں رہی۔ ابو بکر وہاں سے اٹھ کر گھر آئے اور خولہ سے کہہ دیا کہ مجھ کو منظور ہے آں حضرت ﷺ جس وقت چاہیں تشریف لے آئیں۔ چنانچہ آپ تشریف لائے اور نکاح پڑھا گیا۔ چار سو درہم مہر مقرر ہوا۔ ہجرت سے تین سال قبل ماہ شوال ۱۰ نبوی میں نکاح ہوا آپ کی عمر اس وقت چھ سال کی تھی ہجرت کے سات آٹھ مہینہ بعد شوال ہی کے مہینہ میں رخصتی اور عروسی کی رسم ادا ہوئی اس وقت آپ کی عمر نو سال اور کچھ ماہ کی تھی۔ ۹ سال آں حضرت ﷺ کی زوجیت میں رہیں۔ جس وقت آنحضرت ﷺ کا وصال ہوا تو حضرت عائشہ کی عمر ۱۸ سال کی تھی اڑتالیس سال آپ کے بعد زندہ رہیں۔ اور ۵۵ھ میں مدینہ منورہ میں وفات پائی اور وصیت کے مطابق دیگر ازاواجِ مطہرات کے پہلو میں رات کے وقت بقیع میں دفن ہوئیں۔

وفات کے وقت ۶۶ سال کی عمر تھی۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ قاسم بن محمد۔ اور عبد اللہ بن عبد الرحمن اور عبد اللہ بن ابی شعیق اور حضرت زبیر کے دونوں صاحبزادے عروہ اور عبد اللہ ان لوگوں نے آپ کو قبر میں اتارا۔

ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت قریب میں گزر چکی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں نے کسی عورت سے اس وقت تک نکاح نہیں کیا جب تک جبریل امین اللہ عزوجل کی طرف سے وحی لیکرنہ آگئے ہوں چنانچہ عائشہ صدیقہ کے نکاح میں بھی یہی صورت ہوئی۔ جامع ترمذی میں عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جبریل میرے پاس آئے اور یہ کہا کہ اللہ عزوجل نے آپ کا نکاح ابو بکر کی بیٹی سے کر دیا اور جبریل کے ساتھ عائشہ کی ایک تصویر بھی تھی جو مجھ کو دکھائی اور کہا کہ یہ آپ کی بیوی ہیں یہ مضمون صحیحین کی روایتوں میں بھی آیا ہے۔ ۲

ازرقانی۔ ج ۳، ص ۲۲۹-۲۳۶ ۲ زرقانی۔ ج ۳، ص ۲۲۲

یہ عالم الغیب کا واقعہ ہے اس سے عالم شہادت میں جواز تصویر پر استدلال کرنا سخت غلطی ہے۔ احادیث متواترہ سے تصویر کی ممانعت اور اس کے بنانے والے پراعت روز روشن کی طرح ثابت ہے جو شخص حرام سمجھ کر اس معصیت کا ارتکاب کرے وہ گنہگار ہے اور جو شخص تصویر کو طلال جانے اس پر کفر کا اندیشہ ہے وقال اللہ تعالیٰ وقاتلو الذین لا یؤمنون باللہ ولا بالیوم الآخر ولا بحرم اللہ ورسولہ۔ الآیۃ

حضرت عائشہ اپنے باپ ابو بکر کی بیٹی تھیں۔ باپ کے فہم و فراست اور مقام صدیقیت سے خاص حصہ پایا تھا۔ ام رومان آپ کی والدہ تھیں جن کی نسبت آنحضرت ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا تھا کہ جو شخص حور عین کو دیکھنا چاہے وہ ام رومان کو دیکھ لے کما رواہ البخاری فی تاریخہ اس لئے خداوند ذوالجلال کی مشیت اور عنایت اس کی داعی ہوئی کہ اپنے پیغمبر کے یار غار و محبہ جاں نثار کی دختر نیک اختر کو لڑکپن ہی سے پیغمبر کی زوجیت اور تربیت میں دیدیا جائے کیونکہ لوح قلب ہنوز بالکل پاک اور صاف ہے کوئی باطل نقش ابھی تک اس پر نہیں کھینچا گیا خود بچپن کا زمانہ تو معصومیت کا زمانہ ہے ماں باپ کی طرف سے بھی کسی نقش باطل کا امکان نظر نہیں آتا۔ باپ تو صدیق ہے۔ رشک ملائک ہے۔ اللہ جل جلالہ کی دائمی معیت اس کو حاصل ہے۔ ماں ہے کہ وہ حور عین کا نمونہ ہے ایسی صاف و شفاف لوح پر۔ علم نبوت کا جو بھی نقش ہو گا وہ ایسا محکم اور پائیدار ہو گا کہ کبھی نہ مٹ سکے گا۔ چنانچہ ۹ سال کی مدت میں ایسا وسیع اور عمیق علم حاصل ہوا کہ آپ کی وفات کے بعد اکا بر صحابہ کو جب کوئی اشکال پیش آتا تو حضرت عائشہ کی طرف رجوع کرتے۔ عہد صحابہ میں حضرت عائشہ کا علم اور تفقہ اور تاریخ دانی مسلم تھی۔ یہاں تک کہ کہا گیا ہے کہ احکام شرعیہ کا چوتھائی حصہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے منقول ہے۔

ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ صحابہ کو جب کسی مسئلہ میں کوئی اشکال پیش آتا تو حضرت عائشہ سے دریافت کرتے آپ کے یہاں ضرور اس کے متعلق کوئی علم دستیاب ہوتا۔ (رواہ الترمذی صحیح)

علم

زہری فرماتے ہیں کہ اگر حضرت عائشہ کے علم کا تمام امہات المؤمنین اور تمام عورتوں کے ساتھ موازنہ کیا جائے تو حضرت عائشہ کا علم سب سے بڑھا رہے گا۔ اصحابہ ترجمہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔

فصاحت و بلاغت کا یہ عالم تھا کہ حضرت معاویہ فرماتے ہیں کہ میں نے کسی خطیب کو حضرت عائشہ سے زیادہ فصیح و بلیغ نہیں دیکھا (رواہ الطبرانی)

عرب کی تاریخ اور واقعات ازبر تھے۔ اشعار بکثرت زبانی یاد تھے۔ جب کوئی بات پیش آتی تو کوئی شعر ضرور سُنا دیتے۔ کمارواہ ابوالزناد وغیرہ!

زُہد

یہ تو علم کا نمونہ تھا اب ایک واقعہ زہد کا بھی سُن لیجئے کیونکہ تمام فضائل و کمالات کا سرچشمہ دو ہی چیزیں ہیں ایک علم اور دوسرا زہد یعنی دنیا سے بے تعلقی جس طرح دنیا کی محبت تمام گناہوں کی جڑ ہے اسی طرح زہد تمام نیکیوں اور بھلائیوں کی جڑ ہے اَللّٰهُمَّ زَهِّدْنَا فِي الدُّنْيَا وَرَغِّبْنَا فِي الْآخِرَةِ اَمِيْن يَا رَبَّ الْعَالَمِيْنَ وہ واقعہ یہ ہے۔

ام درّہ۔ حضرت عائشہ کے پاس آتی جاتی تھیں۔ ام درّہ راوی ہیں کہ ایک مرتبہ عبداللہ بن زبیر نے دو بور یوں میں روپے بھر کر حضرت عائشہ کے پاس بھیجے جو تقریباً ایک لاکھ اسی ہزار درہم تھے۔ حضرت عائشہ اسی وقت ان کو تقسیم کرنے کے لئے بیٹھ گئیں۔ جب شام ہوئی تو ایک درہم بھی باقی نہ تھا، روزے سے تھیں جب شام ہوئی تو خادمہ سے افطاری منگائی خادمہ نے روٹی اور زیتون کا تیل لا کر رکھ دیا ام درّہ نے کہا اگر آپ ایک درہم کا گوشت منگا لیتیں تو اچھا ہوتا۔ عائشہ صدیقہ نے فرمایا اگر یاد دلاتی تو منگا لیتی۔

عروہ کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا ہے کہ عائشہ صدیقہ ستر ستر ہزار درہم تقسیم کر دیتی تھیں اور گرتی میں پیوند لگا ہوتا تھا۔

انہی فضائل و کمالات کی بناء پر آپ حضرت ﷺ سب سے زیادہ حضرت عائشہ سے محبت رکھتے تھے۔ اگر محض باکرہ ہونے کی وجہ سے محبت ہوتی تو حضرت خدیجہ کو بھول جاتے۔ مگر آپ کا حال یہ تھا کہ ہمیشہ حضرت خدیجہ کا ذکر کیا کرتے تھے۔ اور جب کبھی کوئی جانور ذبح فرماتے تو حضرت خدیجہ کی ہم نشین عورتوں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر ان کے پاس ہدیہ گوشت بھیجتے۔ جب تک وہ زندہ رہیں کسی اور عورت سے نکاح نہیں کیا۔ اور حضرت عائشہ کے ہوتے ہوئے آپ نے آٹھ نکاح فرمائے۔ اور سب بیواؤں سے۔ معاذ اللہ اگر کوئی نفسانی خواہش ہوتی تو ایک بیوہ سے بھی نکاح نہ فرماتے۔ نیز حضرت ام سلمہ اور حضرت

صفیہ۔ حسن و جمال میں حضرت عائشہ سے کہیں بڑھ کر تھیں۔ متعدد نکاح کرنے سے آپ کا مقصد صرف دین کی تعلیم تھا۔ کہ جو مسائل اور احکام عورتوں سے متعلق ہیں وہ ازواج مطہرات کے توسط سے امت کی عورتوں تک پہنچ جائیں۔ ازواج مطہرات کیا تھیں حقیقت میں مدرستہ النساء کی طالبات تھیں مسجد نبوی میں مردوں کو تعلیم دی جاتی تھی۔ اور گھر میں ازواج مطہرات کو کیونکہ یہی ازواج مطہرات آئندہ چل کر امت کی عورتوں کی معلمات بننے والی ہیں ہر بیوی نے اپنی اپنی استعداد کے موافق علم حاصل ہو گیا۔ مگر عائشہ صدیقہ علم و فضل میں سب عورتوں سے سبقت لے گئیں۔ وَذَٰلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يُّشَاءُ۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت سیدۃ النساء فاطمۃ الزہراء اور ام المؤمنین خدیجہ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهَا کے بعد تمام عورتوں میں عائشہ صدیقہ سب سے افضل اور برتر مانی گئیں۔

خلاصہ کلام

یہ کہ حق جل و علانے اول یہ محاسن اور کمالات عائشہ صدیقہ کی فطرت میں ودیعت رکھے اور پھر اپنے پیغمبر کو حکم دیا کہ اس کو اپنی زوجیت میں لیں تاکہ آپ کی صحبت اور تربیت سے وہ فطری کمالات ظہور میں آئیں اور ان کے علم و فضل سے دنیا استفادہ کرے چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ اکابر صحابہ آپ سے مستفید ہوئے۔

فاروق اعظم اور عبداللہ بن عمر اور ابو ہریرہ اور ابو موسیٰ اشعری اور عبداللہ بن حکیم اسود بن یزید، ابوسلمۃ بن عبدالرحمن رضی اللہ عنہم اجمعین وغیرہم نے آپ کی شاگردی کی۔ کیا ان حالات اور واقعات کے بعد بھی کسی طاعن اور معترض کے لئے یہ کہنے کی گنجائش ہے کہ معاذ اللہ یہ نکاح کسی نفسانی خواہش سے کیا گیا۔ خواہش نفسانی سے نہیں بلکہ حکم ربانی اور وحی آسمانی سے کیا گیا۔

فضائل و مناقب

۱۔ حضرت عائشہ راوی ہیں کہ ایک روز رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے عائشہ! یہ جبریل ہیں تم کو سلام کہتے ہیں میں نے کہا وعلیہ السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ اور عرض کیا یا رسول اللہ آپ دیکھتے ہیں اور میں نہیں دیکھتی۔

۲۔ ابو موسیٰ اشعری راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مردوں میں سے بہت لوگ کمال کو پہنچے مگر عورتوں میں سے سوائے مریم بنت عمران۔ اور آسیہ زوجہ فرعون کے کوئی عورت کمال کو نہیں پہنچی اور عائشہ کی فضیلت تمام عورتوں پر ایسی ہے۔ جیسا کہ ثرید کی فضیلت تمام کھانوں پر ان دونوں حدیثوں کو امام بخاری نے کتاب المناقب باب فضل عائشہ میں ذکر کیا ہے۔

۳۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ چند خصلتیں مجھ کو من جانب اللہ عطا کی گئیں۔ سوائے حضرت مریم کے اور کسی عورت کو نہیں عطا کی گئیں اور خدا کی قسم میں بطور فخر نہیں کہتی یعنی اللہ کی نعمت کو بیان اور ظاہر کرنا مقصود ہے وہ خصلتیں یہ ہیں۔

(۱) آپ ﷺ نے میرے سوا کسی باکرہ سے نکاح نہیں فرمایا۔

(۲) نکاح سے پیشتر فرشتہ میری تصویر لیکر نازل ہوا اور آپ کو دکھا کر کہا کہ یہ آپ کی بیوی ہیں اللہ کا حکم ہے کہ آپ ان سے نکاح کریں۔

(۳) اور جو شخص آپ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب تھا میں اس کی بیٹی ہوں۔

(۵) آسمان سے میری براءت میں متعدد آیتیں نازل ہوئیں اور میں طیبہ اور پاکیزہ پیدا کی گئی اور طیب اور پاکیزہ کے پاس ہوں اور اللہ نے مجھ سے مغفرت اور رزق کریم کا وعدہ فرمایا۔

(۶) میں نے جبریل کو دیکھا میرے سوا آپ کی ازواج میں سے کسی نے جبریل کو نہیں دیکھا۔

(۷) جبریل آپ پر وحی لے کر آتے تھے اور میں آپ کے پاس ایک لحاف میں ہوتی تھی۔ میرے سوا اور کہیں اس طرح وحی نازل نہیں ہوئی۔

(۸) میری باری کے دو دن اور دو رات تھے اور باقی ازواج کی باری ایک دن اور ایک رات تھی۔ ایک دن اور ایک رات تو خود حضرت عائشہ کی باری کا تھا ہی اور دوسرا دن حضرت سودہ کی باری کا تھا جو انھوں نے سن رسیدہ ہو جانے کی وجہ سے حضرت عائشہ کو ہبہ کر دیا تھا۔

(۹) انتقال کے وقت آپ کا سر مبارک میری گود میں تھا۔

(۱۰) وفات کے بعد میرے حجرے میں مدفون ہوئے۔

رواہ ابو یعلیٰ والہز ار باختصار وفیہ مجالد و حسن الحدیث و بقیۃ رجالہ رجال الصحیح

ام المؤمنین حفصہ بنت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہا وعن ابیہا

حضرت حفصہ - حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی ہیں۔ والدہ کا نام زینب بنت مظعون رضی اللہ عنہا ہے۔ حضرت حفصہ بعثت سے پانچ سال قبل پیدا ہوئیں۔ جس وقت قریش خانہ کعبہ کی تعمیر میں مصروف تھے۔ پہلا نکاح حنیس بن حذافہ سہمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ ہوا اپنے شوہر حنیس کے ساتھ ہجرت کر کے مدینہ آئیں۔ غزوہ بدر کے بعد حنیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انتقال ہو گیا۔

جب حضرت حفصہ بیوہ ہو گئیں تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عثمان غنی سے ملکر کہا کہ اگر آپ چاہیں تو حفصہ کا نکاح آپ سے کر دوں۔ حضرت عثمان نے کہا سوچ کر جواب دوں گا۔ اس کے بعد پھر ملاقات ہوئی حضرت عثمان نے عذر کر دیا۔ کہ میرا ارادہ نہیں ہے۔ حضرت عمر فرماتے ہیں کہ پھر میں حضرت ابوبکر سے ملا اور کہا کہ اگر آپ چاہیں تو حفصہ کا نکاح آپ سے کر دوں ابوبکر صدیق سن کر خاموش ہو گئے اور کوئی جواب نہیں دیا۔ جس سے مجھ کو ملال ہوا۔ تین چار ہی دن گزرے ہوں گے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے لئے پیام دیا۔ میں نے حفصہ کا نکاح آپ ﷺ سے کر دیا۔ اس کے بعد ابوبکر صدیق سے ملنا ہوا۔ حضرت ابوبکر نے کہا اے عمر شاید تم مجھ سے رنجیدہ ہو میں نے اس لئے جواب نہیں دیا تھا کہ مجھ کو یہ معلوم تھا کہ رسول اللہ ﷺ کا خود پیام دینے کا خیال ہے اس لئے سکوت کیا۔ اور رسول اللہ ﷺ کے راز کو ظاہر کرنا مناسب نہ ہوگا۔ اگر آں حضرت ﷺ حضرت حفصہ سے نکاح نہ کرتے تو میں ضرور قبول کر لیتا مشہور اور رائج قول یہ ہے کہ ۳ھ میں آپ نے حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح فرمایا۔

ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت حفصہ کو طلاق دیدی جبریل علیہ السلام وحی لیکر نازل ہوئے۔

ارجع حفصہ فانہا صوامۃ
قوامۃ وانہا زوجتک فی الجنۃ
رکھنے والی اور عبادت گزار عورت ہے اور
جنت میں آپ کی بیوی ہے۔

آپ نے رجوع فرمایا۔ (اخرجہ ابن سعد والطبرانی برجال الصحیح من مرسل قیس بن سعد) ۳

شعبان ۴۵ھ میں مدینہ منورہ میں وفات پائی۔ حضرت معاویہ کا زمانہ خلافت تھا مروان بن حکم نے نماز جنازہ پڑھائی وفات کے وقت ساٹھ سال کی عمر تھی۔ تاریخ وفات میں اختلاف ہے ہم نے مشہور قول کو لے لیا ہے تفصیل کیلئے ترجمہ حصہ کی مراجعت کریں۔

ام المؤمنین زینب بنت خزیمہ ملقب بہ ام المساکین رضی اللہ عنہا

زینب آپ کا نام تھا چونکہ آپ بہت نجی اور فیاض تھیں اس لئے ایام جاہلیت ہی سے ام المساکین کہہ کر پکاری جاتی تھیں باپ کا نام خزیمہ بن الحارث ہلالی تھا۔ پہلا نکاح عبداللہ بن جحش سے ہوا ۳۷ھ میں عبداللہ بن جحش رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ غزوہٗ اُحد میں شہید ہوئے۔ عدت گزرنے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے نکاح فرمایا پانسو درہم مہر مقرر ہوا نکاح کے دو تین ہی مہینے گزرے تھے کہ انتقال ہو گیا۔ آں حضرت ﷺ نے خود نماز جنازہ پڑھائی اور جنت البقیع میں دفن ہوئیں انتقال کے وقت ۳۰ سال کی عمر تھی۔ ۲

ام المؤمنین ام سلمہ بنت ابی امیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

ام سلمہ آپ کی کنیت تھی۔ ہند آپ کا نام تھا ابو امیہ قرشی مخزومی کی بیٹی تھیں ماں کا نام عاتکہ بنت عامر بن ربیعہ تھا۔ پہلا نکاح اپنے چچا زاد بھائی ابوسلمہ بن عبدالاسد مخزومی سے ہوا انہی کے ساتھ مشرف باسلام ہوئیں اور انہی کے ساتھ پہلے حبشہ کی طرف ہجرت کی اور پھر وہاں سے مکہ واپس آ کر مدینہ کی طرف ہجرت کی (جس کا مفصل قصہ ہجرت کے بیان میں گزر چکا)

ابوسلمہ۔ غزوہٗ بدر اور غزوہٗ اُحد میں شریک ہوئے غزوہٗ اُحد میں بازو پر ایک زخم آیا ایک مہینہ تک اس کا علاج کرتے رہے زخم اچھا ہو گیا۔ غرہٗ محرم الحرام ۴۷ھ آں حضرت ﷺ نے ابوسلمہ کو ایک مریہ کا امیر بنا کر روانہ فرمایا۔ ۲۹ روز کے بعد واپس ہوئے واپسی کے بعد وہ زخم پھر جاری ہو گیا۔ اسی زخم سے ۸ جمادی الاخریٰ ۴۷ھ میں انتقال کیا۔ ۳

ام سلمہ فرماتی ہیں کہ ایک بار میرے شوہر ابوسلمہ گھر میں آئے اور کہا کہ آج میں رسول

اللہ ﷻ سے ایک حدیث سن کر آیا ہوں جو میرے نزدیک دنیا اور مافیہا سے زیادہ محبوب ہے وہ یہ کہ جس شخص کو کوئی مصیبت پہنچے اور وہ انا اللہ پڑھے اور اس کے بعد یہ دُعا مانگے۔

اَللّٰهُمَّ عِنْدَكَ اَحْتَسِبُ ۝ اے اللہ میں تجھ سے اپنی اس مصیبت میں
مَصِیْبَتِيْ هٰذِهِ اللّٰهُمَّ اَخْلِفْنِيْ ۝ اجر کی امید رکھتا ہوں اے اللہ تو مجھ کو اس کا
فِيْهَا بِخَيْرٍ مِنْهَا ۝ نعم البدل عطا فرما۔

تو اللہ تعالیٰ ضرور اس کو اس سے بہتر عطا فرما یگا۔ (رواہ مسلم والترمذی والبوداؤد والنسائی)

ام سلمہ فرماتی ہیں کہ ابو سلمہ کے انتقال کے بعد یہ حدیث مجھ کو یاد آئی جب دعا پڑھنے کا ارادہ کیا تو یہ خیال آیا کہ مجھ کو ابو سلمہ سے بہتر کون ملے گا۔ مگر چونکہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد تھا اس لئے پڑھ لیا۔ چنانچہ اس کا یہ ثمرہ ظاہر ہوا کہ عدت گزرنے پر رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے نکاح کا پیام دیا جن سے دنیا میں کوئی بھی بہتر نہیں!

اے حضرت ﷺ نے جب نکاح کا پیام دیا تو ام سلمہ رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا نے چند عذر پیش کیے:

(۱) میرا سن زیادہ ہے۔

(۲) میں عیالدار ہوں یتیم بچے میرے ساتھ ہیں۔

(۳) میں بہت غمور ہوں (مبادا آپ کو میری وجہ سے کوئی ناگواری پیش آئے) آپ ﷺ نے یہ جواب دیا۔ میرا سن تم سے زیادہ ہے اور تمہاری عیال اللہ اور اس کے رسول کی عیال ہیں۔ اور میں اللہ سے دعا کروں گا کہ وہ غیرت (۲) یعنی وہ نازک مزاجی اور شک کا مادہ جس کا تم کو اندیشہ ہے) تم سے جاتی ہے چنانچہ آپ نے دُعا فرمائی اور ویسا ہی ہوا۔ (عیون الاثر ص ۲۳۰ ترجمہ ہند بنت ابی امیہ)

ماہ شوال ۴ھ میں آپ سے نکاح ہوا تو شوال کا آخر تھا کچھ راتیں باقی تھیں مسند بزار میں حضرت انس سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مہر میں کچھ سامان بھی دیا جس کی قیمت دس درہم تھی۔

ابنِ اسحاق راوی ہیں کہ ایک بستر بھی دیا جس میں ۳ بچائے روئی کے کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی اور ایک رکابی اور ایک پیالہ اور ایک چکی دی گئی۔

وفات

سن وفات میں بہت اختلاف ہے امام بخاری تاریخ کبیر میں فرماتے ہیں کہ ۵۸ھ میں انتقال کیا۔ واقدی کہتے ہیں کہ ۵۹ھ میں انتقال کیا۔
ابن حبان کہتے ہیں کہ ۶۱ھ میں انتقال کیا۔ حافظ عسقلانی نے اصابہ اور تقریب میں اسی قول کو راجح قرار دیا ہے۔ ازواج مطہرات میں سب سے بعد میں حضرت ام سلمہ نے انتقال فرمایا۔ (اصابہ ترجمہ ام سلمہ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهَا) ۲
ابو ہریرہ نے نماز جنازہ پڑھائی انتقال کے وقت ۸۴ سال کی عمر تھی۔ (اصابہ ۳ ترجمہ ہند بنت ابی امیہ)

پہلے شوہر کے دونوں بیٹوں عمر اور سلمہ نے اور عبد اللہ بن عبد اللہ ابن ابی امیہ اور عبد اللہ بن وہب بن زمعہ نے قبر میں اتارا اور جنت البقیع میں مدفون ہوئیں رضی اللہ تعالیٰ عنہا ورحمۃ اللہ علیہا (استیعاب ترجمہ ہند بر حاشیہ اصابہ)

فضل و کمال

ام المؤمنین ام سلمہ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهَا کا فضل اور کمال، حسن اور جمال فہم اور فراست، عقل اور دانائی مسلم تھی۔ حدیبیہ میں آں حضرت ﷺ نے صحابہ کو ہدی ذبح کرنے اور حلق کرانیکا تین بار حکم دیا۔ مگر کسی نے نہ ہدی ذبح کی اور نہ سرمند آیا ام سلمہ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهَا کو جب خبر ہوئی تو فرمایا کہ یا رسول اللہ صحابہ اس صلح سے بہت افسردہ دل ہیں آپ کسی سے کچھ نفیر مانیں۔ آپ اپنی ہدی ذبح کر لیں اور حلق کرالیں چنانچہ آپ کا ہدی ذبح کرنا تھا۔ کہ صحابہ نے فوراً اپنے اپنے جانوروں کو ذبح کر لیا اور حلق بھی کر لیا۔ یہ عقدہ ام المؤمنین ام سلمہ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهَا کی رائے اور مشورہ سے حل ہوا۔ فجزاہا اللہ خیرا۔

حسن و جمال کا یہ حال تھا۔ کہ حضرت عائشہ فرماتی ہیں۔ کہ جب آں حضرت نے ام سلمہ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهَا سے نکاح کیا تو مجھ کو ان کے حسن و جمال کی وجہ سے بہت رشک ہوا۔ ۵

ام المؤمنین زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا

حضرت زینب بنت جحش۔ آں حضرت رضی اللہ عنہا کی پھوپھی امیمہ بنت عبدالمطلب کی بیٹی تھیں۔ یعنی آپ کی پھوپھی زاد بہن تھیں۔ آپ کی زوجیت میں آنے سے پہلے آپ کے متنبی اور آزاد کردہ غلام زید بن حارثہ کے عقد میں تھیں باہمی موافقت نہ ہونے کی وجہ سے زید نے ان کو طلاق دے دی حضرت زید چونکہ موالی میں سے تھے اور حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا ایک نہایت شریف اور معزز خاندان سے تھیں اور آں حضرت رضی اللہ عنہا کی پھوپھی زاد بہن تھیں۔ اور عرب کا یہ دستور تھا کہ موالی (آزاد کردہ غلاموں) سے مناکحت کو اپنے لئے باعثِ ننگ و عار سمجھتے تھے۔ اس لئے آں حضرت رضی اللہ عنہا نے جب حضرت زینب سے اپنے آزاد کردہ غلام زید بن حارثہ کا پیغام دیا تو حضرت زینب اور ان کے بھائی نے صاف انکار کر دیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَنْ يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا مُبِينًا۔
اس آیت میں مؤمن سے عبد اللہ بن جحش یعنی حضرت زینب کے حقیقی بھائی مراد ہیں اور مؤمنہ سے خود حضرت زینب مراد ہیں اور مطلب یہ ہے کہ کسی مؤمن اور مؤمنہ کے لئے یہ زیبا نہیں کہ جب اللہ اور اس کا رسول کوئی فیصلہ کر دے تو اس پر راضی نہ ہوں۔ اس آیت کے نزول کے بعد یہ دونوں راضی ہو گئے اور خدا کے حکم کے موافق زینب کا نکاح زید کے ساتھ ہو گیا۔ نکاح تو ہو گیا مگر زید حضرت زینب کی نظر میں ذلیل اور حقیر رہے۔ اس لئے گھر میں باہم لڑائی ہوتی اور موافقت مزاجی نہ ہوئی اور زید ہمیشہ آں حضرت رضی اللہ عنہا سے زینب کی بے اعتنائی کا شکوہ کیا کرتے اور عرض کرتے کہ میں زینب کو چھوڑ دیتا ہوں مگر آں حضرت رضی اللہ عنہا زید کو طلاق دینے سے منع فرماتے اور کہتے کہ تم نے میری خاطر سے اس تعلق کو قبول کیا ہے۔ اس لئے اب چھوڑنے سے اور ذلت ہوگی اور مجھے اپنے خاندان میں ندامت اور شرمندگی ہوگی۔ جب بار بار یہ جھگڑے اور قضیے پیش آتے رہے تو آپ کے دل میں یہ خیال گزرا کہ اگر زید

۱۔ امیمہ بنت عبدالمطلب کے اسلام میں اختلاف ہے سوائے ابن سعد کے اور کسی نے ان کے لئے اسلام ثابت نہیں کیا۔ محمد بن اخطب امیمہ کے اسلام کے منکر ہیں۔ دیکھو اصابہ ج ۴۔ ص ۲۴۲ ترجمہ امیمہ و زرقانی ص ۲۴۵ ج ۳

نے زینب کو طلاق دیدی تو زینب کی دلجوئی بغیر اس کے ممکن نہیں کہ میں خود اس سے نکاح کروں۔ لیکن جاہلوں اور منافقوں کی بدگوئی سے اندیشہ کیا کہ یہ لوگ یہ طعنہ دینگے کہ اپنے بیٹے کی جورو کو گھر میں رکھ لیا یعنی اس سے نکاح کر لیا۔ حالانکہ لے پالک یعنی متبنی کسی طرح بیٹے کے حکم میں نہیں اور عرب میں مدت سے یہ ایک بُرا دستور چلا آ رہا تھا کہ جس کو متبنی (منہ بولا بیٹا) بنالیں اس کی مطلقہ جورو سے نکاح کرنے کو غایت درجہ معیوب سمجھتے تھے۔ خدا تعالیٰ نے چاہا کہ اس رسم بد کو آں حضرت ﷺ کے فعل اور عمل سے توڑ دیں اور آپ کو بذریعہ وحی آسمانی مطلع کر دیا گیا کہ زید کے طلاق دینے کے بعد زینب آپ کی زوجیت میں آئے گی تاکہ لوگوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ منہ بولے بیٹے کی بیوی کا وہ حکم نہیں کہ جو صلبی بیٹے کی بیوی کا حکم ہے غرض یہ کہ آپ کو بذریعہ وحی کے مطلع کر دیا گیا کہ زینب تمہارے نکاح میں آئے گی۔ مگر آں حضرت ﷺ نے بد باتوں کے طعن و تشنیع کے خیال سے کہ یہ طعنہ دیں گے کہ اپنے متبنی کی جورو سے نکاح کر لیا۔ شرم کے مارے اس پیش گوئی کو کسی پر ظاہر نہیں فرمایا بلکہ اس کو دل ہی میں پوشیدہ رکھا اور خیال کیا کہ خدا کی خبر بالکل حق اور صدق ہے۔ اپنے وقت آنے پر خود ظاہر ہو جائیگی۔ نیز خدا تعالیٰ کی طرف سے فی الحال اس پیشین گوئی کے اظہار اور اعلان کا بھی کوئی حکم اور اشارہ نہ تھا۔ اس لئے آپ نے اس امر تکوینی کو تو دل میں مخفی رکھا اور تشریعی طور پر زید کو یہ مشورہ دیتے رہے کہ زینب کو طلاق نہ دینا اس لئے کہ شریعت کا حکم یہی ہے کہ شوہر کو یہی مشورہ دیا جائے کہ اپنی بیوی کو طلاق نہ دو اور بیوی کی بے اعتنائی اور چیرہ دستی پر صبر کرو اگر کسی کو بذریعہ وحی اور الہام یہ معلوم ہو جائے کہ تکوینی طور پر آئندہ چل کر یہ ماجرا پیش آنے والا ہے اور قضاء و قدر میں یہ مقدر ہو چکا ہے تو فی الحال تشریعی حکم کا اتباع کرنا ہوگا۔ قضاء و قدر اپنے وقت پر خود ظاہر ہو جائے گی۔

آخر کار ایک دن زید نے آکر عرض کیا کہ یا رسول اللہ میں نے تنگ آکر زینب کو طلاق دیدی ہے آں حضرت خاموش ہو گئے۔

حضرت انس سے مروی ہے کہ جب زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عدت پوری ہو گئی تو آں حضرت ﷺ نے زید ہی کو حکم دیا کہ تم خود جا کر زینب سے میرے نکاح کا پیغام دو (تاکہ یہ امر خوب واضح ہو جائے کہ یہ جو کچھ ہوا وہ زید کی رضا مندی سے ہوا ہے) حضرت زید آپ

کے نکاح کا پیغام لے کر زینب کے گھر گئے۔ اور دروازہ کی طرف پشت کر کے کھڑے ہوئے (حالانکہ حجاب اور پردہ کا حکم ابھی نازل نہ ہوا تھا۔ مگر یہ ان کا کمال ورع اور کمال تقویٰ تھا) اور کہا اے زینب مجھے رسول اللہ ﷺ نے تم سے اپنے نکاح کا پیغام دیکر بھیجا ہے حضرت زینب نے فی البدیہہ جواب دیا کہ میں اس وقت تک کچھ نہیں کر سکتی جب تک کہ میں اپنے پروردگار عزوجل سے مشورہ یعنی استخارہ نہ کر لوں۔ اسی وقت انھیں اور گھر میں جو ایک جگہ مسجد کے نام سے عبادت کے لئے مخصوص کر رکھی تھی وہاں جا کر مشغول استخارہ ہو گئیں۔

چونکہ حضرت زینب نے اس بارہ میں کسی مخلوق سے مشورہ نہیں کیا بلکہ خدائے عزوجل سے مشورہ چاہا اور اسی سے خیر طلب کی کیونکہ وہی اہل ایمان کا ولی ہے اس لئے خدائے عزوجل نے اپنی خاص ولایت سے آسمان پر فرشتوں کی موجودگی میں آں حضرت ﷺ کا نکاح حضرت زینب سے کر دیا۔ آسمانوں میں تو اعلان ہو ہی گیا۔ اب ضرورت ہوئی کہ زمین پر بھی اس کا اعلان ہو چنانچہ جبریل امین یہ آیت لیکر نازل ہوئے۔

فَلَمَّا قَضَىٰ زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا ۖ
زَوَّجْنَا كَهْلًا ۚ
کریم ہم نے زینب کا نکاح تم سے کر دیا۔

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ حضرت زینب کے گھر تشریف لے گئے اور بلا اذن داخل ہوئے (رواہ مسلم واحمد والنسائی فتح الباری ص ۴۰۰ ج ۸ کتاب التفسیر باب قولہ تعالیٰ وَتُخْفِي فِي نَفْسِكَ مَا اللَّهُ مُبْدِيهِ الْآيَةُ-۲)

ایک روایت میں ہے کہ آں ﷺ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر میں تشریف فرما تھے کہ یہ آیتیں نازل ہوئیں جب وحی کا نزول ہو چکا تو آپ ﷺ مسکراتے ہوئے ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کون ہے کہ جو جا کر زینب کو بشارت سنائے اور اذتقول لِّلَّذِي اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ اِلٰى اٰخِرِهِ خیر تک یہ آیتیں آپ ﷺ نے ہم پر تلاوت فرمائیں حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ جب یہ آیتیں تلاوت فرما چکے تو مجھ کو یہ خیال آیا کہ

حضرت زینب میں جمال تو تھا ہی اب وہ اس بات پر بھی فخر کریں گی کہ ان کا نکاح اللہ تعالیٰ نے آسمان پر کیا۔

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت زینب کے یہاں جانے سے پیشتر قاصد کے ذریعے سے حضرت زینب کو اطلاع کرا دی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے نکاح کے بارے میں یہ آیتیں نازل فرمائی ہیں چنانچہ جس وقت حضرت زینب کو یہ خبر پہنچی تو سجدہ شکر ادا کیا۔ رواہ ابن سعد عن ابن عباس بسند ضعیف۔

چونکہ حضرت زینب کو اس حکم ربانی اور وحی آسمانی کی خبر پہنچ چکی تھی اس لئے اس اطلاع کے بعد آنحضرت ﷺ ان کے مکان میں بغیر اذن کے داخل ہوئے کیونکہ زوجہ کا نکاح آسمانی کا یہ اعلان اور حضرت زینب کا اعلان کے بعد قولاً اور عملاً اس کو قبول کر لینا اور سجدہ شکر بجالانا اور پیغام نکاح حضرت زید کے ذریعہ پہلے ہی جا چکا تھا یہ رسمی نکاح سے بڑھ کر نکاح ہے گھر میں داخل ہونے کے بعد آپ نے دریافت کیا کہ تمہارا کیا نام ہے چونکہ حضرت زینب کا اصلی نام برہ تھا تو یہی کہا کہ میرا نام برہ ہے آپ نے بجائے برہ کے زینب نام تجویز کیا۔ (استیعاب لابن عبد البر ترجمہ زینب بنت جحش رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهَا)

اس واقعہ کے بعد منافقین نے زبان طعن دراز کی اور کہنے لگے کہ پیغمبر ایک طرف تو یہ کہتے ہیں کہ بیٹوں کی عورتوں سے نکاح حرام ہے اور دوسری طرف خود ہی اپنے بیٹے کی عورت سے نکاح کر لیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان بد باطنوں کے جواب میں ارشاد فرمایا مَّا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلَكِن رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا یعنی محمد (ﷺ) تمہارے مردوں میں سے کسی کے بھی باپ نہیں کسی کو ان کا بیٹا نہ جانو ہاں وہ اللہ کے رسول ہیں اور اس لحاظ سے وہ سب کے روحانی باپ ہیں اور سب اُن کے روحانی بیٹے ہیں۔ اور وہ آخری نبی ہیں اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔

حضرت زینب رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهَا کے نکاح کا قصہ محققین کے نزدیک اسی طرح ہے جس طرح ہم نے نقل کیا اور مخالفین اسلام اور بے دینوں نے جو یہ مشہور کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی نظر زینب پر پڑ گئی اور آپ کا دل ان کی طرف مائل ہو گیا اور یہ فرمایا سبحان اللہ

مقلب القلوب اور تخفی فی نفسک سے دل میں زینب کی محبت کا چھپانا مراد ہے۔ سو یہ قصہ منافقین کا کذب اور افتراء ہے۔ اہل ایمان کو ہرگز ہرگز اسپر یقین نہ کرنا چاہیے۔ یہ قصہ ملاحدہ اور زنادقہ کے مفتریات اور مخترعات میں سے ہے جس کی کوئی سند نہیں جمہور مفسرین نے اس قصہ کا موضوع اور کذب اور افتراء ہونا بیان کیا ہے۔ علاوہ ازیں یہ قصہ بالکل بے اصل اور بے سند ہے اور خلاف عقل بھی ہے۔ اس لئے کہ زینب آپ کی پھوپھی زاد بہن تھیں لڑکپن سے آپ کے سامنے ہوتی تھیں اور بارہا آپ نے ان کو دیکھا تھا۔ آپ سے کوئی پردہ نہ تھا اور نہ پردہ کا حکم اب تک نازل ہوا تھا۔ اور حضرت زینب شادی کے بعد بھی آپ سے پردہ نہیں کرتی تھیں اور آپ کے سامنے آتی تھیں تو کیا آں حضرت ﷺ نے حضرت زینب کو زید سے نکاح کے بعد ہی پہلی بار دیکھا تھا اور اس سے پہلے کبھی نہ دیکھا تھا۔ اگر آپ کو ان کا حسن و جمال پسند تھا تو پہلے ہی زید سے کیوں نکاح کر دیا جس پر خود زینب اور ان کے ورثہ اور اولیاء بمشکل راضی ہوئے آپ نے خود ہی کیوں نہ ان سے نکاح کر لیا ان کے اعزاء اور اقارب آپ سے نکاح کو بڑی خوشی کے ساتھ منظور کرتے۔

آں حضرت ﷺ کی نزہتِ نظر و طہارتِ بصر

نیز عقل اور نقل سے یہ امر قطعی طور پر ثابت ہے کہ اللہ کا نبی معصوم ہوتا ہے اس کی بصر اور اس کی نظر طاہر اور مطہر اور پاک اور منزہ ہوتی ہے۔

فتح مکہ کے دن آں حضرت ﷺ نے چند آدمیوں کا خون بہانا مباح فرمایا اور کہا کہ اگر یہ لوگ غلافِ کعبہ کو بھی پکڑیں تو ان کو نہ چھوڑنا اور قتل کر ڈالنا۔ انہی لوگوں میں سے ایک عبد اللہ بن سعد بن ابی سرح بھی تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کا ہاتھ پکڑ کر حضور پر نور کی خدمت میں لیکر آئے اور بار بار عرض کیا کہ آپ ان سے بیعت لے لیں یعنی ان کا قصور معاف کر دیں۔ آنحضرت ﷺ خاموش رہے آخر بڑے اصرار و الحاح کے بعد ان کی بیعت قبول کر لی پھر مجمع کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا۔ میں اس لئے خاموش رہا کہ تم میں سے کوئی شخص اٹھ کر عبد اللہ کی گردن مار دے کسی انصاری نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ نے آنکھ سے اشارہ کیوں نہ کر دیا۔ آپ نے فرمایا مَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَكُونَ لَهُ خَائِنَةٌ الْأَعْيُنُ۔ یعنی کسی

پیغمبر کے لئے یہ زیبا نہیں کہ اس کی آنکھ سے کوئی خیانت سرزد ہو۔ کما قال تعالیٰ یَعْلَمُ خَائِنَةَ الْأَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُورُ معلوم ہوا کہ نبی کی آنکھ خیانت سے پاک اور منترہ ہوتی ہے۔ جس طرح اللہ کا نبی معصوم ہوتا ہے اسی طرح اس کی آنکھ بھی معصوم ہوتی ہے نیز قُلْ لِلْمُؤْمِنِينَ يَغُضُّونَ أَبْصَارَهُمْ سے معلوم ہوتا ہے کہ غض بصر یعنی نا مشروع چیز کے دیکھنے سے نگاہ کو پتلی رکھنا ایمان کے مقتضیات میں سے ہے اور نبی اکرم تو اول المؤمنین ہیں جس طرح تمام عالم کا ایمان۔ آنحضرت ﷺ کے ایمان کا ایک ادنیٰ سا عکس اور پرتو ہے اسی طرح تمام عالم کی نگاہوں کی عفت اور حیا اسی ذاتِ قدسی صفات کی عصمت مآب اور نزہت جناب کی نزہت نظر اور طہارت بصر کا ایک ادنیٰ سا عکس اور پرتو ہے۔

نیز آپ کا نفس قدسی صفات اور ملکی سمات تھا ہوائے نفسانی سے پاک اور منترہ تھا۔ اور آپ کا ہمزاد یعنی شیطان جو ہر شخص کے ہمراہ رہتا ہے۔ وہ آپ کا مسخر اور منقاد اور جبراً تہراً مسلمان یعنی آپ کا مطیع اور فرمانبردار بن چکا تھا۔ سوائے خیر کے کسی جانب اس کو میلان کی قدرت ہی نہ رہی تھی۔

آیت

وَتُخْفِي فِي نَفْسِكَ مَا اللَّهُ مُبْدِيهِ وَتَخْشَى النَّاسَ وَاللَّهُ أَحَقُّ أَنْ تَخْشَاهُ کی تفسیر

ہمارے اس بیان سے یہ امر بخوبی واضح ہو گیا کہ بد باطنوں کا یہ کہنا کہ وَتُخْفِي فِي نَفْسِكَ مَا اللَّهُ مُبْدِيهِ سے زینب کی محبت کا دل میں چھپانا مراد ہے۔ بالکل غلط ہے اور سرتاپا دروغ بے فروغ ہے۔ بلکہ صحیح معنی یہ ہیں کہ حق تعالیٰ نے آپ کو بذریعہ وحی کے یہ بتلایا تھا کہ زید کے طلاق دینے کے بعد زینب آپ کے نکاح میں آئے گی پس جو چیز آپ دل میں چھپائے ہوئے تھے وہ یہی نکاح کی پیشین گوئی تھی جس کو بعد میں اللہ تعالیٰ نے ”زوجنا کہا“ سے ظاہر فرما دیا اور ”تخشی الناس“ کے معنی یہ ہیں کہ آپ اس کے اظہار سے شرماتے تھے۔ کہ کسی کو یہ حکم دیں کہ اپنی بیوی کو طلاق دیدے۔ خشیت سے مراد شرمانا ہے یا ڈرنا ہے اور ڈر اس بات کا تھا کہ منافقین زبانِ طعن دراز کریں گے یا لوگ بدگمانی کر کے اپنی عاقبت خراب کرینگے

اور اس آیت کے یہ معنی امام زین العابدین اور سدی سے مروی ہیں اور حکیم ترمذی نے اس روایت کی تحسین میں اطناب (تطویل) فرمایا ہے۔ اور اسی کو حافظ عسقلانی نے فتح الباری تفسیر سورۃ الاحزاب میں اختیار فرمایا۔

امام قرطبی اپنی تفسیر میں امام زین العابدین کے قول کو نقل کر کے لکھتے ہیں:-

قال علماء نارحمة الله عليهم وهذا القول احسن ما قيل في هذه الآية وهو الذي عليه اهل التحقيق من المفسرين والعلماء الراسخين كالزهري والقاضي بكر بن العلاء القشيري والقاضي ابي بكر بن العربي وغيرهم الخ قرطبي تفسير سورة احزاب

ہمارے علماء یہ کہتے ہیں کہ آیت کی تفسیر میں سب سے بہتر قول یہی ہے جو کہا گیا۔ اور محققین مفسرین اور علمائے راسخین جیسے امام زہری اور قاضی بکر بن علاء قشیری اور قاضی ابوبکر بن عربی وغیرہم سب کا یہی قول ہے جو ہم نے بیان کیا۔

۱ اصل عبارت یہ ہے جو اہل علم کے لئے یہدی کرتے ہیں۔

وقد اخرج ابن ابي حاتم هذه القصة من طريق السدي فساقتها سياقاً واضحاً ولفظه بلغنا ان هذه الآية نزلت في زينب بنت جحش وان رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم اراد ان يزوجه زيد بن حارثة مولاه فكرهت ذلك ثم انها رضيت بما صنع رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم فزوجها اياه ثم اعلم الله عز وجل نبيه صلى الله عليه وسلم بعدانها من ازواجه فكان يستحي ان ياربطلا قها وكان لا يزال يكون بين زيد و زينب ما يكون من الناس فامرهم رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم ان يمسك عليه زوجه وان يتقي الله وكان يخشى الناس ان يعيسوا عليه ويقولوا تزوج امرأة ابنه وكان قد تبنى زيداً وعنده من طريق علي بن زيد عن علي بن الحسين ابن علي قال اعلم الله تعالى نبيه صلى الله عليه وآله وسلم ان زينب ستكون من ازواجه قبل ان يتزوجها فلما اتاه زيد يشكوها اليه وقال له اتق الله وامسك عليك زوجك قال الله تعالى قد اخبرتك اني مزوجكها وتخفى في نفسك ما الله مبديه وقد اطنب الترمذي الحكيم في تحسين هذه الرواية وقال انها من جواهر العلم المكنون وكان لم يقف على تفسير السدي الذي اورده وهو اوضح سياقاً واصح اسناداً اليه لضعف علي بن زيد بن جدهان (ثم قال الحافظ) ووردت آثار أخرى ونقلها كثير من المفسرين لا ينبغي التشاغل بها والذي اورده منها هو المعتمد والحاصل ان الذي يخفيه النبي صلى الله عليه وآله وسلم كان يحمله على اخفاء ذلك خشية قول الناس تزوج امرأة ابنه واراد الله ابطال ما كان اهل الجاهلية عليه من احكام التبنى بامرهم ابلغ في الابطال منه وهو تزوج امرأة الذي يدعى ابنا و وقوع ذلك من امام المسلمين ليكون ادعى لقبولهم وانما وقع الخيط في تاويل متعلق الخشية والله اعلم. فتح الباری ص ۳۰۳ ج ۸ تفسیر سورۃ الاحزاب

تاریخِ نکاح

حافظ ابن سید الناس فرماتے ہیں کہ حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا ۴۷ھ میں آپ کی زوجیت میں آئیں اور بعض کہتے ہیں ۵۷ھ میں آپ سے نکاح ہوا۔ نکاح کے وقت حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عمر ۲۵ سال کی تھی۔

مہر

مہر چار سو درہم مقرر ہوا (سیرۃ ابن ہشام)
ابن الحنفیہ لکھتے ہیں کہ یہ نکاح حضرت زینب کے بھائی ابواحمد بن جحش نے کیا تھا۔ بظاہر یہ گزشتہ حدیث کے معارض معلوم ہوتا ہے اور ممکن ہے کہ بعد میں نکاح بھی پڑھا گیا ہو واللہ اعلم

ولیمہ

چونکہ یہ نکاح اللہ عز وجل نے اپنی خاص ولایت سے فرمایا اور پھر اس کے بارے میں قرآن کی آیتیں نازل فرمائیں اس لئے اس حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس نکاح کے ولیمہ میں خاص اہتمام فرمایا۔ چنانچہ صحیح بخاری میں حضرت انس سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کسی بیوی کے ولیمہ میں اس قدر اہتمام نہیں فرمایا۔ جس قدر کہ حضرت زینب بنت جحش کے ولیمہ میں فرمایا ایک بکری ذبح فرمائی اور لوگوں کو مدعو کیا اور پیٹ بھر کر لوگوں کو گوشت اور روٹی کھلائی۔ لوگ کھانا کھا کر چلے گئے مگر تین آدمی بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ آپ نے شدتِ حیاء کی وجہ سے زبان سے تو کچھ نہیں فرمایا۔ لیکن مجلس سے اٹھ کھڑے ہوئے تاکہ سمجھ جائیں اور حضرت عائشہ کے حجرے میں تشریف لے گئے۔ حضرت عائشہ نے آپ کو مبارک باد دی کیے بعد دیگر تمام ازواجِ مطہرات کے حجروں میں تشریف لے گئے اور یہ آیتیں نازل ہوئیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا
بُيُوتَ النَّبِيِّ إِلَّا أَنْ يُؤْذَنَ لَكُمْ
إِلَى طَعَامٍ غَيْرِنَاظِرِينَ إِنَاهُ
وَلَكِنْ إِذَا دُعِيتُمْ فَادْخُلُوا فَإِذَا
طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوا وَلَا
مُسْتَأْنِسِينَ لِحَدِيثٍ إِنَّ
ذَٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ
فَيَسْتَحْيِي مِنْكُمْ وَاللَّهُ
لَا يَسْتَحْيِي مِنَ الْحَقِّ وَإِذَا
سَأَلْتُمُوهُنَّ مَتَاعًا فَاسْأَلُوهُنَّ
مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ ذَٰلِكُمْ
أَطْهَرُ لِقُلُوبِكُمْ وَقُلُوبِهِنَّ
(احزاب: ۵۳)

اے ایمان والو نبی کے گھروں میں مت
داخل ہو مگر جبکہ تم کو اذن دیا جائے کھانا
کھانے کے لئے در آنحالیکہ اس کے پکنے کا
انتظار نہ کرو۔ لیکن جب تم کو بلایا جائے کہ
اب کھانا تیار ہو گیا تو آ جاؤ اور جب کھانے
سے فارغ ہو جاؤ تو اٹھ کر چلے جاؤ اور
باتوں میں مت لگ جاؤ اس سے خدا کے
نبی کو تکلیف پہنچتی ہے اور وہ کہنے سے
شرماتے ہیں اور اللہ کو حق بات کے کرنے
سے کوئی حجاب نہیں اور اگر تم بی بیوں سے
کوئی ضرورت کی چیز مانگو تو پردہ کے پیچھے
سے مانگو۔ اس میں تمہارے دلوں اور ان
کے دلوں کی طہارت اور صفائی ہے۔

یہ بخاری اور مسلم کی متعدد روایتوں کا مضمون
ہے جسکو ہم نے ایک جگہ جمع کر دیا ہے۔

فضائل و مناقب

حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا ازواج مطہرات سے بطور فخر کہا کرتی تھیں کہ تمہارا نکاح
تمہارے اولیاء نے کیا۔ اور میرا نکاح اللہ تعالیٰ نے سات آسمانوں پر کیا۔

(رواہ الترمذی و صحیحہ من حدیث انس)

یہ حقیقت میں فخر نہ تھا بلکہ تحدیث بالنعمة تھی۔ فرط مسرت اور منعم کی محبت اس عظیم
الشان نعمت کے اظہار پر آمادہ کرتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی اسکو
سننے تھے۔ اور سکوت فرماتے تھے۔

شععی کی ایک مرسل روایت میں ہے کہ حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم سے کہا کرتی تھیں کہ یا رسول اللہ میں تین وجہ سے آپ پر ناز کرتی ہوں۔

(۱) میرے اور آپ کے جدا جدا ایک ہی ہیں یعنی عبدالمطلب۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ کی پھوپھی کی بیٹی ہوں۔ اس کا بھی مطلب وہی ہے۔

(۲) اللہ تعالیٰ نے آپ کا نکاح مجھ سے آسمان پر فرمایا۔

(۳) جبریل امین اس بارہ میں مسامحہ فرمے۔

عن عائشة أنها قالت كانت زَيْنَب بنت جحش تساميني في المنزلة عند رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وما رأيت امرأة قط خيراً في الدين من زينب واتقى الله وصدق حديثنا وأوصل للرحم وأعظم صدقة۔

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ زینب بنت جحش مرتبہ میں میرا مقابلہ کرتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک وہ میری ہم پلہ تھیں میں نے ان سے زیادہ کسی عورت کو دیندار اور خدا سے زیادہ ڈرنے والی اور سب سے زیادہ سچ بولنے والی اور سب سے زیادہ صلہ رحمی کرنیوالی اور سب سے زیادہ صدقہ اور خیرات کرنے والی نہیں دیکھی۔

اور زہری کی روایت میں اس قدر اور زیادہ ہے۔

واشدت بذلاً لنفسها في العمل الذي يتصدق به وتتقرب به الى الله عز وجل (استيعاب لابن عبد البر ترجمہ زینب بنت جحش)

اور نہ ان سے زیادہ محنت کر کے صدقہ کرنے والی اور اللہ عزوجل کا تقرب حاصل کرنے والی عورت کو دیکھا۔

ورع

منافقین نے جب عائشہ صدیقہ پر تہمت لگائی (جس کا مفصل واقعہ پہلے گزر چکا ہے) تو حضرت زینب کی بہن حمہ بنت جحش بھی اپنی سادہ لوحی سے اس میں شریک ہو گئیں۔ لیکن جب رسول اللہ ﷺ نے عائشہ صدیقہ کے متعلق حضرت زینب سے دریافت کیا تو حضرت زینب نے یہ جواب دیا۔

یا رسول اللہ احمی سمعی
وبصری واللہ ما علمت علیہا
الاخیرا رواہ البخاری ص ۳۶۵
ج ۱ کتاب الشہادۃ باب
تعديل النساء بعضهن بعضا

یعنی جو چیز میری آنکھ نے نہیں دیکھی اور کان نے نہیں سنی وہ میں اپنی زبان سے کیسے کہہ سکتی ہوں۔ اب تک میرا علم اور یقین ان کی بابت سوائے خیر کے کچھ نہیں۔

یہ معلوم ہے کہ حضرت زینب۔ عائشہ صدیقہ کی سوکن تھیں اور یہ بھی جانتی تھیں کہ عائشہ صدیقہ آپ کو سب سے زیادہ محبوب ہیں۔ اگر آپ چاہتیں تو اس وقت کوئی کلمہ ایسا کہہ گزرتیں جو عائشہ صدیقہ کو رسول اللہ ﷺ کی نظروں سے گرانے کا سبب بن سکتا لیکن ان کے کمال ورع اور کمال تقویٰ نے اس کی بھی اجازت نہ دی کہ سکوت ہی کر جائیں۔ بلکہ قسم اور حصر کے ساتھ فرمایا واللہ ما علمت علیہا الاخیرا۔ یعنی خدا کی قسم میں نے تو عائشہ میں سوائے خیر اور نیکی کے کچھ جانا ہی نہیں۔ چنانچہ صحیح بخاری میں عائشہ صدیقہ سے ان کے ورع اور تقویٰ کا اعتراف ان الفاظ میں مذکور ہے۔ فعصمها اللہ بالورع یعنی اللہ تعالیٰ نے ورع اور پرہیزگاری کی بدولت زینب بنت جحش کو اس فتنہ سے محفوظ رکھا۔

اور ایک روایت میں عائشہ صدیقہ کے یہ الفاظ منقول ہیں۔

وان اللہ عصمها بالورع
تحقیق اللہ تعالیٰ نے ورع کی برکت سے
ان کو اس فتنہ سے محفوظ رکھا۔

عبادت

عبادت کا خاص ذوق تھا نہایت خشوع و خضوع کے ساتھ عبادت کیا کرتی تھیں۔ چنانچہ جس وقت زید آں حضرت ﷺ کا پیام لیکر گئے۔ فوراً نماز استخارہ میں مشغول ہو گئیں۔

حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایک مرتبہ مال فنی مہاجرین

پر تقسیم فرما رہے تھے کہ درمیان میں حضرت زینب بول پڑیں۔ حضرت عمر نے جھڑک دیا۔
آں حضرت نے فرمایا اے عمر تم ان کو رہنے دو۔ یعنی زینب سے کچھ تعرض مت کرو۔

إِنَّهَا أَوَّاهَةٌ ! تحقیق یہ بڑی آواہ ہیں۔

ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ آواہ کے کیا معنی آپ نے فرمایا کہ آواہ کے معنی خاشع اور متضرع کے ہیں اور یہ آیت تلاوت فرمائی۔

وَإِنَّ إِبْرَاهِيمَ لَحَلِيمٌ أَوَّاهٌ مُنِيبٌ (رواہ تحقیق ابراہیم بڑے بردبار اور نرم دل اور ابن عبدالبر وغیرہ) ۱۔

ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ اپنے گھر میں تشریف لگئے اور حضرت عمر بھی آپ کے ہمراہ تھے۔ دیکھتے ہیں کہ حضرت زینب نماز اور دعا میں مشغول ہیں آپ نے فرمایا۔

إِنَّهَا لَا أَوَّاهَةٌ ۲ البتہ تحقیق یہ بڑی آواہ ہے یعنی بڑی نرم دل

ہے۔

رواہ الطبرانی واسنادہ منقطع وفیہ یحییٰ بن

عبداللہ الباہلی وہو ضعیف ۳

ام المؤمنین ام سلمہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا حضرت زینب کے متعلق فرماتی ہیں:-

كَانَتْ صَالِحَةً صَوَّامَةً قَوَّامَةً بُرَى نِيكٍ أَوْ بُرَى رُوزَةٍ رُكْنَةٍ أَوْ بُرَى

صَنَاعَةً تَصَدَّقُ بِذَلِكَ كُلَّهُ تَهْجِدُ غَدَارَتَيْ بُرَى كَمَا نِيَّ أَوَّلِي تَهْيِيں جَوَ كَمَا تِي

عَلَى الْمَسَاكِينِ - (اصابہ تھیں کل کا کل مساکین پر صدقہ کر دیتی

ترجمہ زینب بنت جحش) تھیں۔

زہد

حضرت عمر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے جب پہلی مرتبہ حضرت زینب کا سالانہ نفقہ بھیجا تو یہ سمجھیں

کہ یہ سب ازواجِ مطہرات کا ہے اور یہ فرمایا اللہ عمر کی مغفرت فرمائے۔ بہ نسبت میرے وہ

زیادہ تقسیم کرنے پر قادر تھا۔

۱۔ زرقانی۔ ج ۳ ص ۲۴۷ ۲۔ البتہ اور تحقیق لام تا کید اور حرف تحقیق یعنی لفظ ان کا ترجمہ ہے۔ اور لفظ ”بُرَى“

۳۔ مجمع الزوائد۔ ج ۹ ص ۲۴۷ ۴۔ مجمع الزوائد۔ ج ۹ ص ۲۴۷

بھلائی کا ارادہ کیا گیا ہے۔ فوراً ایک ہزار درہم اور روانہ کیئے اور سلام کہلا کر بھیجا کہ وہ (بارہ ہزار تو) آپنے خیرات کر دیئے۔ یہ ایک ہزار آپ اپنی ضرورتوں کیلئے رکھ لیں حضرت زینب نے وہ ایک ہزار بھی اسی وقت تقسیم کر دیئے۔ (اصابہ ترجمہ ام المؤمنین زینب بنت جحش)

وفات

صحیحین میں حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک روز اپنی ازواجِ مطہرات سے یہ فرمایا کہ تم میں سب سے جلد مجھے وہ ملے گی جس کا ہاتھ تم میں سب سے زیادہ لانا ہوگا۔ اُس حضرت عائشہ کا اشارہ سخاوت اور فیاضی کی طرف تھا لیکن ازواجِ مطہرات نے اس کو ظاہر پر محمول کیا چنانچہ آپ کی وفات کے بعد ازواجِ مطہرات جب جمع ہوئیں تو باہم اپنے ہاتھوں کو ناپا کرتیں کہ کس کا ہاتھ لانا ہے۔ حضرت زینب جو قد میں چھوٹی تھیں جب سب سے پہلے ان کا انتقال ہوا تب معلوم ہوا کہ حضرت زینب کا ہاتھ صدقہ اور خیرات میں سب سے لانا تھا کیونکہ وہ اپنے دست و بازو سے کماتی تھیں و باغت کا کام جانتی تھیں اس سے جو آمدنی ہوتی تھی وہ سب خدا کی راہ میں خیرات کر دیتی تھیں۔ کفن بھی زندگی ہی میں تیار کر لیا تھا۔ قاسم بن محمد سے مروی ہے کہ جب حضرت زینب کی وفات کا وقت آیا تو فرمایا میں نے اپنا کفن تیار کر رکھا ہے۔ غالباً عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی میرے لئے کفن بھیجیں گے۔ ایک کفن کام میں لے آنا اور دوسرا صدقہ کر دینا۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وفات کے بعد پانچ کپڑے خوشبو لگا کر کفن کے لئے بھیجے۔ حضرت عمر ہی کے بھیجے ہوئے کفن میں ان کو کفنایا گیا اور وہ کفن جو خود حضرت زینب نے تیار کر رکھا تھا ان کی بہن حمنہ نے صدقہ کر دیا۔

(اخر جابن سعد)

عمرہ کہتی ہیں کہ جب حضرت زینب کا انتقال ہو گیا تو میں نے عائشہ صدیقہ کو یہ کہتے سنا:-

لقد ذهبت حميدة متعبدة : افسوس آج ایسی عورت گزر گئی جو بڑی
مفزع الیتامی والارامل : پسندیدہ اوصاف والی اور عبادت گزار اور
یتیموں اور یتیموں کا ٹھکانہ تھی۔

سن بیس ہجری میں مدینہ منورہ میں انتقال کیا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی

انتقال کے وقت پچاس یا تریپن سال کی عمر تھی اور جس وقت آں حضرت ﷺ سے نکاح ہوا تھا اس وقت آپ کی عمر ۳۵ سال کی تھی۔ (اصابہ ص ۳۱۴ ج ۳ ترجمہ نبی بنی ج ۱ ص ۱۲۷)

مسئلہ حجاب پر ایک اجمالی نظر

تمام حضرات انبیاء و مرسلین صلوات اللہ وسلامہ علیہم اجمعین اور پھر تمام حکماء عالم اور دنیا کے تمام اہل عقل و اہل غیرت کا اس پر اتفاق ہے کہ زنا ایک بدترین جرم ہے کہ جو غیرت اور ناموس کے لئے ایک عظیم عار ہے اور اخلاقِ ذمیہ اور افعالِ شنیعہ کا سرچشمہ ہے اور ایک طرف یہ مشاہدہ ہے کہ عورتوں کے دیکھنے سے مردوں کے دلوں میں اُن کی شیفتگی اور فریفتگی پیدا ہوتی ہے اور اس طرح عورتوں کو مردوں کو دیکھنے سے عورتوں کے دل میں مردوں کا عشق پیدا ہوتا ہے۔ جو بسا اوقات بغیر جائز طریقہ (یعنی بغیر نکاح کے) قضاءِ شہوت کا ذریعہ بن جاتا ہے اور طرفین کی عزت و ناموس اور حسب و نسب کی تباہی اور بربادی کا سبب ہوتا ہے۔ اور اس بارے میں جو کچھ پیش آرہا ہے وہ بیان سے مستغنی ہے۔ ”می باید دید و دم نمی باید زد“ لہذا حکمت اور غیرت کا مقتضی یہ ہوا کہ یہ دروازہ بند کیا جائے اس لئے شریعتِ مطہرہ نے زنا سے حفاظت کے لئے احکام صادر کیے۔

(۱) وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَى ۚ جاہلیت کی طرح زینت کر کے باہر نہ نکلو۔

(۲) اور اگر گھر میں بیٹھے بیٹھے غیر مرد سے بات چیت کرنے کی ضرورت پیش آئے تو اس کا حکم یہ ہے۔

لَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِي فِي قَلْبِهِ مَرَضٌ وَقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوفًا ۚ یعنی اگر تم کو نا محرم مرد سے بات کرنے کی ضرورت ہو تو نزاکت اور نرمی کے ساتھ بات مت کرو مبادا جس کے دل میں شہوت کی بیماری ہو وہ تمہارے اندر طمع لگا بیٹھے اور بات کرو سیدھی۔

(۳) یہ حکم تو عورتوں کو ہوا مردوں کو یہ حکم ہوا۔

وَإِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ مَتَاعًا ۖ
فَأَسْأَلُوهُنَّ مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ
ذَٰلِكُمْ أَطْهَرُ لِقُلُوبِكُمْ وَ
قُلُوبِهِنَّ ۚ

اور اے مردو جب تم عورتوں سے کوئی چیز
مانگو تو پردہ کے پیچھے سے مانگو یہ خصلت اور
سوال کا یہ طریقہ تمہارے اور ان کے دلوں
کی طہارت کا بہترین ذریعہ ہے۔

(۴) اور مردوں کو یہ حکم دیا کہ کسی غیر عورت کی طرف نظر اٹھا کر نہ دیکھو۔ قُلْ لِّلْمُؤْمِنِينَ
يَغْضُوا مِنْ أَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوا فُرُوجَهُمْ

(۵) شریعت نے عورت کی اذان اور اقامت اور اس کی امامت کو ممنوع قرار دیا۔

(۶) عورت کا جہری نماز میں جہر اڑھنا ممنوع قرار دیا۔

(۷) عورت کا حج میں آواز کے ساتھ لبیک کہنا ممنوع قرار دیا۔

(۸) جوان عورت کا نام محرم مرد کو محض سلام کرنا ناجائز قرار دیا۔

(۹) لاجنبیہ عورت سے بدن دبوانے کو ممنوع قرار دیا۔

(۱۰) آئینہ یا پانی میں جو لاجنبیہ کا عکس پڑتا ہو اس کا دیکھنا ممنوع قرار دیا۔ اسی بناء پر عورت کے

فوٹو کا دیکھنا اور بھی ناجائز ہوگا۔ کیونکہ پانی کے عکس سے فوٹو کا دیکھنا زیادہ باعث فتنہ ہے۔

(۱۱) اجنبی عورت کے تذکرہ کو بطور لذت ممنوع قرار دیا۔

(۱۲) لاجنبیہ عورت کے تصور سے لذات لینے کو حرام قرار دیا۔

(۱۳) حتیٰ کہ اگر کوئی شخص اپنی ہی بیوی سے متمتع ہو اور تصور کسی لاجنبیہ کا کرے تو وہ بھی

حرام ہے۔

(۱۴) اجنبی مرد کے سامنے کا بچا ہوا طعام عورت کے لئے استعمال کرنا اگر بطور لذت ہو تو مکروہ

ہے۔ اور علیٰ ہذا اس کا عکس یعنی عورت کے سامنے کا بچا ہوا کھانا مرد کے لئے مکروہ ہے۔

(۱۵) لاجنبیہ سے مصافحہ کرنا اور اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لینا ممنوع قرار دیا۔ جیسا کہ بعضے

جاہل پیر عورتوں سے دست بدست بیعت لیتے ہیں یہ ناجائز ہے۔ عورتوں کو بیعت کیا جائے

تو ان کی بیعت مِنْ وَرَاءِ الْحِجَابِ (پس پردہ) سے ہوگی اور زبانی ہوگی دست بدست نہ

ہوگی اہل عقل اور اہل غیرت۔ غور فرمائیں کہ زنا سے تحفظ اور عزت و ناموس کی حفاظت کا

اس سے بڑھ کر اور کیا ذریعہ ہو سکتا ہے جو شریعت نے بتلایا۔ ہندوستان کی شرم و حیا، عفت و غیرت ضرب المثل تھی۔ ان دلدادگانِ تہذیبِ جدید نے اپنے لیکچروں سے اس پر پانی پھیر دیا ہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

حدیثِ نبوی

حدیث میں نبی اکرم ﷺ کا ایک طویل خطبہ مذکور ہے جس کا ایک جوہر پارہ یہ ہے
النِّسَاءُ حِبَالَةُ الشَّيْطَانِ۔ (دیکھو فیض القدیر ص ۷۷ ج ۲)

یعنی عورت شیطان کا ایک جال ہے جس کے ذریعے وہ لوگوں کا شکار کرتا ہے جال میں پھنسا کر اس کی شہوت پرستی کا تماشا لوگوں کو دکھاتا ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کا قول ہے

امش وراء الاسد ولا تمش : شیر کے پیچھے چل لینا مگر کسی عورت کے
وراء المرأة : پیچھے نہ چلنا۔

یعنی شیر کے پیچھے چلنے میں اتنا خطرہ نہیں جتنا کہ عورت کے پیچھے چلنے میں خطرہ ہے اور بعض حکماء کا قول ہے۔

ایاک ومخالطة النساء فان : عورتوں کے اختلاط سے اپنے آپ کو پہچانا
لحظات المرأة سہم ولفظها : عورت کی نظر ایک تیر ہے اور اس کی بات
سم (فیض القدیر ص ۷۷ ج ۲) سم قاتل یعنی سٹکھیا ہے۔

حجاب کے فوائد اور بے حجابی کے مفاسد

شریعت اسلامیہ نے حجاب کا حکم دیا۔

(۱) تاکہ زنا سے حفاظت ہو جائے (۳) اور تاکہ عفت مآب خواتین کا چہرہ اوپاشوں کی ناپاک نظروں سے محفوظ ہو جائے (۳) اور تاکہ اُنکے حسب و نسب پر کسی قسم کا داغ نہ آنے پائے کہ کوئی بد باطن ان کی اولاد میں شک اور شبہ نہ ڈال سکے کہ یہ ان کی اولاد نہیں اور باپ

یقین کے ساتھ یہ کہہ سکے کہ یہ میرا بیٹا ہے یا میری بیٹی ہے بے پردہ عورت کی اولاد کے متعلق یقین کے ساتھ نہیں کہا جاسکتا کہ یہ اولاد اسی کے شوہر کی ہے۔

مغربی ممالک کو دیکھ لیجئے کہ وہاں بے پردگی اور اختلاط مرد و زن سے زنا اور اولاد زنا کی جو کثرت ہے وہ بیان سے باہر ہے عیاں راجحہ بیان اسی بے پردگی کی وجہ سے یورپ میں زنا کی اس قدر کثرت ہو گئی ہے کہ کس کو صحیح النسب کہنا بہت مشکل ہے (۴) اور تا کہ مرد و عورت کا دل۔ شیطان کے وسوسوں سے پاک اور ستھرا رہے۔ جب مرد و عورت ایک دوسرے کی طرف نظر کرتے ہیں۔ تب شیطان کو دل میں بُرے خیالات ڈالنے کا موقع ملتا ہے۔ (۵) اور تا کہ عورت کی عفت شوہر اور خاندان کی نظروں میں شبہ اور تہمت کے واہمہ سے بھی پاک رہے مرد جب یہ دیکھے گا کہ اس کی بیوی یا بہن یا بیٹی۔ کسی سے ہمکلام ہو رہی ہے تو اگر عقل اور غیرت والا ہوگا تو تلمیذا اٹھے گا۔ اور بے عقل اور بے غیرت سے ہمارا کوئی خطاب نہیں اللہ تعالیٰ ہم کو ایسے بے غیرتوں کا چہرہ نہ دکھلائے۔ آمین ثم آمین

ایسے بے غیرت لوگوں سے پردہ تو عقلاً واجب معلوم ہوتا ہے اور ایسوں کی صحبت اور مجالست عقلاً و شرعاً دونوں ناجائز ہے۔

حکایت

ابلیس لعین کا لوگوں کے پھنسانے کے لئے حق تعالیٰ سے دامِ محکم (مضبوط جال) دیئے جانے کی درخواست کرنا اور حق تعالیٰ کی طرف سے مختلف جالوں کا اس کے سامنے پیش ہونا۔ اور اخیر میں عورتوں کے دام اور جال کے پیش ہونے سے ابلیس کا خوش ہو جانا اور جوش مسرت میں اس کا اچھل جانا اور ناچنا اور رقص کرنا۔

عارف رومی قدس اللہ سرہ السامی مثنوی کے دفتر پنجم میں فرماتے ہیں۔

گفت ابلیس لعین دادار را

دام ز فتنہ خواہم این اشکار را

ابلیس لعین جب بارگاہِ خداوندی سے راندہ درگاہِ ہوا تو قسم کھائی فَبِعِزَّتِكَ لَا غَوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ إِلَّا عِبَادَكَ الْمُخْلَصِينَ یعنی قسم ہے تیری عزت اور جلال کی میں البتہ ضرور گمراہ کروں گا اولادِ آدم کو اور ان کے بہکانے میں کوئی دقیقہ اٹھانہ رکھوں گا۔

مگر تیرے خالص اور چیدہ اور برگزیدہ بندوں کو میں گمراہ نہ کر سکوں گا۔ بعد ازاں ابلیس لعین نے خدائے عادل سے یہ درخواست کی کہ مجھے انسان کا شکار کرنے کے لئے ایسا مضبوط جال درکار ہے کہ جس میں پھنسنے کے بعد وہ نکل نہ سکے حق تعالیٰ شانہ نے شیطان کے سامنے مختلف جال پیش کیے

زروسم وگلہ پیش نمود

کہ بدیں تانی خلایق را ربود

حق تعالیٰ نے سب سے پہلے شیطان کے سامنے سونے اور چاندی اور گھوڑوں کے گلہ کا جال پیش کیا اور یہ چیزیں دکھلا کر فرمایا کہ تو ان چیزوں کے ذریعے سے لوگوں کو پھانس سکتا ہے۔

کیونکہ لوگ بالطبع ان چیزوں کی طرف مائل ہیں ان چیزوں کے ذریعہ انسان کا شکار کرنا اور جال میں پھنسانا آسان ہے۔ کما قال تعالیٰ زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَاءِ وَالْبَنِينَ وَالْقَنَاطِيرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْأَنْعَامِ وَالْحَرْثِ

گفت شہاباش وترش آویخت لنج

شد ترنجیدہ وترش ہیمچوں ترنج

شیطان نے حق تعالیٰ سے عرض کیا کہ ہاں یہ سیم وزر کا جال اچھا ہے مگر ترنج کی طرح تلخ اور ترش ہو گیا اور ترشی سے ہونٹ لٹکایا۔

پس جواہر ہا زمعد نہائے خوش

کرد آں پس ماندہ راق پیش کش

جب شیطان نے سیم وزر کے جال کو پسند نہ کیا تو حق تعالیٰ نے اس راندہ درگاہ کے سامنے کانوں کے بیش بہا جواہرات کا جال پیش کیا۔

گیرایں دام دگر را اے لعین

گفت زیں افزوں دہ اے نعم المعین

اور جواہرات سامنے کر کے یہ فرمایا کہ اے لعین یہ دوسرا دام ہے جا اسے لیجا شیطان نے

کہا اے نعم المعین (بہترین مددگار) اس سے بڑھ کر اور بہتر جال عطا فرمائیے سیم و زر کی طرح جواہرات کا جال بھی پورا مضبوط نہیں۔

چرب و شیرین و شراباتِ نشین
دانش و پسِ جامہ ابرِ شمشیں

بعد ازاں حق تعالیٰ نے اس کو چرب اور شیریں کھانے اور آتشِ شراب اور قیمتی ریشمین کپڑے دکھلائے کہ اچھا اس جال کو لیلے۔

گفت یارب بیش ازیں خواہم مدد
تا بہ بندم شانِ بحبلِ منِ مسد

شیطان بولا۔ اے مولا اس سے بڑھ کر جال چاہتا ہوں تاکہ بنی آدم کو ایسی مضبوط رستی میں باندھوں کہ وہ اس کو توڑ نہ سکے اور توڑ کر تیرے دروازہ کی طرف نہ دوڑ سکے۔

تاکہ مستانت کہ ترو پردل اند
مرد وارا ایں بندہارا بکسلند

تا بدیں دام و رسنہائے ہوا
مرد تو گرددز نامرداں جدا

البتہ جو لوگ تیری شرابِ محبت سے مست ہیں۔ اور وہ واقع میں مرد میدان ہیں ان کے دل تیری محبت سے لبریز ہیں وہ مردانہ وار میری ان رسیوں اور بندھنوں کو توڑ کر پھینک دیں گے۔ اور سونے اور چاندی اور دنیا کی زیب و زینت کی طرف التفات نہ کریں گے۔ کما قال تعالیٰ إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمْ الْمُخْلِصِينَ اور اہل دنیا ان ہوا و ہوس کے پھندوں میں پھنس گئے۔ اور اس طرح تیری راہ کے جو نامرد نامردوں سے جدا اور الگ ہو جائیں گے۔ اس لیے میں مضبوط جال چاہتا ہوں کہ مرد نامردوں سے جدا اور ممتاز ہو جائیں۔

دام دیگر خواہم اے سلطانِ بخت
دام مردانداں و حیل و سازخت

اے خداوند عالم میں اس سے بڑھ کر جال چاہتا ہوں کہ جو مردوں کو بھی ایسا عاجز کرنے والا ہو کہ ان کا کوئی حیلہ اور تدبیر کارگر نہ ہو سکے۔

خمر و چنگ آورد پیش اونہاد
نیم خندہ زردباں شد نیم شاد

حق تعالیٰ نے اس کے بعد شیطان کے سامنے ایک اور جال پیش کیا وہ یہ کہ شراب اور چنگ و رباب کا سامان اس کے سامنے رکھ دیا۔ اس سامان کو دیکھ کر شیطان آدھا ہنسا اور آدھا خوش ہوا اور کچھ مسکرایا اور سمجھا کہ یہ جال بھی اہلاک اور فساد دہائی کے لئے کافی نہیں۔ اس لئے اس سے بڑھ کر جال کی درخواست کی۔

سوئے اضلال ازل پیغام کرد
کہ برآراز قعر بحر فتنہ کرد

نے یکے از بند گانت موسیٰ است
پردہا در بحر آواز گرد بست

آب از ہر سو عنای راوا کشید
از تگ دریا غبارے شد پدید

اور حق تعالیٰ سے اضلال ازلی کی استدعاء کی اور کہا کہ دریاۓ فتنہ کی گہرائی سے گرد و غبار اڑا دیجئے تاکہ اہل ہوا و ہوس دریاۓ فتنہ کو خشک جھکے اس میں قدم رکھیں اور قبطیوں کی طرح آسمیں غرق ہوں جس طرح آپ نے موسیٰ علیہ السلام کے لئے دریا کو خشک کر دیا اور سمندر میں گرد سے دیواریں قائم کر دیں۔ اور پانی ہر طرف سے سمٹ کر آ گیا۔ اور دریا کی گہرائی سے غبار بلند ہونے لگا۔ اسی طرح میرے لئے بھی دریاۓ فتنہ کو خشک کر دے۔ اور اس کو میرے زیر فرمان بناد دیجئے کہ جو فتنہ چاہوں اس کی گرداڑا سکوں اور اولادِ آدم کو ہلاک کر سکوں۔ موسیٰ علیہ السلام آپ کے اسم ”ہادی“ کے مظہر تھے۔ اور میں اسم ”مُھیل“ کا مظہر ہوں۔ جس طرح آپ نے ان کی اتمام ہدایت کے لئے دریاۓ نیل کو خشک کر کے گمراہوں کو غرق کیا۔ اسی طرح میرے لئے اتمام اضلال کے لئے دریاۓ فتنہ کو خشک کر دیجئے۔ اور دریاۓ فتنہ کو میرے لئے مسخر کر دیجئے تاکہ کار اضلال مکمل ہو سکے۔ اور جس طرح موسیٰ علیہ السلام سے ہدایت کا کام پورا ہوا۔ مجھ سے ضلالت (گمراہی) کا کام پورا ہو سکے۔

(ف) شاید ابلیس۔ کو موسیٰ علیہ السلام کے قصہ کا قبل از وقوع جو علم ہوا وہ غالباً لوح محفوظ سے دیکھ کر ہوا ہوگا۔ واللہ اعلم۔

دام محکم وہ کہ تا گرد تمام
و افکنم در کام ایشان چوں لجام
در کند آرم کشم شاں کش کشاں
تا کہ نتوانند سر پیچد از اں
ابلیس نے کہا اے پروردگار کوئی ایسا محکم جال دیجئے کہ جس سے معاملہ ہی ختم ہو جائے
اور کام ہی تمام ہو جائے اور میں ان کے منہ میں اس کو لگام کی طرح لگا دوں۔ اور اپنے جال
میں پھنسا کر ان کو جدھر چاہوں کھینچتا پھروں اور وہ اس سے سر نہ پھیر سکیں۔ اور باز اوروں اور
گلیوں میں انکو لئے لئے پھروں تا کہ دنیا ان کی شہوت رانی کا خوب تماشا دیکھ سکے۔

چونکہ خوبی زناں با او نمود
کہ ز عقل و صبر مرداں می ربود
شیطان جب کسی جال سے بھی پورا خوش نہ ہوا تو حق جل شانہ نے اخیر میں عورتوں کا
حسن و جمال اس کو دکھلایا کہ جو مردوں کی عقل اور صبر کو لے بھاگنے والا تھا اور فرمایا کہ اچھا یہ
جال لیجا۔ اور اس کے ذریعے لوگوں کو گمراہ کر اور دریائے فتنہ کی گہرائی سے گرد و غبار اڑا۔

پس ز دانک شک برقص اندر فدا
کہ بدہ ز دتر رسیدم بر مراد
پس جس وقت عورتوں کے حسن و جمال کا جال شیطان کو دکھلایا گیا تو رقص کرنے لگا۔
اور ناپنے لگا اور چٹکیاں بجانے لگا اور عورتوں کے حسن و جمال کو دیکھ کر سمجھ گیا کہ یہی وہ
دریائے فتنہ ہے کہ جس سے کوئی صحیح سالم بچ کر نہیں گزر سکتا اور بولا کہ اے پروردگار یہ جال
مجھ کو جلد دے دیجئے پس میں اپنی مراد کو پہنچ گیا لوگوں کے پھانے کیلئے یہ بہترین جال ہے
اور آگے اسی جال کے حال کا بیان ہے۔

چوں بدید آں چشمہائے پر خمار
کہ کند عقل و خرد را در خمار

جب اس لعین نے دیکھا کہ عورتوں کی آنکھیں ایسی پر خمار ہیں۔ کہ عقل و خرد پر خمار (پردہ) ڈال دیتی ہیں۔

واں صفائے عارض آں دلبراں
کہ بسوز و چوں سپند ایں دل براں
اور اس نے دیکھا کہ ان حسین و جمیل دلبروں کے رخساروں کی صفائی اور خوبی دل کو حزل
کے مانند جلا کر رکھ دیتی ہے پسند حزل کو کہتے ہیں جس کو بطور بخور آگ میں ڈال کر جلاتے ہیں۔
روو و خال و ابرو و لب چوں عقیق
گویا خورتافت از پردہ رقیق
اور دیکھا کہ ان کا چہرہ اور خال اور ابرو اور عقیق کے مانند سرخ لب ایسے چمک رہے ہیں
جیسے آفتاب باریک پردہ سے چمک رہا ہو۔

قد چوں سرو خراماں در چمن
خدا ہنجوں یاسمین و نستران
اور دیکھا کہ قد و قامت ایسا ہے جیسا کہ سرو چمن میں جھومتا ہو اور رخسار گل یا سمین اور
نستران کی طرح ہے۔

چوں کہ دید آں غنچ برجست اوسبک
چوں تجلی حق از پردہ تنک
جب ان سے یہ ناز و ادا دیکھے تو اُچھل پڑا اور سمجھا کہ گمراہ کرنے اور وسوسہ کا بہترین
جال ہے اور دراصل یہ باریک پردہ میں سے جمال کبریائی کا ایک پرتو تھا۔ اہل معرفت اور
ارباب حقیقت نے اس فانی اور مجازی حسن و جمال کبریائی کی طرف کوئی التفات نہ کیا۔ عالم
میں جہاں کہیں بھی حسن و جمال ہے وہ اسی نور السموات والارض کے حسن و جمال کا ایک ادنیٰ
ساکس اور پرتو ہے اور عالم کا ہر ہر ذرہ اسی کے حسن و جمال کا آئینہ ہے۔ لیکن یہ امر کہ کس
آئینہ کی طرف نظر کرنا جائز ہے اور کس آئینہ کی طرف دیکھنا ناجائز ہے یہ حضرات انبیاء کرام
علیہم الصلوٰۃ والسلام نے بتایا۔ شریعت کہتی ہے کہ اپنی زوجہ کے حسن و جمال کی طرف تو نظر
کرنا جائز ہے مگر دوسرے کی زوجہ کے حسن و جمال کی طرف تو نظر اٹھا کر دیکھنا قطعاً حرام ہے

حق تعالیٰ نے جو آئینہ تم کو دیا ہے اس کو دیکھو۔ دوسرے کے آئینہ کی استعمال کی اجازت نہیں
 حق تعالیٰ نے جو آئینہ تم کو دیا ہے صرف تم کو اس کے استعمال کی اجازت دی ہے اور اس کی
 اجازت نہیں کہ تم اپنا آئینہ دوسرے کو دکھلا سکو۔ چہ جائیکہ دے سکو۔ شریعت کہتی ہے کہ اپنی
 بیٹی اور بہن کی طرف چشمِ شفقت سے دیکھنا تو جائز ہے۔ اور چشمِ شہوت سے دیکھنا ناجائز ہے
 اور اپنے بیٹے کے حسن و جمال کو بنظرِ محبت دیکھنا جائز ہے اور غیر کے لڑکے کے حسن و جمال کو
 دیکھنا زیرِ غور اور زیرِ نظر ہے جو شخص دوسروں کی بیوی بیٹی اور بہن کی طرف دیکھنے کو جائز قرار
 دیتا ہے وہ درپردہ دوسروں کو اپنی بیوی اور بہن کی طرف دیکھنے کی اجازت اور دعوت دیتا ہے
 جس پر کسی غیور کی غیرت ایک لمحہ کے لئے بھی راضی نہیں۔

عالیٰ شد والہ وحیران و دنگ

زاں کرشم و زاں دلال نیک شنگ

عورتوں کے ان کرشموں اور ناز و ادا اور شوخیوں کو دیکھ کر ایک دنیا مست و حیران اور دنگ
 رہ گئی۔ اس لئے شیطان کو سب سے زیادہ یہی جال پسند آیا۔ کہ گمراہ کرنے اور پھانسنے کا اس
 سے بہتر کوئی ذریعہ نہیں۔ (حکایت ختم ہوئی)

(مثنوی دفتر پنجم صفحہ ۴۱۳ مطبوعہ نول کشور لکھنؤ۔ مثنوی دفتر پنجم ص ۸۴ مطبوعہ کانپور)

حکایت مذکورہ کی اردو نظم

منقول از پیراہن یوغی اردو ترجمہ منظوم مثنوی مولانا روم مصنفہ مولانا محمد یوسف علی شاہ
 صاحب گلشن آبادی رحمۃ اللہ علیہ مطبوعہ مطبع نول کشور

عرض کی ابلیس نے اللہ سے

دام دے اس صید کا بھاری مجھے

سیم وزر اور اسپ دکھلا کے اسے

کہ تو اس سے خلق کو لیجاسکے

منہ پھلایا اور کہا کہ واہ واہ

ترش روشل ترنج از بس ہوا

پس جواہر کان کے از بسکہ خود
 کر دیئے ملعون پے حق نے پیش کش
 دوسرا یہ دام لے تو اے لعین
 بولا اس سے بڑھ کے دے تو اے معین

چرب و شیریں اور شرابِ آتش
 پس اُسے دی اور جامہٴ ریشمی
 بولا یارب اس سے بڑھ کر دے مدد
 تا اُنھیں باندھوں نیکلِ مَن مَسَد

تاکہ تیرے مست نرپرد جو ہیں
 مرد کی مانند بندیں کاٹ دیں
 تاکہ ساتھ اس جال و دام حرص کے
 مرد تیرا ہو جدا نامرد سے

دوسرا چاہتا ہوں دام اے شاہ نجف
 دامِ مرد اندازِ وحیلہ سازِ سخت
 چنگ و بادہ آگے لا اسکے رکھا
 خوش ہوا آدھا وہ اور آدھا ہنسا

گم رہی ازلی کا وہ سائل ہوا
 گردِ قعر بحرِ فتنہ سے تولا
 نے کہ اک موسیٰ تیرے بندوں سے ہے
 باندھے پردے بحر میں بس گردے

آبِ دریا ہر طرف سے ہٹ گیا
 اور غبارِ اک تہہ سے دریا کے اٹھا

دام دے مضبوط تاہووے تمام
 منہ میں ان کے ڈالوں میں مثلِ لگام

کھینچوں ان کو پھانس کر میں دام میں
 تا نہیں سر کو پھرا اس سے سکیں
 جو بتائیں خوبیاں زن کی اُسے
 کہ قرار و صبر مرد ابتر کرے
 بس لگا چٹکی بجانے ناپنے
 کہ ملا مقصد مرا تو جلد دے
 جو کہ دیکھیں آنکھیں اس کی پُر خمار
 کہ کرے عقل و خرد کو بے قرار
 اور صفائی چہرہ دلدار کو
 کہ جلانے چوں سپند عاشق کو دو
 خال و ابرو دلب گویا کہ ہے
 جلوہ حق پردہ باریک سے
 قد ہے جو سرو چمن اندر چمن
 اور رخ چوں یاسمین و نسترن
 آن جو دیکھی تو تڑپا گود کے
 چوں تجلی پردہ باریک سے

عالم ایک حیران ہوا اور بلکہ دنگ

ان کرشموں سے کہ تھے وہ شوخ و شنگ

(حکایت ختم ہوئی پیراہن یوسفی ترجمہ منظوم مثنوی مولوی معنوی ص ۲۸ دفتر پنجم)

ام المؤمنین جویریہ بنت حارث بن ضرار رضی اللہ تعالیٰ عنہا

حضرت جویریہ بنت حارث بن ضرار سردار بنی المصطلق کی بیٹی تھیں۔ پہلا نکاح مسافح بن صفوان مصطلقی سے ہوا تھا۔ جو غزوہ مریسج میں مارا گیا۔ اس غزوہ میں جہاں اور بہت سے بچے اور عورتیں گرفتار ہوئے۔ ان میں جویریہ بھی تھیں آں حضرت ﷺ نے ان کو آزاد کر کے اپنی زوجیت میں لے لیا۔ اور چار سو درہم مہر مقرر کیا۔ آپ کی زوجیت میں آنے کا

مفصل قصہ غزوہ بنی المصطلق کے بیان میں گزر چکا ہے ۵ھ میں انتقال کیا۔ اس وقت آپ کا سن ۶۵ سال تھا مروان بن حکم نے جو اس وقت امیر مدینہ تھے نماز جنازہ پڑھائی اور مدینہ منورہ کے مشہور قبرستان جنت البقیع میں مدفون ہوئیں۔ (اصابہ ترجمہ ام المؤمنین جویریہ) ۱۔ عبادت کا خاص ذوق تھا۔ عبادت کے لئے مسجد کے نام سے گھر میں ایک جگہ مخصوص کر رکھی تھی۔ چنانچہ جامع ترمذی میں باسناد صحیح عبد اللہ بن عباس۔ حضرت جویریہ سے راوی ہیں کہ ایک روز رسول اللہ ﷺ علی الصباح تشریف لائے اور میں اپنی مسجد میں مشغول عبادت تھی۔ آپ واپس چلے گئے قریب نصف النہار کے پھر تشریف لائے اور مجھ کو اسی طرح مشغول عبادت دیکھا۔ فرمایا کیا تم اُس وقت سے اس وقت تک اسی حالت میں ہو۔ میں نے کہا ہاں۔ آپ نے فرمایا میں تم کو کچھ کلمات بتلائے دیتا ہوں وہ پڑھ لیا کرو۔ وہ کلمات یہ ہیں۔

سُبْحَانَ اللَّهِ عَدَدَ خَلْقِهِ ۳۰ سُبْحَانَ اللَّهِ رِضَا نَفْسِهِ ۳۰

سُبْحَانَ اللَّهِ زِينَةَ عَرْشِهِ ۳۰ سُبْحَانَ اللَّهِ مَدَادَ كَلِمَاتِهِ ۳۰

مسلم اور ابوداؤد کی روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میں نے تیرے بعد چار کلمے تین بار کہے ہیں۔ اگر ان کو تیری تمام تسبیحوں کے ساتھ تولا جائے جو تو نے صبح سے اس وقت تک پڑھی ہیں تو وہ چار کلمات وزن میں بڑھ جائیں گے وہ کلمات یہ ہیں۔ سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ عَدَدَ خَلْقِهِ وَرِضَا نَفْسِهِ، وَزِينَةَ عَرْشِهِ وَمَدَادَ كَلِمَاتِهِ

(زرقانی صفحہ ۴۵۵ ج ۳)

ام المؤمنین ام حبیبہ بنت ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہا

زمنہ آپ کا نام اور ام حبیبہ آپ کی کنیت تھی ابوسفیان بن حرب اموی قریش کے مشہور سردار کی بیٹی تھیں والدہ کا نام صفیہ بنت ابی العاص تھا جو حضرت عثمان کی پھوپھی تھیں۔ بعثت سے ۷ سال پہلے پیدا ہوئیں۔ پہلا نکاح عبید اللہ بن جحش سے ہوا ۲۔

ام حبیبہ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهَا ابتداء ہی میں مسلمان ہوئیں اور ان کے شوہر بھی اسلام لے

۱۔ الاصابہ۔ ج ۳، ص ۲۶۵ ۲۔ ان کا نام عبید اللہ تصغیر کے ساتھ ہے۔ اور عبد اللہ بن جحش رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ جو ان کے بھائی تھے وہ غزوہ احد میں شہید ہوئے رضی اللہ عنہ۔ ام حبیبہ کے پہلے شوہر کا نام عبید اللہ تصغیر کے ساتھ ہے۔ ان کا نام عبد اللہ نہیں جیسا کہ بعض کتابوں میں غلطی سے لکھا گیا۔ ۱۲

آئے اور دونوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کی وہاں جا کر ایک لڑکی پیدا ہوئی جس کا نام حبیبہؓ رکھا اور اسی کے نام پر ام حبیبہ کنیت رکھی گئی۔ اور پھر اسی کنیت سے مشہور ہوئیں چند روز کے بعد عبید اللہ بن جحش تو اسلام سے مرتد ہو کر عیسائی بن گیا۔ مگر ام حبیبہؓ برابر اسلام پر قائم رہیں۔

ام حبیبہ کہتی ہیں کہ عبید اللہ کے نصرانی ہونے سے پہلے میں نے اس کو نہایت بُری اور بھیانک شکل میں خواب میں دیکھا بہت گھبرائی جب صبح ہوئی تو معلوم ہوا کہ عیسائی ہو چکا ہے۔ میں نے یہ خواب بیان کیا (کہ شاید متنبہ ہو جائے) مگر کچھ توجہ نہیں کی اور شراب و کباب میں برابر منہمک رہا۔ حتیٰ کہ اسی حالت میں انتقال ہو گیا۔ چند روز کے بعد خواب میں دیکھا کہ کوئی شخص یا ام المؤمنینؓ کہہ کر آواز دے رہا ہے جس سے میں گھبرائی عدت کا ختم ہونا تھا کہ یکا یک رسول اللہ ﷺ کا پیغام پہنچا۔ رواہ ابن سعد (صفوة الصفوة لابن الجوزی صفحہ ۲۲ ج ۲)

ادھر رسول اللہ ﷺ نے عمرو بن امیہ ضمری کو نجاشی شاہ حبشہ کے پاس یہ کہلا کر بھیجا کہ اگر ام حبیبہ مجھ سے نکاح کرنا چاہیں تو تم بطور وکیل نکاح پڑھو کر میرے پاس بھیج دو نجاشی نے اپنی باندی ابرہہ کو ام حبیبہ کے پاس یہ کہلا کر بھیجا کہ میرے پاس رسول اللہ ﷺ کا ایک والا نامہ اس مضمون کا یعنی پیام کا آیا ہے اگر تم کو منظور ہو تو اپنی طرف سے کسی کو وکیل بنا لو ام حبیبہؓ نے اس پیام کو منظور کیا۔ اور خالد بن سعید بن العاص اموی کو اپنا وکیل مقرر کیا۔ اور اس بشارت اور خوشخبری کے انعام میں ہاتھوں کے دونوں کنگن اور پیروں کی پازیب اور انگلیوں کے چھلے جو سب نقرئی تھے۔ ابرہہ کو دیدیئے جب شام ہوئی تو نجاشی نے حضرت جعفر اور تمام مسلمانوں کو جمع کر کے خود خطبہ نکاح پڑھا۔ وہ خطبہ یہ ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الْمَلِكِ الْقُدُّوسِ ۝ حمد ہے خداوند قدوس اور خدائے غالب اور
السَّلَامُ الْمُؤْمِنِ الْمُهَيِّمِ ۝ غرند اور جبار کی میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے
الْعَزِيزِ الْجَبَّارِ اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا ۝ سوا کوئی معبود نہیں اور گواہی دیتا ہوں کہ
اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ ۝ محمد ﷺ اللہ کے برگزیدہ بندہ اور رسول برحق

۱۔ حبیبہ بھی صحابیہ ہیں اور رسول اللہ ﷺ کی زوجہ ہیں۔ اپنی والدہ ماجدہ حضرت ام حبیبہ کے ساتھ حبشہ سے مدینہ ہجرت کر کے آئیں۔ اس میں اختلاف ہے کہ حبیبہ حبشہ میں پیدا ہوئیں یا مکہ میں واللہ اعلم اصابہ صفحہ ۳۰۵ ج ۲ ترجمہ ام المؤمنین رملہ بنت ابی سفیان۔ ۲۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ یہ خواب دیکھ کر میں گھبرائی لیکن معاویہؓ تعبیر ذہن میں آئی کہ رسول اللہ ﷺ مجھ سے نکاح فرمائیں گے۔

وَأَنَّ الَّذِي بَشَّرَهُ عِيسَى بْنُ مَرْيَمَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِمَا وَسَلَّمَ أَمَّا بَعْدُ - فَاِنْ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَتَبَ إِلَى ابْنِ أَبِي سَفْيَانَ فَاجِبْتَ إِلَى مَا دَعَا إِلَيْهِ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَدْ اصْدَقْتَهَا أَرْبَعَةَ دِينَارٍ

ہیں۔ اور آپ وہی بنی ہیں جن کے عیسیٰ بن مریم علیہ السلام نے بشارت دی ہے۔

اما بعد۔ رسول اللہ ﷺ نے مجھ کو یہ تحریر فرمایا ہے کہ میں آپ کا نکاح ام حبیبہ بنت ابی سفیان سے کر دوں۔ میں نے آپ کے ارشاد کے مطابق آپ کا نکاح ام حبیبہ سے کر دیا اور چار سو دینار مہر مقرر کیا۔

اور اسی وقت وہ چار سو دینار خالد بن سعید اموی کے حوالے کر دیئے اس کے بعد خالد بن سعید کھڑے ہوئے اور یہ تقریر فرمائی۔

الْحَمْدُ لِلَّهِ أَحْمَدُهُ وَاسْتَعِينَهُ وَاسْتَغْفَرَهُ وَاشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ وَاشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ أَرْسَلَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ

الحمد للہ۔ میں اللہ کی حمد و ثناء کرتا ہوں اور اس سے مغفرت طلب کرتا ہوں اور گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ ایک ہے کوئی اس کا شریک نہیں اور گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے برگزیدہ بندے ہیں اور رسول برحق ہیں۔ جن کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت اور دین برحق دے کر بھیجا ہے تاکہ اس دین کو تمام دینوں پر غالب کرے اگرچہ مشرکین کو ناگوار ہو۔

أَمَّا بَعْدُ - فَقَدْ اجِبْتَ إِلَى مَا دَعَا إِلَيْهِ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَزَوْجَتَهُ أُمَّ حَبِيبَةَ بِنْتَ أَبِي سَفْيَانَ فَبَارَكَ اللَّهُ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

اما بعد میں نے آپ کو قبول کیا اور آپ سے ام حبیبہ کا نکاح کر دیا۔ اللہ تعالیٰ مبارک فرمائے۔

لوگوں نے اٹھنے کا ارادہ کیا نجاشی نے کہا کہ ابھی بیٹھے۔ حضرات انبیاء کی سنت یہ ہے کہ نکاح کے بعد ولیمہ بھی ہونا چاہئے۔ چنانچہ کھانا آیا اور دعوت سے فارغ ہو کر سب رخصت ہوئے مہر کی رقم جب حضرت ام حبیبہ کے پاس پہنچی تو ابرہہ کو بلا کر پچاس دینار اور دیئے ابرہہ نے یہ پچاس دینار اور وہ زیور جو پہلے دیا گیا تھا یہ کہہ کر سب واپس کر دیا کہ بادشاہ نے مجھ کو تاکید کر دی ہے کہ آپ سے کچھ نہ لوں۔ اور آپ یقین کیجئے کہ میں محمد رسول اللہ ﷺ کی پیرو ہو چکی ہوں اور اللہ عز و جل کے لئے دین اسلام کو قبول کر چکی ہوں۔ اور آج بادشاہ نے اپنی تمام بیگمات کو حکم دیا کہ ان کے پاس جو خوشبو اور عطر ہو اس سے میں ضرور آپ کے پاس ہدیہ بھیجیں۔ چنانچہ دوسرے روز ابرہہ بہت ساعود اور عنبر وغیرہ لیکر آپ کے پاس آئی ام حبیبہ فرماتی ہیں کہ میں نے وہ عود اور عنبر سب رکھ لیا اور اپنے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لائی۔ اس کے بعد ابرہہ نے کہا کہ میری ایک درخواست ہے وہ یہ کہ آں حضرت ﷺ سے میرا سلام کہہ دینا اور یہ عرض کر دینا کہ میں آپ کے دین کی پیرو ہو گئی ہوں۔ میری روانگی تک ابرہہ کا یہ حال رہا کہ جب آتی تو یہی کہتی کہ دیکھو میری درخواست کو بھول نہ جانا چنانچہ جب مدینہ پہنچی تو یہ تمام حالات اور واقعات آپ سے بیان کئے آپ مسکراتے رہے اخیر میں ابرہہ کا سلام پہنچایا آپ نے فرمایا علیہا السلام ورحمۃ اللہ برکاتہ۔

۳۴ھ میں مدینہ منورہ میں انتقال کیا اور بعض کہتے ہیں کہ دمشق میں انتقال ہوا مگر صحیح یہی ہے کہ مدینہ منورہ میں انتقال ہوا۔

چونکہ بعثت سے سترہ سال پہلے پیدا ہوئیں لہذا اس حساب سے آں حضرت ﷺ کے نکاح کے وقت آپ کی عمر ۳۷ سال تھی اور وفات کے وقت ۶۷ سال کی تھی۔

عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ ام حبیبہ نے انتقال کے وقت مجھ کو بلایا اور کہا کہ باہم سوکنوں میں جو کچھ پیش آتا ہے وہ تم کو معلوم ہے۔ جو کچھ ہوا ہو وہ معاف کرنا۔ اللہ تعالیٰ میری اور تمہاری مغفرت فرمائے میں نے کہا سب معاف ہے۔ اللہ تعالیٰ میری اور تمہاری مغفرت فرمائے ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا اے عائشہ تم نے مجھ کو خوش کیا اللہ تعالیٰ تم کو خوش رکھے اور پھر ام سلمہ کو بلایا اور ان سے بھی یہی گفتگو ہوئی (اخرجہ ابن سعد) اصابع ۳

ام المؤمنین صفیہ بنت حنی ابن اخطب رضی اللہ تعالیٰ عنہا

حضرت صفیہ۔ حنی بن اخطب سردار بنی نضیر کی بیٹی تھیں حنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد میں سے تھا۔ ماں کا نام ضرہ تھا پہلا نکاح سلام بن مشکم قرظی سے ہوا سلام کے طلاق دینے کے بعد کنانہ بن ابی الحقیق سے نکاح ہوا۔ کنانہ غزوہ خیبر میں مقتول ہوا۔ اور یہ گرفتار ہوئیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کو آزاد کر کے اپنی زوجیت میں لے لیا اور یہی ان کا مہر قرار پایا۔ خیبر سے چل کر آپ مقام صہباء میں اترے جو خیبر سے ایک منزل ہے وہاں پہنچ کر عروسی فرمائی اور یہیں ولیمہ فرمایا۔^۱

ولیمہ عجب شان سے ہوا چمڑے کا ایک دسترخوان بچھا دیا گیا۔ اور حضرت انس سے فرمایا کہ اعلان کر دو کہ جس کے پاس جو کچھ سامان جمع ہو وہ لے آئے۔ کوئی کھجور لایا اور کوئی پنیر اور کوئی ستولا یا اور کوئی گھی لایا۔ جب اس طرح کچھ سامان جمع ہو گیا تو سب نے ایک جگہ بیٹھ کر کھا لیا اس ولیمہ میں گوشت اور روٹی کچھ نہ تھا (بخاری و مسلم) مقام صہباء میں تین روز آپ نے قیام کیا۔ اور حضرت صفیہ پردہ میں رہیں جب آپ وہاں سے روانہ ہوئے تو خود حضرت صفیہ کو اونٹ پر سوار کرایا۔ اور اپنی عبا سے اپر پردہ کیا کہ کوئی دیکھ نہ سکے گویا کہ یہ اعلان تھا کہ حضرت صفیہ ام المؤمنین ہیں۔ ام ولد نہیں۔ (بخاری و مسلم)^۲

حضرت صفیہ جب آپ کی زوجیت میں آئیں تو آپ نے حضرت صفیہ کی آنکھ پر ایک سبز نشان دیکھا۔ فرمایا یہ کیسی سبزی ہے۔ حضرت صفیہ نے کہا ایک روز میں اپنے شوہر کی گود میں سر رکھے ہوئے سو رہی تھی کہ یہ خواب دیکھا کہ چاند میری گود میں آ کر گر رہا ہے۔ یہ خواب میں نے اپنے شوہر سے بیان کیا۔ اس نے زور سے میرے ایک طمانچہ مارا اور کہا تو یثرب کے بادشاہ کی تمنا کرتی ہے۔ اشارہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف تھا۔ آخر جبہ ابو حاتم والطمر انی برجال اح صحیح کلاہما عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما^۳

حضرت صفیہ جب خیبر سے مدینہ آئیں تو حارثہ بن النعمان کے مکان میں اتاری گئیں اُن کے حسن و جمال کو سنکر انصار کی عورتیں دیکھنے آئیں اور حضرت عائشہ بھی نقاب اوڑھ کر

۱۔ کسی شوہر سے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ عیون الاثر ص ۳۰ ج ۲ عیون الاثر ج ۲ ص ۳۰۷

۲۔ زرقانی ج ۳ صفحہ ۲۵۷ ج ۳ ص ۳۰۷ زرقانی ج ۳ ص ۳۵۷

آئیں مگر آں حضرت نے پہچان لیا اور جب واپس ہوئیں تو پوچھا کہ اے عائشہ کیا دیکھا کہا ہاں ایک یہودیہ کو دیکھ آئی ہوں آپ نے فرمایا ایسا مت کہو وہ اسلام لے آئی ہے اور اس کا اسلام نہایت اچھا اسلام ہے۔ رواہ ابن سعد۔ اصحابہ۔ ترجمہ صفیہ بنت حی رضی اللہ تعالیٰ عنہا

ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ حضرت صفیہ کے پاس تشریف لے گئے تو دیکھا کہ حضرت صفیہ رو رہی ہیں۔ فرمایا کیوں روتی ہو کہا کہ عائشہ اور حفصہ مجھ کو چھیڑتی ہیں اور کہتی ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی نظر میں زیادہ مکرم اور محترم ہیں۔ ہم آپ کی زوجہ ہونے کے ساتھ آپ کے چچا کی بیٹیاں بھی ہیں۔ آپ نے فرمایا تم نے یہ کیوں نہ کہہ دیا کہ تم مجھ سے کیسے بہتر ہو سکتی ہو باپ میرے ہارون ہیں اور چچا میرے موسیٰ ہیں اور شوہر میرے محمد ﷺ ہیں۔ (اخرجہ الترمذی عن صفیہ) ۲

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ میں نے ایک روز آں حضرت ﷺ سے کہا کہ آپ کو صفیہ سے اس قدر کافی ہے کہ وہ اتنی اور اتنی ہے یعنی اتنا چھوٹا قد ہے آپ نے فرمایا تو نے ایسا کلمہ کہا کہ اگر اس کو سمندر کے پانی میں ڈال دیا جائے تو سارے سمندر کو مکدر کر دے۔

(رواہ ابوداؤد و الترمذی)

ایک بار آپ سفر میں تھے کہ حضرت صفیہ کا اونٹ بیمار ہو گیا حضرت زینب بنت جحش کے پاس اونٹ کچھ ضرورت سے زیادہ تھے آپ نے فرمایا اگر ایک اونٹ صفیہ کو دیدو تو بہتر ہے۔ انہوں نے کہا میں دو گئی اس یہودیہ کو۔ آپ کو ناگوار گزرا اور دو یا تین مہینہ تک آپ اُن کے پاس نہیں گئے (رواہ ابن سعد) ۳

ایک بار تمام ازواج مطہرات مرض الوفات میں آپ کے پاس جمع ہوئیں حضرت صفیہ نے عرض کیا کہ اے اللہ کے نبی میری یہ تمنا اور آرزو ہے کہ آپ کے بدلہ میں یہ تکلیف مجھ کو ہو جائے ازواج مطہرات نے آپس میں ایک دوسرے کی طرف اشارہ کیا۔ آپ نے دیکھ لیا اور فرمایا۔

خدا کی قسم البتہ تحقیق یہ سچی ہے۔ (اخرجہ ابن سعد بسند حسن)

وَاللّٰهُ اَنّٰهَا لَصَادَقَةٌ

ابو عمر بن عبد البر فرماتے ہیں کہ حضرت صفیہ بڑی عقلمند اور بردبار اور صاحبِ فضل و کمال عورت تھیں ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ حضرت صفیہ کی ایک باندی نے حضرت عمر سے جا کر یہ کہہ دیا کہ حضرت صفیہ ہفتہ کے دن کو بہت محبوب رکھتی ہیں۔ اور یہود کے ساتھ بہت سلوک کرتی ہیں۔ آپ نے حضرت صفیہ سے دریافت کر کے بھیجا۔ حضرت صفیہ نے کہا جب سے اللہ نے مجھ کو ہفتہ کے بدلہ میں جمعہ عطا فرمایا ہے۔ اس روز سے کبھی ہفتہ کو پسند نہیں کیا۔ رہے یہود سو ان سے میری قرابتیں ہیں ان کی ساتھ صلہ رجمی کرتی ہوں حضرت عمر کو تو یہ جواب کہلا بھیجا اور اس کے بعد اس باندی سے دریافت کیا کہ تجھے اس کہنے پر کس نے آمادہ کیا۔ باندی نے اس وقت سچ سچ کہہ دیا کہ شیطان نے آمادہ کیا۔ حضرت صفیہ نے باندی سے فرمایا اچھا جاؤ تم آزاد ہو۔

سعید بن مسیب سے مرسل مروی ہے کہ جب حضرت صفیہ مدینہ آئیں تو آپ کے کانوں میں سونے کا کچھ زیور تھا۔ اس میں سے کچھ تو حضرت فاطمہ کو دیا۔ اور کچھ اور عورتوں کو۔ (اخرجہ ابن سعد بسند صحیح) ۲

سبحان اللہ پیغمبر کی زوجیت میں آئیں اور دنیا کا قصہ ختم کیا ماہ رمضان المبارک ۵۷ھ میں وفات پائی اور جنت البقیع میں دفن ہوئیں۔ ۳

ام المؤمنین میمونہ بنت حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہا

میمونہ آپ کا نام ہے باپ کا نام حارث اور ماں کا نام ہند تھا۔ ماہ ذی قعدہ ۷ھ میں جب آپ عمرہ حدیبیہ کی قضاء کرنے کے لئے مکہ تشریف لائے اس وقت آپ کی زوجیت میں آئیں۔ ابن سعد کہتے ہیں کہ یہ آپ کی آخری بیوی تھیں جن کے بعد آپ نے پھر کسی اور سے نکاح نہیں فرمایا آپ سے پہلے ابو رہم بن عبد العزیٰ کے نکاح میں تھیں۔ ابو رہم کے انتقال کے بعد آپ کی زوجیت میں آئیں۔ پانسو درہم مہر مقرر ہوا۔

۱۔ اصابعہ صفحہ ۳۴ ج ۴ ۲۔ اصابعہ ج ۳ ص ۳۴۷ ج ۳ ص ۲۵۹ حضرت میمونہ عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خالہ ہوتی تھیں۔ حضرت میمونہ کی بہن ام فضل عبد اللہ بن عباس اور فضل بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی والدہ اور حضرت عباس کی بیوی تھیں۔

ابن عباس سے مروی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے حضرت میمونہ سے پیام دیا تو حضرت میمونہ نے حضرت عباس کو اپنا وکیل مقرر کیا۔ چنانچہ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت میمونہ سے آپ کا نکاح کر دیا۔ (رواہ احمد والنسائی)

روایات اس بارہ میں بہت مختلف ہیں کہ نکاح کے وقت آپ محرم تھے یا حلال تھے امام بخاری کے نزدیک یہی رائج ہے کہ نکاح کے وقت آپ محرم تھے۔

مکہ سے چل کر آپ مقام سرف میں ٹھہرے اور وہاں پہنچ کر عروسی فرمائی۔

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ نکاح اور عروسی دونوں مقام سرف ہی میں ہوئے اور ۱۵ء میں مقام سرف میں اسی جگہ انتقال کیا جہاں عروسی ہوئی تھی۔ اور وہیں دفن ہوئیں عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی۔

قبر میں عبداللہ بن عباس اور یزید بن اصرم اور عبداللہ بن شداد اور عبید اللہ خولانی نے اتارا تین اول الذکر آپ کے بھانجے تھے اور چوتھے آپ کے پروردہ یتیم تھے۔ ۲

یہ گیارہ ازواج مطہرات ہیں جو آں حضرت ﷺ کی زوجیت میں رہیں۔ اور امہات المومنین کے لقب سے مشہور ہوئیں اور چند عورتیں ایسی بھی ہیں کہ جن سے آپ نے نکاح تو فرمایا لیکن مقاربہ سے پہلے ہی ان کو اپنی زوجیت سے جدا کر دیا۔ جیسے اسماء بنت نعمان ۳ بخزنیہ اور عمرہ بنت یزید کلابیہ ان کا تذکرہ غیر ضروری سمجھ کر چھوڑ دیا ہے۔

سراری یعنی کنیریں

آں حضرت ﷺ کی چار کنیریں تھیں جن سے دو مشہور ہیں:

۱۔ ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا

یہ آپ کی ام ولد ہیں آپ کے صاحبزادے حضرت ابراہیم انہی کے لطن سے ہیں ماریہ قبطیہ کو مقوقس شاہ اسکندریہ نے بطور نذرانہ آپ کی خدمت میں بھیجا تھا۔

ماریہ قبطیہ نے حضرت عمر کے زمانہ خلافت ۱۶ھ میں انتقال کیا اور بقیع میں دفن ہوئیں۔

۱۔ اصابہ۔ ج: ۴ ص: ۴۱۱ ۲۔ الاستیعاب۔ ج: ۴ ص: ۴۰۸ ۳۔ ان کے نکاح اور طلاق کا مفصل واقعہ اگر دیکھنا چاہیں تو فتح الباری ج: ۹ صفحہ ۳۱۰ تا ۳۱۵ باب من طلق وھل یولجہ الرجل امرأۃ بالطلاق کی مراجعت کریں

۲۔ ریحانہ بنت شمعون رضی اللہ عنہا

ریحانہ۔ خاندان بنو قریظہ یا بنی نضیر سے تھیں اسیر ہو کر آئیں اور بطور کنیر آپ کے حضور میں رہیں۔ حجۃ الوداع کے بعد اھل بیت میں انتقال کیا۔ اور بقیع میں دفن ہوئیں۔ اور ایک قول یہ ہے کہ آپ نے اُن کو آزاد کر کے نکاح فرمایا تھا۔ واللہ اعلم

۳۔ نفیسہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

نفیسہ اصل میں ام المؤمنین زینب بنت جحش کی جار یہ تھیں حضرت صفیہ کے تذکرہ میں گزر چکا ہے کہ ایک مرتبہ آل حضرت ﷺ حضرت صفیہ کے بارے میں حضرت زینب سے ناراض ہو گئے تھے۔ دو تین مہینہ تک آپ ناراض رہے۔ جب آپ راضی ہوئے تو حضرت زینب نے اس خوشی میں اپنی باندی نفیسہ آپ کو ہبہ کر دی تھی۔ ان کے علاوہ ایک اور کنیر تھیں جن کا نام معلوم نہیں ہو سکا۔

(زرقاتی ص ۲۷۱ ج ۳ تا صفحہ ۲۷۲ ج ۳)

تعدد ازواج

تاریخ عالم کے مسلمات میں سے ہے کہ اسلام سے پہلے تمام دنیا میں یہ رواج تھا کہ

۱۔ ایک عورت کے لئے متعدد خاوند ہونے کی ممانعت کی وجہ (۱) اگر ایک عورت چند مردوں میں مشترک ہو تو بوجہ استحراق نکاح ہر ایک کو قضا و حاجت کا استحراق ہوگا اور اس میں غالب اندیشہ فساد اور عناد کا ہے۔ شاید ایک ہی وقت میں سب کو ضرورت ہو اور عجب نہیں کہ قتل تک نوبت پہنچے۔

۲۔ نیز مرد فطرۃ حاکم ہوتا ہے اور عورت محکوم اس لئے طلاق کا اختیار مرد کو ہے۔ جب تک وہ آزاد نہ کرے تو عورت دوسرے مرد سے نکاح نہیں کر سکتی۔ جیسے باندی اور غلام خود آزاد نہیں ہو سکتے۔ جب تک کہ مالک کی طرف سے اعتناق (آزاد کرنا) نہ ہو۔ اسی طرح عورت بھی بغیر مرد کے آزاد کیے خود بخود نکاح سے آزاد نہیں ہو سکتی جب تک طلاق نہ ہو۔ غلاموں میں اگر اعتناق ہے تو یہاں طلاق ہے۔ پس اگر ایک عورت کے متعدد خاوند ہوں گے تو یہاں کہو کہ ایک عورت کے حاکم متعدد ہوں گے اور جتنے حاکم زیادہ ہوں گے اتنی ہی محکوم میں ذلت بھی زیادہ ہوگی۔ اس لئے کہ ایک حاکم کے تحت تعدد محکوم ہونے میں کوئی مضائقہ نہیں ایک ایک حاکم کے تحت میں سو سو اور ہزار ہزار محکوم ہوتے ہیں۔ ایک بادشاہ کے تحت ملک کی رعایا ہوتی ہے۔ اس میں نہ کوئی ذلت ہے نہ کوئی مشقت لیکن اگر محکوم ایک ہو اور حاکم متعدد ہوں تو جتنے حاکم زیادہ ہوں گے اتنی ہی محکوم میں ذلت بھی زیادہ ہوگی۔ معلوم ہوا کہ ایک عورت کا متعدد شوہروں کے تحت میں رہنا عورت کے لئے انتہائی تحقیر اور تذلیل کا سبب ہے۔ نیز متعدد شوہروں کی خدمت بجالانا اور سب کو خوش رکھنا ناقابل برداشت مشقت ہے۔ اس لئے شریعت اسلامیہ نے ایک عورت کو دو یا چار مردوں سے نکاح کی اجازت نہیں

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

ایک شخص کئی کئی عورتوں کو اپنی زوجیت میں رکھتا تھا اور یہ دستور تمام دنیا میں رائج تھا حتیٰ کہ حضرات انبیاء کرام بھی اس دستور سے مستثنیٰ نہ تھے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دو بیویاں تھیں حضرت اسحاق علیہ السلام کے بھی متعدد بیویاں تھیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بھی کئی بیویاں تھیں اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے بیسیوں بیویاں تھیں اور حضرت داؤد علیہ السلام کے سو بیویاں تھیں اور توریت و انجیل اور دیگر صحیف انبیاء میں حضرات انبیاء کی متعدد ازواج کا ذکر ہے اور کہیں بھی تعدد ازواج کی ممانعت کا ادنیٰ اشارہ بھی نہیں پایا جاتا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت یحییٰ علیہ السلام صرف یہ دو نبی ایسے گزرے ہیں کہ جنہوں نے بالکل شادی نہیں فرمائی۔ سواگران کے فعل کو استدلال میں پیش کیا جائے تو ایک شادی بھی ممنوع ہو جائے گی۔ عیسیٰ علیہ السلام نے رفع الی السماء سے پہلے اگرچہ شادی نہیں کی مگر نزول کے بعد شادی فرمائیں گے۔ اور اولاد بھی ہوگی جیسا کہ احادیث میں آیا

(حاشیہ صفحہ گذشتہ)

دی تا کہ عورت تحقیر اور تذلیل اور ناقابل برداشت مشقت سے محفوظ رہے پھر نہ معلوم کہ ایک عورت کے یہ چار شہر ایک ہی مکان میں سکونت پذیر ہوں گے یا ایک محلہ میں یا ایک شہر میں یا دوسرے شہر میں اور یہ ایک عورت ان چاروں شہروں کی کس طرح خدمت بجالائے گی۔ جو عورتیں تعدد شوہروں کی جواز کی قائل ہیں وہ ان سوالات کا جواب دیں۔

۳۔ نیز اگر عورت کے متعدد شوہر ہوں تو متعدد شوہروں کے تعلق سے جو اولاد پیدا ہوگی تو وہ کس کی اولاد ہوگی مشترکہ ہوگی یا منقسمہ۔ اور تقسیم کس طرح ہوگی۔ اگر ایک ہی فرزند ہو تو چار باپوں میں کس طرح تقسیم ہوگا۔ اور اگر متعدد اولاد ہوں۔ اور نو بہت تقسیم کی آئی تو بوجہ اختلاف ذکور و انوشت و بوجہ تفاوت شکل و صورت اور بوجہ تباین خلق و سیرت اور بوجہ تفاوت قوت و ہمت اور بوجہ تفاوت فہم و فراست موازنہ ممکن نہیں۔ جو ایک ایک کو لے کر اپنے دل کو سمجھائے اس تفاوت کی وجہ سے تقسیم اولاد کا مسئلہ غایت درجہ پیچیدہ ہو جائیگا اور نہ معلوم کہ باہمی نزاع سے کیا کیا صورتیں رونما ہوں۔

پھر بوجہ تساوی محبت جملہ اولاد ایک دوسری وقت پیش آئے گی کہ ایک کے وصال سے اتنا سرور نہ ہوگا جتنا کہ اوروں کے فراق سے رنج اٹھانا پڑے گا۔ پھر اس وجہ سے کہ خدا جانے کیا کیا فتنے برپا ہوں بہر طور اس نظام میں خرابیوں اور بربادیوں کے دروازے کھل جاتے ہیں۔ اس لئے شریعتِ حق نے ایک عورت کے لئے متعدد شوہروں کو ممنوع قرار دیا۔ ہندوؤں کی بعض قوموں میں ایک عورت کا پانچ پانڈوں کے نکاح میں ہونا جائز اور روا ہے۔ ان بے غیرتوں کو! اس کا احساس نہیں کہ ایک عورت کا کبھی کسی سے ہم آغوش اور ہم کنار ہونا سراسر بے غیرتی اور بے حیائی ہے۔ اسلام عزت اور عفت اور عصمت کا مذہب ہے اس میں اس بے غیرتی کی کوئی گنجائش نہیں ہاں اگر کوئی عورت بے غیرت بن جائے تو اس کو اپنے نفس کا اختیار ہے۔ ہندوؤں کی طرح اگر اسکو پانچ پانڈے میسر آجائیں اور وہ اس کو قبول بھی کر لیں تو کر لے۔ تمام انبیاء کرام کے مسلمہ حکمتوں میں ایک حکمت یہ ہے کہ اذافاتک الحیاء فاصنع ماشئت جب تجھ سے حیاء جاتی رہی تو پھر جو چاہے کر۔

والسلام خیر الختام

ہے۔ غرض یہ کہ علماء یہود اور علماء نصاریٰ کو مذہبی لحاظ سے تعدد از دواج پر اعتراض کا کوئی حق نہیں۔ اسلام آیا اور اس نے تعدد از دواج کو جائز قرار دیا۔ مگر اس کی حد مقرر کر دی کہ چار سے تجاوز نہ کیا جائے۔ اس لئے کہ نکاح سے مقصود عفت اور تحصین فرج ہے۔ یعنی پاک دامنی اور شرمگاہ کی زنا سے حفاظت مقصود ہے چار عورتوں میں جب ہر تین شب کے بعد عورت کی طرف رجوع کرے گا تو اُسکے حقوق زوجیت پر کوئی اثر نہ پڑے گا۔

شریعت اسلامیہ نے غایت درجہ اعتدال اور توسط کو ملحوظ رکھا نہ تو جاہلیت کی طرح غیر محدود و کثرت کی اجازت دی کہ جس سے شہوت رانی کا دروازہ کھل جائے اور نہ اتنی تنگی کی کہ ایک سے زائد کی اجازت ہی نہ دی جائے بلکہ بین بین حالت کو برقرار رکھا کہ چار تک اجازت دی تاکہ:

۱۔ نکاح کی غرض و غایت یعنی عفت اور حفاظت نظر اور تحصین فرج اور تناسل اور اولاد بہولت حاصل ہو سکے۔ اور زنا سے بالکل یہ محفوظ ہو جائے اس لئے کہ قدرت نے بعض لوگوں کو ایسا قوی اور تندرست اور فارغ البال اور خوشحال بنایا ہے۔ کہ ان کے لئے ایک عورت کافی نہیں ہو سکتی اور بوجہ قوت اور توانائی۔ اور پھر خوشحالی اور تو نگری کی وجہ سے چار بیویوں کے بلا تکلف حقوق زوجیت ادا کرنے پر قادر ہوتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو دوسرے نکاح سے روکنے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ان سے تقویٰ اور پرہیزگاری اور پاکدامنی تو رخصت ہو جائے گی اور بدکاری میں مبتلا ہو جائیں گے۔

بلکہ

اگر ایسے قوی اور توانا جن کے پاس لاکھوں اور کروڑوں کی دولت موجود ہے اگر وہ اپنے خاندان کی چار غریب عورتوں سے اس لئے نکاح کریں کہ ان کی تنگدستی مبدل بفرانی ہو جائے اور وہ غربت کے گھرانہ سے نکل کر ایک راحت اور دولت کے گھرانے میں داخل ہوں اور حق تعالیٰ کی اس نعمت کا شکر کریں تو امید ہے کہ ایسا نکاح اسلامی نقطہ نظر سے بلاشبہ عبادت اور عین عبادت ہوگا اور قومی نقطہ نظر سے اعلیٰ ترین قومی ہمدردی کا ثبوت ہوگا۔ جس دولت مند اور زمیندار اور سرمایہ دار کے خزانے سے ہر مہینہ دس ہزار مزدور اور دس ہزار

خاندان پرورش پاتے ہوں تو اگر اس دولت مند کے خاندان کی چار عورتیں بھی اس کی حرم سرانے میں داخل ہو جائیں اور عیش و عشرت اور عزت و راحت کے ساتھ ان کی عزت اور ناموس بھی محفوظ ہو جائے تو عقلاً و شرعاً اس میں کوئی خرابی نظر نہیں آتی۔!

بلکہ

اگر کوئی بادشاہ یا صدر مملکت یا وزیر سلطنت یا کوئی صاحب ثروت و دولت بیمار پڑ جائے اور پھر بذریعہ اخبار کے یہ اعلان کرائے کہ چار عورتوں سے نکاح کرنا چاہتا ہوں اور ہر عورت کو ایک لاکھ روپیہ مہر دوں گا اور ایک ایک بنگلہ کا ہر ایک کو مالک بنادوں گا جو عورت مجھ سے نکاح کرنا چاہے وہ میرے پاس درخواست بھیج دے۔

تو سب سے پہلے

انہی بیگمات کی درخواستیں پہنچیں گی جو تعداد از دواج کے مسئلہ پر شور برپا کر رہی ہیں۔ یہی مغرب زدہ بیگمات اور ہم رنگ میمات سب سے پہلے اپنے آپ کو اور اپنی بیٹیوں اور بھتیجیوں اور بھانجیوں کو لے کر امراء اور وزراء کے بنگلوں پر خود حاضر ہو جائیں گی اور عجب نہیں کہ ان بیگمات کا اتنا جھوم ہو جائے کہ امیر یا وزیر کو انتظام کے لئے پولیس بلانا پڑ جائے۔ اور اگر کوئی امیر اور وزیر ان بیگمات کے قبول کرنے میں تامل کرے تو یہی بیگمات دلاویز طریقہ سے ان امیروں اور وزیروں کو تعداد از دواج کے فوائد اور منافع سمجھائیں گی۔

۲۔ نیز عورت ہر وقت اس قابل نہیں رہتی کہ خاوند سے ہم بستر ہو سکے کیونکہ اول تو لازمی طور پر ہر مہینہ میں عورت پر پانچ چھ دن ایسے آتے ہیں یعنی ایام ماہواری جس میں مرد کو پرہیز کرنا لازمی ہوتا ہے۔ دوسرے یہ کہ ایام حمل میں عورت کو مرد کی صحبت سے اس لئے پرہیز ضروری ہوتا ہے کہ جنین کی صحت پر کوئی برا اثر نہ پڑے تیسرے یہ کہ بسا اوقات ایک عورت امراض کی وجہ سے یا حمل اور والد اور تناسل کی تکلیف میں مبتلا ہونے کی وجہ سے اس قابل نہیں رہتی کہ مرد اس سے منتفع ہو سکے۔ تو ایسی صورت میں مرد کے زنا سے محفوظ رہنے کی عقلاً اس سے

بہتر کوئی صورت نہیں کہ اس کو دوسرے نکاح کی اجازت دی جائے ورنہ مرد اپنی خواہش کے پورا کرنے کے لئے ناجائز ذرائع استعمال کریں گے۔

حکایت

ایک بزرگ کی بیوی نابینا ہو گئی تو انھوں نے دوسرا نکاح کیا تا کہ یہ دوسری بیوی پہلی نابینا بیوی کی خدمت کر سکے۔

اہل عقل فتویٰ دیں کہ اگر کسی کی پہلی بیوی معذور ہو جائے اور وہ دوسرا نکاح اس لئے کرے تا کہ دوسری بیوی آ کر پہلی بیوی کی خدمت کر سکے اور اس کے بچوں کی تربیت کر سکے تو کیا یہ دوسرا نکاح عین مروت اور عین انسانیت نہ ہوگا۔

۳۔ نیز بسا اوقات عورت امراض کی وجہ سے یا عقیم (باناچھ) ہونے کی وجہ سے تو الد اور تناسل کے قابل نہیں رہتی اور مرد کو بقاءِ نسل کی طرف فطری رغبت ہے۔ ایسی صورت میں عورت کو بے وجہ طلاق دے کر علیحدہ کر دینا یا اسپر کوئی الزام لگا کر اس کو طلاق دیدینا (جیسا کہ دن رات یورپ میں ہوتا رہتا ہے) بہتر ہے یا یہ صورت بہتر ہے کہ اس کی زوجیت اور حقوق زوجیت کو باقی اور محفوظ رکھ کر شوہر کو دوسرے نکاح کی اجازت دیدی جائے۔ بتلاؤ کونسی صورت بہتر ہے۔ اگر کسی قوم کو اپنی تعداد بڑھانی منظور ہو تو اس کی سب سے بہتر تدبیر یہی ہو سکتی ہے کہ ایک ایک مرد کئی شادیاں کرے تا کہ بہت سی اولاد ہو سکے زمانہ جاہلیت میں فقر اور افلاس کے ڈر سے صرف لڑکیوں کو زندہ درگور کر دیا کرتے تھے۔ اور موجودہ تہذیب و تمدن کے دور میں ضبطِ تولید کی دوائیں ایجاد ہو گئیں جس سے موجودہ تہذیب قدیم جاہلیت سے سبقت لے گئی اپنی ذہانت سے نسل کشی اور زنا اور بدکاری کی پردہ پوشی کے عجیب و غریب طریقے جاری کر دیئے جو اب تک کسی کے حاشیہ خیال میں بھی نہ گزرے تھے۔

۴۔ نیز تجربہ اور مشاہدہ سے اور مردم شماری کے نقشوں سے معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں کی تعداد قدرتا اور عادتاً ہمیشہ مردوں سے زیادہ رہتی ہے۔ جو کہ قدرتی طور پر تعدادِ ازدواج کی ایک بین دلیل ہے۔ لاکھوں مرد لڑائیوں میں مارے جاتے ہیں۔ اور ہزاروں مرد جہازوں میں ڈوب کر مر جاتے ہیں۔ اور ہزاروں مردکانوں میں دب کر اور تعمیرات میں بلند یوں سے گر کر جاتے

ہیں۔ اور عورتیں پیدا زیادہ ہوتی ہیں اور مرتی کم ہیں پس اگر ایک مرد کو کئی شادیوں کی اجازت نہ دی جائے تو یہ فاضل عورتیں بالکل معطل اور بے کار رہیں کون ان کی معاش کا کفیل اور ذمہ دار بنے اور کس طرح یہ عورتیں اپنی فطری خواہش کو دبائیں اور اپنے کو زنا سے محفوظ رکھیں۔ پس تعداد از دواج کا حکم بے کس عورتوں کا سہارا ہے اور ان کی عصمت اور ناموس کی حفاظت کا واحد ذریعہ ہے اور ان کی جان اور آبرو کا نگہبان اور پاسبان ہے۔ عورتوں پر اسلام کے اس احسان کا شکر واجب ہے کہ تم کو تکلیف سے بچایا اور راحت پہنچائی اور ٹھکانہ دیا۔ اور لوگوں کی تہمت اور بدگمانی سے تم کو محفوظ کر دیا دنیا میں جب کبھی عظیم الشان لڑائیاں پیش آتی ہیں تو مرد ہی زیادہ مارے جاتے ہیں اور قوم میں بے کس عورتوں کی تعداد بڑھ جاتی ہے تو اس وقت ہمدردان قوم کی نگاہیں اس اسلامی اصول کی طرف اٹھ جاتی ہیں ابھی پچیس سال قبل کی بات ہے کہ جنگ عظیم کے بعد جرمنی اور دوسرے یورپی ممالک جن کے مذہب میں تعداد از دواج جائز نہیں۔ عورتوں کی اس بے کسی کو دیکھ کر اندر ہی اندر تعداد از دواج کا فتویٰ تیار کر رہے تھے مگر زبان سے دم بخود تھے جو لوگ تعداد از دواج کو برا سمجھتے ہیں ہم ان سے یہ سوال کرتے ہیں کہ جب ملک میں عورتیں لاکھوں کی تعداد میں مردوں سے زیادہ ہوں تو ان کی فطری اور طبعی جذبات اور ان کی معاشی ضروریات کی تکمیل کے لئے آپ کے پاس کیا حل ہے اور آپ نے ان یکس اور بے سہارا عورتوں کی مصیبت دور کرنے کے لئے کیا قانون بنایا ہے۔ حضرت حکیم الامتہ مولانا اشرف علی صاحب قدس اللہ سرہ المصالح العقلیہ ص ۷۳۱ ج ۱ میں تحریر فرماتے ہیں:-

گزشتہ مردم شماری میں بعض محاسبین نے صرف بنگال کے مردوں اور عورتوں کی تعداد پر نظر کی تھی تو معلوم ہوا تھا کہ عورتوں کی تعداد مردوں سے زیادہ ہے۔ جو کہ قدرتی طور پر تعداد از دواج پر ایک تین دلیل ہے جس کو شک ہو وہ علیحدہ مردوں اور عورتوں کی تعداد کو سرکاری کاغذات مردم شماری ہند میں ملاحظہ کر لے کہ عورتوں کی تعداد مردوں سے زیادہ ثابت ہوگی۔ اس کے ساتھ ہی ہم اس امر کی طرف بھی توجہ دلاتے ہیں کہ یورپ جس کو سب ممالک سے بڑھ کر تعداد از دواج کی ضرورت سے منزہ اور مبرا سمجھا جاتا ہے عورتوں کی تعداد مردوں سے کس قدر زیادہ ہے چنانچہ برطانیہ کلاں میں بوڑوں کی جنگ سے پہلے بارہ لاکھ اٹھ ہتر ہزار تین سو پچاس (۱۲۶۹۳۵۰) عورتیں ایسی تھیں کہ جن کے لئے ایک بیوی والے قاعدہ سے کوئی مرد مہیا نہیں ہو سکتا۔ فرانس میں ۱۹۰۰ء کی مردم شماری

میں عورتوں کی تعداد مردوں سے چار لاکھ تین سو ہزار سات سو نو زیادہ تھی۔ جرمن میں ۱۹۰۰ء کی مردم شماری میں ہر ہزار مرد کے لئے ایک ہزار ستیس عورتیں موجود تھیں گویا کل آبادی میں آٹھ لاکھ ستاسی ہزار چھ سو اڑتالیس عورتیں ایسی تھیں جن سے شادی کرنے والا کوئی مرد نہ تھا۔

سوئڈن میں ۱۹۰۱ء کی مردم شماری میں ایک لاکھ بائیس ہزار آٹھ سو ستر (۱۲۲۸۷۰) عورتیں اور ہسپانیہ میں ۱۸۹۰ء کی مردم شماری میں چار لاکھ ستاون ہزار دو سو بائیس عورتیں تھیں۔ اور آسٹریا میں ۱۸۹۰ء میں چھ لاکھ چوالیس ہزار سات سو چھیانوے عورتیں مردوں سے زائد تھیں۔

اب ہم سوال کرتے ہیں کہ اس بات پر فخر کر لینا تو آسان ہے کہ ہم تعددِ ازدواج کو بُرا سمجھتے ہیں مگر یہ بتایا جائے کہ کم از کم ان چالیس لاکھ عورتوں کے لئے کونسا قانون تجویز کیا جائے کیونکہ ایک بیوی کے قاعدہ کی رُو سے یورپ میں تو ان کے لئے خاوند نہیں مل سکتے۔ ہمارا سوال یہ ہے کہ جو قوانین انسانی ضروریات کے لئے بنائے جاتے ہیں وہ انسانی ضروریات کے مطابق بھی ہونے چاہئیں یا نہیں وہ قانون جو تعددِ ازدواج کی ممانعت کرتا ہے وہ ان چالیس لاکھ عورتوں کو یہ کہتا ہے کہ وہ اپنی فطرت کے خلاف چلیں اور ان کے دلوں میں مردوں کی کبھی خواہش پیدا نہ ہو لیکن یہ امر تو ناممکن ہے جیسا کہ خود بخود تجربہ اس کی شہادت دے رہا ہے پس نتیجہ یہ ہوگا کہ جائز طریق سے روکے جانے کے باعث وہ ناجائز طریق اختیار کریں گی۔ اور اس طرح ان میں زنا کی کثرت ہوگی اور یہ تعددِ ازدواج کی مخالفت کا نتیجہ ہے اور یہ امر کہ اس سے زنا زیادہ پھیلے گا۔ خیال ہی نہیں بلکہ امر واقع ہے جیسا کہ ہزار ہا ولد الحرام بچوں کی تعداد سے ثابت ہو رہا ہے جو ہر سال پیدا ہوتے ہیں“ (حضرت تھانوی کا کلام ختم ہوا۔)

افسوس اور صد ہزار افسوس

کہ اہل مغرب اسلام کے اس جائز اور سراپا مصلحت آمیز تعددِ ازدواج پر تو عیش پسندی کا الزام لگائیں اور غیر محدود ناجائز تعلقات اور بلا نکاح کی لا تعداد آشنائی کو تہذیب اور تمدن سمجھیں۔ زنا جو کہ تمام انبیاء و مرسلین کی شریعتوں میں حرام اور تمام حکماء کی حکمتوں میں قبیح اور

شرمناک فعل رہا مغرب۔ کہ مدعیان تہذیب کو اس کا قبیح ہونا نظر نہیں آتا۔ اور تعدد ازدواج جو کہ تمام انبیاء و مرسلین اور تمام حکماء اور عقلاء کے نزدیک جائز اور مستحسن رہا وہ ان کو قبیح نظر آتا ہے۔ ان مہذب قوموں کے نزدیک تعدد ازدواج تو جرم ہے اور زنا اور بدکاری اور غیر عورتوں سے آشنائی جرم نہیں۔ ان مہذب قوموں میں تعدد ازدواج کی ممانعت کا تو قانون موجود ہے مگر زنا کی ممانعت کا کوئی قانون نہیں۔

۵۔ تعدد ازدواج کے جواز اور استحسان کا اصل سبب یہ ہے کہ تعدد ازدواج عفت اور پاکدامنی اور تقویٰ اور پرہیزگاری جیسی عظیم نعمت اور صفت کی حفاظت کا ذریعہ ہے۔ جو لوگ تعدد ازدواج کے مخالف ہیں وہ اندرونی خواہشوں اور بیرونی افعال کا مطالعہ کریں۔ جو قومیں زبان سے پاک تعدد ازدواج کے منکر ہیں وہ عملی طور پر ناپاک تعدد ازدواج یعنی زنا اور بدکاری میں مبتلا اور گرفتار ہیں اور ان کی خواہشوں کی وسعت اور دست درازی نے یہ ثابت کر دیا کہ فطرت میں تعدد اور تنوع کی آرزو موجود ہے۔ ورنہ ایک عورت پر قناعت کرتے۔ پس خداوند علیم و حکیم نے اپنے قانون میں انسانوں کی وسیع خواہشوں اور اندرونی سیلانوں کی رعایت فرما کر ایسا قانون تجویز فرمایا کہ جو مختلف جذبات والی طبائع کو بھی عفت اور تقویٰ اور طہارت کے دائرہ میں محدود رکھ سکے۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد ذکاح کیوں فرمائے؟

آں حضرت ﷺ کی بعثت کا مقصد یہ تھا کہ لوگوں کو ورطہ ہلاکت اور گرداب مصیبت سے نکالیں۔ اس کے لئے حق جل شانہ نے ایک مکمل قانون اور دستور العمل یعنی قرآن نازل فرمایا کہ جس کے بعد قیامت تک کسی قانون کی ضرورت نہ رہے۔ اور دوسرے آپ کی زندگی کو لوگوں کے لئے اسوہ اور نمونہ بنایا کہ اس کو دیکھ کر عمل کریں۔ اس لئے کہ محض قانون لوگوں کی اصلاح کے لئے کافی نہیں جب تک کوئی عملی نمونہ سامنے نہ ہو کہ جو لوگوں کو اپنی طرف مائل کر سکے۔ اور دنیا یہ دیکھ لے کہ اللہ کا نبی جس چیز کی دعوت دے رہا ہے اس کے قول اور فعل میں ذرہ برابر اختلاف نہیں کما قال قال تعالیٰ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ۔

انسانی زندگی کے دو پہلو

ہر انسانی زندگی کے دو پہلو ہوتے ہیں ایک بیرونی اور ایک اندرونی کسی کی عملی حالت کا صحیح اندازہ کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ دونوں رخوں کے حالات بے نقاب کیے جائیں۔ بیرونی زندگی اس حالت کا نام ہے جو انسان عام لوگوں کے سامنے بسر کرتا ہے اس حصہ کے متعلق انسان کے تفصیلی حالات معلوم کرنے کے لئے کثرت سے شواہد دستیاب ہو سکتے ہیں۔ اور اندرونی زندگی سے خانگی زندگی مراد ہے جس سے انسان کی اخلاقی حالت کا صحیح پتہ چل سکتا ہے ہر فرد اپنے گھر کے چہار دیواری میں آزاد ہوتا ہے اور اپنی بیوی اور اہل خانہ سے بے تکلف ہوتا ہے انسان کی اخلاقی اور عملی کمزوریاں اہل خانہ سے پوشیدہ نہیں ہوتیں پس ایسی صورت میں انسان کی صحیح زندگی کا اندازہ کرنے کے لئے سب سے بہتر کسوٹی یہی ہے کہ اس کے خانگی حالات دنیا کے سامنے آجائیں۔

اسی طرح آں حضرت ﷺ کی حیات طیبہ کے دو پہلو تھے ایک بیرونی زندگی اور ایک خانگی زندگی بیرونی زندگی کے حالات تو تمام و کمال صحابہ کرام کی جماعت نے دنیا کو پہنچائے جس کی نظیر کسی ملت اور مذہب میں نہیں کسی امت نے اپنے نبی کی زندگی کے حالات اس تفصیل و تحقیق اور تدقیق کے ساتھ تو کیا اس کا عشر عشر بھی دنیا کے سامنے نہیں پیش کیا۔

اور خانگی اور اندرونی زندگی کے حالات کو امہات المؤمنین یعنی ازواج مطہرات کی جماعت نے دنیا کے سامنے پیش کیا جس سے اندرون خانہ آپ کی عبادت اور تہجد اور شب بیداری اور فقیری اور درویشی اور اخلاقی اور عملی زندگی کے تمام اندرونی اور خانگی حالات دنیا کے سامنے آ گئے جس سے حضور پر نور کی خدا ترسی اور راست بازی اور پاکدامنی روز روشن کی طرح واضح ہو گئی کہ رات کی تاریکیوں میں جبکہ سوائے عالم الغیب کے کوئی دیکھنے والا نہ تھا کس طرح آپ اللہ کی عبادت میں ذوق و شوق کے ساتھ مشغول رہتے تھے۔ جس کے لئے سورہ مزمل شاہد عدل ہے۔

اس لئے

حضور پر نور نے سوائے خدیجۃ الکبریٰ کے دس عورتوں سے نکاح فرمایا تا کہ عورتوں کی ایک

کثیر جماعت آپ کی خانگی زندگی دنیا کے سامنے پیش کر سکے۔ اس لئے کہ بیوی جس قدر شوہر کے رازوں سے واقف ہو سکتی ہے کوئی دوسرا شخص ہرگز ہرگز واقف نہیں ہو سکتا۔ اس لیے حضور نے متعدد نکاح فرمائے۔ تاکہ آپ کی خانگی زندگی کے تمام حالات نہایت وثوق کے ساتھ دنیا کے سامنے آجائیں اور ایک کثیر جماعت کی روایت کے بعد کسی قسم کا شک اور شبہ باقی نہ رہے اور شریعت کے وہ احکام و مسائل جو خاص عورتوں سے متعلق ہیں اور مردوں سے بیان کرنے میں حیا اور حجاب مانع ہوتا ہے ایسے احکام شریعہ کی تبلیغ ازواج مطہرات کے ذریعہ سے ہو جائے اور حضور پر نور کا متعدد عورتوں سے نکاح کرنا معاذ اللہ حفظ نفس کے لئے نہ تھا اس لئے کہ حضور نے سوائے ایک شادی کے تمام شادیاں بیواؤں سے کی ہیں۔ جو نہ اپنے حسن و جمال کی خاطر مشہور تھیں اور نہ مال و دولت کے اعتبار سے بلکہ معاملہ اس کے برعکس تھا۔ اور نہ آپ کے یہاں کوئی عیش و عشرت کا سامان تھا۔ بلکہ فقط مقصود یہ تھا کہ عورتوں کے متعلق جو شریعت کے احکام ہیں ان کی تبلیغ عورتوں ہی کے ذریعے ہو سکتی ہے۔ اور ازواج مطہرات کے حجرے در حقیقت امت کے امہات اور معاملات کے حجرے تھے۔

جس ذات بابرکات کے گھر میں دود و مہینہ تو انہ چڑھتا ہوا اور پانی اور کھجور پر اس کا اور اس کی بیویوں کا گزرا رہا ہوا اور جس کا دن مسجد میں اور رات مصلے پر کھڑے ہوئے اس طرح گزرتی ہو کہ اللہ کے سامنے کھڑے کھڑے پاؤں پر ورم آجائے وہاں عیش و عشرت کا تصور ہی محال ہے۔

اولادِ کرام

آں حضرت ﷺ کی اولاد کے بارے میں اقوال مختلف ہیں سب سے زیادہ معتبر اور مستند قول یہ ہے کہ تین صاحبزادے اور چار صاحبزادیاں تھیں۔

قاسم۔ عبد اللہ۔ جن کو طیب اور طاہر کے نام سے بھی پکارا جاتا تھا۔ ابراہیم۔ زینب۔ رقیہ۔ ام کلثوم۔ فاطمہ الزہراء صاحبزادیوں کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں بالاتفاق چار تھیں چاروں بڑی ہو گئیں۔ بیاہی گئیں۔ اسلام لائیں۔ ہجرت کی۔ حضرت ابراہیم کے بارے میں بھی کوئی اختلاف نہیں یہ بالاتفاق آپ کی ام ولد ماریہ قبطیہ کے لطن سے تھے اور بچپن ہی میں انتقال کر گئے۔ حضرت ابراہیم کے سوا تمام اولاد حضرت خدیجہ ہی کے لطن سے ہے اور کسی بیوی سے آپ کو کوئی اولاد نہیں ہوئی۔

حضرت خدیجہ کے لطن سے جس قدر لڑکے پیدا ہوئے وہ سب بچپن ہی میں داغ مفارقت دے گئے اس لئے ان کی تعداد میں اختلاف ہے جمہور علماء میر کا قول یہ ہے کہ حضرت خدیجہ کے لطن سے دو صاحبزادے پیدا ہوئے ایک قاسم اور دوسرے عبداللہ اور حضرت قاسم اور حضرت عبداللہ ہی کا دوسرا نام طیب و طاہر بھی تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ طیب اور طاہر آپ کے دو صاحبزادے تھے۔ جو حضرت قاسم اور حضرت عبداللہ کے علاوہ تھے۔ اس قول کی بناء پر حضرت خدیجہ کے لطن سے لڑکوں اور لڑکیوں کی تعداد برابر ہو جاتی ہے۔

بعض کہتے ہیں کہ حضرت خدیجہ کے لطن سے چھ صاحبزادے ہوئے پانچویں اور چھٹے صاحبزادے کا نام مطیب اور مطہر تھا۔ واللہ اعلم!

حضرت قاسم رضی اللہ تعالیٰ عنہ

آپ کی اولاد میں سب سے پہلے حضرت قاسم پیدا ہوئے اور بعثت نبوی سے پیشتر ہی انتقال کر گئے۔ صرف دو سال زندہ رہے اور بعض کا قول ہے کہ سن تمیز کو پہنچ کر وفات پائی۔ اور آں حضرت ﷺ کی کنیت ابوالقاسم انہی کے انتساب سے تھی۔ (زرقانی صفحہ ۱۹۴ ج ۳)

حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا

حضرت زینب آپ کی صاحبزادیوں میں بالاتفاق سب سے بڑی ہیں بعثت سے دس سال پہلے پیدا ہوئیں۔ اور اسلام لائیں۔ اور بدر کے بعد ہجرت کی۔ اپنے خالہ زاد بھائی۔ ابوالعاص بن ربیع سے بیاہی گئیں۔ حضرت زینب کی ہجرت کا مفصل واقعہ اسیران بدر کے بیان میں گزر چکا ہے۔ شروع ۸ھ میں انتقال کیا ایک لڑکا اور ایک لڑکی اپنی یادگار چھوڑی۔ لڑکے کا نام علی تھا۔ اور لڑکی کا نام امامہ تھا۔

علی کے متعلق روایتیں مختلف ہیں مشہور قول یہ ہے کہ سن تمیز کو پہنچ کر اپنے والد ابوالعاص کی حیات ہی میں انتقال کر گئے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ معرکہ یرموک میں شہید ہوئے۔

امامہ سے آں حضرت ﷺ بہت محبت فرماتے تھے امامہ آپ سے بہت مانوس تھیں۔ بعض اوقات نماز میں آپ کے دوش مبارک پر چڑھ جاتی تھیں آپ آہستہ سے ان کو اتار دیتے تھے۔ (کما اخرجہ البخاری ومسلم)

ایک بار آں حضرت ﷺ کے پاس ہدیہ میں ایک زرّین ہار آیا۔ تمام ازواجِ مطہرات اس وقت جمع تھیں۔ اور امامہ گھر کے ایک گوشہ میں مٹی سے کھیل رہی تھیں۔ آپ نے فرمایا یہ ہار میں اپنے محبوب ترین اہل کو دوں گا۔ سب کا گمان یہ تھا کہ حضرت عائشہ کو عطا فرمائیں گے لیکن آپ نے امامہ کو بلایا اور اول اُن کی آنکھوں کو اپنے دست مبارک سے پونچھا اور پھر وہ ہار ان کے گلے میں ڈالا۔ (اخرجہ ابن سعد و احمد و ابو یعلیٰ و سند حسن عن عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا)

حضرت فاطمہ کے انتقال کے بعد حضرت علی نے امامہ سے نکاح کیا اور جب حضرت علی نے شہادت پائی تو مغیرہ بن نوفل کو وصیت کی کہ تم امامہ سے نکاح کر لینا۔ بعض کہتے ہیں کہ مغیرہ کے حضرت امامہ سے ایک لڑکا ہوا جس کا نام یحییٰ تھا۔ اور بعض کہتے ہیں کہ امامہ کے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ اور حضرت امامہ نے مغیرہ کے یہاں وفات پائی۔

حضرت رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

حضرت رقیہ اور حضرت ام کلثوم۔ آپ کی یہ دونوں صاحبزادیاں ابولہب کے بیٹوں سے منسوب تھیں۔ رقیہ۔ عتبہ بن ابی لہب سے اور ام کلثوم کا عتبہ بن ابی لہب سے فقط نکاح ہوا تھا عروسی نہیں ہوئی تھی۔ جب تَبَّتْ يَدَا اَبِيْ لَهَبٍ وَتَبَّ۔ نازل ہوئی تو ابی لہب نے بیٹوں کو بلا کر کہا کہ اگر تم محمد کی بیٹیوں کو طلاق نہ دو گے تو سمجھ لو کہ تمہارے ساتھ میرا سونا اور بیٹھنا حرام ہے۔ دونوں بیٹوں نے باپ کے حکم کی تعمیل کی اور عروسی سے پہلے ہی آپ کی دونوں صاحبزادیوں کو طلاق دیدی۔ آپ نے حضرت رقیہ کا نکاح حضرت عثمان سے کر دیا۔ حضرت عثمان نے جب حبشہ کی طرف ہجرت کی تو حضرت رقیہ بھی آپ کے ہمراہ تھیں۔ کچھ عرصہ تک آپ کو ان دونوں کی کچھ خبر معلوم نہ ہوئی ایک عورت آئی اور اس نے یہ خبر دی کہ میں نے دونوں کو دیکھا ہے آپ نے فرمایا۔

صحبہما اللہ ان عثمان اول اللہ ان دونوں کے ساتھ ہو تحقیق عثمان لوط
من ہاجر باہلہ بعد لوط علیہ السلام کے بعد پہلا شخص ہے جس نے
(رواہ ابن المبارک وغیرہ) مع اہل و عیال کے ہجرت کی ہے۔

وہاں جا کر ایک بچہ پیدا ہوا جس کا نام عبد اللہ رکھا گیا۔ چھ سال زندہ رہ کر انتقال کر گیا۔
جس وقت آنحضرت ﷺ غزوہ بدر کے لئے روانہ ہوئے تو حضرت رقیہ بیمار تھیں
اسی وجہ سے حضرت عثمان غزوہ بدر میں شریک نہ ہو سکے ان کی تیمارداری میں رہے عین اُسی
روز کہ جس روز حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسلام کی فتح اور مشرکین کی ہزیمت کی
بشارت اور خوشخبری لیکر مدینہ آئے۔ حضرت رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے انتقال فرمایا حضرت رقیہ
کی علالت کی وجہ سے اسامہ بن زید بھی بدر میں شریک نہیں ہوئے صاحبزادی کے دفن میں
مشغول تھے کہ یکا یک تکبیر کی آواز سنائی دی۔ حضرت عثمان نے پوچھا اے اسامہ یہ کیا
ہے۔ دیکھتے کیا ہیں کہ زید بن حارثہ آں حضرت ﷺ کی ناقہ پر سوار ہیں اور مشرکین کے
قتل کی بشارت لے کر آئے ہیں انتقال کے وقت بیس سال کی عمر تھی۔

حضرت ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا

ام کلثوم اسی کنیت کے ساتھ مشہور تھیں بظاہر یہ کنیت ہی آپ کا نام تھا۔ اسکے علاوہ آپ کا
کوئی نام ثابت نہیں۔ حضرت رقیہ کی وفات کے بعد۔ ماہ ربیع الاول ۳ھ کو حضرت عثمان کے
نکاح میں آئیں چھ سال حضرت عثمان کے ساتھ رہیں اور کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ ماہ شعبان
۹ھ میں انتقال کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے نماز جنازہ پڑھائی حضرت علی اور فضل بن عباس اور
اسامہ بن زید نے قبر میں اتارا آں حضرت ﷺ قبر کے کنارہ پر بیٹھے ہوئے تھے اور
آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔

حضرت ام کلثوم۔ پہلے ابوالہب کے بیٹے عتیبہ سے منسوب تھیں باپ کے کہنے پر
طلاق دیدی۔ طلاق تو دوسرے بیٹے عتبہ نے بھی حضرت رقیہ کو دیدی تھی۔ مگر عتیبہ نے فقط
طلاق پر اکتفا نہ کی بلکہ طلاق دیکر آپ کے پاس آیا اور یہ کہا۔

کہ میں آپ کے دین کا منکر ہوں اور آپ کی بیٹی کو طلاق دیدی ہے وہ مجھ کو پسند نہیں کرتی اور میں اس کو پسند نہیں کرتا اس کے بعد آپ پر حملہ کیا اور آپ کا پیرا ہن چاک کر دیا۔ آپ نے بد دعا فرمائی کہ اے اللہ اسپر کوئی درندہ اپنے درندوں میں سے مسلط فرما۔ چنانچہ ایک مرتبہ قریش کا تجارتی قافلہ شام کی طرف گیا جا کر مقام زرقاء میں اُترا ابولہب اور عتیبہ بھی اس قافلہ میں تھے۔ رات کے وقت ایک شیر آگیا وہ شیر قافلہ والوں کے چہروں کو دیکھتا جاتا تھا۔ اور سونگھتا جاتا تھا۔ جب عتیبہ پر پہنچا تو فوراً اس کا سر چبایا۔ عتیبہ کا اُسی وقت دم نکل گیا اور شیر ایسا غائب ہوا کہ کہیں اس کا پتہ نہ چلا۔ مفصل قصہ انشاء اللہ تعالیٰ معجزات کے بیان میں آئے گا۔

حضرت ام کلثوم کا انتقال ہو گیا۔ تو رسول اللہ ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا کہ اگر میرے دس لڑکیاں بھی ہوتیں تو یکے بعد دیگرے عثمان کی زوجیت میں دیتا رہتا۔ رواہ الطبرانی منقطع الاسناد

حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا

فاطمہ آپ کا نام اور زہراء اور بتول یہ دو آپ کے لقب تھے۔ حضرت سیدہ کو بتول اس لیے کہا جاتا ہے کہ بتول بتل بمعنی قطع سے مشتق ہے کہ اپنے فضل و کمال کی وجہ سے دُنیا کی عورتوں سے منقطع تھیں یا یہ کہ ماسوی اللہ منقطع اور علیحدہ تھیں اور بوجہ باطنی زہرت و بہجت و صفاء و نورانیت ”زہراء“ کہلاتی تھیں۔

ابن عبد البر فرماتے ہیں کہ بعثت کے پہلے سال میں پیدا ہوئیں۔ ابن جوزی کہتے ہیں کہ بعثت سے پانچ سال پیشتر پیدا ہوئیں جبکہ قریش خانہ کعبہ کی تعمیر کر رہے تھے ۳۔ آپ کی تمام صاحبزادیوں میں حضرت فاطمۃ الزہراء سب سے چھوٹی ہیں سب سے بڑی حضرت زینب ہیں۔ پھر حضرت رقیہ پھر حضرت ام کلثوم پھر حضرت فاطمہ۔ اس ترتیب سے پیدا ہوئیں۔ (استیعاب لابن عبد البر ص ۳۷۲ ج ۴ ترجمہ فاطمۃ الزہراء حاشیہ اصالبہ) ۲۔ حضرت علی کے ساتھ نکاح ہوا پہلے قول کی بنا پر حضرت فاطمہ اس وقت پندرہ

سال اور ساڑھے پانچ مہینہ کی تھیں۔ اور دوسرے قول کی بنا پر اُنیس سال اور ڈیڑھ مہینہ کی تھیں۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق اختلاف ہے کہ وہ کس سن میں اسلام لائے ایک قول یہ ہے کہ آٹھ سال کی عمر میں اور دوسرا قول یہ ہے کہ دس سال کی عمر میں اسلام لائے پہلے قول کی بنا پر نکاح کے وقت حضرت علی کی عمر اکیس سال اور پانچ مہینہ ہوگی اور دوسرے قول کی بنا پر چوبیس سال اور ڈیڑھ مہینہ ہوگی (زرقانی ص ۲۰۴ ج ۳)

حضرت فاطمہ کے نکاح کی تفصیل ۲ھ کے واقعات میں گزر چکی ہے۔
حضرت فاطمہ کے پانچ اولاد ہوئیں تین لڑکے اور دو لڑکیاں۔ حسن۔ حسین۔ محسن۔ ام کلثوم۔ زینب۔

سوائے حضرت فاطمہ کے اور کسی صاحب زادی سے آں حضرت علیہ السلام کی نسل کا سلسلہ نہیں چلا۔

محسن تو بچپن ہی میں انتقال کر گئے اور حضرت ام کلثوم سے حضرت عمر نے نکاح فرمایا۔ اور کوئی اولاد نہیں ہوئی۔

اور حضرت زینب کا نکاح عبداللہ بن جعفر سے ہوا اور اُن سے اولاد ہوئی۔
آں حضرت علیہ السلام کی وفات کے چھ مہینہ بعد ماہ رمضان ۱۱ھ میں حضرت فاطمہ الزہراء نے انتقال فرمایا۔ حضرت عباس نے نماز جنازہ پڑھائی اور حضرت علی اور حضرت عباس اور فضل بن عباس نے قبر میں اتارا۔ (اصابہ۔ ترجمہ حضرت فاطمہ الزہراء) ۲

فضائل و مناقب

رسول اللہ ﷺ کو سب سے زیادہ محبوب تھیں بار بار آپ نے فرمایا ہے کہ اے فاطمہ کیا تو اسپر راضی نہیں کہ تو جنت کی تمام عورتوں کی سردار ہو۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ نے یہ فرمایا کہ تو تمام عالم کی عورتوں سردار ہے سوائے مریم کے۔ آپ کا معمول تھا کہ جب آپ سفر میں جاتے تو سب سے اخیر میں حضرت فاطمہ سے ملتے اور جب سفر سے واپس آتے تو سب سے پہلے حضرت فاطمہ کے پاس جاتے۔ ۳

حضرت سیدہ کے فضائل و مناقب کے لئے ایک مستقل تصنیف درکار ہے اس لئے ہم نے بادل ناخواستہ اختصار سے کام لیا۔

حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت ابراہیم۔ آل حضرت کی آخری اولاد ہیں جو ماریہ قبطیہ کے لطن سے ماہ ذی الحجہ ۸ھ میں پیدا ہوئے ساتویں روز آپ نے عقیقہ کیا۔ عقیقہ میں دو مینڈھے ذبح کرائے سرمند وایا گیا بالوں کی برابر چاندی تو لکر صدقہ کی گئی۔ اور بال زمین میں دفن کیے گئے اور ابراہیم نام رکھا۔ اور عوالی میں ایک دودھ پلانے والی کے حوالے کیا۔ کبھی کبھی آپ تشریف لیجاتے اور گود میں لیکر پیار کرتے تقریباً پندرہ سولہ مہینہ زندہ رہ کر ۱۰ھ میں انتقال کیا۔ جس روز انتقال ہوا اتفاق سے اس روز سورج گہن ہوا۔ عرب کا یہ عقیدہ تھا کہ جب کوئی بڑا شخص مرتا ہے تو سورج گہن ہوتا ہے۔ اس لیے آپ نے اس عقیدہ فاسدہ کے رد کرنے کے لیے خطبہ دیا کہ چاند اور سورج اللہ کی نشانیاں ہیں کسی کے مرنے یا جینے سے ان کو گہن نہیں لگتا۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ڈراتا ہے۔ جب ایسا دیکھو تو نماز پڑھو اور دعا کرو۔ اور صدقہ دو۔

حلیہ مبارک ﷺ

آل حضرت ﷺ نے زیادہ لمبے تھے اور نہ پُست قد۔ میانہ قد تھے۔ سر بڑا تھا۔ ریش مبارک گھنی تھی آپ کے سر مبارک اور ریش مبارک میں گنتی کے تقریباً بیس پچیس بال سفید تھے۔ چہرہ انور نہایت خوبصورت اور نورانی تھا۔ جس نے بھی آپ کا چہرہ انور دیکھا ہے اس نے حضور کے چہرہ انور کو چودھویں رات کے چاند کی طرح منور بیان کیا ہے۔

آپ کے پسینہ میں ایک خاص قسم کی خوشبو تھی چہرہ انور سے جب پسینہ ٹپکتا تو موتیوں کی طرح معلوم ہوتا۔ حضرت انس فرماتے ہیں کہ ہم نے دیباچ اور حریر کو آپ کے جلد سے زیادہ نرم نہیں دیکھا۔ اور مشک و عنبر میں آپ کے بدن معطر سے زیادہ خوشبو نہ سونگھی۔

مہرِ نبوت

دونوں شانوں کے درمیان میں دائیں شانہ کے قریب مہرِ نبوت تھی صحیح مسلم میں ہے کہ حضور پر نور کے دو شانوں کے درمیان میں ایک سُرخ گوشت کا ٹکڑا کبوتر کے انڈے کی مانند تھا۔ یہ مہرِ نبوت آں حضرت ﷺ کی نبوت کی خاص نشانی تھی جس کا ذکر کتب سابقہ اور انبیاء سابقین کی بشارتوں میں تھا علماء بنی اسرائیل اسی علامت کو دیکھ کر پہچان لیتے تھے۔ کہ حضور پر نور وہی نبی آخر الزمان ہیں کہ جن کی انبیاء سابقین نے بشارت دی ہے اور جو علامت (مہرِ نبوت) بتلائی تھی وہ آپ میں موجود ہے گویا یہ مہرِ نبوت آپ کی نبوت کے لئے من جانب اللہ۔ خدا تعالیٰ کی مہر اور سند تھی۔ (دیکھو مدارج النبوة ص ۱۲ ج ۱)

علامہ سیبلی فرماتے ہیں کہ مہرِ نبوت حضور کے بائیں شانہ کی ہڈی کے قریب تھی وجہ اس کی یہ ہے کہ جسم انسانی میں شیطان کے داخل ہونے کی یہی جگہ ہے پیچھے ہی سے آکر شیطان دل میں وسوسہ ڈالتا ہے اس لئے آپ کے جسم مبارک میں اس جگہ مہرِ نبوت لگادی گئی۔ تاکہ شیطان کی آمد کا دروازہ بند ہو جائے اور آپ کے قلب متور میں کسی راہ سے شیطان کا کوئی وسوسہ نہ داخل ہو سکے۔ (خصائص کبریٰ صفحہ ۶۰ جلد ۱)

اور بعض روایات میں ہے کہ حضور پر نور کی پشت پر جو مہرِ نبوت تھی اس میں قدرتی طور پر مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللہ لکھا ہوا معلوم ہوتا تھا۔

أَخْرَجَ ابْنُ عَسَاكَرٍ وَالْحَاكِمُ
فِي تَارِيخِ نَيْسَابُورٍ عَنْ ابْنِ عَمْرِو بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ
عَمْرٍو قَالَ كَانَ خَاتَمُ النَّبَوَّةِ
عَلَى ظَهْرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِثْلَ الْبِنْدَقَةِ مِنْ
لَحْمٍ مَكْتُوبٍ فِيهَا بِاللَّحْمِ
مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ

حافظ ابن عساکر اور حاکم نے تاریخ
نیشاپور میں ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے
روایت کیا ہے کہ مہرِ نبوت آں
حضرت ﷺ کی پشت پر گوشت کی گولی
کی طرح تھی اور گوشت ہی سے (قدرتی
طور پر) اس میں محمد رسول اللہ لکھا ہوا تھا۔

خصائص کبریٰ للسیوطی ص ۶۰ و زرقانی شرح مواہب ص

علامہ زرقاتی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث متعدد طرق سے مروی ہے۔ بعض طریق ان میں سے باطل ہیں اور بعض ضعیف اور شیخ عبدالرؤف مناوی شرح شامل کے صفحہ ۶۰ جلد اول میں لکھتے ہیں کہ حافظ قطب الدین حلبی نے اور پھر ان کی تبعیت میں حافظ مغلاطائی نے اس حدیث کے طرق اور اسانید کا استیعاب کیا ہے مگر کوئی روایت ان میں سے درجہ صحت اور ثبوت کو نہیں پہنچی ”انتہی کلامہ“ اور علامہ قاری نے بھی شرح شامل ص ۵۹ جلد اول میں یہی لکھا ہے کہ یہ روایت پایہ ثبوت کو نہیں پہنچی۔ اھ

سر کے بال اکثر مونڈھے تک اور کبھی نرمہ گوش تک لٹکے رہتے تھے بالوں میں کنگھی بھی کرتے تھے اور آنکھوں میں سرمہ بھی ڈالتے تھے۔ باوجودیکہ آنکھیں قدرتی طور پر سرگیں تھیں۔

آپ کی آنکھیں نہایت خوشنما اور کشادہ تھیں۔ خوب سیاہ اور سرخی مائل تھیں سینہ سے لیکر ناف تک ایک نہایت خوب صورت باریک خط تھا۔ دونوں بازو اور قد میں پُر گوشت تھے۔ حضور پر نور جب چلتے تو ایسا معلوم ہوتا کہ گویا پاؤں جما کر اٹھاتے ہیں اور اوپر سے نیچے کی طرف جارہے ہیں۔

الغرض

آپ کا جسم اطہر اور چہرہ انور تمام ظاہری اور باطنی محاسن سے مزین تھا سوائے (مسکرانے) کے آپ کبھی بھی کھل کھلا کر نہیں ہنسے۔ حدیث میں ہے کہ صورت اور سیرت میں آپ سب سے زیادہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مشابہ تھے۔

ریش مبارک

ریش مبارک یعنی ڈاڑھی آپ کی گھنی تھی۔ آپ اسے بالکل کترواتے نہ تھے البتہ مونچھیں کترواتے تھے۔ مگر گاہ بگاہ جو بال زائد ہو جاتے تھے اُن کو کتر وادیتے تھے تاکہ صورت بد نما نہ معلوم ہو۔ چونکہ ڈاڑھی تمام انبیاء و مرسلین کی سنت تھی۔ معاذ اللہ معاذ اللہ ملکی اور قومی رواج کی بناء پر نہ تھی جیسا کہ بعض گمراہوں اور نادانوں کا خیال ہے۔

ڈاڑھی صرف سنت محمدیہ اور طریقہ اسلام ہی نہیں بلکہ تمام پیغمبروں (جن کی تعداد تقریباً ایک لاکھ چوبیس ہزار ہے) کی سنت ہے جیسا کہ حدیث میں آیا ہے مَنْ سَنَّ الْمُرْسَلِينَ یعنی ڈاڑھی تمام انبیاء و مرسلین کی سنت ہے۔

گر جاؤں میں آج بھی جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تصویر رکھی ہوئی ہے اس میں بھی ڈاڑھی موجود ہے اور علماء یہود اور نصاریٰ جن کو پادری کہتے ہیں وہ اکثر و بیشتر نیچی ڈاڑھی رکھتے ہیں۔ غرض یہ کہ مذہبی گروہ میں ڈاڑھی کا ہونا یہ اس امر کی صریح دلیل ہے کہ ڈاڑھی انبیاء کرام کی سنت ہے اور سیدنا ہارون علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ڈاڑھی کا ذکر قرآن کریم میں صراحۃً موجود ہے۔ یا ابن ام لا تأخذ بلحیتی وَلَا بِرَأْسِي عرب میں جو لوگ ملت ابراہیمی کے متبع تھے وہ ڈاڑھی رکھتے تھے ورنہ اکثر مشرکین ڈاڑھی منڈاتے تھے۔ اس لئے آپ نے ارشاد فرمایا خالفوا المشرکین۔ احفوا الشوارب واعفوا اللحی مشرکین کی مخالفت کرو۔ اور ان کی طرح ڈاڑھی مت منڈاؤ۔ انبیاء کرام کی سنت کے مطابق مونچھیں کتر واؤ اور ڈاڑھی بڑھاؤ اور مشرکین کے تشبہ سے اپنے آپ کو محفوظ رکھو۔ اور انبیاء و مرسلین کی ہیئت اور شکل اختیار کرو برگزیدہ بندوں کی ہیئت اور شکل بھی پسندیدہ ہوتی ہے اور ”مغضوب علیہم“ اور ”ضالین“ یعنی یہود و نصاریٰ کی مشابہت میں غضب اور ضلال کا اندیشہ ہے۔

غرض یہ کہ ڈاڑھی کل انبیاء و مرسلین اور تمام صحابہ و تابعین اور تمام علماء ربانین کی سنت مستمرہ ہے اور شعائر اسلام میں سے ہے۔ ڈاڑھی نہ رکھنا گناہ کبیرہ ہے اور شعائر اسلام کی علی الاعلان بے حرمتی ہے اور ڈاڑھی کا مذاق اڑانا کفر ہے اس لئے کہ ڈاڑھی کا مذاق اڑانا تمام انبیاء و مرسلین کا استہزاء اور تمسخر ہے اور تمام شریعتوں کے ایک مسلمہ حکم کی توہین ہے۔ اور تمام صحابہ و تابعین اور چودہ صدی کے تمام علماء اور صلحاء اور اولیاء اور سلاطین اسلام کی تحقیر اور تجہیل ہے۔ ڈاڑھی کا مذاق اڑانے والے یہ نہیں سمجھتے کہ پچاس سال قبل اُن کے سلسلہ نسب کے تمام آباؤ اجداد ڈاڑھی رکھتے تھے کیا اس مسخرہ کے نزدیک اس کے تمام آباؤ اجداد حماقت کا سائن بورڈ لگائے ہوئے تھے اللہ تعالیٰ ان نادانوں کو قتل دے۔ آمین۔

مردوں کی ڈاڑھی اور عورتوں کی چوٹی

جس طرح سر کے بال اور چوٹی عورت کے لئے زینت ہیں۔ اسی طرح ڈاڑھی مرد کے لئے زینت ہے۔

اس لیے عورت کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ بالوں کو اپنی حالت پر چھوڑ دے اور منڈانے کی ممانعت کر دی گئی۔ نسائی میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے۔

نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان تحلق المرأة
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ان تحلق المرأة
راسها

مردوں کو بال رکھنے اور منڈانے کا اختیار دیا گیا۔ مگر یہ ہدایت کر دی گئی کہ مرد اپنے بال اتنے لمبے نہ چھوڑیں جس سے عورتوں سے مشابہت پیدا ہو جائے۔ بلکہ اس کی ایک حد مقرر کر دی کہ اس سے متجاوز نہ ہوں یعنی کان کی لو تک یا کاندھے تک سنن ابوداؤد میں ابن حنظلہ سے روایت ہے۔

قال النبی صلی اللہ علیہ وآلہ
وَسَلَّمَ نَعَم الرَّجُلُ خَرِيمٌ لَوْ لَا
طَوَّلَ جِمَّتَهُ وَأَسْبَالَ أَزَارَهُ فَبَلَغَ
ذَلِكَ خَرِيمًا فَآخَذَ مَشْفَرَةً
فَقَطَعَ بِهَا جِمَّتَهُ إِلَى أُذُنَيْهِ وَرَفَعَ
أَزَارَهُ إِلَى أَنْصَافِ سَاقَيْهِ
آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا خرم اسدی اچھا شخص ہے۔ اگر اس کے طول جمتہ و اسبال ازارہ فبلغ ذلک خریما فآخذ مشفرة فقطع بها جمتہ الی اذنیہ و رفع ازارہ الی انصاف ساقیہ اور اس کی ازار ٹخنوں سے لمبی نہ ہوتی۔ جب یہ بات خرم کو پہنچی تو اس نے قینچی لیکر بالوں کو کانوں تک کر دیا اور ازار کو نصف پنڈلی تک کر دیا۔

اور منڈانے والوں کو یہ حکم دیا گیا سر کے بال منڈانے چاہو ہو تو سب بالوں کو منڈا دو یہ جائز نہیں کہ کچھ رکھو اور کچھ منڈا دو۔ صحیح مسلم میں عبداللہ بن عمر سے روایت ہے۔

ان النبی صلی اللہ علیہ وآلہ
وَسَلَّمَ رَأَى صَبِيًّا قَدْ حَلَقَ
آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بچے کو دیکھا کہ اُس کا سر منڈا ہوا تھا اور کچھ بال

بعض راسہ و ترک بعضہ | چھوڑے گئے تھے۔ سو آپ نے ان کو اس
 فنہاہم عن ذالک و قال | سے منع فرمایا اور یہ حکم دیا کہ یا تو سارے سر
 احلقوا کلہ او اترکوا کلہ۔ | کو منڈوا دو یا سارے سر کو چھوڑ دو۔

اور صحیح بخاری میں عبد اللہ بن عمر سے روایت ہے۔

سمعت رسول اللہ صلی اللہ | میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قزح
 علیہ وسلم ینہی عن القزع | سے منع کرتے ہوئے سنا۔ عبید اللہ کہتے
 قال عبید اللہ والقزع ان یتَرَک | ہیں کہ قزع یہ ہے کہ صرف پیشانی کے بال
 بناصیۃ شعر و لیس فی راسہ | چھوڑ دیئے جائیں ان کے سوا سر میں اور
 غیرہ و کذلک شق راسہ | بال نہ ہوں یا سر کے دونوں بازوؤں میں
 و هذا وهذا | بال رکھے جائیں اور باقی سر منڈایا جائے۔

اس ممانعت کی وجہ یہ تھی کہ اس میں یہود کی مشابہت پائی جاتی تھی چنانچہ سنن ابی داؤد
 کی حدیث میں اس کی تصریح موجود ہے۔ فان ذلک زی الیہود یعنی یہ یہود کی ہیئت
 اور ان کا طرز ہے اور جب یہ فعل معصوم بچوں کے لئے ناجائز ہو تو بالغ کے لئے یہ فعل بدرجہ
 اولیٰ ناجائز ہوگا اور اسی طرح سر کے بالوں میں نصاریٰ کی مشابہت بھی ناجائز ہوگی۔
 حق جل شانہ نے مرد اور عورت کی خلقت کو ایک دوسرے سے جُدا اور ممتاز رکھا ہے۔
 ہر ایک کی طبیعت اور مزاج کو الگ بنایا ہے۔

عورتوں کو پیکرِ نزاکت اور منبعِ ولادت بنایا ہے۔ لہذا ان کو حسن و جمال اور سر کے بال عطا
 کئے اور مردوں کو حاکم بنایا اور ویسے ہی اُن کو قویٰ عطا کیے اور ان کی صورت اور اُن کی وضع قطع
 ایسی بنائی کہ جس سے شوکت اور وجاہت ظاہر ہو اس لئے حق تعالیٰ نے مردوں کے چہرے
 پر ڈاڑھی اور مونچھ کا سبزہ لگایا اور ان کے اعضاء میں صلابت اور سختی رکھ دی اور ان کے لہجے
 میں خشونت پیدا کر دی اور ان کی رفتار میں شجاعت اور بہادری رکھ دی اور ان کے دل میں
 ایسے خیالات پیدا فرمائے کہ جو ان کی شان و شوکت کے مناسب ہوں اور عورتوں کی فطرت
 میں نزاکت رکھ دی اور ولادت اور رضاعت اور تربیت کے خیالات ان کے دلوں میں پیدا
 کر دیئے یہی وجہ ہے کہ آج تک کسی حکومت نے عورتوں کی فوج نہیں بنائی۔ اس لئے کہ فوج

کے لئے شجاعت چاہیے نہ کہ نزاکت چونکہ قدرت نے مرد اور عورت کی خلقت اور فطرت کو ایک دوسرے سے ممتاز بنایا اس لئے شریعت اسلام نے حکم دیا کہ مرد عورتوں کے مشابہ نہ بنیں اور عورتیں مردوں کے مشابہ نہ بنیں تاکہ قانون فطرت کی مخالفت نہ ہو اور ایک نوع دوسری نوع کی مخصوص چیزوں کو اختیار نہ کرے مثلاً اسلام نے مردوں کو یہ حکم دیا کہ ریشمین اور زرین کپڑے جو عورتوں کے ساتھ مخصوص ہیں۔ ان کو ہرگز استعمال نہ کریں نہ زیور پہنیں مرد جھومر اور ٹیکہ نہ لگائیں۔ اور نہ ہاتھوں میں چوڑیاں اور کنگن پہنیں اور نہ خالص سرخ رنگ کا لباس پہنیں اور نہ رفتار میں زنانہ انداز پیدا کریں اور نہ ڈاڑھی منڈائیں۔ بلکہ ڈاڑھی کو اپنی حالت پر چھوڑیں اور مونچھوں کو کٹائیں اور ڈاڑھی کو بڑھانا اور مونچھوں کو کتر وانا یہ تمام انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی سنت ہے اور مقتضائے فطرت ہے۔

آں حضرت کے زمانہ میں مجوسی اس خلاف فطرت فعل کے مرتکب تھے۔ کہ مونچھیں بڑھاتے تھے اور ڈاڑھی کٹاتے یا منڈاتے تھے۔ اس لئے آں حضرت ﷺ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ تم مجوس کی جو کہ خلاف فطرت کر رہے ہیں۔ مخالفت کرو اور ڈاڑھی کو چھوڑ دو اور مونچھوں کو کٹاؤ۔

صحیح مسلم میں ابو ہریرہ سے مروی ہے۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جزوا الشوارب وارخوا اللحی وخالفوا المجوس۔
 رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ
 ولسلم جزوا الشوارب وارخوا اللحی وخالفوا المجوس۔
 مجوس کی مخالفت کرو۔

احادیث میں بکثرت آیا ہے کہ ڈاڑھی کا بڑھانا اور مونچھوں کا کتر وانا انبیاء و مرسلین کی سنت ہے اور امور فطرت میں سے ہے فطرت اس کو مقتضی ہے کہ چھوٹے اور بڑے اور مرد اور عورت کے بیان امتیاز ہونا چاہیے سو یہ امتیاز ڈاڑھی سے حاصل ہوتا ہے۔

نیز ڈاڑھی مردوں کے لئے حسن و جمال بھی ہے اور ہیبت اور جلال بھی ہے چاہو تو امتحان کرلو۔

طریقہ امتحان

یہ ہے کہ ایک عمر کے جوانوں اور ادھیڑوں اور بوڑھوں کو لے لیجئے اور ان میں سے ڈاڑھی والوں کو تو ایک صف میں اور ڈاڑھی منڈوں کو دوسری صف میں کھڑا کیجئے اور بیک وقت دونوں طرف نظر ڈالیئے اور دیکھیئے کہ کون سی صف خوب صورت ہے اور کون سی صف بد صورت ہے اسی ایک نظر میں ڈاڑھی کا حسن و جمال معلوم ہو جائیگا جیسے چوٹی والی عورتیں بے چوٹی والی عورتوں سے حسن و جمال میں کہیں زائد ہیں۔ ایسا ہی ڈاڑھی والا مرد اپنے ہم عمر بے ڈاڑھی والے سے بدرجہا حسن و جمال میں زائد ہے جس کا جی چاہے مشاہدہ کر لے۔

کالج میں کچھ لڑکے دیندار بھی ہوتے ہیں جو ڈاڑھی رکھتے ہیں اس ڈاڑھی والے جوان کے ہم عمر کسی ڈاڑھی منڈے نو جوان کو کھڑا کر کے دیکھ لو کہ حسن و جمال میں کون بڑھا ہوا ہے۔

یا

لندن اور جرمن کے ایسے دو ہم عمر نو جوانوں کو لے لیجئے۔ کہ جن کے ڈاڑھی نکلنا ابھی شروع ہوئی ہے اور چھ ماہ تک دونوں کو ڈاڑھی نہ منڈانے دیا جائے پھر چھ ماہ کے بعد ان میں سے اگر ایک نو جوان تو ڈاڑھی منڈائے اور دوسرا اس کا ہم عمر ڈاڑھی نہ منڈائے تو اس وقت ان دونوں نو جوانوں کو برابر کھڑا کر کے دیکھا جائے کہ ان میں سے کونسا حسین و جمیل معلوم ہوتا ہے۔ آپ کی ایک ہی نظر فیصلہ کر دے گی بلاشبہ ڈاڑھی میں جو حسن و جمال ہے۔ وہ ڈاڑھی کے منڈوانے میں نہیں۔

پس جس طرح عورتوں کے لئے سر کے بال اور چوٹی باعث زینت ہیں اسی طرح مردوں کے لئے ڈاڑھی باعث زینت ہے اور اگر زینت کے رکھنے کی ضرورت نہیں تو عورتوں کو بھی سر منڈانا چاہیے۔

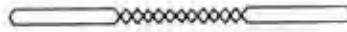
حکایت

سنا گیا ہے کہ یورپ کے کسی خطہ میں بعض عورتوں کو یہ ضبط سوار ہوا کہ سر منڈا دینا چاہیے

تا کہ دماغ کے بخارات نکل جانے کی وجہ سے مردوں کی طرح دماغ صحیح اور تندرست اور قوی ہو جائے ان عورتوں نے جب چند بار سر منڈایا تو ان عورتوں کے ڈاڑھی نکلنے لگی۔ تب سر منڈانا چھوڑا۔

مسئلہ

بعض فقہاء کرام نے بطور معمی لکھا ہے بتلاؤ کوئی ڈاڑھی کا منڈانا واجب ہے اور پھر اس کا جواب دیا ہے کہ عورت کے اگر ڈاڑھی نکل آئے تو اس کا منڈانا واجب ہے۔



لباسِ نبوی ﷺ

آں حضرت ﷺ کا لباس نہایت سادہ اور معمولی ہوتا تھا۔ فقیرانہ اور درویشانہ زندگی تھی عام لباس آپ کا تہد۔ اور چادر اور کرتہ اور جبہ اور کمبل تھا جس میں پیوند لگا ہوتا تھا۔ آپ کو سبز لباس پسند تھا۔ آپ کی پوشاک عموماً سفید ہوتی تھی۔

چادر: یمنی چادر جس پر سبز اور سُرخ خطوط ہوں۔ آپ کو بہت مرغوب تھی جو بردیمانی کے نام سے مشہور تھی خالص سُرخ سے منع فرماتے۔

ٹوپی: سر سے چمٹی ہوئی ہوتی تھی اونچی ٹوپی کبھی استعمال نہیں فرمائی ابو کبشہ انماری سے مروی ہے کہ صحابہ کرام کی ٹوپیاں چمٹی سر سے لگی ہوئی ہوتی تھیں اونچی نہیں ہوتی تھیں۔

عمامہ: آنحضرت ﷺ عمامہ کے نیچے ٹوپی کا التزام رکھتے تھے۔ فرماتے ہیں کہ ہم میں اور مشرکین میں بھی فرق ہے کہ ہم ٹوپوں پر عمامہ باندھتے ہیں۔ (ابوداؤد)

حضور پر نور جب عمامہ باندھتے تو اس کا شملہ دو شانوں کے درمیان لٹکا لیتے اور کبھی دائیں جانب اور کبھی بائیں جانب ڈال لیتے اور کبھی تحت الحنک تھوڑی کے نیچے پلیٹ لیتے حدیث میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ حق تعالیٰ نے جنگِ بدر اور جنگِ حنین میں میری امداد کے لیے ایسے فرشتے اتارے جو عمامے باندھے ہوئے تھے جس کا ذکر قرآن کریم میں ہے۔ بِخَمْسَةِ آلَافٍ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ مُسَوِّمِينَ

پاجامہ: حدیث میں ہے کہ آپ نے منیٰ کے بازار میں پاجامہ بکتا ہوا دیکھا۔ دیکھ کر اسے پسند فرمایا اور فرمایا کہ اس میں بہ نسبت ازار کے تستر زیادہ ہے اور اس کو خرید فرمایا لیکن استعمال کرنا ثابت نہیں۔

قمیص: پیراہن آپ کو بہت محبوب تھا۔ سینہ پر اس کا گریبان تھا کبھی کبھی اس کی گھنڈیاں کھلی ہوئی ہوتی تھیں۔

لنگی: آپ کے تمام کپڑے ٹخنوں سے اوپر رہتے تھے بالخصوص آپ کا تہد آدمی پنڈلی تک ہوتا تھا۔ موزے: بھی استعمال فرماتے تھے اور اپنر مسح فرماتے۔

گدا: آپ کا گدا ایک چمڑے کا ہوتا تھا۔ جس میں کھجور کی چھال بھری ہوتی تھی۔ اور بسا اوقات حضور پر نور ایک بورے پر سویا کرتے تھے حیسر (بوریا) آپ کا بستر تھا۔

انگوٹھی: دست مبارک میں چاندی کی انگوٹھی بھی استعمال فرماتے تھے۔ آن حضرت ﷺ نے جب قیصرِ روم اور نجاشی شاہِ حبشہ وغیرہ کو دعوتِ اسلام کے خطوط لکھنے کا ارادہ فرمایا کہ سلاطین بدوں مہر کے کوئی تحریر قبول نہیں کرتے اس لئے آپ نے چاندی کی ایک انگوٹھی بنوائی جس میں تین سطروں میں اوپر نیچے محمد رسول اللہ لکھا ہوا تھا۔

نعلین مبارکین

نعلین مبارکین۔ چپل کے طرز کے ہوتے تھے کہ جس میں نیچے صرف ایک تہلا ہوتا تھا اور اوپر دو تسمے لگے ہوتے تھے جن میں انگلیاں ڈال دیتے تھے۔ زرقانی ص ۴۵ ج ۵

صَلُّوا عَلَیْهِ وَآلِہٖ

ہٰذَا مَثَلُ نَعَالِہٖ

نَعْلٌ مِّنْ شَرِیفٍ

بہ نقشہ دار اسیر محمد حضرت مگر ان تہلا اور تسمے صاحبِ نبی سے نقل کیا ہے

سایہ سجدہ مناظرِ غم ابد بود

بقلمے کر نشانِ کتب پائے تو بود

خرقہ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

قال الله تعالى
يَا أَيُّهَا الْمُزْمِلُ قُمْ اللَّيْلَ
وَقَالَ تَعَالَى يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ
قُمْ فَأَنْذِرْ وَرَبُّكَ فَكَبِيرٌ

اے برادر در لباسِ صوف باش

باصفہائے خدا موصوف باش

آپ ﷺ کے پاس صوف کا ایک کالا کمبل تھا۔ جس میں پیوند لگے ہوئے تھے جس کو خرقہ (گدڑی) کہتے ہیں۔ صوف کا کالا کمبل جس میں پیوند لگے ہوئے ہوں یہ انبیاء کرام کی سنت ہے جو اولیاء اللہ اور درویشوں کو وراثت میں ملا ہے افسوس اور ہزار افسوس کہ یہ سنت اب دنیا سے رخصت ہوئی صوفی کو صوفی اس لئے کہا جاتا ہے کہ جو صوف کا کمبل انبیاء کرام کی سنت پر عمل کرنے کیلئے پہنتا ہو اور دنیا کو تین طلاق مغلفہ باندھ دیکر بے فکر ہو گیا ہو اور حلہ شاہی و امیری کو اس خرقہ درویشی کے مقابلہ میں ہیچ سمجھتا ہو۔

گرچہ درویشی بود سخت اے پسر

ہم زردویشی نہ باشد خوب تر

قال ابن مسعود كانت
الانبياء يركبون الحمر
ويلبسون الصوف ويحتلبون
الشاة رواه الطيالسي - وعنه
صلى الله عليه وسلم قال كان
على موسى يوم كلمه ربه
كساء صوف كتمه صوف
وجبة صوف وسراويل
صوف وكانت نعلاه من

عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ حضرات
انبیاء گدھوں پر سواری کرتے تھے اور صوف
کا لباس پہنتے تھے اور بکریوں کا دودھ
دوہتے تھے۔ اس روایت کو ابوداؤد و طیالسی
نے روایت کیا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے
ارشاد فرمایا کہ جس روز موسیٰ علیہ السلام حق
تعالیٰ جل شانہ سے ہم کلام ہوئے اس
روز ان کا کمبل صوف کا تھا۔ اور ٹوپی بھی
صوف کی تھی۔ اور جبہ بھی صوف کا تھا اور

حمار میت رواہ الترمذی | پاجامہ بھی صوف کا تھا۔ اور نعلین مُردہ
وقال غریب والحاکم | گدھے کی کھال کے تھے۔ اس حدیث کو
وصححه علیٰ شرط البخاری | ترمذی نے روایت کیا اور کہا غریب الاسناد
(زرقانی ص ۱۶ ج ۵) | ہے اور حاکم نے بھی روایت کیا اور یہ کہا کہ
یہ حدیث شرط بخاری پر صحیح ہے۔

ابو بردۃ بن ابی موسیٰ اشعری راوی ہیں کہ ایک دن عائشہ صدیقہ نے صوف کا ایک موٹا
کمبل جس میں پیوند لگے ہوئے تھے۔ اور ایک موٹا تہمد نکال کر ہم کو دکھلایا اور یہ کہا کہ نبی
اکرم ﷺ کی وفات ان دو کپڑوں میں ہوئی۔

عائشہ صدیقہ کا مقصد آپ کی سادگی اور تواضع اور شان درویشی و فقری کو بتلانا تھا کہ
حضور پر نور کی زندگی ایسی تھی رواہ البخاری فی فرض الخمس والملباس وابدوؤد والترندی
وابن ماجہ۔

اور حق تعالیٰ جل شانہ کے اس سراپا لطف خطاب یعنی یٰأَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ اور یٰأَيُّهَا
الْمُدَّثِّرُ میں اشارہ اس طرف ہے کہ بارگاہ خداوندی میں کمبل اور گدڑی غایت درجہ محبوب تھا
کہ اس لباس کے عنوان سے حضور پر نور کو خطاب فرمایا۔ اس لئے حضرت شاہ عبدالعزیز
قدس سرہ نے لکھا ہے کہ اولیاء کرام کے نزدیک سورہ مزمل کو سورۃ الخرقہ کہتے ہیں جس میں
خرقہ (گدڑی) کے آداب اور شرائط کا ذکر ہے۔ دیکھو تفسیر عزیزی۔

لباس نبوی ﷺ لباس ابراہیمی و اسماعیلی تھا

مَعَاذَ اللَّهِ۔ مَعَاذَ اللَّهِ

قومی اور وطنی لباس نہ تھا

نبی اکرم ﷺ کا یہ لباس اور یہ معاشرۃ معاذ اللہ ثم معاذ اللہ قومیت یا وطنیت کے اتباع
کے ارادے سے نہ تھا بلکہ وحی ربانی اور الہام یزدانی کے اتباع سے تھا عرب میں قدیم سے

حلہ یعنی چادر اور تہ بند کا دستور چلا آ رہا تھا حضرت اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہی لباس تھا جیسا کہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے آذر بایجان کے عربوں کو حلہ پہننے کی یہ کہہ کر ترغیب دی کہ وہ تمہارے باپ اسماعیل علیہ السلام کا لباس ہے۔

أَمَّا بَعْدُ فَاتَزَرُّوْا وَارْتَدُّوْا ۖ اِزَارُ اور چادر کو پہنو اور اپنے باپ اسماعیل علیکم بلباس ابیکم اسمعیل ۖ کے لباس کو لازم پکڑو۔
وَاِیَاکُمْ وَالتَّنْعَمُ وَزِی الْعَحْمِ ۖ

معاذ اللہ، اللہ کا نبی لباس یا معاشرۃ میں قوم کا مقلد اور تابع بنکر نہیں آتا۔ اللہ کی وحی اور اس کے حکم سے قوم کے عقائد اور اخلاق و اعمال اور عبادات اور معاملات سب کے متعلق ہدایتیں اور احکام جاری کرتا ہے۔ یہاں تک کہ بول و براز کے آداب بھی ان کو سکھاتا ہے۔ معاش اور معاد کا کوئی شعبہ ایسا نہیں کہ جس کے متعلق اللہ کے رسول کے پاس کوئی غیبی اشارہ اور الہام باطنی نہ ہو یہ ناممکن ہے کہ نبی عام لوگوں کے رسم و رواج کی پیروی کرے۔ آنحضرت نے لباس کے متعلق بھی احکام جاری فرمائے کہ فلاں جائز ہے اور فلاں حرام یہاں تک کہ مسلمان اور کافر کے لباس میں امتیاز ہو گیا اور بیشمار احادیث نبویہ سے ثابت ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کافروں سے تشبہ کی ممانعت کی ہے اور ان کی مخالفت کا حکم دیا۔ اور جس لباس سے تکبر اور تفاخر اور اسراف اور تنعم مترشح ہوتا ہو اس کو ممنوع قرار دیا۔ اور اس لباس کو بھی ممنوع قرار دیا جو دشمنانِ خدا سے مشابہت کا سبب بنے۔ مشرکین حریر اور دیبا کو استعمال کرتے تھے۔ آپ نے اس کے استعمال سے منع فرمایا۔ مشرکین ازار کو بطور تکبر ٹخنوں سے نیچا گھسٹتا ہوا پہنتے تھے۔ آپ نے اس کو ناجائز قرار دیا۔ زرین مغرق لباس کے استعمال کو ممنوع قرار دیا کہ تکبر اور تنعم اور اسراف کا شائبہ بھی نہ رہے۔ مشرکین ٹوپوں پر عمامہ نہیں باندھتے تھے آپ نے حکم دیا:

فَرَقْ مَا بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۖ ہمارے اور مشرکین کے درمیان فرق یہ العمامِمْ عَلٰی الْقُلَانِسِ ۖ ہے کہ ہم عمامہ ٹوپوں پر باندھتے ہیں۔

اس طرح آپ نے مسلمانوں اور کافروں کے لباس میں تفرقہ قائم فرمایا۔ اور صحیحین میں ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا۔

خالفوا المشركين اوفروا ۞ کافروں کی مخالفت کرو۔ ڈاڑھیوں کو
الدحي واحفوا الشوارب ۞ بڑھاؤ اور مونچھوں کو کم کراؤ۔

یعنی اپنی صورت اور ہیئت کافروں کی سی نہ بناؤ تمہاری وضع قطع کافروں سے جدا رہنی
چاہئے۔

مسند احمد اور سنن ابی داؤد میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔

قال رسول الله صلى الله عليه وآله ۞ آں حضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا جس
وسلم من تشبه بقوم فهو ۞ شخص نے کسی قوم کی مشابہت اختیار کی تو
منهم ۞ وہ شخص اسی قوم میں شمار ہوگا۔

علامہ قاری اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں کہ حدیث من تشبه سے لباس اور
ظاہری امور میں مشابہت اختیار کرنا مراد ہے معنوی اخلاق کی مشابہت کو تشبہ نہیں کہتے بلکہ
اسے تخلق کہتے ہیں۔

اور صحیح مسلم میں عبداللہ بن عمرو بن العاص سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد
فرمایا

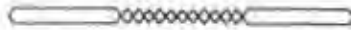
ان هذه من ثياب الكفار فلا ۞ یہ کافروں جیسے کپڑے ہیں پس انکو نہ پہننا
تلبسها

پس ثابت ہو گیا کہ حضور پر نور کا لباس اور آپ کی وضع تمام ترویجی الہی کے تابع تھی۔ قوم
اور وطن کے اتباع میں نہ تھی حضور پر نور اگر بالفرض والتقدیر۔ لندن یا جرمن میں بھی مبعوث
ہوتے تو وہاں بھی لندن کے وحشیوں کی وہی اصلاح فرماتے جو کہ مکہ کے وحشیوں کی فرمائی۔
اور ان کی شہوت پرستی کو خدا پرستی سے اور ان کی بے پردگی کو پردہ سے اور ان کی بے حیائی کو
عفت اور عصمت اور حیا اور شرم سے بدل ڈالتے لہذا کسی نادان کا یہ گمان اور یہ خیال کرنا کہ
معاذ اللہ اگر نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم لندن یا جرمن میں مبعوث ہوتے تو مغربی رسم
ورواج کے تابع ہوتے تو بہ ایک مرعوبانہ اور محکومانہ اور غلامانہ اور اجمقانہ ذہنیت کا کرشمہ ہے
جس کی حقیقت ایک مجنونانہ بڑے زیادہ کچھ نہیں۔ پیغمبر اللہ کی وحی کے تابع ہوتے ہیں ان

اتَّبِعْ إِلَّا مَا يُوحَىٰ إِلَيْكَ - معاذ اللہ - نبی - قوم اور وطن کے تابع نہیں ہوتا بلکہ قوم کو اپنی اتباع کی دعوت دیتا ہے اور صبغة اللہ (اللہ کے رنگ) میں ان کو رنگتا ہے۔

صِبْغَةَ اللَّهِ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللَّهِ صِبْغَةً وَنَحْنُ لَهُ عَابِدُونَ

صبغة اللہ اور اللہ کے رنگ میں مسلمان کی زندگی کا رنگ جانا بنیادی طور سے اس پر موقوف ہے کہ اللہ کے دشمنوں کے طور و طریق پر ان کی وضع قطع اور لباس ہی سے پرہیز کیا جائے تاکہ زندگی کے ہر شعبہ میں کفر سے براءت اور کافروں سے اجتناب ظاہر ہو اور ایمانی رنگ مومن کی زندگی میں ہر طرح اور ہر جانب سے جھلکتا نظر آئے اس مفہوم کی توضیح کیلئے یہ چند الفاظ حضرات قارئین کی خدمت میں پیش ہیں۔ جن کا عنوان التنبہ علی مافی التشبہ یعنی مسئلہ تشبہ بالکفار پر ایک اجمالی نظر ہے۔



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ التَّنْبِیْہُ عَلٰی مَا فِی التَّشْبِہِ یعنی

مسئلہ تشبہ بالکفار پر ایک اجمالی نظر

بحمدہ تعالیٰ جب یہ امر بخوبی ثابت ہو گیا کہ آل حضرت ﷺ کا لباس ازراہ و رداء جبہ اور عمامہ اور ظاہری وضع قطع یہ سب اپنے جدا مجد حضرت اسمعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اقتداء میں تھا۔ معاذ اللہ مشرکین مکہ اور قوم اور وطن کی اتباع اور مشابہت میں نہ تھا تو مناسب معلوم ہوتا ہے کہ طالبان حق کی تنبیہ کے لئے مسئلہ تشبہ کی حقیقت پر کچھ مختصر سا کلام کر دیا جائے کیونکہ مسئلہ تشبہ اسلام کے ان اہم ترین مسائل میں سے ہے کہ جن پر اسلام کے بہت سے احکام قابل تسلیم نہ رہیں گے یہی وجہ ہے کہ جو لوگ مغربی تہذیب کے دلدادہ اور شیدائی ہیں اور اسلامی احکام کی حدود و قیود سے آزاد ہونا چاہتے ہیں۔ ان کا سب سے پہلا حملہ اسلام کے اسی مسئلہ تشبہ پر ہوتا ہے اور اپنی تمام تر سعی اس کے مٹانے میں صرف کرتے ہیں تاکہ آئندہ کے لئے راستہ صاف ہو جائے اور دعویٰ اسلام کے ساتھ مغربی تمدن میں کوئی رکاوٹ نہ رہے۔ زبان کے اعتبار سے مسلمان کہلائیں اور معاشرۃ اور تمدن اور وضع قطع اور ہیئت اور لباس میں انگریز بنے رہیں۔ ع

”ایں خیال است و محال است وجنوں“

شریعت اسلامیہ میں چونکہ تشبہ بالکفار کا مسئلہ خاص اہمیت رکھتا ہے جو بے شمار آیات اور احادیث سے ثابت ہے اس لئے تفسیر اور حدیث اور فقہ اور علم العقائد کی کوئی کتاب مسئلہ تشبہ کے بیان سے خالی نہیں حضرات فقہاء و متکلمین نے مسئلہ تشبہ کو باب الارتداد میں بیان کیا ہے کہ مسلمان کن چیزوں کے ارتکاب سے مرتد اور دائرۃ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔ ان میں سے ایک تشبہ بالکفار بھی ہے اور اس کے درجات اور مراتب ہیں۔ اور ہر ایک کا حکم جداگانہ ہے۔

یعنی تشبہ بالکفار کی خرابیوں پر تنبیہ

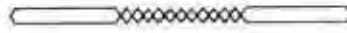
ساتویں صدی کے عالم جلیل شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ حرائی متوفی ۷۲۸ھ نے اسی مسئلہ تشبیہ کی حقیقت واضح کرنے کے لئے اقتضاء الصراط المستقیم مخالفت اصحاب التحمیم کے نام سے ایک مبسوط کتاب تحریر فرمائی جس میں مسئلہ تشبیہ کے مختلف پہلوؤں پر کتاب و سنت اور عقل اور نقل کی روشنی میں کلام فرمایا اور کتاب و سنت کے نصوص سے یہ واضح کر دیا کہ دینی و دنیوی زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں کہ جہاں شریعت غراء اور ملت بیضاء نے کفر اور شرک کی نجاست اور ظلمت کی مشابہت سے حفاظت کا اپنے دوستوں کو کوئی حکم نہ دیا ہو اور یہ ثابت کر دیا کہ صراط مستقیم کا اقتضاء یہی ہے کہ ”مغضوب علیہم“ اور ”ضالین“ کی مشابہت سے احتراز کیا جائے۔

اب اس انگریزی اور مغربی دور میں پھر یہ فتنہ رونما ہوا اور علماء دین نے اپنی پوری توجہ اس پر صرف کی مگر اس دور پر فتن میں مسئلہ تشبیہ پر کوئی ایسی جامع کتاب نہیں لکھی گئی کہ جس میں اس مسئلہ کے تمام پہلوؤں پر منظم اور مرتب اور مدلل اور مسلسل کلام کیا گیا ہو اور ساتھ ہی ساتھ مشکلیں کے شکوک اور موسوسین کے وساوس اور اوہام کا ایسا ازالہ اور قلع قمع کر دیا گیا ہو کہ جس کے بعد کسی کولب کشائی کی گنجائش باقی نہ رہے۔ سو الحمد للہ یہ فریضہ دینی ہمارے محبت محترم عالم ربانی فاضل لاثانی مولانا قاری حافظ محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند حفظہ اللہ تعالیٰ و اطال اللہ حیاتہ و ذخرا للمسلمین آمین یا رب العالمین کے قلم حکمت رقم سے ادا ہوا جزاہ اللہ تعالیٰ عن الاسلام والمسلمین خیرا۔

موصوف نے التشبیہ فی الاسلام کے نام سے دو حصوں میں ایک کتاب تحریر فرمائی یہ مسئلہ تشبیہ کی تحقیق و تدقیق میں بے نظیر اور بے مثال کتاب ہے اور بلاشبہ وہ اپنا شبیہ اور مثیل نہیں رکھتی حضرت حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی صاحب قدس اللہ سرہ کتاب مذکور کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں۔

بعد الحمد والصلوٰۃ۔ اس احقر نے رسالہ ہذا کو حرفا حرفا دیکھا ایک ایک حرف کے ساتھ قلب میں سرور اور آنکھوں میں نور بڑھتا جاتا تھا۔ تشبیہ کا مسئلہ ایسا مکمل و مفصل و مدلل لکھا ہوا میں نے نہیں دیکھا۔ جن لطائف تک ذہن جانیکا احتمال تک نہ تھا وہ منصہ ظہور پر آ گئے۔ بعید سے بعید شبہات تک کا قلع قمع کر دیا گیا اللہ تعالیٰ رسالہ کو نافع اور مقبول فرما کر ان کلم طیب کے عموم میں داخل فرمائے جن کی شان میں الیہ یصعد الکلم الطیب وارد ہے اور

صاحب رسالہ کو اس جماعت میں داخل فرمائے۔ جس کی شان میں ہمد و اللہ الطیب
 من القول و ہمد و اللہ صراط الحمید وارد ہے انتہی
 اس لئے ناظرین کرام کی خدمت میں گزارش ہے کہ اگر مسئلہ تشبہ کی پوری تفصیل درکار
 ہو تو ”التشبیہ فی الاسلام“ کی مراجعت فرمائیں اس وقت یہ ناچیز نہایت اختصار کیساتھ اس
 مسئلہ کو پیش کر رہا ہے جس کا بہت سا حصہ اقتضاء الصراط المستقیم اور التشبیہ فی الاسلام سے
 ماخوذ ہے اور بہت سے مواضع میں حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی
 قدس اللہ سرہ کے مختلف مواعظ اور ملفوظات میں مسئلہ تشبہ پر جو امور نظر سے گذرے وہ بھی
 اس مختصر تحریر میں درج کر دیئے تاکہ ناظرین کرام کیلئے موجب ہدایت اور باعث بصیرت
 ہوں۔ فاقول وبالله التحقیق و بیدہ ازمۃ التحقیق۔



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ نَحْمَدُهُ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ

حدیث میں ہے: بدأ الا سلا غریبا وسیعود غریبا فطوبی للغرباء۔ اسلام شروع میں غریب الوطن تھا یعنی یکس اور بے یار و مددگار تھا اور بے سہارا تھا خلافت راشدہ کے دور سعادت سراپائین و برکت میں آفتاب اور مہتاب بکھر چکا اور قیصر و کسرا کی حکومت اور سلطنت کا تختہ الٹ کر رکھ دیا۔ اور اپنے سادہ معاشرۃ اور خدا پرستانہ تمدن سے قیصر اور کسریٰ کی نظر فریب اور پریشان و شکوہ معاشرۃ اور تمدن کو کھلے بندوں زمین پر پچھاڑا جس کا تماشا دنیا نے دیکھا۔

اور نبی اکرم ﷺ کے دس سالہ غزوات اور پھر صدیق اکبر اور فاروق اعظم کے دس سالہ سلسلہ جہادات و فتوحات کا یہ غیبی اثر ہوا کہ دس صدی تک پوری روئے زمین پر اسلام ہی کو اقتدار اعلیٰ حاصل رہا اور اسلام ہی کا تمدن اور معاشرۃ دنیا کے ہر تمدن اور معاشرۃ پر غالب رہا۔ دنیا کی قومیں اسلامی معاشرۃ اور تمدن کو اپنے لئے باعث عزت سمجھتی رہیں خلفاء عباسیہ کے دور میں علم و حکمت کا بازار گرم ہوا اور صنعت و حرفت بام عروج پر پہنچی اور یورپ کے باشندے اس وقت ایک جاہل اور وحشی قوم تھے انہوں نے مسلمانوں سے علم و حکمت سیکھا اور صنعت و حرفت اور تہذیب و تمدن کا سبق لیا۔

اور دنیاوی شاہراہ ترقی پر گامزن ہوئے بعد ازاں جب اسلامی حکومتوں کے فرمانروا حکومت کے نشہ میں عیش پرستی کا شکار بن گئے۔ اور میر جعفر اور میر صادق جیسے منافق اُن کے وزیر بن گئے۔

گر بہ میر و سگ وزیر و موش را دیوان کنند
ایں چنین ارکان دولت ملک را ویراں کنند

تو نتیجہ اس کا یہ ہوا کہ اسلامی حکومتیں معرض زوال اور اختلال میں پڑ گئیں اور اسلام کی ہاتھ کی پچھاڑی ہوئی قومیں برسر اقتدار آ گئیں اور اپنی بد اعمالی اور شومی قسمت سے حاکم محکوم بن گئے۔ اور محکوم حاکم ہو گئے۔

چند روز تک مسلمانوں کو اپنی اس ذلت اور انقلاب کی حالت کا احساس رہا۔ مگر رفتہ رفتہ مسلمانوں نے ان کی معاشرۃ اور تمدن اور وضع قطع کو قبول کرنا شروع کر دیا۔ نوبت بایں جا رسید کہ اسلامی ممالک کے باشندے غیروں کے معاشرے میں ایسے رنگے گئے کہ اپنے اور پرانے۔ مسلم اور غیر مسلم کا ظاہر نظر میں کوئی فرق نہ رہا۔

اور حسب ارشاد نبوی و سید عود غریباً اسلام ابتدا کی طرح اس دور میں پھر غریب اور گدائے بے نوا اور بے کس و بے یار و مددگار بن گیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ۔
اس کی وجہ یہ نہیں کہ اسلامی معاشرہ میں کسی قسم کی کوئی خرابی یا کوتاہی ہے اور نئے معاشرہ میں کوئی خوبی یا کمال یا کوئی حسن و جمال ہے۔

بلکہ

اس کی وجہ یہ ہے کہ نئے معاشرہ کی بساط تمام تر نفسانی شہوات و لذات اور نام و نمود اور فخر و مباہات پر بچھی ہوئی ہے اور قوت و شوکت کے زیر سایہ وہ پرورش پا رہا ہے جو باطبع نفس کو غایت درجہ محبوب ہے۔

اور اسلامی معاشرہ کی بساط سادگی اور تواضع اور زہد اور قناعت اور خدا پرستی اور نفس کشی پر بچھی ہوئی ہے جس کو نفس پسند نہیں کرتا۔

ابو بکر و عمر ایک طرف ایسے امیر مملکت تھے کہ دنیا کی سب سے بڑی دو طاقتیں قیصر و کسریٰ بھی اُن سے تھراتی تھیں۔ اور دوسری طرف شیخ طریقت بھی تھے کمل پوش اور مسجد کے امام بھی تھے جن کو دیکھ کر لوگ اپنے دین کو درست کرتے تھے۔

خداوند علیم و حکیم کی قضاء و قدر نے قوم عاد اور قوم ثمود اور فرعون اور نمرود کی طرح مغربی اقوام کو چند روزہ اقتدار عطا کیا۔ جن کے آتے ہی نفسانی اور شہوانی معاشرہ کا دور دورہ شروع ہو گیا۔ اور چھپے ہوئے شہوت پرست نمایاں ہو گئے اور ظاہر ہے کہ جس چیز کو قوت اور شوکت اور حکومت و سلطنت کی سرپرستی حاصل ہو تو سادہ لوح اور عام طبیعتیں اسی میں جذب ہو جاتی ہیں خصوصاً جس معاشرہ میں نفسانی خواہشوں کو آزادی ملتی ہو اور حکومت اور سلطنت کے

سرپرستی کی وجہ سے اس کے حصول میں کوئی مانع بھی نہ رہے تو بلاشبہ ایسا معاشرہ مخلوقِ خدا کے لئے فتنہ عظمیٰ ہوگا۔

افسوس اور صد افسوس کہ مسلمان بھی اب اسی رویہ میں بہہ جا رہے ہیں اور جو قومیں ان کے اسلاف اور بزرگوں کی پچھاڑی ہوئی اور بانج گزار تھیں ان کے پیچھے پیچھے دوڑ رہے ہیں۔ اور اپنے اسلاف کے خصائل و عادات اور ان کے ملبوسات کو ترک کر کے دن بدن مغضوب علیہم اور ضالین یعنی یہود و نصاریٰ کی مماثلت اور مشابہت اختیار کرتے جا رہے ہیں۔ حیرت کا مقام ہے کہ مشرق کا نور مغرب کی ظلمت پر کیوں فریفتہ ہو گیا۔

اے میرے مسلمان بھائیو! یہ دنیا سرائے فانی ہے تِلْكَ الْآيَاتُ نَذَاوِلَهَا بَيْنَ النَّاسِ کا مظہر ہے۔ جن متمذّن قوموں نے انبیاء کرام کے مقابلہ میں مَنَّ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً کا نعرہ لگایا اور تمذّن اور معاشرۃ میں دنیا سے آگے نکلے کما قال تعالیٰ عَمْرُوهَا أَكْثَرُ مِمَّا عَمْرُوهَا۔ اور لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِي الْبِلَادِ اور انبیاء اللہ کی گدڑی اور کمبل اور عمامہ اور دستار اور تہبند اور ازار کا مسخر کیا انجام کا وہ سب کے سب تباہ اور برباد ہوئے فَهَلْ تَرَى لَهُمْ مِّنْ بَاقِيَةٍ۔ وَهَلْ تَحْسِبُ مِنْهُمْ مِّنْ أَحَدٍ أَوْ تَسْمَعُ لَهُمْ رِكْزًا کسی کا نام و نشان نہ رہا۔ کسی کو حق تعالیٰ نے غرق کیا اور کسی کو زمین میں دھنسا یا اور کسی پر آسمان سے پتھر برسائے اور کسی کو چیخ سے ہلاک کیا۔ ان کل الا کذب الرسل فحق وعید۔

آدم برسرِ مطلب

اب میں مختصر طور پر اہل اسلام کی خدمت میں مسئلہ تشبہ کی حقیقت عرض کرتا ہوں اور اس کے حسن کو واضح کرتا ہوں امید ہے کہ اہل اسلام اس کو غور سے پڑھیں گے۔ اِنْ اُرِيدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ وَمَا تَوْفِيقِي اِلَّا بِاللّٰهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَالْيِهْ اَنِيبُ۔

تشبہ کی حقیقت

حق جل شانہ نے زمین سے لیکر آسمان تک خواہ حیوانات ہوں یا نباتات یا جمادات سب کو ایک ہی مادہ سے پیدا کیا اور سب کو ایک ہی خوان و جود سے حصّہ ملا مگر باوجود اس کے

ہر چیز کی صورت اور شکل علیحدہ بنائی تاکہ ان میں امتیاز قائم رہے اور ایک دوسرے سے پہچانا جائے کیونکہ امتیاز کا ذریعہ صرف یہی ظاہری شکل و صورت اور ظاہری رنگ و روپ ہے انسان اور حیوان میں۔ شیر اور گدھے میں۔ گھاس اور زعفران میں۔ باورچی خانہ اور پاخانہ میں۔ جیل خانہ اور شفا خانہ میں جو امتیاز ہے۔ وہ صرف اسی ظاہری شکل و ہیئت کی بنا پر ہے اگر کسی نوع کا کوئی فرد اپنی خصوصیات اور امتیازات کو چھوڑ کر دوسری نوع کی امتیازات و خصوصیات اختیار کر لے تو اس کو پہلی نوع کا فرد نہ کہیں گے۔ بلکہ وہ دوسری نوع کا فرد کہلائے گا اگر کوئی مرد مردانہ خصوصیات اور امتیازات کو چھوڑ کر زنانہ خصوصیات کو اختیار کر لے، عورتوں ہی کا لباس پہننے لگے اور انہی کی طرح بولنے لگے حتیٰ کہ اُس مرد کی تمام حرکات و سکنات عورتوں ہی جیسی ہو جائیں تو وہ شخص مرد نہ کہلائے گا بلکہ بھجرا کہلائے گا، حالانکہ اس کی حقیقت رجولیت میں کوئی فرق نہیں آیا صرف لباس اور ہیئت کی تبدیلی ہوئی ہے۔ پس معلوم ہوا کہ اگر اس مادی عالم میں۔ ہر نوع کی خصوصیات اور امتیازات کی حفاظت نہ کی جائے اور التباس اور اختلاف کا دروازہ کھول دیا جائے تو پھر اُس نوع کا وجود باقی نہ رہے گا۔

اختلافِ اقوام و اُمم

اسی طرح اقوام اور اُمم کے اختلاف کو سمجھو کہ مادی کائنات کی طرح۔ دنیا کی قومیں اپنے معنوی خصائص اور باطنی امتیازات کے ذریعے ایک دوسرے سے ممتاز اور جدا ہیں۔ مسلم قوم، ہندو قوم۔ عیسائی قوم۔ یہودی قوم۔ باوجود ایک باپ کی اولاد ہونے کے مختلف قومیں بن گئیں۔ مذہب اور ملت کے اختلاف کے علاوہ۔ اختلاف کی ایک وجہ یہ ہے کہ ہر قوم کا تمدن اور اس کی تہذیب اور اس کا معاشرہ اور اس کا طرز لباس اور طریق خورد و نوش دوسرے سے جدا ہے اور باوجود ایک خدا کے ماننے کے ہر ایک کی عبادت کی صورت اور شکل علیحدہ ہوگی۔

عبادات کی انہیں خاص خاص شکلوں اور صورتوں کی وجہ سے ایک مسلم اور موحد مشرک اور بت پرست سے علیحدہ ہے اور ایک عیسائی ایک پارسی سے جدا ہے۔

غرض یہ کہ قوموں میں امتیاز کا ذریعہ سوائے ان قومی خصوصیات کے اور کیا ہے جب تک

ان مخصوص شکلوں اور ہیئتوں کی حفاظت نہ کی جائے تو قوموں کا امتیاز باقی نہیں رہ سکتا پس جب تک کسی قوم کی مذہبی اور معاشرتی خصوصیات باقی ہیں اس وقت تک وہ قوم بھی باقی ہے اور جب کسی قوم نے اپنی خصوصیات اور اشکال کو چھوڑ کر دوسری قوم کی خصوصیات کو اختیار کر لیا اور یہ قوم دوسری قوم کے ساتھ مختلط اور مشتبہ ہو گئی تو سمجھو کہ یہ قوم اب فناء ہو گئی اور اب صفحہ ہستی پر اس کا کوئی ذاتی وجود باقی نہیں رہا۔

تشبہ کی تعریف

اب اس حقیقت کے واضح ہو جانے کے بعد تشبہ کی تعریف سنئے تاکہ آپ تشبہ کی قباحتوں اور مضرتوں کا اندازہ لگا سکیں۔

(۱)

اپنی حقیقت اور اپنی صورت اور وجود کو چھوڑ کر دوسری قوم کی حقیقت اور اس کی صورت اور اس کے وجود میں مدغم ہو جانے کا نام تشبہ ہے۔

بالفاظ دیگر (۲)

یا اپنی ہستی کو دوسرے کی ہستی میں فنا کر دینے کا نام تشبہ ہے۔

یا (۳)

اپنی ہیئت اور وضع کو تبدیل کر کے دوسری قوم کی وضع اور ہیئت اختیار کر لینے کا نام تشبہ ہے۔

یا (۴)

اپنی شان امتیازی کو چھوڑ کر دوسری قوم کی شان امتیازی کو اختیار کر لینے کا نام تشبہ ہے۔

یا (۵)

اپنی اور اپنوں کی صورت اور سیرت کو چھوڑ کر غیروں اور پرائیوں کی صورت اور سیرت کو اپنا لینے کا نام تشبہ ہے۔

اس لیے شریعت حکم دیتی ہے کہ مسلمان قوم دوسری قوموں سے ظاہری طور پر ممتاز اور جدا ہونی چاہیے لباس میں بھی ممتاز ہونی چاہئے اور وضع قطع میں بھی اس لئے کہ ظاہری علامت کے علاوہ خاص جسم کے اندر بھی کسی علامت کا ہونا ضروری ہے سو وہ ختنہ اور ڈاڑھی

ہے اور وہ ظاہری علامت لباس ہے بغیر ان دو علامتوں کے شناخت نہیں ہو سکتی نہ تو صرف ڈاڑھی کافی ہے اس لئے کہ لڑکوں کے ڈاڑھی نہیں ہوتی اُن کی شناخت کس طرح ہوگی نیز بعض قومیں ڈاڑھی رکھتی ہیں۔ اُن کی شناخت سوائے لباس کے کسی چیز سے نہیں ہو سکتی معلوم ہوا کہ اسلامی امتیاز کے لئے لباس اور ڈاڑھی دونوں کی ضرورت ہے منع تشبہ کے حکم کا منشاء معاذ اللہ تعصب اور تنگ نظری نہیں بلکہ غیرت اور حمیت ہے جس سے مقصد ملت اسلامیہ اور امت مسلمہ کو غیروں کے التباس اور اشتباہ کی تباہی سے بچانا ہے اس لئے کہ جو قوم اپنی خصوصیات اور امتیازات کی محافظ نہ ہو وہ کوئی آزاد اور مستقل قوم کہلانے کی مستحق نہیں۔

تشبہ بالکفار کا حکم

تشبہ بالکفار اعتقادات اور عبادات میں کفر ہے اور مذہبی رسومات میں حرام ہے جیسا کہ نصاریٰ کی طرح سینہ پر صلیب لٹکانا اور ہنود کی طرح زنا باندھ لینا یا پیشانی پر نقشہ لگالینا ایسا تشبہ بلاشبہ حرام ہے جس میں اندیشہ کفر کا ہے اس لئے کہ علی الاعلان شعائر کفر کا اختیار کرنا اس کے رضاء قلبی کی علامت ہے۔

اور تشبہ کی یہ قسم ثانی اگرچہ قسم اول سے درجہ میں ذرا کم ہے مگر پیشاب اور پاخانہ میں فرق ہونے سے کیا کوئی پیشاب کا پینا گوارا کر لے گا ہرگز نہیں اور عبادات اور مذہبی رسومات اور عیدین میں کفار کی مشابہت کی ممانعت اشارات قرآنیہ اور احادیث صحیحہ و کثیرہ سے ثابت ہے جیسا کہ حافظ ابن تیمیہ نے اقتضاء الصراط المستقیم میں بالتفصیل ان تمام آیات اور روایات کو بیان کیا ہے۔

(۳)

اور معاشرہ اور عادات اور قومی شعائر میں تشبہ مکروہ تحریمی ہے مثلاً کسی قوم کا وہ مخصوص لباس استعمال کرنا جو خاص اُن ہی کی طرف منسوب ہو اور اس کا استعمال کرنے والا اسی قوم کا ایک فرد سمجھا جانے لگے جیسے نصرانی ٹوپی (ہیٹ) اور ہندوانہ دھوتی اور جو گیانہ جوتی یہ سب ناجائز اور ممنوع ہے اور تشبہ میں داخل ہے بالخصوص جبکہ بطور تفاخر یا انگریزوں کی وضع بنانے کی نیت سے پہنی جائے تو اور بھی زیادہ گناہ ہے۔ جو گیوں اور پنڈتوں کی وضع قطع اختیار کرنے کا جو حکم ہے وہی انگریزی وضع قطع اختیار کرنے کا حکم ہے۔

اور علیٰ ہذا کافروں کی زبان اور ان کے لب و لہجہ اور طرز کلام کو اس لئے اختیار کرنا کہ ہم بھی انگریزوں کے مشابہ بن جائیں اور ان کے زمزہ میں داخل ہو جائیں تو بلاشبہ یہ ممنوع ہوگا، ہاں اگر انگریزی زبان سیکھنے سے انگریزوں کی مشابہت مقصود نہ ہو بلکہ محض زبان سیکھنا مقصود ہو کہ کافروں کی غرض سے آگاہ ہو جائیں اور ان سے تجارتی اور دنیاوی امور میں خط و کتابت کر سکیں تو کوئی مضائقہ نہیں۔

جیسے کوئی ہندی اور سنسکرت اس لئے سیکھے کہ ہندوؤں اور ہندوتوں کی مشابہت ہو جائے اور ہندو مجھے اپنا وطنی بھائی سمجھیں اور اپنے زمرہ میں مجھے شمار کریں۔ (جیسا کہ آجکل بھارت میں یہ فتنہ برپا ہے) تو بلاشبہ اس نیت سے ہندی زبان سیکھنا ممنوع ہوگا اور اگر فقط یہ غرض ہو کہ ہندوؤں کی غرض سے آگاہی ہو جائے اور ان کے خطوط پڑھ لیا کریں۔ تو ایسی صورت میں ہندی زبان سیکھنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

(۴) اور ایجادات اور انتظامات اور اسلحہ اور سامان جنگ میں غیر قوموں کے طریقے لے لینا جائز ہے جیسے توپ اور بندوق اور ہوائی جہاز اور موٹر اور مشین گن وغیرہ وغیرہ یہ درحقیقت تشبہ بھی نہیں شریعت اسلامیہ نے ایجادات کے طریقے نہیں بتلائے ایجادات اور صنعت اور حرفت کو لوگوں کی عقل اور تجربہ اور ضرورت پر چھوڑ دیا البتہ اس کے احکام بتلا دیئے کہ کوئی صنعت اور حرفت جائز ہے اور کس حد تک جائز ہے اور کس طریق سے اس کا استعمال جائز ہے اسلام میں مقاصد کی تعلیم ہے غیر مقاصد کی تعلیم نہیں طیب جو تہ بنانے کی ترکیب نہیں بتاتا اور نہیں سکھاتا ہاں یہ بتلاتا ہے کہ جو تہ اس طرح مت سلوانا کہ اس کی میخیں ابھری ہوئی ہوں جس سے پیر زخمی ہو جائے، اسی طرح اسلام ایجادات نہیں سکھاتا ہاں یہ بتلاتا ہے کہ ایجاد ایسی نہ ہو کہ جس سے تمہارے دین میں خلل آجائے یا جان کا خطرہ ہو۔

یہ ان ایجادات کا حکم ہے کہ جن کا بدل مسلمانوں کے پاس نہیں اور جو ایجاد ایسی ہو کہ جس کا بدل مسلمانوں کے یہاں بھی موجود ہو تو اس میں تشبہ مکروہ ہے جیسے حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فارسی کمان کے استعمال سے منع فرمایا اس لئے کہ اس کا بدل مسلمانوں کے پاس عربی کمان موجود تھی اور دونوں کی منفعت برابر تھی صرف ساخت کا فرق تھا، اسلام میں تعصب نہیں غیرت ہے پس جو چیز مسلمان کے پاس بھی ہے اور کفار کے

پاس بھی ہے صرف وضع قطع کا فرق ہے تو ایسی صورت میں اسلام نے تشبہ بالکفار سے منع کیا ہے کہ اس میں علاوہ گناہ کے ایک بے غیرتی تو یہ ہے کہ بلا وجہ اور بلا ضرورت اپنے کو دوسری قوموں کا محتاج اور تابع بنائیں مگر آج کل مسلمانوں میں غیرت نہیں رہی کہ یہ اپنے گھر سے بے خبر ہو کر بلکہ یوں کہیے کہ اپنے گھر کو آگ لگا کر دوسروں کی عادات اور معاشرت کا اتباع کرنے لگے ان کی مثال ایسی ہے جیسے مولانا روم فرماتے ہیں:-

یک سبد پر نان برابر فرق سر
توہمی جوئی لب نان در بدر

تا بزائوئے میان گشتنی
وز عطش و ز جوع گشتنی

ہاں جن نئی ایجادات اور جدید اسلحہ کا بدل مسلمانوں کے پاس موجود نہیں مسلمانوں کے لئے اُن نئی ایجادات اور جدید اسلحہ کا استعمال اپنی ضرورت اور راحت اور دفع حاجت کے لئے جائز ہے مگر شرط یہ ہے کہ اس کے استعمال سے نیت اور ارادہ کافروں کی مشابہت کا نہ ہو۔ محض اپنے فائدہ کے لئے جدید اسلحہ اور نئی ایجادات کا استعمال شرعاً جائز ہے مگر تشبہ بالکفار کے ارادہ اور نیت سے اُن کے استعمال کو شریعت پسند نہیں کرتی۔

شراب کے طریقہ پر اگر دودھ کا بھی دور و تسلسل اختیار کیا جائے تو شریعت اسلامیہ اس کو ممنوع قرار دیتی ہے دودھ کے استعمال میں شراب کی مشابہت اختیار کرنا اس امر کی دلیل ہے کہ اس شخص کے تہ دل میں شراب کی رغبت اور محبت کا خاص داعیہ مضمحل اور مستور ہے۔

اسی طرح کسی جائز چیز کا استعمال۔ کافروں کی مشابہت کی نیت اور ارادہ سے اور دشمنانِ دین کی تشبہ کے قصد سے اس امر کی دلیل ہے کہ اس کے دل میں کافروں کی طرف میلان اور رغبت خاص طور پر مرکوز خاطر ہے۔

پس جس طرح تم کو اپنے دشمنوں کی مشابہت اور ان کا تشبہ گوارا نہیں تو اسی طرح خداوند قدوس کو یہ گوارا نہیں کہ اس کے دوست اور نام لیوا (یعنی مسلمان) اس کے دشمنوں (یعنی کافروں) کی مشابہت اختیار کریں یا اُن کے تشبہ کی نیت اور ارادہ سے کوئی کام کریں حق جل شانہ کا ارشاد ہے۔ وَلَا تَرَ كُنُوزَآلِی الدِّیْنِ ظَلَمُوا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ۔

تشبہ بالکفار کی ممانعت کی وجہ

دین اسلام ایک کامل اور مکمل مذہب ہے اور تمام ملتوں اور شریعتوں کا ناخن بن کر آیا ہے وہ اپنے پیروؤں کو اس کی اجازت نہیں دیتا کہ ناقص اور منسوخ ملتوں کے پیروؤں کی مشابہت اختیار کی جائے، غیروں کی مشابہت اختیار کرنا غیرت کے بھی خلاف ہے۔

جس طرح ہر ملت اور ہر امت کی حقیقت جدا ہے اسی طرح ہر ایک کی صورت اور ہیئت بھی جدا ہے، دنیا میں ظاہری اور صورت اور شکل ہی امتیاز کا ذریعہ ہے۔

ایک قوم دوسری قوم سے اسی ظاہری معاشرۃ کی بنا پر ممتاز اور جدا سمجھی جاتی ہے۔ جب ایک قوم دوسری قوم کی خصوصیات اور امتیازات اور اس کی صورت اور ہیئت کو اختیار کر لیتی ہے تو اس کی اپنی ذاتی قومیت فنا ہو جاتی ہے اور ظاہر ہے کہ اپنی قومیت اور اپنی شخصیت کو دوسرے کی قومیت اور شخصیت میں فنا کر دینا سراسر غیرت کے خلاف ہے۔

اسلام ایک کامل مذہب ہے جس طرح وہ اعتقادات اور عبادات میں مستقل ہے کسی کا تابع اور مقلد نہیں اسی طرح اسلام اپنے معاشرہ اور عادات میں بھی مستقل ہے کسی دوسرے کا تابع اور مقلد نہیں

کسی حکومت میں یہ جائز نہیں کہ اُس سلطنت کی فوج دشمنوں کی فوج کی وردی استعمال کر سکے یا اپنے فوجی دستہ کے ساتھ دشمن حکومت کا جھنڈا استعمال کر سکے جو سپاہی ایسا رویہ اختیار کرے گا وہ قابلِ گردن زدنی سمجھا جائے گا۔

اسی طرح حزب اللہ (مسلمانوں) کو یہ اجازت نہ ہوگی کہ حزب الشیطان کی ہیئت اختیار کریں جس سے دیکھنے والوں کو اشتباہ ہوتا ہو۔ یا فرض کرو کہ کوئی جماعت حکومت سے برسرِ بغاوت ہوا اور وہ جماعت اپنا کوئی امتیازی لباس یا نشان بنائے تو حکومت اپنے وفاداروں کو ہرگز ہرگز اس باغی جماعت کی تشبہ کی اجازت نہیں دے گی۔

حیرت کا مقام ہے کہ ایک برطانوی جرنیل کو تو یہ حق حاصل ہو کہ وہ جرمنی یا روسی وردی کے استعمال کو جرم قرار دے کیونکہ وہ برطانیہ کا دشمن ہے مگر اللہ کے رسول کو یہ حق نہ ہو کہ وہ دشمنانِ خدا کی وضع قطع کو جرم قرار دے کیوں نہیں۔ من تشبہ بقوم فهو منهم۔ جو خدا کے دشمنوں کے مشابہ بنے گا اور انہی جیسا لباس اور اُن کی وردی پہنے گا تو وہ بلاشبہ دشمنانِ خدا کی فوج سے سمجھا جائے گا۔

اسلام نور مطلق ہے	اور کفر ظلمت ہے۔
اسلام حق ہے۔	اور کفر باطل ہے۔
اسلام حسن مطلق اور جمال مطلق ہے	اور کفر قبح مطلق ہے۔
اسلام روز روشن ہے	اور کفر شب تاریک ہے۔
اسلام عزت ہے۔	اور کفر ذلت ہے۔

لہذا اسلام اپنے پیروؤں کو ظلمت اور ذلت اور باطل کا لباس پہننے کی اور ان کے ہم شکل بننے کی اجازت نہیں دیتا تا کہ التباس نہ ہو۔

پس جس طرح اسلام کی حقیقت کفر کی حقیقت سے جدا ہے اسی طرح اسلام یہ چاہتا ہے کہ اُس کے پیروؤں کی صورت و شکل و لباس بھی اس کے دشمنوں سے جدا اور علیحدہ ہو۔

خلاصہ کلام

یہ کہ شریعت میں تشبہ بالغیر کی ممانعت کسی تعصب پر مبنی نہیں بلکہ غیرت اور حمیت اور تحفظ خود اختیاری پر مبنی ہے کہ کوئی قوم اس وقت تک قوم نہیں کہلا سکتی جب تک اس کی خصوصیات اور امتیازات پائیدار اور مستقل نہ ہوں۔

اسی طرح ملت اسلام اور امت اسلامیہ کو کفر اور الحاد اور زندقہ سے محفوظ رکھنے کا ذریعہ سوائے اس کے کچھ نہیں کہ اسلامی خصوصیات اور امتیازات کو محفوظ رکھا جائے اور تشبہ بالکفار سے اس کو بچایا جائے کیونکہ تشبہ کے معنی اپنی ہستی کو دوسرے میں فنا کر دینے کے ہیں۔

قَالَ تَعَالَى يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ۖ ائِمَّانَ وَالْوُكُوفَ عَلَى مَوَاقِفِ الْإِيمَانِ لَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ كَفَرُوا ۖ

مؤمن (خدا کے دوست) کو خدا کے دشمن (کافر) سے جدا اور ممتاز رہنا چاہئے۔ حکومت کے وفادار کے لئے یہ روا نہیں کہ وہ حکومت کے دشمنوں اور باغیوں کے مشابہ اور ان کا ہم رنگ اور ہم لباس بنے۔

وَقَالَ تَعَالَى يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ آذَوْا مُوسَى ۖ

وَقَالَ تَعَالَى - أَلَمْ يَأْنِ لِلَّذِينَ آمَنُوا أَنْ تَخْشَعَ قُلُوبُهُمْ لِذِكْرِ اللَّهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ وَلَا يَكُونُوا كَالَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْأَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوبُهُمْ وَكَثِيرٌ مِنْهُمْ فَاسِقُونَ -۱

کیا مسلمانوں کے لئے وقت نہیں آیا کہ اللہ کے ذکر اور اس کے نازل کئے ہوئے حق کے سامنے ان کے دل پست ہو جائیں اور ان لوگوں کے مشابہ اور مانند نہ بنیں کہ جن کو پہلے کتاب دی گئی یعنی یہود اور نصاریٰ کے مشابہ نہ بنیں جن پر زمانہ دراز گزر اچھا ان کے دل سخت ہو گئے اور بہت سے ان میں سے بدکار ہیں۔

یعنی اندیشہ یہ ہے کہ اگر تم نے یہود اور نصاریٰ کی مشابہت اور مماثلت اختیار کی تو تمہارے دل بھی ان کی طرح سخت ہو جائیں گے اور قبول کی صلاحیت ان سے جاتی رہے گی۔ علامہ ابن حجر مکی شہمی نے اپنی کتاب الزواجر عن الکبائر ص ۱۱ ج ۱ میں مالک بن دینار محدث کی روایت سے ایک نبی کی وحی نقل کی ہے۔ وہ یہ ہے۔

قَالَ مَالِكُ بْنُ دِينَارٍ أَوْحَى اللَّهُ إِلَيَّ النَّبِيُّ مِنَ الْأَنْبِيَاءِ أَنْ قُلْ لِقَوْمِكَ لَا يَدْخُلُوا مَدَاحِلَ أَعْدَائِي وَلَا يَلْبَسُوا مَلَابِسَ أَعْدَائِي وَلَا يَرَكِبُوا مَرَاكِبَ أَعْدَائِي وَلَا يَطْعَمُوا مَطَاعِمَ أَعْدَائِي فَيَكُونُوا أَعْدَائِي كَمَا هُمْ أَعْدَائِي -۲

مالک بن دینار کہتے ہیں انبیاء سابقین میں سے ایک نبی کی طرف اللہ کی طرف سے یہ وحی آئی کہ آپ اپنی قوم سے یہ کہہ دیں کہ میرے دشمنوں کے گھسنے کی جگہ میں نہ گھسیں اور نہ میرے دشمنوں جیسا لباس پہنیں اور نہ میرے دشمنوں جیسے کھانے کھائیں اور نہ میرے دشمنوں جیسی سوار یولیا پر سوار ہوں۔ یعنی ہر چیز میں ان سے ممتاز اور جدا رہیں ایسا نہ ہو کہ یہ بھی میرے دشمنوں کی طرح میرے دشمن بن جائیں۔

اس وحی کا آخری جملہ فیکونوا اعدائی کما هم اعدائی۔ ایسا ہے جیسا کہ

قرآن کریم میں مسلمانوں کافروں کے ساتھ اٹھنے اور بیٹھنے کی ممانعت کے بعد یہ فرمایا انکم

اذا مثلهم اس وقت تم بھی انہی جیسے ہو جاؤ گے اور ارشاد فرمایا ومن يتولهم منكم فانه منهم جو کافروں سے دوستی کرے گا وہ انہی میں سے شمار ہوگا اور حدیث میں ہے من تشبه بقوم فهو منهم۔ جو کسی قوم کے ساتھ مشابہت اختیار کرے گا وہ اسی قوم میں سے شمار ہوگا۔

تشبہ بالا غیار کے مفاسد اور نتائج

غیروں کی سی وضع قطع اور ان جیسا لباس اختیار کرنے میں بہت سے مفاسد ہیں۔

(۱)

پہلا نتیجہ تو یہ ہوگا کہ کفر اور اسلام میں ظاہراً کوئی امتیاز نہ رہے گا۔ اور ملتِ حقہ۔ ملتِ باطلہ کے ساتھ ملتِ متبیس ہو جائے گی سچ پوچھتے ہو تو حقیقت یہ ہے کہ تشبہ بالانصاری۔ معاذ اللہ نصرانیت کا دروازہ اور اس کی دہلیز ہے۔

(۲)

دوم یہ کہ غیروں کی مشابہت اختیار کرنا غیرت کے بھی خلاف ہے آخر قومی نشان اور قومی پہچان بھی کوئی چیز ہے جس سے یہ ظاہر ہو کہ یہ شخص فلاں قوم کا ہے پس اگر یہ ضروری ہے تو اس کا طریقہ سوائے اس کے کیا ہے کہ کسی دوسری قوموں کا لباس نہ پہنیں جیسے اور قومیں اپنی اپنی وضع کی پابند ہیں اسی طرح اسلامی غیرت کا تقاضا بھی یہی ہے کہ ہم بھی اپنی وضع کے پابند رہیں اور دوسری قوموں کے مقابلہ میں ہماری خاص پہچان ہو۔

(۳)

کافروں کا معاشرہ اور تمدن اور لباس اختیار کرنا در پردہ ان کی سیادت اور برتری کو تسلیم کرنا ہے۔

بلکہ

اپنی کمتری اور کھتری اور تابع ہونے کا اقرار اور اعلان ہے جس کی اسلام اجازت نہیں دیتا اس لئے کہ کمتر ہی برتر کی وضع اختیار کرتا ہے نہ کہ برعکس۔ محکوم، حاکم کی تقلید پر مجبور ہوتا ہے اور اس کی خوشنودی کے لئے اس جیسا لباس پہنتا ہے، اسلام جب ایک کامل اور مستقل دین ہے تو وہ اور ونکی کیوں تقلید کرے۔

(۴)

نیز اس تشبہ بالکفار کا ایک نتیجہ یہ ہوگا کہ رفتہ رفتہ کافروں سے مشابہت کا دل میں میلان اور داعیہ پیدا ہوگا جو صراحتہ ممنوع ہے۔ کما قال تعالیٰ

وَلَا تَرْكُنُوا إِلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا
فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُم مِّنْ
دُونِ اللَّهِ مِنْ أَوْلِيَاءَ ثُمَّ لَا
تُنصَرُونَ۔

اور ان لوگوں کی طرف مت جھکو جو ظالم ہیں
مبادا انکی طرف مائل ہونے کی وجہ سے تم کو
آگ نہ لگے اور اللہ کے سوا کوئی تمھارا دوست
اور مددگار نہیں پھر تم کہیں مدد نہ پاؤ گے۔

بلکہ غیر مسلموں کا لباس اور شعار اختیار کرنا اُن کی محبت کی علامت ہے جو شرعاً ممنوع ہے کما قال تعالیٰ:-

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا
الْيَهُودَ وَالنَّصَارَىٰ أَوْلِيَاءَ
بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ وَمَنْ
يَتَوَلَّهُمْ يَتَوَلَّهُمْ أَجْمَعِينَ
إِنَّ
اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ

کیا یہ صریح ظلم نہیں کہ دعویٰ تو ہوا ایمان اور اسلام کا یعنی اللہ اور اس کے رسول کی محبت کا اور صورت اور ہیئت اور وضع قطع اور لباس اس کے دشمنوں کا ہو۔ کوئی بادشاہ اور کوئی حکومت کبھی اس امر کو برداشت نہیں کر سکتی کہ دعویٰ تو ہو اس کی وفاداری کا اور دوستانہ تعلقات ہوں۔ حکومت کے دشمنوں سے دوستی اور تجارتی تعلقات اور اُن کے ساتھ نشست و برخاست یہ سب باتیں قانوناً جرم ہیں۔ پس اگر خداوند احکم الحاکمین اپنے دشمنوں اور اپنے وزراء اور سفراء یعنی انبیاء و مرسلین کے منکروں اور مخالفوں سے دوستانہ تعلقات اور ان کے ساتھ نشست و برخاست اور وضع قطع اور ہیئت اور لباس میں ان کی مشابہت سے منع کرتا ہے تو اس پر کیوں ناک مَنہ چڑھاتے ہو۔

(۵)

اس کے بعد رفتہ رفتہ اسلامی لباس اور اسلامی تمدن کے استہزاء اور تمسخر کی نوبت آئے گی اسلامی لباس کو حقیر سمجھے گا اور تبعاً اس کے پہننے والوں کو بھی حقیر سمجھے گا۔ اگر اسلامی لباس کو حقیر نہ سمجھتا تو انگریزی لباس کو کیوں اختیار کرتا۔

(۶)

اسلامی احکام کے اجراء میں دشواری پیش آئے گی۔ مسلمان اس کی کافرانہ صورت دیکھ کر گمان کریں گے کہ یہ کوئی یہودی یا نصرانی ہے یا ہندو ہے اور اگر کوئی ایسی لاش مل جائے تو تردد ہوگا کہ اس کافر نما انسان کی نماز جنازہ پڑھیں یا نہ پڑھیں اور کس قبرستان میں اس کو دفن کریں۔

(۷)

جب اسلامی وضع کو چھوڑ کر دوسری قوم کی وضع قطع اختیار کرے گا تو قوم میں اس کی کوئی عزت باقی نہیں رہے گی اور جب قوم ہی نے اُس کی عزت نہ کی تو غیروں کو کیا پڑی ہے کہ وہ اس کی عزت کریں۔ غیر بھی اسی کی عزت کرتے ہیں جس کی قوم میں عزت ہو۔

(۸)

دوسری قوم کا لباس اختیار کرنا اپنی قوم سے بے تعلقی کی دلیل ہے۔

(۹)

افسوس کہ دعویٰ تو اسلام کا۔ مگر لباس اور طعام اور معاشرہ اور تمدن اور زبان اور طرز زندگی سب کا سب اسلام کے دشمنوں جیسا۔ جب حال یہ ہے تو اسلام کے دعوے ہی کی کیا ضرورت ہے۔ اسلام کو ایسے مسلمانوں کی نہ کوئی حاجت ہے اور نہ کوئی پروا ہے کہ جو اس کے دشمنوں کی مشابہت کو اپنے لئے موجب عزت اور باعث فخر سمجھتے ہوں۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر کافروں کی وضع قطع اختیار کرنے کی کیا ضرورت اور کیا مصلحت داعی ہوئی بلا ضرورت کافر قوم کے لباس اختیار کرنے کا مطلب تو یہ ہوا کہ معاذ اللہ۔ لاؤ ہم بھی کافر بنیں اگرچہ صورت ہی کے اعتبار سے بن جائیں۔

یا بالفاظ دیگر

یوں کہو کہ لاؤ اپنے دشمنوں کا لباس ہے ہم بھی رواداری ظاہر کرنے کے لئے دشمن کے

ہم شکل اور ہم لباس بن جائیں اور نصاریٰ کا دشمن اسلام اور دشمن مسلمان ہونا روز روشن کی طرح واضح ہے۔ قرآن وحدیث نے خبر دی ہے ان الکافرین کانوالکم عدوامبینا اور تقسیم ہند کے وقت اسلام کے ساتھ نصاریٰ کی دشمنی کا مشاہدہ ہو گیا کہ جس قدر زائد سے زائد علاقہ برطانیہ ہندوؤں کو دے سکتی تھی وہ ہندوؤں کو دے گئی اور مسلمانوں کو محروم کر گئی۔ برطانیہ نے باہر سے چار لاکھ یہودی لا کر فلسطین میں بسائے اور اس طرح فلسطین کو تقسیم کیا۔ اس قاعدہ سے ہندوستان میں جہاں کہیں بھی چار لاکھ اور آٹھ لاکھ مسلمان آباد تھے۔ برطانیہ کو چاہئے تھا کہ فلسطین کی طرح ہندوستان کے اُن علاقوں کو بھی تقسیم کرتی۔ موجودہ حالات میں یہودیوں اور مسلمانوں کی کل آبادی فلسطین میں آٹھ لاکھ ہے اور ہندوستان کے صوبہ یوپی میں تنہا مسلمانوں کی تعداد اسی لاکھ ہے۔ تقسیم فلسطین کے اصول سے صوبہ یوپی میں بھی اسی لاکھ مسلمانوں کی الگ ریاست قائم کرنی تھی غرض یہ کہ نصاریٰ کی مسلمانوں سے دشمنی آفتاب کی طرح روشن ہے پھر نہ معلوم کیوں مسلمان اپنے دشمنوں کے معاشرہ کو اختیار کرتے جا رہے ہیں۔ اصل وجہ یہ ہے کہ لوگ انگریزی وضع قطع کو یہ سمجھتے ہیں کہ یہ وضع قطع اہل حکومت اور اہل شوکت کی ہے جس کا حاصل یہ ہوا کہ انگریزوں کے ہم شکل بنیں گے تو عزت اور شوکت حاصل ہوگی۔

مگر افسوس کہ عزت اور شوکت تو اس لئے حاصل کی جاتی ہے کہ غیروں کے مقابلہ میں اس سے کام لیا جائے۔ اپنی قوم پر اور اپنوں پر رعب جمانے کے لئے عزت و شوکت حاصل نہیں کی جاتی دعویٰ تو قومی ہمدردی کا مگر اپنی قوم کے معاشرہ سے وحشت اور نفرت اور غیر قوم کے معاشرہ سے انس اور محبت۔

گر گٹ کی طرح وقتاً فوقتاً رنگ بدلنے میں کیا خاک عزت رکھی ہے کہ عکلی باندھے ہوئے یورپ کو دیکھ رہے ہیں جو فیشن اور لباس انھوں نے اختیار کیا وہی لباس اور فیشن ان عاشقانِ مغرب نے بھی اختیار کر لیا۔ جو کسی کا عاشق بنے گا اس کو معشوق کے سامنے ذلیل و خوار بن کر رہنا پڑے گا۔ اب اختیار ہے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے اور خلفاء راشدین کے اور ان کے معاشرہ کے عاشق بن جاویا یورپ کے اوباشوں اور عیاشوں کے معاشرہ کے عاشق ہو جاؤ۔ خوب سمجھ لو کہ عشق کی بنیاد تذلل پر ہے۔

ترقی کاراز و مدار

یہ امر تمام روز روشن کی طرح واضح ہے کہ اسلام کی روشنی مکہ مکرمہ کے اُفق سے روئے زمین پر پھیلی جس سے تھوڑے ہی عرصہ میں مسلمانوں کی کایا پلٹ ہو گئی اور دینی اور دنیوی ترقی ان کو حاصل ہو گئی اور آسمانی شریعت کے پھیلانے کے ضمن میں اُن کو جو سلطنت قاہرہ اور سطوت جہانداری اور فرماں روائی حاصل ہوئی اس کا سبب یہ نہ تھا کہ انھوں نے سلاطین وقت کے مروجہ علوم نہایت سرگرمی سے حاصل کیئے تھے یا تجارت و صنعت میں انھوں نے بڑی دستگاہ پیدا کی تھی یا سودی کاروبار کو انھوں نے وسیع پیمانہ پر پھیلایا تھا اور بڑی تجارتوں کے لئے سودی بنک قائم کیئے تھے۔

بلکہ اس کا اصلی سبب یہ تھا کہ آسمانی شریعت کی مشعل ہدایت اُن کی ہادی اور رہنما تھی اور اتباع نبوی ہی اُن کی قوت تھی اور یہی ان کا لشکر تھا اور یہی ان کا ہتھیار تھا اور یہی ان کی فتح و نصرت کا جھنڈا تھا جس سے چند روز میں انھوں نے ایسی عظیم الشان سلطنت قائم کر لی کہ جس نے قیصر و کسریٰ کی عظمت و جلال کو خاک میں ملا دیا۔

یہ ایک ایسا بدیہی مسئلہ ہے کہ جس پر کسی دلیل اور برہان قائم کرنے کی حاجت نہیں اور یہود اور نصاریٰ کے مؤرخین اس پر گواہ ہیں کہ آں حضرت ﷺ مکہ مکرمہ میں مبعوث ہوئے، اور تنہا عرب کے وحشیوں اور جاہلوں اور اونٹ چرانے والوں کو توحید و تفرید کا سبق پڑھایا اور آسمانی کتاب کی تعلیم دی ایک طرف تو ان کو عبودیت اور معرفت سے آگاہ کیا اور دوسری طرف ان کو جہان بینی اور عدل و عمرانی کے وہ طریقے بتلائے کہ جس سے چند ہی روز میں وہ ایک زبردست سلطنت کے مالک بن گئے حالانکہ ان کے پاس نہ کوئی مال و دولت تھا نہ کوئی فوج اور طاقت تھی اور نہ انھوں نے غیر قوموں کے علوم و فنون حاصل کیے اور نہ انھوں نے سود کو حلال قرار دیا تھا۔ یہ سب اتباع شریعت کی برکت تھی۔

آں حضرت ﷺ کے وصال کے بعد صدیق اکبر آپ کے جانشین ہوئے تو آپ نے بھی اپنے زمانہ خلافت میں شریعت کی پابندی کو پورا پورا ملحوظ رکھا اور آپ کے عہد خلافت میں جن قبیلوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کیا ان پر فوج کشی کی اور قسم کھا کے یہ فرمایا کہ جو رسی آں

حضرت کے زمانہ میں دیتے تھے اگر اس کے دینے میں بھی تاہل کریں گے تو میں ان سے جہاد و قتال کروں گا۔ اور مرتدین اور مدعیانِ نبوت سے جہاد و قتال کیا اور ان کا قلع قمع کیا۔

اسی طرح خلیفہ ثانی کے زمانے میں جو ہیبت اور شوکت تھی وہ بھی اتباعِ شریعت ہی کی برکت سے تھی دنیا کے بڑے بڑے سلاطین ان سے ڈرتے تھے۔

خوب سمجھ لو: کہ جس نبی امی فدائے نفسی و ابی و امی کے اتباع کی برکت سے صحابہ کو ذوالقرنین اور سلیمان جیسی حکومت ملی اور جس سے قیصر و کسریٰ کا تختہ الٹا گیا اور ان کی فوجوں کو اور ان کے تمدن اور معاشرہ کو صحابہ نے کھلے بندوں پچھاڑا۔ اسی طریق کو اختیار کرو گے تو ترقی ہوگی امام مالک کا ارشاد ہے۔

لا یصلح آخر هذه الامة الا بما : اس امت کے آخر کو اسی چیز سے صلاح اور
صلح بہ اولہا : فلاح حاصل ہوگی جس چیز سے امت کے
اول کو صلاح اور فلاح حاصل ہوئی۔

شریعت اسلام نے حکمرانی کے وہ اصول بتائے کہ جو دنیا نے نہ کبھی دیکھے تھے نہ سنے تھے۔ اسی کے اتباع سے ترقی ہوگی۔ غیروں کی پیروی اور نقالی سے ترقی نہیں ہو سکتی ترقی کا دار و مدار۔ یہود و نصاریٰ کی مشابہت پر نہیں محض لباس۔ ذلت اور حقارت کو دفع نہیں کر سکتا نیز ترقی کا دار و مدار اسوۂ نبوی کی پیروی پر ہے جیسا کہ خلفائے راشدین اور خلفاء بنی امیہ و خلفائے عباسیہ کے دور میں جو ترقی ہوئی وہ مشابہت کفار کی بناء پر نہ تھی بلکہ اتباعِ نبوی کی بناء پر تھی۔

بلکہ

ہمارے تنزل کا اصلی سبب تشبہ بالاغیار ہے اور تشبہ بالانبیاء سے انحراف ہے اور علیٰ ہدایہ گمان کرنا کہ اسلامی لباس انگریزوں کی نگاہوں میں بے وقعتی کا موجب ہے، سو یہ خیال خام ہے عزت و وقعت کا دار و مدار قابلیت پر ہے نہ کہ لباس پر بلکہ نقل اتارنے والے کو خوشامدی سمجھتے ہیں۔ اسلامی لباس میں بے وقعتی نہیں بے وقعتی تو غیروں کے لباس میں ہے، لندن میں گول میز کانفرنس ہوئی بہت سے ہندو لیڈر انگریزی لباس میں گئے مگر گاندھی اپنے لنگوٹے میں گیا۔ سو حکومت برطانیہ نے جو اعزاز ننگے فقیر گاندھی کا کیا وہ انگریزی لباس والوں کا نہیں کیا۔

دہلی میں بہت سے دربار ہوئے جو والیان ریاست لائق اور قابل تھے اور اسلامی لباس میں آتے تھے ان کا اعزاز و اکرام کوٹ پتلون والوں سے زیادہ ہوتا تھا۔
 خوب سمجھ لو! کہ مسلمان خواہ کتنے ہی کافروں کے معاشرہ اور تمدن کے رنگ میں رنگے جائیں یہود و نصاریٰ مسلمان سے اس وقت تک کبھی راضی نہیں ہو سکتے جب تک کہ مسلمان۔ اپنے کو ملت اسلام کا پیرو بتاتے رہیں جیسے اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے وَلَنْ تَرْضَىٰ عَنْكَ الْيَهُودُ وَلَا النَّصَارَىٰ حَتَّىٰ تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ

اے مسلمانو!

اگر ترقی چاہتے ہو تو اس طریقے کو اختیار کرو کہ جس طریق سے صدر اول میں اسلام کو ترقی ہوئی اور چار دانگ عالم میں اسلام کا ڈنکا بجا۔ جیسا کہ تاریخ عالم اس کی شاہد ہے کہ جو شوکت و اقتدار اور فتوحات کی ترقی اور علمی اور فنی اور اخلاقی عروج خلفائے راشدین اور خلفائے بنی امیہ و خلفائے بنی عباس کے زمانے میں مسلمانوں کو حاصل ہوا امریکہ و برطانیہ کو مل کر بھی وہ عروج حاصل نہیں ہوا۔

مغربی قومیں۔ عرب کے جاہلوں سے زیادہ وحشی تھیں خلفاء عباسیہ کے دور میں جو علم و حکمت کا چرچا ہوا تو مغربی اقوام نے مسلمانوں سے علوم و فنون حاصل کیے اور اپنی زبانوں میں ترجمے کیے اور ترقی کی جس منزل پر پہنچے وہ دنیا کے سامنے ہے۔ اب اسلامی فرمانرواؤں کو چاہئے کہ علوم جدیدہ کو اپنی زبان میں منتقل کریں تاکہ عام مسلمان اس سے استفادہ کر سکیں اور کالج میں جا کر عمر عزیز کے چودہ سال اور اپنی گاڑھی کمائی کے بیس بیس ہزار روپیہ غیر قوموں کی زبان سیکھنے کے لئے نذر نہ کریں۔

انگریزی لباس کے اقتصادی نتائج

پہلے اکثر و بیشتر کپڑے گھر میں سلا کرتے تھے، خصوصاً عورتوں کے زنا نے کپڑے درزی کے یہاں بھیجنا بہت معیوب تھا۔ جب سے فیشن کا دروازہ کھلا سارے گھر کے کپڑے درزیوں کے پاس جانے لگے، آمدنی میں تو اضافہ نہ ہوا خرچ میں اضافہ ہو گیا اب یا تو قرض

کرو یا حصول زر کے ناجائز طریقے اختیار کرو۔ انگریزی ساز و سامان کے لئے انگریز جیسی دولت بھی تو چاہیے۔ مگر مشکل یہ ہے کہ ہر وقت دماغ میں یہ بسا ہوا ہے کہ جس طرح بھی ہو انگریز کی طرح زندگی بسر کریں۔

ان بدنام کنندگان اسلام سے پوچھتا ہوں کہ تم نے کس وجہ سے انگریزی لباس کو اسلامی لباس پر ترجیح دی اگر وجہ یہ ہے کہ اسلامی لباس میں کوئی جسمانی مضرت یا نقصان محسوس کیا ہے تو اس کو بیان کریں تاکہ اس پر غور کیا جائے کہ اسلامی لباس میں جسمانی مضرتیں ہیں یا انگریزی لباس میں۔ اور اگر وجہ یہ ہے کہ اسلامی لباس میں حقارت پائی جاتی ہے تو پھر اگر یہی بات ہے تو پھر اسلام کے دعوے کی بھی ضرورت نہیں۔ مغربی قومیں تو سرے سے اسلام اور مسلمان ہی کو حقیر اور ذلیل سمجھتی ہیں۔ ولن ترضی عنک الیہود ولا النصارى حتی تتبع ملتہم اسلام کو ایسے مسلمانوں کی کوئی ضرورت نہیں کہ جو گرگٹ کی طرح رنگ بدلتے رہتے ہوں اور ہر نئے فیشن کے دلدادہ اور عاشق ہوں اور استقلال اور خودداری سے کورے ہوں ”جیسا دلیس ویسا بھیس“ ان کا مذہب ہو جس کے مزاج میں استقلال اور خودداری نہ ہو وہ کیا حکومت کر سکے گا۔

الحاصل

جب تک خلفائے اسلام۔ اتباع شریعت میں سرگرم رہے اُن کی سلطنت رو بہ ترقی رہی اور مخالفوں کی نظروں میں ان کی عزت اور ہیبت رہی اور دشمنوں کے دل ان سے دہلتے رہتے اور تائید الہی ان کے شامل حال رہی۔

قال تعالیٰ **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تَنْصُرُوا اللَّهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ أَقْدَامَكُمْ** اے مومنو۔ اگر تم اللہ کے دین کی مدد کرو گے تو اللہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدموں کو ثابت رکھے گا۔
وَأَنْتُمْ الْأَغْلَوْنَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ اور تم ہی غالب رہو گے اگر تم پکے مسلمان بنے رہے۔

پھر جس قدر وقتاً فوقتاً سلاطین اسلام میں پابندی شریعت کا خیال کم ہوتا گیا اور عیش

و عشرت اور نفسانی خواہشوں میں تو غل بڑھتا گیا اسی قدر اسلامی سلطنت کی بنیاد کم زور ہوتی گئی اور اسلامی حکومت کا دائرہ مختصر ہوتا گیا۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا اَمَّا بِاَنْفُسِهِمْ اللّٰهُ تَعَالٰی کسی قوم کی حالت میں تغیر پیدا نہیں کرتے جب تک وہ خود اپنی حالتوں میں تغیر نہ پیدا کر لیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ کسی کو اپنی نگہبانی اور مہربانی سے محروم نہیں کرتا جب تک وہ اپنی چال اور طور طریق کو اللہ کے ساتھ نہ بد لیں۔

تشبہ کے مفاسد اور مضرتوں پر فاروق اعظم کا تنبیہ

حضرت عمر کے عہد خلافت میں جب اسلامی فتوحات کا دائرہ وسیع ہوا اور قیصر و کسریٰ کی حکومت کا تختہ الٹا گیا۔ تو فاروق اعظم کو فکر دامنگیر ہوئی کہ عجمیوں کے اختلاط سے اسلامی امتیازات اور خصوصیات میں کوئی فرق نہ آجائے اس لئے ایک طرف تو مسلمانوں کو تاکید اکید کی کہ غیر مسلموں کی تشبہ سے پرہیز کریں اور ان جیسی ہیئت اور لباس اور وضع قطع اختیار نہ کریں۔ اور دوسری طرف کافروں کے لئے ایک فرمان جاری کیا کہ کفار اپنی خصوصیات اور امتیازات میں نمایاں رہیں اور مسلمانوں کی وضع قطع اور ان کا ازار و عمامہ نہ استعمال کریں تاکہ اپنے اور پرائے میں التباس نہ ہو سکے اور اشتباہ اور التباس کا دروازہ بند ہو جائے۔

مسلمانوں کے نام فاروق اعظم رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کا فرمان

روى البخارى فى صحيحه : عن عمر رضى الله عنه انه كتب الى المسلمين المقيمين ببلاد فارس اياكم وزى اهل الشرك (اقتضاء الصراط المستقيم ص ۶۰)

امام بخاری راوی ہیں کہ حضرت عمرؓ نے ان مسلمانوں کے نام جو بلاد فارس میں مقیم تھے۔ یہ فرمان جاری کیا کہ اے مسلمانو۔ اپنے آپ کو اہل شرک اور اہل کفر کے لباس اور ہیئت سے دور رکھنا۔

اور ایک روایت میں ہے کہ اس طرح فرمان جاری فرمایا:

اما بعد فاتزرو اوارتدوا | اما بعد اے مسلمانو۔ ازار اور چادر کا استعمال
 واشغلوا وعليکم بلباس | رکھو اور چولے پہنو اور اپنے جدا مجد اسماعیل
 ابیکم اسماعیل وایاکم | علیہ السلام کے لباس (لنگی اور چادر) کو لازم
 والتنعم وزی العجم و | پکڑو اور اپنے آپ کو عیش پرستی اور عجمیوں
 تمعددوا واخشوشنوا | کے لباس اور اُن کی وضع قطع اور ہیئت سے
 واخلولقوا الحدیث | دُور رکھو مبادا کہ تم لباس اور وضع قطع میں
 فتح الباری ص ۲۴۰ ج ۱۰ باب | عجمیوں کے مشابہ بن جاؤ اور حضرت اسماعیل
 لبس الحریر للرجال وقدر مايجوز | کے بنیرہ معد بن عدنان کی وضع قطع اختیار کرو
 منه من کتاب اللباس | اور موٹے اور کھر درے اور پُرانے کپڑے
 پہنو جو اہل تواضع کا لباس ہے۔

اور مسند احمد بن حنبل میں ہے کہ ابو عثمان نہدی کہتے ہیں کہ ہم آذربجان میں تھے کہ
 ہمارے امیر لشکر عتبہ بن فرقد کے نام فاروق اعظم کا یہ فرمان پہنچا:۔

یا عتبہ بن فرقد ایاکم ایاکم | اے عتبہ بن فرقد۔ تم سب کا یہ فرض ہے کہ
 والتنعم وزی اهل الشرك | اپنے آپ کو عیش پرستی اور کافروں اور
 ولبوس الحریر (اقتضاء | مشرکوں کے لباس اور ہیئت اور وضع قطع
 الصراط المستقیم ص ۶۰) | سے اپنے کو دور اور محفوظ رکھیں اور ریشمین
 لباس کے استعمال سے پرہیز رکھیں۔

کافروں کے متعلق فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرمان

فاروق اعظم کا وہ فرمان کہ جو نصارائے شام کے عہد اور اقرار کے بعد بطور شرائط تمام
 قلم و خلافت میں جاری کیا گیا اور جن شرائط پر نصارائے شام کو جان و مال اور اہل و عیال کا
 امن دیا گیا وہ یہ تھا۔

ان نوقر المسلمین ونقوم لهم
من مجالسنا ان ارادوا
الجلوس ولا تشبه بهم فی
شیء من ملا بسهم فی
قلنسوة ولا عمامة ولا نعلین
ولا فرق شعر ولا نتکلم
بکلامهم ولا نکتنی بکناهم
ولا نرکب السروج ولا نتقلد
السیوف ولا نتخذ شیئا من
السلاح ولا نحمله ولا نقش
خواتیمنا بالعربیة ولا نبيع
الخمور وان نجز مقادیر رؤسنا
وان نلزم زینا حیث ما کنا
نشد الزنا نیر علی اوساطنا وان
لا نظهر الصلیب علی
کنائسنا وان لا نظهر صلیبا
ولا کتبنا من کتب دیننا فی
شیء من طریق المسلمین ولا
اسواقهم ولا نضرب بنوا قیسنا
فی کنائسنا الا ضربا خفیفاً
ولا نرفع اصواتنا مع موتانا ولا
نظهر النیران معهم فی شیء
من طرق المسلمین

ہم نصارائے شام اپنی جانوں اور مالوں اور
اہل و عیال اور اپنے اہل مذہب کے لیے
امیر المؤمنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ
عنه سے امان طلب کرتے ہیں اور اپنے
نفسوں پر بطور شرط اور عہد امور ذیل کو لازم
گردانتے ہیں (۱) کہ ہم مسلمانوں کی تعظیم
و توقیر کریں گے (۲) اور اگر مسلمان ہماری
مجلسوں میں بیٹھنا چاہیں گے تو ہم اُن کے
لئے مجلس چھوڑ دیں گے۔ (۳) اور ہم کسی
امر میں مسلمانوں کے ساتھ تشبہ اور
مشابہت نہ کریں گے، نہ لباس میں نہ ٹوپی
میں نہ عمامہ میں نہ جوتے میں نہ سر کی
مانگ میں (۴) ہم ان جیسا کلام نہ کریں
گے (۵) اور نہ مسلمانوں جیسا نام اور کنیت
رکھیں گے (۶) اور نہ زین پر گھوڑے کی
سواری کریں گے (۷) اور نہ تلوار لٹکائیں
گے (۸) اور نہ کسی قسم کا ہتھیار بنائیں گے
اور نہ اٹھائیں گے (۹) اور نہ اپنی مہروں پر
عربی نقش کندہ کرائیں گے (۱۰) اور نہ
شراب کا کاروبار کریں گے (۱۱) اور سر کے
اگلے حصہ کے بال کٹائیں گے (۱۲) اور
ہم جہاں بھی رہیں گے اپنی ہی وضع پر
رہیں گے (۱۳) اور اپنے گلوں میں زنا
لٹکائیں گے (۱۴) اور اپنے گرجاؤں پر

رواہ حرب باسناد جید
(اقتضاء الصراط المستقیم ص ۵۸)
صلیب کو بلند نہ کریں گے (۱۵) اور
مسلمانوں کے کسی راستہ اور بازار میں اپنی
مذہبی کتاب شائع نہ کریں گے (۱۶) اور ہم
آپنے گرجاؤں میں ناقوس نہایت آہستہ
بجائیں گے (۱۷) اور ہم اپنے مُردوں
کے ساتھ آوازیں بلند نہ کریں گے (۱۸)
اور ہم اپنے مُردوں کے ساتھ آگ نہیں
لے جائیں گے، (یہ مجوس کے متعلق ہے
جو آگ کی پرستش کرتے تھے۔)

اس روایت کی سند نہایت عمدہ اور کھری ہے۔

عبدالرحمن بن غنم اشعری فرماتے ہیں کہ فاروق اعظم اور انصاری شام کے مابین جو
شرائط امن طے پائے وہ تحریر میں نے لکھی (جس میں علاوہ شرائط مذکورہ کے یہ شرائط بھی تھے)
ان لا نحدث فی مدینتنا ولا فی
ما حولها دیرا ولا کنیسة
ولا صومعة راہب ولا نجدد
ما خرب منها ولا نحیی ما
کان خططا للمسلمین وان
لا نمنع کنائسنا ان ینزلها
احد من المسلمین فی لیل
اونهار وان نوسع ابوابها
للمارة وابن السبیل وان ننزل
من رأینا من المسلمین ثلاثة
ایام نطعمهم ولا نؤوی فی
کنائسنا ولا منازلنا جاسوسا

(۱۹) اور ہم اپنی آبادی میں کوئی نیا گرجا
نہیں بنائیں گے (۲۰) اور جو گرجا خراب
ہو جائے گا اسکی تجدید نہیں کریں گے (۲۱)
اور جو خطہ زمین مسلمانوں کے لئے ہوگا ہم
اس کو آباد نہیں کریں گے (۲۲) اور کسی
مسلمان کو دن ہو یا رات کسی وقت بھی اپنے
گرجا میں اترنے سے نہ روکیں گے (۲۳)
اور اپنے گرجاؤں کے دروازے مسافروں
اور گزرنے والوں کے لئے کشادہ رکھیں
گے (۲۴) اور تین دن تک مسلمان مہمان
کی مہمانی کریں گے (۲۵) اور اپنے کسی
گرجا اور کسی مکان میں مسلمانوں کے

ولانکتُم غشاً للمسلمین ولا
نعلم اولادنا القرآن ولا نظہر
شرکاً ولا شرکاً ولا ندعو الیہ
احداً ولا نمنع احداً عن ذوی
قربتنا الدخول فی الاسلام ان
ارادوا۔

جاسوس کو ٹھکانہ نہیں دیں گے (۲۶) اور
مسلمانوں سے کسی غل و غش کو پوشیدہ نہ
رکھیں گے (۲۷) اور اپنی اولاد کو قرآن کی
تعلیم نہیں دیں گے (۲۸) اور کسی شرک کی
رسم کو ظاہر اور علانیہ طور پر نہ کریں گے
(۲۹) اور نہ کسی کو شرک کی دعوت دیں گے
(۳۰) اور نہ اپنے کسی رشتہ دار کو اسلام میں
داخل ہونے سے روکیں گے۔

عبدالرحمن بن غنم اشعری فرماتے ہیں کہ جب میں نے یہ شرائط نامہ لکھ کر فاروق اعظم
کے ملاحظہ کیلئے لا کر سامنے رکھا تو فرمایا کہ اس تحریر میں اتنا اضافہ اور کردو۔

ولانضرب احداً من
المسلمین شرطنا لکم ذالک
علی انفسنا و اهل ملتنا
وقبلتنا علیہ الامان فان نحن
خالفنا فی شیء مما شرطناہ
لکم ووظفنا فی انفسنا فلا ذمہ
لنا وقد حل لکم منا ما یحل
من اهل المعاندة والشقاق
(تفسیر ابن کثیر ص ۳۴۷ ج ۲)
سورۃ توبہ تفسیر آیت
(جزیۃ)

اور ہم کسی مسلمان کو ماریں گے نہیں یعنی
تکلیف نہیں پہنچائیں گے ہم نے انہی
شرائط پر اپنے لئے اور اپنے اہل مذہب
کے لئے امان حاصل کیا ہے پس اگر ہم
نے شرائط مذکورہ بالا میں سے کسی شرط کی
خلاف ورزی کی تو ہمارا عہد اور امان ختم
ہو جائے گا۔ اور جو معاملہ اہل اسلام کے
دشمنوں اور مخالفوں کے ساتھ ہے وہی ان
کے لئے روا ہو جائے گا۔

(نصاری کا اقرار نامہ ختم ہوا۔)

ایک شبہ اور اس کا جواب

شبہ یہ کیا جاتا ہے کہ اگر کوئی شخص سر سے پیر تک انگریزی یا ہندو انا لباس میں غرق ہو جائے
تو کیا اس کے اعتقاد تو حید و رسالت میں کوئی فرق آجائے گا یا اس لباس سے وہ کافر ہو جائے گا۔

جواب

اگر آپ تھوڑی دیر کے لئے اپنا مردانہ لباس تو اتار دیں اور دولت خانہ میں جا کر بیگم صاحبہ کا کھواب کا پا جامہ اور سُرخ ریشمین اور زرین کرتا اور بناری دوپٹہ اور ہاتھوں میں چوڑیاں پاؤں میں پازیب اور گلے میں ہار ڈال کر۔ باہر تشریف لا کر دفتر میں کرسی پر اجلاس فرمائیں تو کیا آپ بیگم صاحبہ بن جائیں گے اور کیا آپ کی باطنی رجولیت میں کوئی فرق یا خلل آجائے گا اور دفتر میں کرسی پر اجلاس فرمانا کیا گوارا کریں گے، امید ہے کہ آپ کو اپنے اصول و قاعدہ کی بناء پر اس کو گوارا کرنا چاہیئے کیونکہ آپ کے نزدیک ظاہری مشابہت میں کوئی حرج نہیں محض لباس میں کیا رکھا ہے اور جب انگریزی لباس سے مسلمان کا فر نہیں بن جاتا تو کیا ایک مرد بیگم صاحبہ کا لباس پہن لینے سے عورت یا بیگم صاحبہ بن جائے گا، محض زنانہ لباس سے اس کی رجولیت اور مردانگی میں کیا فرق آجائے گا۔

اور علیٰ ہذا اگر کوئی شخص۔ کسی مخنث (بیچڑے) کا لباس پہن لے تو کیا حقیقتہً وہ مخنث ہو جائیگا بے شک زنانہ لباس سے فی الحال تو مرد عورت نہیں بن جائے گا لیکن اگر خدا نخواستہ چند روز اسی زنانہ اور مخنثانہ لباس میں گزر گئے تو آپ دیکھ لیں گے کہ چند روز کے بعد آپ کے اخلاق و اعمال زنانہ اور مخنثانہ ہو جائیں گے اور آپ کا لب و لہجہ اور طرز کلام اور نشست و برخاست زنانہ اور مخنثانہ ہو جائیں گے کیونکہ ظاہر کا اثر باطن پر پڑتا ہے، تمام عقلاء کا اتفاق ہے کہ جس طرح باطن کا اثر ظاہر پر پڑتا ہے اسی طرح ظاہر کا اثر باطن پر پڑتا ہے۔ اچھے اعمال سے قلب منور ہوتا ہے اور بُرے اعمال سے قلب تاریک ہوتا ہے۔

پس اسی طرح سمجھیے کہ انگریزی یا ہندوانہ لباس سے فی الحال اگرچہ اسلامی عقائد میں خلل نہیں آیا لیکن یہ کیسے معلوم ہوا کہ آئندہ چل کر بھی اس کے باطنی اعتقاد میں خلل نہ آئے گا۔ خوب یاد رکھو کہ جب تک تمہارا اسلامی عقیدہ اندر سے محفوظ ہے اس وقت تک تو تم انگریزی اور ہندوانہ لباس کے استعمال سے عیسائیوں اور مشرکوں کے فقط مشابہ ہو اور حسب ارشاد نبوی من تشبه بقوم فهو منهم۔ بُرے مشابہ کے مجرم ہو۔ اور خدا نخواستہ اور خدا نخواستہ اور خدا نخواستہ جس دن تمہارے ظاہر کا اثر تمہارے باطن میں پہنچ جائے اور اسلامی عقائد میں بھی خلل آجائے تو سمجھ لینا کہ تم اس وقت مشرکین اور نصاریٰ کے مشابہ

نہیں رہے بلکہ خود نصرانی اور مشرک ہو گئے جو حکم اُن کا ہے وہی ان کا ہے۔ اگرچہ زبان سے اسلام کا دعویٰ کریں۔ ایسا اسلام قومی اسلام کہلائے گا شرعی اسلام نہ کہلائے گا۔ شرعی اسلام وہ ہے کہ جو قواعد شرعیہ کے مطابق ہو۔

قانون پاکستانی وہ ہے کہ جو پاکستانی حکومت کے قوانین کو مانتا ہو۔ اور دشمنان حکومت کی وردی کے استعمال سے اپنے کو محفوظ رکھتا ہو اور جو شخص پاکستان کے قوانین اور احکام پر نکتہ چینی کرتا ہو اور بھارت کی وردی پہن کر بازاروں میں پھرتا ہو اگرچہ ایسا شخص قومی حیثیت سے پاکستانی ہو مگر حکومت کے قانون اور ضابطہ سے وہ دشمنان حکومت میں سے ہے۔

ہمارے اس بیان سے ایک اور شبہ کا بھی جواب نکل آیا وہ یہ کہ کوئی یہ کہے کہ زنا نہ لباس پہننے میں قباحت یہ ہے کہ عورت دوسری جنس ہے اور مرد دوسری جنس ہے۔ جواب یہ ہے کہ شریعت کی نظر میں مؤمن اور کافر دو الگ الگ جنسیں ہیں ایک جنس کو دوسری جنس کی مشابہت کی اجازت نہیں جیسے حکومت کی نظر میں وفادار اور باغی دو الگ الگ قسمیں ہیں اور دونوں کے احکام الگ الگ ہیں اگرچہ وہ دونوں ایک ہی باپ کی اولاد اور ایک خاندان کے دو فرد ہوں، اسی طرح اسلام کی نظر میں مؤمن اور کافر دو الگ الگ قسمیں ہیں اور ہر ایک کے احکام الگ الگ ہیں ہو الذی خلقکم فمنکم کافر ومنکم مؤمن اور جس طرح تمام متمدن حکومتوں میں یہ قانون ہے کہ حکومت کے دشمن اور باغی کو صدارت اور وزارت کا منصب نہیں دیا جاسکتا۔ اسی طرح اسلام کہتا ہے کہ دشمن اسلام (کافر) کو اسلامی حکومت کا امیر اور وزیر نہیں بنایا جاسکتا۔

اند کے پیش تو گفتم غمِ دل ترسیدم
کہ دل آزرده شوی ورنہ سخن بسیار است

اسلامی لباس کی تعریف

قال اللہ تعالیٰ۔ وَلِبَاسُ التَّقْوَىٰ ذَٰلِكَ خَيْرٌ۔ ذَٰلِكَ مِنْ آيَاتِ اللّٰهِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُونَ۔

کسی فعل اور عمل کو اسلامی کہنے کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ آں حضرت ﷺ نے خود

اس کام کو کیا ہو اور دوسری صورت یہ ہے کہ آپ نے اس کی اجازت دی ہو اور اس سے منع نہ فرمایا ہو۔ پس جس امر سے نبی اکرم ﷺ نے منع فرمایا ہو وہ امر غیر اسلامی ہوگا اور جس کو خود کیا ہو یا اس کی اجازت دی ہو وہ امر اسلامی کہلائے گا، مثلاً جو کی روٹی کھانا آپ کی سنت فعلی ہے اور اس پر عمل کرنا اعلیٰ اور افضل ہے اور خمیری روٹی اور بریانی اور مرغ تنجن کا استعمال جائز ہے کیونکہ ان لذائذ اور طیبات کی شریعت سے اجازت ثابت ہے اور کتے اور خنزیر اور شراب کا استعمال غیر اسلامی ہوگا کیونکہ شریعت میں ان چیزوں کی ممانعت آئی ہے۔ اسی طرح لباس کو سمجھ لو کہ جو لباس آں حضرت ﷺ نے خود استعمال کیا مثلاً کرتا اور لنگی اور چادر اور جُہ اور عمامہ لباس اسلامی ہے ہی۔ اور جو لباس آنحضرت ﷺ نے خود استعمال نہیں کیا مثلاً پاجامہ اور سلیم شاہی جوتہ اور اچکن اور صدری لیکن آپ کی شریعت سے ان کی اجازت ثابت ہے ممانعت نہیں فرمائی جیسے ریشمین کپڑوں اور زعفرانی رنگ اور ٹخنوں سے نیچے لنگی اور پاجامہ پہننے کی ممانعت فرمائی تو یہ ریشمی اور زعفرانی لباس غیر اسلامی لباس کہلائے گا۔

اسی طرح قرآن وحدیث سے اعداء اللہ۔ (دشمنان خدا) یعنی کافروں کے تشبہ سے ممانعت ثابت ہے اس لئے کافروں جیسا لباس پہننا جس سے دیکھنے والوں کو یہ معلوم ہو کہ یہ شخص یہودی ہے یا نصرانی ہے یا مجوسی ہے یا ہندو ہے بلاشبہ ایسا لباس غیر اسلامی ہوگا، گاندھی کی دھوتی اور انگریزی ٹوپ اور پتلون اور کرزن فیشن سب کا ایک ہی حکم ہے، یہاں سے اہل فیشن کے اس شبہ کا بھی حل ہو گیا کہ جو علماء پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اگر کوٹ و پتلون غیر اسلامی ہے تو علماء کے لمبے لمبے کرتے اور اچکنیں اور سلیم شاہی جوتے بھی غیر اسلامی لباس ہوں گے کیونکہ حضور پر نور اور آپ کے صحابہ کرام سے اس قسم کا لباس اور اس قسم کا معاشرہ تاریخ اور سیرت سے کہیں ثابت نہیں۔

جواب

یہ ہے کہ جس چیز کی حضور پر نور نے قولاً یا فعلاً اجازت دی ہو وہ سب شرعی اور اسلامی کہلائے گا اور جس چیز کی ممانعت فرمائی ہو وہ سب غیر اسلامی اور غیر شرعی کہلائے گا، حضور پر نور نے اس قسم کے کرتے اور اچکنیں اور جوتے اگرچہ نہیں پہنے اور اس قسم کے کھانے پلاؤ

اور زردے اور کوفتے اور شامی کباب نوش نہیں فرمائے لیکن اس قسم کے توسعات اور تنعمات حاصل کرنے کی آں حضرت نے اجازت دی ہے بشرطیکہ وہ حدود شرعیہ میں داخل رہیں اور اس قسم کے توسعات اور تنعمات اور عیش و عشرت کے سامان خلافت راشدہ کے زمانے میں ظاہر ہوئے اور جو اسباب راحت۔ حدود شرعیہ میں تھے ان پر صحابہ کرام نے انکار نہیں فرمایا۔ الا یہ کہ جن خاص حضرات پر زہد کا خاص رنگ تھا تو وہ باریک کپڑے پہننے اور درہم و دینار کے جمع کرنے سے بھی منع فرماتے تھے۔

موسیا آداب دانا دیگرند
سوختہ جانان روانان دیگرند

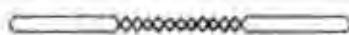
خلاصہ کلام

یہ کہ جو لباس اور جو کھانا اور پینا اور جو وضع قطع اور جو معاشرہ حدود شرعیہ کے اندر رہے گا وہ اسلامی کہلائے گا اور جو لباس اور جو کھانا اور جو وضع قطع حدود شرعیہ سے خارج ہوگی وہ غیر اسلامی کہلائے گی۔ تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ فَلَا تَعْتَدُوهَا وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُودَ اللَّهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ

زائد تسبیح میں زنا کا ڈورانہ ڈال

یا برہمن کی طرف ہو یا مسلمان کی طرف

اب یہ حقیر و فقیر سراپا تقصیر سیرۃ المصطفیٰ کے حصہ سوم کو اس دعاء پر ختم کرتا ہے۔ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ وَتُبْ عَلَيْنَا إِنَّكَ أَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ



حصہ چہارم

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ط
نَحْمَدُهُ وَنُصَلِّي عَلَى رَسُولِهِ الْكَرِيمِ ط
دَلَائِلُ نُبُوتِ وَبَرَاهِينِ رِسَالَتِ

يعني

معجزات نبوی ﷺ

حق جل شانہ نے بندوں کی ہدایت کے لئے انسانوں اور آدمیوں میں سے نبی اور رسول بھیجے تاکہ ان برگزیدہ ہستیوں کے واسطے سے بندوں تک اپنے احکام پہنچائے اور اَلْسُتُ بِرَبِّكُمْ کا بھولا ہوا وعدہ ان کو یاد دلانے اور اپنی حجت ان پر تمام کرے لئلا یَكُونُوا لِلنَّاسِ عَلَى اللَّهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ اور حضرات انبیاء کرام کی تبلیغ کے بعد مخلوق کو اطاعتِ خداوندی میں کوئی عذر باقی نہ رہے۔

رُسُول اور نبی چونکہ انسان ہی ہوتے تھے اور اُن کی ظاہری صورت اور دوسرے انسان کی صورت میں کوئی فرق نہیں ہوتا تھا، اس لئے حق تعالیٰ نے اُن کو معجزات عطا فرمائے جو اُن کی صداقت کی دلیل اور برہان ہوں جیسا کہ اللہ تعالیٰ موسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں بیان فرماتا ہے۔

فَذَانِكَ بُرْهَانَانِ مِنْ رَبِّكَ ۝

یہ عصا اور ید بیضا کا معجزہ تیرے پروردگار کی طرف سے تیری رسالت کی دوروشن دلیلیں ہیں۔

ہر دعوے کے لئے دلیل ضروری ہے اور جیسا دعویٰ اسی کے مناسب دلیل چاہیے پس جو نبوت کا دعویٰ کرتا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ میں فرستادہ خداوند والجلال ہوں اور اس کا سفیر

ہوں اور اس کے احکام اور ہدایات لے کر آیا ہوں لہذا اس کی صداقت ثابت کرنے کے لئے نبیؐ طور پر ایسے امور کا ظہور ضروری ہے کہ جس کے مثل لانے سے مخلوق بالکل مجبور اور معذور ہوتا کہ مخلوق ان خارق عادت امور کو مدعی نبوت کے ہاتھ پر ظاہر ہوتا ہوا دیکھ کر یہ یقین کر لے کہ یہ تائید ربانی اور کرشمہ یزدانی ہے کہ حق تعالیٰ کی طرف سے بلا کسی سبب ظاہری کے اس مدعی نبوت کے ہاتھ پر ظاہر ہو رہا ہے اور دیکھنے والا یہ سمجھ لے کہ یہ معجزہ جو ظاہر ہو رہا ہے محض اللہ کا فعل ہے۔ معاذ اللہ۔ رسول کا فعل نہیں اور نہ رسول کے ارادہ اور اختیار کو اس میں کوئی دخل ہے۔ اور نہ کسی صناعتی اور جعلی تدبیر سے وقوع میں آیا ہے بلکہ محض قدرت خداوندی سے ظاہر ہوا ہے کیونکہ ایسا کرشمہ دکھانا انسان کی قدرت اور صنعت اور تدبیر سے باہر ہے۔ معلوم ہوا کہ یہ شخص مؤید من اللہ ہے اور اسی کے اتباع سے بندہ خدا تک پہنچ سکتا ہے اور دنیا اور آخرت کی کامیابی اسی کے دامن پکڑنے میں ہے معجزہ کو دیکھتے ہی (بشرطیکہ دل عناد اور حسد اور کجی سے پاک ہو) نبی کے سچے ہونے کا بے اختیار دل کو یقین آجاتا ہے اور نفس اس کی تصدیق پر مجبور ہو جاتا ہے، اندرونی طور پر نفس میں انکار اور تکذیب کی مجال نہیں رہتی نبوت و رسالت کا دعویٰ ایک امر عظیم ہے، اس لئے اس کے اثبات کے لئے برہان بھی عظیم چاہیے۔ پس معجزہ جو اللہ تعالیٰ کی قدرت اور قہر کا نمونہ ہوتا ہے، جب نبی کے ہاتھ پر ظاہر ہوتا ہے تو اس کے غلبے اور رعب کے سامنے کسی کا پاؤں نہیں جمتا اور اختیار کی باگ ہاتھ سے چھوٹ جاتی ہے، دلائل عقلیہ میں دشمن کے نزاع اور جدال کا راستہ بالکل بند نہیں ہوتا مگر معجزات اور آیات بینات کے مشاہدہ کے بعد سوائے عناد اور ازلی بد نصیبی کے کفر اور انکار کی کوئی وجہ باقی نہیں رہتی۔ معجزہ ظاہر و باطن کو عاجز کر کے چھوڑتا ہے۔

سب سے پہلے پیغمبر حضرت آدم علیہ السلام ہیں اور سب کے آخر میں یعنی آخری نبی خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں جن پر نبوت اور پیغمبری ختم ہوئی، جن کی پیغمبری سے دین کامل ہو گیا اور مکارم اخلاق پورے ہو گئے، جب یہ مقصود حاصل ہو گیا اور دین اور اخلاق دونوں پورے اور کامل ہو چکے تو حضور پُر نور کے بعد کسی پیغمبر کی ضرورت نہ رہی، حضور کے خلفاء اور دین کے علماء جو اسلام کے مددگار اور محافظ ہیں قیامت تک اسلام کی نگہبانی اور اس کی اشاعت کے واسطے کافی ہوئے۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ الیوم اکملت لکم دینکم۔ دین تو کامل ہو گیا۔

پس خاتم الانبیاء کے بعد جو نبوت کا دعویٰ کرے اس کا وجود فالتو اور بے کار ہے حق تو یہ

ہے کہ نبی اُمّی۔ فداہ نفسی وانی وانی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے کسی معجزہ اور نشان کی ضرورت نہیں، آپ کی صورت اور آپ کی سیرت آپ کی رفتار، آپ کی گفتار، آپ کا کردار، ہر چیز آپ کی معجزہ اور آپ کی صداقت کا نشان تھی لوگ صورت دیکھتے ہی کہہ دیتے تھے کہ یہ جھوٹے کا چہرہ نہیں

دردل ہر امتی کز حق مزہ است

روئے و آواز پیمر معجز است

مردھقانی کی پیشانی کا نور

کب چھپا رہتا ہے پیش ذی شعور

امام غزالی قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں کہ آپ حضرت ﷺ کے اخلاق حمیدہ اور افعال پسندیدہ اور احوال و اعمال اور عادات و خصال اور آپ کے انتظام اور تدبیر خلاق اور سیاست مملکیہ پر نظر کی جائے کہ آپ نے کس طرح مختلف طبیعتوں اور متضاد مزاجوں کو ایک قانون الہی کا شیدائی اور فدائی بنا دیا۔

نیز حضور پر نور نے مخلوق خدا کو جو قوانین شریعت عطا کیے اُن کے حقائق اور دقائق اور نکات اور اشارات اور باریکیوں اور گہرائیوں کی تحقیق اور تدقیق میں اُمت کے علماء محققین اور فقہاء مجتہدین عمر بھر حیران اور عاجز رہے، ان امور میں اگر غور و فکر کیا جائے تو عقل سلیم کو ذرہ برابر شک اور شبہ نہیں رہتا کہ ان تمام امور کی سرانجام دہی بلاتا سید غیبی محض طاقت بشری اور کسی تدبیر اور حیلہ سے ناممکن اور محال ہے۔ ایسے اخلاق فاضلہ اور ایسی شریعت کاملہ کا ظہور کسی جھوٹے اور فریبی شخص سے تصور میں نہیں آ سکتا۔ سب کو معلوم ہے کہ حضور پر نور محض اُمّی (اُن پڑھتے تھے۔ نہ آپ نے کسی سے علم پڑھا اور نہ کسی کتاب کا مطالعہ کیا اور نہ ہی طلب علم کے لئے کوئی سفر کیا، ہمیشہ جاہل عربوں میں رہے یتیم اور بیکس تھے، ان حالات میں بغیر لکھے اور پڑھے علم و حکمت کا چشمہ آپ کی زبان مبارک سے جاری ہو جانا اور ایسے علوم و معارف کا آپ کی زبان فیض ترجمان سے ظاہر ہونا کہ اولین اور آخرین میں اس کی کہیں نظیر نہ ہو، بغیر وحی الہی کے اس چیز کا حاصل ہونا ناممکن ہے، محض انسانی طاقت اور فراست ان امور کے ادراک سے عاجز اور قاصر ہے۔

اور علیٰ ہذا آپ کے بے مثال اخلاق و عادات اس امر کی واضح دلیل ہیں کہ یہ ذات والا صفات خداوند ذوالجلال کی برگزیدہ اور پسندیدہ ہستی ہے۔ جس پر خدا کا غضب ہوتا ہے

اُسے بد اخلاق اور بد اعمال بنا دیتا ہے نیز باوجود بے سروسامانی کے عرب و عجم پر آپ کے خادموں کی فتحیابی اور کامرانی یہ بھی اس امر کی صریح دلیل ہے کہ تائید ربانی اور فضل یزدانی آپ کے ساتھ ہے۔

امام غزالی فرماتے ہیں کہ یہ ظاہری امور آپ کی صداقت کے اثبات کے لئے کافی اور وافی تھے لیکن ہم ان ظاہری امور کے علاوہ آپ کی صداقت کے کچھ باطنی نشانات یعنی کچھ معجزات بھی ذکر کرتے ہیں تاکہ کسی ادنیٰ عقل والے کو بھی آپ کی صداقت میں ذرہ برابر شک و شبہ کی گنجائش نہ رہے۔ اس کے بعد امام غزالی نے مختصر طور پر آں حضرت ﷺ کے چند معجزات کو بلا تفصیل کے ذکر فرمایا۔

تعداد معجزات

امام بیہقی فرماتے ہیں کہ آں حضرت ﷺ کے معجزات ایک ہزار تک پہنچے ہیں۔ امام نووی فرماتے ہیں کہ ایک ہزار دو سو تک پہنچے ہیں اور بعض علماء نے آپ کے معجزات کی تعداد تین ہزار ذکر فرمائی ہے اور ائمہ حدیث نے معجزات نبوی پر مستقل کتابیں لکھی ہیں جیسے دلائل النبوة امام بیہقی اور امام ابو نعیم کی۔^۱

اور شیخ جلال الدین سیوطی نے خصائص کبریٰ کے نام سے ایک مستقل کتاب آپ کے معجزات میں لکھی ہے جس میں ایک ہزار معجزات ہیں۔

اور حق یہ ہے کہ آں حضرت ﷺ کے معجزات شمار سے متجاوز ہیں، اس لئے کہ آپ کا ہر قول اور ہر فعل اور ہر حال عجیب و غریب مصالح اور اسرار و حکم پر مشتمل ہونے کی وجہ سے خارق للعادة ہے اور معجزہ ہے، علماء نصاریٰ نے عہد قدیم کی معجزات کی تعداد ۶۷ لکھی ہے۔ اور حضرت مسیح کے معجزات حمل کے وقت سے لے کر آسمان پر جانے تک ۲۷ گنائے ہیں اور پھر آپ کے حواریین کے بیس معجزات شمار کیے ہیں لیکن ان واقعات کے لکھنے والوں کے پاس ان معجزات کی نہ کوئی

۱۔ احیاء علوم الدین۔ للغزالی۔ ج ۲: ص ۳۳۲، و اتحاف شرح احیاء العلوم۔ للعلامة الزبیدی ج ۷: ص ۱۶۳-۱۹۸۔
۲۔ قال الحافظ العسقلانی ذکر النووی فی مقدمہ شرح مسلم ان معجزات النبی ﷺ تزيد علی الالف و ما تین و قال البيهقي في المدخل بلغت الفا و قال الزهري من الحنفية ظهر على يدية الف معجزة و قيل ثلاث آلاف و قد اتفقت جمعها جماعة من الائمة كابي نعیم و البيهقي و غیر ہما فتح الباری ص ۴۲۵ ج ۶ باب علامات النبوة فی الاسلام

سلسلہ سند موجود ہے اور نہ اس کے راویوں کے اور نہ ناقلوں کی عدالت اور ثقاہت کی کوئی دلیل موجود ہے، بخلاف معجزات محمدیہ علی صاحبہا الف الف صلاة والف الف تحیہ کے کہ وہ ہزاروں کی تعداد میں ہیں اور متصل اسانید کے ساتھ مروی ہیں اور صد ہا ان میں سے متواتر اور مشہور ہیں اور جلالت شان اور غرابت اور ندرت میں تمام انبیاء کرام کے معجزات سے بڑھ کر ہیں۔

اقسام معجزات

آں حضرت ﷺ کی نبوت و رسالت چونکہ تمام عالم کے لئے ہے اور قیامت کے دن تک کے لئے ہے، اس لئے حق جل شانہ نے آپ کو جملہ اقسام عالم سے معجزات اور نشانات عطا فرمائے تاکہ عالم کی ہر چیز آپ کی نبوت کی دلیل اور برہان ہو اور عالم کی کوئی نوع ایسی باقی نہ رہے کہ جو آپ کی نبوت کی شہادت نہ دے اس لئے کہ معجزہ۔ نبوت کی دلیل اور برہان ہوتا ہے، پس جبکہ عالم کی تمام انواع و اقسام میں سے آپ کے معجزات ہوں گے تو عالم کی تمام انواع و اقسام آپ کی نبوت و رسالت کی شاہد اور گواہ ہوں گی۔

اور تاکہ تمام انبیاء و مرسلین پر آپ کی برتری روزِ روشن کی طرح واضح ہو جائے کہ آپ کے تنہا معجزات تمام انبیاء کے کل معجزات سے زیادہ ہیں اور کسی کو آپ کی نبوت میں شک اور شبہ کی گنجائش باقی نہ رہے حق جل شانہ نے آپ کو جو معجزات اور نشانات عطا فرمائے وہ دو قسم کے ہیں ایک عقلی اور دوسرے حسی۔ عقلی وہ ہیں جن کے سمجھنے میں عقل درکار ہوتی ہے اور اس قسم کے معجزات کو وہی لوگ سمجھتے ہیں کہ جو دانشمند اور فہیم ہوتے ہیں اور معجزات حسیہ وہ خارق عادت امور ہیں کہ جن کا ادراک حواس سے ہوتا ہے ایسے معجزات کے طلب گار اکثر وہی لوگ ہوتے ہیں کہ جن کو عقلی اصول سمجھنے کا سلیقہ نہیں ہوتا یا ضدی اور عنادی ہوتے ہیں۔

معجزات عقلیہ

پہلا عقلی معجزہ

آں حضرت ﷺ کی صورت اور سیرت اور ایسے بے مثال اخلاقِ فاضلہ اور اعمالِ حسنہ و جمیلہ اور آپ کے کمالاتِ علمیہ و عملیہ ہیں۔ اہل عقل کے لئے یہ آپ کی نبوت

ورسالت کی دلیل عقلی تھی جو شخص آپ کی صورت اور آپ کی سیرت کا مشاہدہ کرتا وہ بالبداهت اس بات کا یقین کر لیتا کہ جس ذات بابرکات میں ایسے اخلاق اور اعمال اور ایسے کمالات عملیہ جمع ہوں جو نہ کسی نے دیکھے ہوں اور نہ سنے ہوں وہ ذات بلاشبہ برگزیدہ خداوندی ہے جس کو حق تعالیٰ نے تمام عالم سے ایک ممتاز اور جدا صوت اور سیرت پر پیدا کیا ہے ایسے کمالات کا کسب و اکتساب اور مجاہدہ اور ریاضت سے حاصل کرنا ناممکن ہے۔

انتخابِ دفتر تکوین عالم ذات او

برتر از آیات جملہ انبیاء آیات او

مشرق صبح وجود ما سوا مشکوٰۃ او

مستنیر از طلعت او ہر قریب و ہر بعید

(از حضرت مولانا سید انور شاہ کشمیری قدس سرہ)

دوسرا عقلی معجزہ

حق جل شانہ نے آپ کو ایک کامل اور معجز کتاب یعنی قرآن کریم عطا فرمائی جو آپ کی نبوت کا معجزہ دائمہ ہے جو حکمت علمیہ اور حکمت عملیہ اور حکمت اخلاق اور تدبیر منزلی اور سیاست ملکیہ اور طہارت ظاہری اور طہارت باطنی کے علوم و معارف کا ایک بے مثال خزانہ اور گنجینہ ہے۔

اور ظاہر ہے کہ ایسی معجز اور لا جواب کتاب کا ایک اُمّی شخص کی زبان سے ظاہر ہونا کہ جس نے نہ کسی استاد سے تعلیم پائی اور نہ کسی مکتب کا دروازہ جھانکا ہو اور نہ کسی عالم اور حکیم کی صحبت اٹھائی ہو سوائے وحی ربانی اور تعلیم یزدانی اور الہام رحمانی اور القاء غیبی و آسمانی اور کیا ہو سکتا ہے۔ قرآن کریم حضور پر نور کا سب سے بڑا معجزہ ہے جس کی جانب زوال اور انقطاع کو راہ نہیں اور ایسے تواتر سے منقول ہے کہ ایسا تواتر دنیا کی کسی کتاب کو حاصل نہیں اور ایسے لا جواب علوم و معارف کا خزانہ ہے کہ بڑے سے بڑے حکماء اور مدعیان عقل اس کا جواب نہیں لاسکے کیا باعتبار فصاحت و بلاغت کے اور کیا باعتبار علوم و معارف کے اور کیا باعتبار تحریف و تبدل سے محفوظ رہنے کے کسی چیز میں بھی دنیا کی کوئی کتاب قرآن کریم کا مقابلہ

نہیں کر سکتی اور نہ انشاء اللہ کر سکے گی۔ اب ہم اس سے زیادہ کیا کہیں کہ جو خود قرآن تیرہ سو برس سے پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ جس میں ہمت ہو وہ میرا جواب لکھ دے مگر آج تک کسی کا حوصلہ نہیں ہوا کہ اس کی ایک چھوٹی ہی سورت کا مثل پیش کر سکے آپ کے عہد نبوت سے لے کر اب تک ہر قرن میں عربی زبان کے بڑے بڑے فصحاء و بلغاء جو دین اسلام کے مخالف تھے اور ہیں کسی سے اس کا جواب نہ ہو سکا۔

حضرت الاستاذ مولانا سید انور شاہ کشمیری قدس اللہ سرہ اپنے ایک قصیدہ نعتیہ میں فرماتے ہیں۔

خاص کردش حق باعجاز کتاب مستطاب
حجت و فرقان و معجز محکم و فصل خطاب
نجم جمش در براعت ہست برتر آفتاب
حرف حرف اوشفا ہست و ہدی بہر رشید

قرآن کریم میں دعوت اور حجت دونوں موجود ہیں

حافظ فضل اللہ توربشتی اپنے رسالہ عقائد المعتمد فی المعتقد میں فرماتے ہیں حضرات انبیاء جب من جانب اللہ دعوت حق پر مامور ہوتے ہیں تو ان کو اثبات دعویٰ کے لئے بطور حجت معجزہ عطا ہوتا ہے گویا کہ دعوت اور حجت دو علیحدہ علیحدہ اور جدا جدا چیزیں ہیں مگر ہمارے پیغمبر ﷺ کو صرف قرآن مجید کا ایسا معجزہ عطا کیا گیا جس میں دعوت اور حجت دونوں چیزیں جمع کر دی گئیں۔ قرآن کریم۔ معنی کے لحاظ سے دعوت اور وجہ بلاغت اور وجہ اعجاز کے لحاظ سے حجت و دعوت ہے پس قرآن کی حجت خود اس کی نفس ذات میں ہے اور اسی میں اس کی دعوت بھی مضمر ہے پس کیا قرآن کریم کے شرف اور فضل کے لئے یہ کافی نہیں کہ ایک ہی چیز میں دعوت اور حجت دونوں جمع ہیں اور دونوں قیامت تک ایک دوسرے سے جدا نہوں گے۔ انتہی کلامہ ملخصاً۔

آفتاب	آمد دلیل	آفتاب
گرد لیے	باید ازوے	رومتاب

تیسرا عقلی معجزہ

بعد ازاں حافظ توربشتی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ آپ کے حالاتِ زندگی بھی آپ کی نبوت کی دلیل ہیں جن میں غور کرنے سے فوراً آپ کی نبوت کی صداقت کا یقین حاصل ہو جاتا ہے، ظاہر ہے کہ آپ ابتداءِ حال میں ایک یتیم تھے نہ آپ کے پاس کوئی قوت تھی جس کے ذریعے لوگوں کو اپنی بات منواتے، نہ صاحبِ مال و جاہ تھے کہ اس کی لالچ اور طمع دے کر قریش کو فریفتہ کرتے اور نہ آپ کسی سلطنت اور ریاست کے مالک اور وارث تھے کہ لوگ بطمع روزی و حصولِ جاہ آپ کی پیروی کرتے بلکہ آپ تنہا اور بے یار و مددگار تھے، کسی شخص کو آپ کی دعوت سے اتفاق نہ تھا، حتیٰ کہ اس معاملہ میں آپ کے قریبی رشتہ دار بھی آپ کے مخالف اور دشمنِ جان تھے۔ آپ توحید کے منادی بن کر آئے اور تمام جزیرۃ العرب شرک اور بت پرستی میں مبتلا تھا اور غارت گری، اور زنا کاری اور سردار خوری وغیرہ وغیرہ اس قوم کی طبیعتِ ثانیہ بن چکی تھی۔ جب آنحضرت کی دعوت ظاہر ہوئی تو یک بارگی اُن کا حال بدل گیا اور سب یک دل اور یک زبان اور یک جان ہو کر دینِ حق پر متفق ہو گئے اور اُن کی حرص اور طمع اور شہوتِ رانی اور تمام برائیاں یکلخت مبدل بمکارمِ اخلاق اور محاسنِ اعمال ہو گئیں اور دینِ حق کے اتباع میں ایسے سرشار ہوئے کہ اس کے لئے مشقت اور درویشی اور اہل و عیال کی مفارقت کو اختیار کیا اور اپنی جانوں اور مالوں کو خدا کی راہ میں پانی کی طرح بہا دیا جس میں کسی دنیاوی غرض کے شائبہ کا بھی احتمال نہیں اور اس ناہنجار قوم کو اس قابل بنادیا کہ دنیا کی سب سے بڑی دو سلطنتوں کو بیک وقت زیرِ زبر کر دیا اور قیصر و کسریٰ کے خزانوں کو مسجدِ نبوی کے صحن میں ڈال دیا۔ کسی نے کیا خواب کہا ہے۔

درفشانی نے تیری قطروں کو دریا کر دیا

دل کو روشن کر دیا آنکھوں کو بینا کر دیا

خود نہ تھے جو راہِ پراوروں کے ہادی ہو گئے

کیا نظر تھی جس نے مردوں کو مسیحا کر دیا

انسان جب ان حالات اور انقلابات میں غور و تامل کرے تو وہ بہ یقین جان لے کہ

ایسے کارہائے نمایاں کسی عقلی اور فکری تدبیر سے حاصل نہیں ہو سکتے آدمی کی قوت اور سعی اس مرتبہ تک نہیں پہنچ سکتی، یہ کرشمہ یزدانی اور تائید آسمانی ہے جو کہ خداوند علیم و قدیر کے حکم و تقدیر کے سوا ممکن نہیں اور بندہ کے کسب اور اختیار کو اس میں کوئی دخل نہیں۔ قرآن کریم میں بھی اسی جانب اشارہ ہے۔ لَوَ أَنفَقْتَ مَافِی الْأَرْضِ جَمِیعًا مَّا آَلَفْتَ بَیْنَ قُلُوبِهِمْ وَلَکِنَّ اللَّهَ آَلَفَ بَیْنَهُمْ اے نبی کریم اگر آپ اس ناہنجار قوم میں موانست اور موافقت پیدا کرنے کے لئے روئے زمین کے خزانے بھی خرچ کر ڈالتے تو آپ ان میں آلفت نہیں پیدا کر سکتے تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے درمیان میں محبت اور آلفت پیدا کر دی۔

چوتھا عقلی معجزہ

آں حضرت ﷺ کا علماء توریت اور انجیل کے سامنے علی الاعلان یہ بیان فرمانا کہ اللہ تعالیٰ نے میرے ظہور اور بعثت کی خبر توریت اور انجیل میں دی ہے اور انبیاء سابقین نے یہ اطلاع دی ہے کہ اخیر زمانہ میں ایک پیغمبر آخر الزمان مبعوث ہوگا جس کی نبوت تمام انس و جن کے لئے یکساں ہوگی اور اے اہل کتاب تم کو اس کا علم ہے لہذا تم مجھ پر ایمان لاؤ۔ آپ کے اس دعوے اور اس حجت کے بعد بہت سے اہل کتاب ایمان لائے اور اس بات کی شہادت دی کہ آپ بے شک وہی نبی برحق ہیں جن کی توریت اور انجیل میں پہلے سے خبر دی گئی ہے۔

اور بہت سے اہل کتاب باوجود اس علم کے حسد کی بناء پر ایمان نہیں لائے حالانکہ آپ کے ظہور سے پہلے علماء اہل کتاب ان بشارات کو نقل کیا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ اے اہل مکہ نبی آخر الزمان کے ظہور کا زمانہ قریب آن پہنچا ہے۔ ان کو یہ خوف ہوا کہ نبی اکرم ﷺ کی اتباع کے بعد ہماری سرداری ختم ہو جائے گی اس لئے ایمان نہیں لائے، مگر یہ کسی کی مجال نہ ہوئی کہ قرآن کریم کی ان آیات کی تکذیب کر سکے جن میں حضور پر نور کے متعلق یہ مذکور ہے کہ آپ ﷺ کا ذکر توریت اور انجیل میں ہے بلکہ قرآن کریم نے یہ بھی دعویٰ کیا ہے کہ آپ کے صحابہ کا تذکرہ بھی توریت اور انجیل میں ہے۔ کما قال تعالیٰ ذَٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِی التَّوْرَةِ وَمَثَلُهُمْ فِی الْإِنْجِيلِ اور علماء اہل کتاب یہ نہیں کہہ سکے کہ معاذ اللہ۔

قرآن کریم کی یہ خبر غلط ہے اور توریت اور انجیل میں نہ حضور پر نور کی کوئی بشارت مذکور ہے اور نہ آپ کے صحابہ کا ذکر ہے۔ جس وقت قرآن کریم کی یہ آیتیں نازل ہو رہی تھیں کہ اس نبی اُمی کا ذکر توریت اور انجیل میں موجود ہے تو اس وقت ملک میں ہزار ہا علماء یہود اور نصاریٰ موجود تھے۔ اگر قرآن کریم کا یہ دعویٰ غلط ہوتا تو علماء یہود و نصاریٰ اس غلطی کو فاش کرتے تاکہ جو یہود و نصاریٰ اسلام میں داخل ہو چکے ہیں وہ اسلام سے برگشتہ ہو جائیں اور آئندہ کو کوئی یہودی اور عیسائی اپنا دین چھوڑ کر مسلمان نہ ہو جائے۔

پانچواں عقلی معجزہ

جس وقت آں حضرت ﷺ دنیا میں مبعوث ہوئے اس وقت تمام دنیا گمراہی میں ڈوبی ہوئی تھی اور قسم قسم کی گمراہیوں میں مبتلا تھی اس وقت زیادہ تر دنیا میں چھ مذہب رائج تھے۔

اول مذہب مجوس: جو ایران اور فارس سے لے کر خراسان اور ترکستان تک پھیلا ہوا تھا کسریٰ کی حکومت اس مذہب کی سرپرست تھی۔ مجوس دو خدا کے قائل تھے یزدان اور اہرمین اور آگ کی پرستش کرتے تھے اور مردار کھاتے تھے اور بیٹی اور بہن سے نکاح کرتے تھے اور پھوپھی اور خالہ کا تو ذکر ہی کیا۔

دوم مذہب عیسوی: یہ مذہب شام اور عراق وغیرہ میں پھیلا ہوا تھا۔ قیصر روم چونکہ مذہباً عیسائی تھا، اس لئے یہ مذہب شاہان روم کی سرپرستی میں نشوونما پا رہا تھا۔ یہ لوگ تثلیث اور ابنیت اور الوہیت مسیح اور کفارہ کے قائل تھے۔

سوم مذہب یہود: جو توریت کو مانتے تھے مگر ضد اور تکبر کا یہ عالم تھا کہ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور علماء کو نصیحتوں پر قتل کر ڈالنا ان کا دستور ہو گیا تھا۔ کما قال تعالیٰ وَيَقْتُلُونَ النَّبِيِّينَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَيَقْتُلُونَ الَّذِينَ يَأْمُرُونَ بِالْقِسْطِ ۚ يَهُودَ كَثْرَيْنَ فِي الْأَرْضِ خَبِيرٌ اور مدینہ کے اطراف و جوانب میں رہتے تھے حب جاہ و مال اور دین فروشی اور مسائل پر رشوت ستانی اور صحف انبیاء میں تحریف ان کا خاص شعار تھا۔

چہارم مذہب مشرکین: یعنی بت پرستوں کا مذہب جو بتوں کو پوجتے تھے، یہ مذہب جزیرۃ العرب اور ہندوستان میں شائع تھا۔

پنجم مذہب صابئین: جو روحانیت کے قائل تھے اور کواکب اور نجوم کی پرستش کرتے تھے، یہ مذہب حران اور عراق میں زیادہ رائج تھا۔ نمرود کے زمانہ میں لوگ زیادہ تر اسی مذہب کے تھے جن کی ہدایت کے لئے حق تعالیٰ نے حضرات ابراہیم حنیف علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو مبعوث فرمایا حق جل شانہ کے اس ارشاد اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِیْنَ هَادَوْا وَالصّٰبِیِّیْنَ وَالنّٰصَارِیَ وَالْمَجُوسَ وَالَّذِیْنَ اٰشْرَكُوْا اِنَّ اللّٰهَ یَفْصِلُ بَیْنَهُمْ یَوْمَ الْقِیَامَةِ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ شَهِیْدٌ ۱۔ اس آیت میں ان ہی پانچ مذاہب کا ذکر فرمایا ہے جو آپ کی بعثت کے وقت دنیا میں رائج تھے۔

ششم مذہب دہریہ: گزشتہ آیت قرآنیہ میں جن پانچ مذاہب کا ذکر ہے، وہ تو مشہور تھے، ان کے علاوہ ایک فرقہ دہریہ تھا جس کا قول حق تعالیٰ نے یہ نقل فرمایا۔ وَقَالُوا مَا هٰی اِلَّا حَیَاتُنَا الدُّنْیَا وَنَمُوْتُ نَحْیًا وَمَا یُهْلِكُنَا اِلَّا الدَّهْرُ وَمَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ اِنْ هُمْ اِلَّا یَظُنُّوْنَ ۲۔ اور جا بجا قرآن کریم میں فرقہ دہریہ کا رد مذکور ہے۔

اس فرقہ کے رد میں اس ناچیز نے ایک مستقل رسالہ لکھا ہے جس کا نام ”اثبات صانع عالم وابطال دہریت و مادیت“ ہے طالبین حق اس کی مراجعت کریں

دنیا میں مذہب اسلام کی آمد

اور آنحضرت ﷺ دین حق لے کر دنیا میں تشریف لائے دنیا میں اس وقت یہ مختلف مذاہب موجود تھے اور سلاطین اور امراء اور والیان ریاست کی سرپرستی میں پرورش پا رہے تھے اور دین اسلام ان سب ادیان اور مذاہب کے خلاف تھا اور جو اس مذہب اسلام کو لے کر آیا وہ ایک یتیم اور بے کس اور اُمتی تھا، اس نے مبعوث ہونے کے بعد دین اسلام کو دنیا کے سامنے پیش کیا اور ہر ملت اور ہر مذہب کا دلائل اور براہین سے ایسا رد کیا کہ دنیا حیران رہ گئی

اور بڑے بڑے زیرک اور عقلاء اور فضلاء یہود و نصاریٰ سے آپ کے مناظرے ہوئے مگر تمام فضلاء مل کر بھی آپ کی کسی دلیل اور برہان پر نقض نہ وارد کر سکے حالانکہ آپ اُنہی تھے لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے، قرآن کریم اور حدیث نبوی مذاہب باطلہ کی تردید اور ابطال سے بھرپڑا ہے یہ اس امر کی واضح اور روشن دلیل ہے کہ آپ بلاشبہ مُلہم من اللہ اور مَوَدَّ من اللہ تھے، اس لئے کہ باوجود اُنہی ہونے کے دلائل قاطعہ اور براہین ساطعہ سے حق کو ثابت کر دینا اور دنیا کے تمام مذاہب کو دلائل سے باطل کر دکھانا بدون الہام ربانی اور تائیدِ رحمانی ناممکن اور محال ہے، تیرہ سال کی مسلسل دعوت و تبلیغ کے بعد مکہ مکرمہ سے ہجرت کی اور پھر ہجرت کے ایک سال بعد بحکم خداوندی معاندینِ حق سے جہاد و قتال کا آغاز فرمایا اور حسب وعدہ خداوندی مظفر و منصور ہوئے اور ان غزوات و سرایا میں تائیدِ غیبی کے وہ عجیب و غریب کرشمے ظاہر ہوئے کہ دشمنانِ حق ان کو دیکھ کر یہ سمجھ گئے کہ اس بے سروسامانی میں یہ حیرت انگیز کامرانی اور ساز و سامان والوں کے ان فقیروں اور درویشوں کے مقابلہ میں ناکامی اور یہ ذلت و رسوائی بدون تائیدِ آسمانی ناممکن اور محال ہے، بالآخر جب مجبور ہو گئے تو حق کے سامنے گردن ڈال دی اور اللہ کے دین میں فوج در فوج داخل ہونے لگے۔

چھٹا عقلی معجزہ

آپ کا غیب کی خبریں دینا اور پھر ذرّہ برابر اس کے خلاف نہ ہونا اور نہ ان کا غلط ہونا اور انبیائے سابقین اور ائم سابقہ کے واقعات کو اس طرح بیان کرنا کہ گویا آپ اس موقع پر موجود تھے اور آنکھوں سے دیکھ رہے تھے اور کانوں سے سن رہے تھے اور منافقین اور مخالفین اور دشمنوں کے دلی خطرات اور خیالات کو برملا بیان کرنا جن کا حال حدیث اور تفسیر کی کتابوں میں شرح طور پر موجود ہے، یہ سب اس امر کی واضح دلیل ہیں کہ یہ شخص صاحبِ وحی ہے اس لئے کہ اس طرح کی پیشین گوئیاں محض عقل سے ناممکن اور محال ہیں ایسی خبروں کا علم کہ جو عقل اور وہم اور قرآن اور دلائل سے کہیں بالا اور برتر ہوں سوائے وحی ربانی اور القاءِ یزدانی کے نہیں ہو سکتا۔

ساتواں عقلی معجزہ

آپ کا مستجاب الدعوات ہونا بھی آپ کے نبی برحق ہونے کی صریح دلیل ہے آپ نے جو دعاء فرمائی وہ بارگاہِ الہی میں قبول ہوئی۔

معجزاتِ حسّیہ

حق جل شانہ نے آپ کو ان عقلی اور باطنی نشانات کے علاوہ جن کو ہم بیان کر چکے ہیں بے شمار ظاہری اور حسی نشانات بھی عطا فرمائے جن کا ادراک حواس سے ہوتا ہے جیسے کفار مکہ کی درخواست پر آپ کی انگلی کے اشارہ سے چاند کے دو ٹکڑے ہو جانا اور آپ کی انگلیوں سے پانی کا پھوٹ پڑنا جس سے تقریباً ڈیڑھ ہزار اصحاب سیراب ہو گئے اور سب نے وضو کیا اور بہائم کو پانی پلایا۔ اور پھر بقدر حاجت برتنوں اور مشکینروں میں بھر کر رکھ لیا۔ اور تھوڑے طعام کا ایک لشکرِ عظیم کی سیری کے لئے کافی ہو جانا اور آپ کے بلانے سے درختوں کا حاضر ہو جانا اور شجر اور حجر کا آپ کو سلام کرنا اور زہر آلود بھنی ہوئی بکری کے دست کا دسترخوان پر بولنا اور آپ سے یہ کہنا:-

”کہ مجھے تناول نہ فرمائیے دشمنوں نے مجھ میں زہر ملا دیا ہے“۔ اور آپ کے ہاتھ میں سنگریزوں کا تسبیح پڑھنا وغیرہ تاکہ دیکھنے والوں کو معلوم ہو جائے کہ یہ شخص اللہ کا برگزیدہ بندہ اور اس کا راز دار اور اس کا نائب اور اس کا سفیر ہے جو اس کے احکام اور ہدایات کو لے کر آیا ہے، اس لئے کہ قدرتِ خداوندی کے جو عجیب و غریب کرشمے اس کے ہاتھ پر ظاہر ہو رہے ہیں۔ وہ سفارتِ خداوندی کی شانِ امتیازی کے نشانات ہیں۔ قدرتِ بشریہ ان کرشموں کے ظاہر کرنے سے عاجز اور درماندہ ہے ایسے عجیب و غریب خوارق کا ظہور بدون تائیدِ ایزدی ناممکن اور محال ہے معلوم ہوا کہ یہ شخص مومِن اللہ ہے اور اس شخص کو ایسی ذاتِ بابرکات کی غیبی تائید حاصل ہے کہ جس کے دستِ قدرت میں طبعیات اور عنصریات و فلکیات کی باگ ہے کہ جب چاہتا ہے تو اپنے اس برگزیدہ بندہ کی انگلی کے اشارہ سے چاند کے دو ٹکڑے کر دیتا ہے اور جب چاہتا ہے تو اس کی انگلیوں سے بلا سبب ظاہری چشمے جاری

کر دیتا ہے تاکہ ماہرینِ طبعیات اور شیفتگانِ اسباب و علل کو معلوم ہو جائے کہ کوئی ذات ایسی بھی ہے جو کسی سبب اور کسی علت کی پابند نہیں۔

اوست سلطان آنچہ خواہمی کند

اور یہ مدعی نبوت جس کے ہاتھ پر غیبی کرشمے ظاہر ہو رہے ہیں وہ اسی قادر مطلق اور خدائے برحق کا فرستادہ ہے کہ جو اسبابِ فلکی اور عنصری کا خالق اور مالک ہے۔ اور ان غیبی کرشموں کے ظاہر کرنے سے خالق مطلق کا مقصود یہ ہے کہ مخلوق پر یہ امر خوب واضح ہو جائے کہ جس طرح حضور پر نور کی زبان فیضِ ترجمان۔ خداوند علیم و حکیم کے علم و حکمت کا آئینہ ہے، اسی طرح حضور پر نور کا دست مبارک خداوندِ قدیر کے دستِ قدرت کا آئینہ ہے کہ جس کے ذریعہ، قدرتِ غیبیہ کے عجیب و غریب کرشمے ظاہر ہو رہے ہیں۔ کما قال تعالیٰ اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰہَ یَذَلّٰہُ فَوْقَ اَیْدِیْہِمُ۔^۱ وقال تعالیٰ وَمَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلَکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی^۲ ایک بشر کے ہاتھ پر ایسے خوارق کا ظہور کہ جو بلاشبہ قدرتِ بشری سے خارج ہوں یہ اس امر کی دلیل ہے کہ اس شخص کے ہاتھ کے پیچھے دستِ قدرت پوشیدہ طور پر کار فرما ہے اور اس نبی کے ہاتھ سے جو کچھ ظاہر ہو رہا ہے وہ حقیقتاً اللہ تعالیٰ کا فعل ہے اس نبی کا فعل نہیں۔

مارمیت اذرمیت گفت حق کار حق برکارہا دارد سبق
گرپر انیم تیراں نے زماست ماں کمان وتیر اندازش خداست
اور جب ان امتیازی نشانات سے لوگوں پر یہ بات واضح ہو جائے گی کہ حضور پر نور اللہ کے برگزیدہ بندہ اور اس کے نائب اور اس کے سفیر ہیں تو لوگ آپ کو مستحقِ اطاعت جانیں گے اور آپ کی اطاعت کو اللہ کی اطاعت سمجھیں گے۔

خلاصہ کلام

یہ کہ معجزات کے عنایت کرنے میں حکمت یہ ہے کہ عوام کو آپ کی نبوت کا یقین آجائے اور نبی کے حق میں یہ معجزات منصبِ سفارت کے لئے بمنزلہ سند اور دستاویز کے ہو جائیں معجزات تو

آپ کے بے شمار ہیں مگر ہم اس وقت صرف ان معجزات کو ذکر کرتے ہیں جو صحیح احادیث سے ثابت ہیں اور ان میں سے ہر ایک اگرچہ حد تو اتر کو نہ پہنچا ہو مگر ان کی مجموعی تعداد اس حد تک پہنچ چکی ہے کہ جس سے ان میں کسی قسم کے شک و شبہ کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔

اس کی مثال ایسی ہے جیسے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شجاعت اور حاتم طائی کی سخاوت کے افراد اگرچہ فردیت اور احدیت کی شکل میں ہیں اور تو اتر کی حد کو نہیں پہنچے، مگر ان کی مجموعی تعداد اس حد کو پہنچ چکی ہے کہ جس کے بعد شک و شبہ کی گنجائش نہیں رہی، یہی وجہ ہے کہ حضرت علی کی شجاعت اور حاتم طائی کی سخاوت دنیا میں ضرب المثل ہو گئی یہود کے نزدیک حضرت موسیٰ کا معجزہ عصا اور معجزہ ید بیضاء حضرت موسیٰ کی نبوت کی دلیل ہے۔

اور نصاریٰ کے نزدیک حضرت عیسیٰ کا معجزہ احیاء موتی اور ابراء اکمہ و ابرص حضرت عیسیٰ کی نبوت کی دلیل ہے اسی طرح یہ تمام معجزات محمد رسول اللہ ﷺ کی نبوت و رسالت کے دلائل اور براہین ہیں۔

اور عیسائیوں کا آل حضرت ﷺ کے معجزات سے انکار کرنا ہے ایسا ہی ہے جیسا کہ یہود حضرت مسیح کے معجزات کا انکار کرتے ہیں۔

معجزات نبوی کی تفصیل

اب ہم اس گلی اور اجمالی بیان کے بعد معجزات نبوی ﷺ کو کچھ تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔

معجزہ کی تعریف

معجزہ اُس امر خارق للعادة کو کہتے ہیں جو مدعی نبوت کے ہاتھ پر ظاہر ہو اور کل عالم اس کے معارضہ اور مقابلہ یعنی اس کے مثل لانے سے عاجز اور در ماندہ ہو، تاکہ منکرین اور مخالفین پر یہ بات واضح ہو جائے کہ یہ شخص برگزیدہ خدا ہے کہ جس کے دشمنوں کے عاجز کرنے کے لئے خدا نے غیب سے یہ کرشمہ قدرت ظاہر فرمایا ہے اور لوگوں پر یہ امر منکشف ہو جائے کہ تا ئید غیبی اس کی پشت پر ہے، یہ شخص کوئی ساحر اور کاہن نہیں کہ کوئی اس کا معارضہ اور مقابلہ

کر سکے لہذا اگر کسی کو صلاح اور فلاح درکار ہے تو وہ صرف اس برگزیدہ ہستی پر ایمان لانے اور اس کی اتباع اور پیروی سے حاصل ہو سکتی ہے جس برگزیدہ ذات کو حق تعالیٰ نے اپنا خلیفہ اور نائب اور سفیر اور معتمد بنا کر بھیجا ہو اس کی تکذیب اور مخالفت کا انجام سوائے شقاوت اور ہلاکت کے کیا ہو سکتا ہے۔ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكْذِبِينَ۔

معجزاتِ علمیہ اور معجزاتِ عملیہ

معجزات کی دو قسمیں ہیں ایک معجزاتِ عملیہ اور ایک معجزاتِ علمیہ۔ معجزہ عملی اس کو کہتے ہیں کہ مدعی نبوت کے ہاتھ سے ایسا عمل یعنی ایسا کام ظاہر ہو کہ اُس جیسا کام کرنے سے سب عاجز آجائیں۔ اور معجزہ علمی اس کا نام ہے کہ مدعی نبوت سے ایسے علوم اور معارف ظاہر ہوں کہ ساری دنیا اس کے معارضہ اور مقابلہ یعنی اس کی مثل لانے سے عاجز ہو۔ حق جل شانہ نے آنحضرت ﷺ کو دونوں قسم کے اس قدر کثیر معجزات عطا فرمائے جو حدِ احصاء اور شمار سے باہر ہیں۔

قرآنِ حکیم سب سے بڑا معجزہ ہے

آں حضرت ﷺ کے معجزات میں سب سے بڑا معجزہ قرآن کریم ہے جو علمی معجزہ ہے اور تمام انبیاء کے معجزات سے بڑھا ہوا ہے سب جانتے ہیں کہ علم کو مثل پر شرف ہے یہی وجہ ہے کہ ہر فن میں استادوں کی تعظیم کی جاتی ہے اور ہر سررشتہ میں افسروں کی تنخواہ اہلکاروں سے زیادہ ہوتی ہے، یہ شرف علم ہی کا تو ہے۔ محنت تو اہل کار زیادہ کرتے ہیں۔ قرآن کریم۔ آنحضرت ﷺ کا علمی معجزہ ہے اور آپ کے معجزات میں عمدہ ترین معجزہ ہے، ایسا معجزہ اور کسی پیغمبر کو عنایت نہیں ہوا۔ سب انبیاء اور مرسلین کے معجزے ایک خاص وقت میں ظاہر ہوئے اور ختم ہو گئے اور معجزہ قرآن ایسا معجزہ ہے کہ جس کی جانب زوال انقطاع کو راہ نہیں، ابتداء نزول سے لے کر اب ۱۳۸۳ھ ہو گیا اسی طرح بلا تغیر و تبدل اور بلا کم و کاست باقی اور محفوظ ہے اور انشاء اللہ تعالیٰ یہ معجزہ تا قیام قیامت اسی طرح باقی رہے گا جس طرح آپ پر نازل ہوا تھا۔

وجوہِ اعجاز

علماء نے اپنی کتابوں میں مختلف طریقوں سے قرآن کریم کا معجزہ ہونا ثابت کیا ہے جو بہت ہیں ہم ان میں سے اُن چند وجوہ کو بیان کرتے ہیں جو بالکل صاف اور صریح ہیں۔

اعجازِ قرآن کی پہلی وجہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں سحر (جادو) کا چرچا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو عصا اور ید بیضاء کا معجزہ عطا فرمایا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں طب کا زور تھا، حق تعالیٰ نے اُن کو شفاء مرضی اور احیاء موتی کا معجزہ عطا فرمایا اور ہمارے نبی اکرم ﷺ کے عہدِ کرامت مہد میں فصاحت و بلاغت کا چرچا تھا۔ عرب لوگ اپنے سوا تمام ممالک کو عجم یعنی گونگا کہتے تھے اور اب بھی کہتے ہیں۔ پس سب سے بڑا معجزہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو قرآن کریم کا عطا کیا جس کی فصاحت اور بلاغت اور سلاست اور دل آویزی اور لطافت کے مقابلہ سے بڑے بڑے فصیح و بلیغ عاجز رہے اور یہی معجزہ کی تعریف ہے کہ جس کے مقابلے سے دنیا عاجز اور در ماندہ ہو۔ معجزہ خود نبی کی قدرت سے بھی باہر ہوتا ہے، قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا کلام تھا حضور پر نور کا کلام نہ تھا جس طرح تمام عالم اس قرآن کی مثل لانے سے عاجز تھا اسی طرح یہ قرآن خود حضور پر نور کی قدرت سے بھی نہ تھا حضور پر نور کا کلام حدیث ہے، اس میں اور قرآن میں زمین و آسمان کا فرق ہے، فصحاء عرب کے مجمع میں آپ نے فُتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهِ کا ڈنکا بجایا کہ اگر تمہیں اس قرآن کے کلام الہی ہونے میں کوئی شبہ ہے تو تم سب مل کر انا اعطینا جیسی سورت بنا لاؤ قرآن نے لا کار لا کار کر کفار کو مقابلہ اور رتحدی کی دعوت دی مگر تمام فصحاء عرب اس کی مثل لانے سے عاجز ہو گئے حالانکہ کلام الہی ان الفاظ اور حروف سے مرکب ہے جن سے اُن کا کلام مرکب تھا اور وہی عربی زبان سے جو اُن کی زبان تھی۔ اور پھر مزید برآں آنحضرت ﷺ محض امی تھے نہ کسی سے پڑھانہ لکھا اور نہ کسی عالم کی صحبت نصیب ہوئی پھر ایسا کلام معجز نظام اور حقائق و معارف التیام آپ کی زبان فیض ترجمان سے صادر ہونا یہ اس امر کی صریح دلیل ہے کہ یہ کلام، اللہ کا کلام ہے کسی بشر کا

کلام نہیں، اس حضرت ﷺ کا اس کلام سے صرف یہ تعلق ہے کہ جبریل امین۔ حق تعالیٰ کا جو کلام بطور وحی و پیغام لے کر آپ پر نازل ہوئے آپ نے وہ بلا کم و کاست بندوں تک پہنچا دیا تاکہ لوگ اس سے ہدایت حاصل کریں۔ قاضی عیاض شفاء میں لکھتے ہیں کہ قرآن کریم میں باعتبار بلاغت کے سات ہزار سے زیادہ معجزے ہیں، اس لئے کہ اِنَّـا اَعْطَيْنَاكَ الْكِتٰبَ الْكَوْثَرَ جیسی چھوٹی سورت میں دس کلمے ہیں اور تمام کلام اللہ میں تقریباً ستر ہزار کلمے ہیں سو جب ستر ہزار کو دس پر تقسیم کیا جائے تو خارج قسمت سات ہزار سات سو ہوگا، پس قرآن کریم میں سات ہزار سات سو معجزے ہوئے۔

ایک شبہ اور اس کا جواب

بعض بے وقوف یہ کہتے ہیں کہ دنیا میں اور کتابیں بھی ایسی ہیں کہ جو اپنی نظیر نہیں رکھتیں، جیسے شاہنامہ فردوسی اور گلستان سعدی۔

جواب

یہ قول اس امر کی دلیل ہے کہ اس شخص کو معجزہ کی حقیقت اور اعجاز کی کیفیت معلوم نہیں قرآن کریم کا اعجاز اس وجہ سے ہے کہ ہمارے نبی اکرم ﷺ نے ڈنکے کی چوٹ کفار عرب کے سامنے قرآن کریم کو پیش کیا اور بانگِ دُبل بڑے زور سے کہا کہ یہ قرآن اللہ کا کلام ہے اور میرا معجزہ ہے اور اگر کسی کو اس میں شک ہو تو اس کے مقابلے میں ایسا فصیح و بلیغ کلام بنا کر پیش کرے، تینیس سال تک مسلسل یہ منادی اور چیلنج ہوتا رہا مگر کوئی شخص اس کے مثل ایک سطر بھی بنا کر نہ لاسکا اور سارا عالم اس کے مقابلے اور معارضہ سے عاجز اور درماندہ رہا بتلانے والے بتلائیں کہ کیا یہ تحدی اور مقابلہ کی دعوت اور کس کتاب میں کہاں واقع ہوئی اور کس نے تحدی اور مقابلہ کی دعوت دی اور کس مقام پر مخاطبین کا غرظ ظاہر ہوا محض انجہامِ نظیر کا نام اعجاز نہیں۔ بسا اوقات حسن و جمال اور خوبی و کمال کی بنا پر کسی عالم کو یا کسی تصنیف کو بے نظیر اور بے مثال کہہ دیا جاتا ہے، لیکن یہ مطلب نہیں ہوتا کہ یہ تصنیف یا یہ مصنف معجزہ ہے۔

نیز بسا اوقات انسان اپنے زعم میں کسی چیز کو بے نظیر سمجھتا ہے اور واقع میں اس کی نظیر

موجود ہوتی ہے، شاہنامہ فردوسی کے مقابلے میں مرزا محمد تورانی مختص بہ آشوب نے صولت فاروقی ایک کتاب لکھی جو شاہنامہ فردوسی سے بہتر ہے جس میں فردوسی پر اکثر جرح کرتا ہے۔ نیز یہ کہ معجزہ کے لئے لازم ہے کہ وہ امر خارق للعادة ہو اس میں اسباب ظاہری کا کوئی دخل نہ ہو۔ سحر اور معجزہ میں فرق یہی ہے کہ سحر تعلیم اور تعلم اور کسب و اکتساب سے حاصل ہو سکتا ہے اور معجزہ کوئی فن نہیں کہ جو تعلیم اور تعلم سے حاصل ہو سکے۔

اور ظاہر ہے کہ سعدی اور فردوسی نے سالہا سال تعلیم اور تعلم کی محنتیں اور مشقتیں اٹھائیں اور برسوں مدرسوں میں پڑھے اور استادوں کی جوتیاں سیدھی کرتے رہے اور ان سے پڑھتے رہے اور اصلاح لیتے رہے، پس اگر سالہا سال کی محنتوں اور مدتوں کی مشاقی اور جدوجہد کے بعد ان کا کلام دوسروں کے کلام سے فائق ہو گیا تو وہ نہ محل تعجب ہے اور نہ اس کو معجزہ کہا جاسکتا ہے۔

ہر زمانہ میں اور ہر زبان میں بڑے بڑے فاضل اور ادیب اور انشا پرداز گزرے ہیں جیسے عربی میں بدیع الزمان ہمدانی اور حریری مگر وہ معجزہ نہیں۔ اور فارسی میں سعدی اور فردوسی اور انگریزی میں ملٹن اور سنسکرت میں کالیداس اور اردو میں محمد حسین آزاد اور حالی وغیرہ وغیرہ۔

جن کا کلام اپنے ہم معصروں کے کلام سے فائق اور ممتاز ہو گیا تو یہ سالہا سال کی محنتوں اور مشقتوں کا ثمرہ ہے کوئی معجزہ نہیں۔

اس سلسلے میں بعض خوش فہم فیضی کی بے نقط تفسیر کا نام لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بے نظیر ہے آج تک اس کا جواب نہیں ہو سکا، اس کا جواب خود فیضی کی زبان سے سنیں کہ وہ اپنی تفسیر کے دیباچہ میں قرآن کریم کو خدا کی اتاری ہوئی کتاب مانتے ہیں اور اس کے سوا تمام علوم اور کتب کو در دسر قرار دیتے ہیں، چنانچہ فیضی کہتے ہیں۔

العلوم کلہا صداع الا علم : تمام علوم، سوائے علم قرآنی کے سب در دسر
کلام اللہ و کلام اللہ لا عد : ہیں اور کلام اللہ کے مناقب کی کوئی شمار نہیں
لمحامدہ ولا حد لمکارمہ ولا : اور اس کے محاسن کی کوئی انتہا نہیں اور اس
حصر لرسومہ ولا احصاء : کی صداقت کے شان غیر محصور ہیں اور

لعلومہ وما علم علوم کلام : علوم قرآن اس درجہ بے شمار ہیں کہ ان کا
 اللہ کلہا احدا لا اللہ ورسولہ : احاطہ ممکن نہیں۔ جو علوم قرآن کریم میں
 واولو العلم ما علموا الاعداد : ہیں ان کو بہ تمام وکمال سوائے خدا اور اس
 کے رسول کے کوئی نہیں جانتا اور تمام اہل
 علم کو مل کر جو قرآن کا علم ہاتھ آیا ہے وہ اس
 کے غیر محدود علم کا ایک محدود حصہ ہے۔

کلام اللہ کے متعلق یہ خود فیضی کا اقرار اور اعتراف ہے۔ اب اس اقرار کے بعد فیضی کو
 شہادت میں پیش کرنا سخت بے حیائی اور ڈھٹائی ہے اور مدعی سُست اور گواہ پُست کا
 مضمون ہے۔

اور اگر بالفرض و التقدیر فیضی اور سعدی اور فردوسی قرآن کی طرح دنیا کو مقابلہ کا پر زور
 چیلنج کرتے تو معلوم کتنے شاہنامے اور کتنی گلستانیں غلامانِ نبی امی فداہ نفسی وابی و امی۔ لکھ
 کر دنیا کے سامنے ڈال دیتے۔

اعجاز کی دوسری وجہ

اعجاز قرآن کی دوسری وجہ یہ ہے کہ وہ علوم ہدایت کا جامع ہے، جو شخص قرآن کریم کے
 علوم اور معارف کی تحقیق و تفتیش کرے گا تو اُس کو اس کتاب میں عقائد اور اعمال اور تہذیب
 اخلاق اور تمدن اور معاشرت اور اصول حکومت و سیاست اور ترقی روحانیت اور تحصیل
 معرفت ربانی اور تزکیہ روحانی اور حکمرانی اور عدل عمرانی اور وصول الی اللہ اور قرب یزدانی کے
 وہ تمام قواعد اور سامان اس کو اس کتاب میں نظر آئیں گے جس کو دیکھ کر بے اختیار اس کا دل اور
 اس کی زبان گواہی دیں گے کہ بلاشبہ یہ اللہ کا کلام ہے۔ اور یقیناً یہ اللہ کی اُتاری ہوئی کتاب
 ہے۔ ایسے علوم اور معارف کا خزانہ اور گنجینہ تو عالم کے تمام حکماءِ اہل کر بھی نہیں پیش کر سکتے چہ
 جائیکہ ایک امی قوم کے ایک امی فرد سے اس کی توقع کہ وہ ایک جامع کتاب دنیا کے سامنے
 پیش کرے کہ جو دنیا اور آخرت دونوں کی صلاح اور فلاح کی کفیل اور ذمہ دار ہو اور حقوق
 خداوندی اور حقوق العباد اور حقوق نفس کو تفصیل کے ساتھ بیان کرتی ہو اور عالم کے تمام

مذہب باطلہ یہود اور نصاریٰ اور مشرکین اور مجوس اور صابئین کا دلیل اور برہان کے ساتھ رد کرتی ہو اور کسی مذہب کے عالم میں یہ قدرت نہ ہو کہ وہ دلائل قرآنی کا جواب دے سکے۔ کیا یہ اس امر کی دلیل اور برہان نہیں کہ یہ قرآن بلاشبہ اللہ کی اتاری ہوئی کتاب ہے۔

اعجاز کی تیسری وجہ

اعجاز قرآن کی تیسری وجہ یہ ہے کہ قرآن کریم حالات آئندہ کی خبروں پر مشتمل ہے کہ جن چیزوں کا نام و نشان اور وہم و گمان نہ تھا اور انسانی ادراک ان کے تصور سے بھی قاصر تھا قرآن کریم نے پیشتر سے ان کے وقوع اور ظہور کی خبر دی اور پھر بلا کم و کاست قرآن کریم کی خبر کے مطابق وہ چیز واقع ہوئی، جیسے آپ نے ہجرت سے پہلے بمقابلہ فارس رومیوں کے غلبہ کی خبر دی کما قال تعالیٰ اَلَمْ غَلِبَتِ الرُّومُ فِیْ اَدْنٰی الْاَرْضِ الْاٰیۃ۔ اور غزوہ بدر میں کفار کی شکست کی خبر دی سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّونَ الدُّبُرَ اور دین اسلام کے ظہور اور غلبہ کی خبر دی کما قال تعالیٰ هُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهُ عَلٰی الدِّیْنِ کُلِّہٖ وَغَیْرہ وغیرہ جن کی تفصیل انشاء اللہ تعالیٰ پیشین گوئیوں کے بیان میں آئے گی۔

غرض یہ کہ قرآن کریم نے آئندہ کے متعلق جو خبریں دی ہیں وہ اسی طرح واقع ہوئیں جس طرح قرآن کریم نے ان کی خبر دی تھی۔

اور علیٰ ہذا قرآن کریم کا انبیاء سابقین کے قصص اور اہم سابقہ کے واقعات اور حالات پر مشتمل ہونا مثل قصہ سیدنا ابراہیم و حضرت موسیٰ و حضرت عیسیٰ و حضرت یوسف وغیرہم اور قصہ ذوالقرنین اور قصہ اصحاب کہف وغیرہ جن کا پورا علم علماء اہل کتاب کو بھی نہ تھا۔ نبی امی فدائے ابی و امی نے جب ان آیات کو علماء اہل کتاب کے سامنے تلاوت کیا تو کوئی انکار نہ کر سکا۔ حضرات اہل علم اگر وجوہ اعجاز کی تحقیق اور تفصیل چاہیں تو قاضی ابوبکر باقلانی کی اعجاز القرآن اور شفاء قاضی عیاض میں بحث اعجاز القرآن کی مراجعت کریں۔

اور اردو میں اس ناچیز نے بھی ایک مختصر رسالہ ”اعجاز القرآن“ کے نام سے لکھا ہے، اس کو دیکھ لیں۔

حدیثِ نبوی، دوسرا معجزہ

قرآن کریم کے بعد آپ کا علمی معجزہ حدیثِ نبوی ہے جس کو شریعت اور ملت کے نام سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے جس کی کاملیت اور جامعیت کو دیکھ کر ادنیٰ عقل والا اس یقین پر مجبور ہو جاتا ہے۔ کہ ایسے مافوق العقل اور مافوق الفطرت دستور اور آئین کا منبع اور سرچشمہ سوائے خداوند علیم و حکیم کی ذات بابرکات کے کوئی ذات انسانی نہیں ہو سکتی، خاص کر کہ جو ذات انسانی محض امی ہو جس نے نہ لکھا ہو نہ پڑھا ہو اس کی زبان سے ایسے مخیر العقول علوم و معارف کا چشمہ کیسے جاری ہوا معلوم ہوا کہ اس امی نبی کی زبان فیضِ ترجمان سے جو کچھ نکل رہا ہے وہ درحقیقت پس پردہ لسانِ غیب بول رہی ہے موسیٰ علیہ السلام نے درخت میں سے جو آواز سنی وہ درحقیقت درخت کی آواز نہ تھی بلکہ وہ آواز خداوند قدوس کی تھی اور یہ درخت بمنزلہ ٹیلیفون کے تھا کہ جو عالمِ غیب کی آواز کو موسیٰ علیہ السلام تک پہنچا رہا تھا۔

اسی طرح اُس نبی امی فداہِ نفسی و ابی و امی کو سمجھو کہ اس کی زبان فیضِ ترجمان سے جو نکل رہا تھا وہ وحیِ ربانی اور آوازِ یزدانی تھی۔ معاذ اللہ نطقِ نفسانی نہ تھا۔ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ۔

گفتہ او گفتہ اللہ بود

گرچہ از خلقوم عبد اللہ بود

اس لئے کہ شریعتِ اسلامیہ جن عقائد اور اعتقادات کی تعلیم دیتی ہے، وہ خرافات اور بے اصل باتوں سے پاک اور منزہ ہیں اور عقلی اور نقلی اور فطری دلائل سے ثابت ہیں جن کی نسبت یقین کیا جاسکتا ہے کہ یہ عقائد قطعاً صحیح اور واقعی ہیں۔

اور شریعتِ اسلامیہ نے جن مکارمِ اخلاق کا حکم دیا ہے اولین اور آخرین کے صحیفوں میں اسکی نظیر نہیں اور علیٰ ہذا شریعتِ اسلامیہ نے جن عبادات اور معاملات اور افعال و اعمال کا حکم دیا وہ بیشمار حکمتوں اور مصلحتوں پر مبنی ہیں حقوق اللہ اور حقوق العباد کی جو تفصیل اور مبدأ اور معاد کے جو لایخل عقدے شریعتِ اسلامیہ نے حل کیے ہیں وہ عقلِ انسانی سے کہیں بالا اور برتر ہیں۔

اور علماءِ فرنگ کا اقرار ہے کہ توریت اور انجیل اور عہدِ قدیم اور عہدِ جدید کے تمام صحیفے تعلیماتِ اسلامیہ کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔

نیز دنیا میں انبیاء اور حکماء اور سلاطین اور علماء لاکھوں کی تعداد میں گزرے مگر جس حیرت انگیز احتیاط کے ساتھ آں حضرت ﷺ کی حرکات اور سکنت اور آپ کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے الفاظ اور کلمات کو محفوظ کیا گیا۔ اولین اور آخرین میں اس کی نظیر نہیں۔ ایک آپ کی زندگی کو محفوظ رکھنے کے لئے آپ کے افعال و اقوال کے روایت کرنے والے ہزار ہا راویوں کی زندگیاں اس لئے زیرِ تحقیق لائی گئیں کہ آپ کی زندگی کا مطالعہ کرنے والوں کے لئے شک و شبہ کا کوئی شائبہ باقی نہ رہے علم اسماء الرجال اور علم الاسناد اور علم اصول الحدیث اسی کی خاطر ایجاد ہوئے جن کا منشاء صرف یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کے اقوال و افعال اور اعمال ایسے محفوظ ہو جائیں کہ سلسلہ سند اور طرق اور اسانید کو دیکھ کر پڑھنے والے کو ایسا علم یقینی حاصل ہو جائے کہ جو یقینی مشاہدہ کے مساوی اور ہم مرتبہ ہو صحاح ستہ اور دوسری کتب احادیث کو دیکھنے سے انسان حیران اور ششدر رہ جاتا ہے کہ کس حیرت انگیز انتظام اور اہتمام سے حدیث نبوی کا ذخیرہ جمع کیا گیا ہے اور حضرات محدثین نور اللہ مرقدہم نے احادیث نبوی کی صحت اور جانچ پڑتال کے لئے کس قدر سخت ضوابط اور قواعد مرتب کیے ہیں۔

مؤطا امام مالک اور صحیح بخاری اور صحیح مسلم اور ابوداؤد اور ترمذی اور نسائی اور ابن ماجہ وغیرہ وغیرہ دنیا کے سامنے موجود ہیں، مگر کسی ملحد اور زندیق کی یہ مجال نہیں ہوئی کہ ایک لفظ کی بھی کمی اور بیشی کر سکے۔

پھر ان کتابوں کی مندرجہ احادیث میں سے ایک ایک حدیث کو تحقیق اور تدقیق کی کسوٹی پر کس کی ہر ایک حدیث کے تمام راویوں کا حال بتلا دیا اور ہر حدیث کا درجہ قائم کر دیا کہ یہ صحیح ہے یا حسن یا غریب ہے یا ضعیف ہے یا منکر ہے۔

پھر لطف یہ کہ آں حضرت ﷺ کے اقوال و افعال کی روایت کرنے والا پہلا طبقہ صحابہ کرام کا ہے جس میں سے بحمدہ تعالیٰ ایک شخص بھی قسم کھانے کو دروغ گو ثابت نہیں ہوا۔ صحابہ کرام کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار تھی۔ اتنی بڑی جماعت میں سے کسی فرد واحد کی نسبت آج تک یہ ثابت نہیں ہو سکا کہ اُس نے کبھی جھوٹ بولا ہو یہ اُس نبی اُمی فداہ نفسی و ابی و اُمی کا اعجاز ہے کہ اس کے تربیت یافتہ افراد میں سے ایک فرد واحد بھی جھوٹا نہیں نکلا۔ ان پہلے راویوں کے بعد دوسرے اور تیسرے درجہ کے راویوں کی زندگیاں بھی عالم طور پر

کذب اور دروغ سے محفوظ پائی جاتی ہیں۔ ان سب کا عقیدہ تھا کہ آنحضرت ﷺ کی طرف۔ اپنی طرف سے کوئی بات نسبت کرنا گناہ کبیرہ اور جرمِ عظیم ہے۔

آج دنیا میں کوئی حضرت مسیح کا پیرو یہ نہیں بتا سکتا کہ ان کا سلسلہ اسناد کیا ہے اور کس ذریعہ اور کس سند سے ان کو یہ انجیلیں اور حواریین کے رسائل اور خطوط ملے اور اس سلسلہ سند کے راوی کون کون لوگ ہیں اور کون ان میں سے ثقہ اور معتبر ہے اور کون غیر معتبر علماء نصاریٰ حضرت مسیح کا ایک کلمہ بھی سند متصل کے ساتھ نہیں پیش کر سکتے۔ اور حضرات محدثین کا یہ حال ہے کہ بغیر سند کے کوئی لفظ ان کی بارگاہ میں قابل التفات بھی نہیں اور حدیث کی مشہور کتابیں اسی محفوظ زمانے اور محتاط لوگوں کے عہد میں مرتب اور مدون ہوئیں اور مدون و مرتب ہو جانے کے بعد ان کے مصنفین ہی کے زمانے سے لوگوں نے ان کا پڑھنا اور حفظ یاد کرنا شروع کر دیا اور آج تک ان کتابوں کی سندیں متواتر سلسلوں سے دنیا میں موجود ہیں اور مشرق و مغرب کے علماء کے زیر درس ہیں۔ غور تو کیجئے کہ ایک ذات بابرکات قدسی صفات کے اقوال و افعال کے محفوظ رکھنے کے لئے یہ انتظام اور یہ اہتمام کیا انسانی تدبیر اور جدوجہد کا نتیجہ ہے حاشا وکلا۔ یہ صرف تائید ربانی اور فضل یزدانی کا کرشمہ ہے کہ جو پردہ غیب سے نبی اُمّی ﷺ کے حدیث کی حفاظت کے لئے نمودار ہوا ہے علم حدیث اور اس کے متعلقہ علوم و فنون پر غور کرنے کے بعد دنیا کی تمام تاریخوں کا مرتبہ نگاہ سے گرجاتا ہے اور بلاشبہ جو ذات تمام اقوام اور تمام ممالک کے لئے قیامت تک کے لئے ہادی اور رہبر بن کر آئی اس کی زندگی اور اس کے اقوال و افعال ایسے ہی معجزانہ طریقہ پر محفوظ ہونے چاہئیں کہ قیامت تک آنے والوں کے لئے کسی شک و شبہ کی گنجائش نہ رہے اور جو شخص اس نبی اُمّی کی زندگی کو آنکھ سے دیکھنا چاہے تو حدیث نبوی کے پردہ سے اُس کو دیکھ سکے۔

یہ جو کچھ کہا گیا ہے یہ حدیث نبوی ﷺ کے اس اعجاز کا بیان تھا کہ جس کا تعلق روایت حدیث سے ہے، یعنی الفاظ حدیث کی بے مثال حفاظت سے متعلق ہے۔

اور اگر حدیث نبوی کے اعجاز کو روایت اور تفقہ کے اعتبار سے دیکھنا چاہتے ہو تو ائمہ مجتہدین اور فقہاء امت کی کتابیں دیکھو جس سے تم کو یہ معلوم ہوگا کہ قوانین شریعت کس درجہ دقیق اور عمیق ہیں کہ جن کے استنباط اور استخراج میں علماء امت اور فقہاء ملت کس درجہ حیران

اور پریشان رہے باوجود غایت فہم و ذکا و نصوص شریعت کی تحقیق اور تدقیق میں عمریں گزاریں اور یہ کہتے ہوئے دنیا سے رخصت ہو گئے۔

نہ حسرت غایتے دارونہ سعدی راخن پایاں
بمیردشنہ مستقی و دریا بچنیں باقی

جس طرح حضرات محدثین کا وجود نبی اُمّی ﷺ کا ایک معجزہ ہے اسی طرح حضرات فقہاء کا وجود بھی نبی اُمّی ﷺ کا ایک معجزہ ہے فرق اتنا ہے کہ پہلا معجزہ روایت کا ہے اور دوسرا معجزہ درایت کا ہے۔

علمائے اُمتِ محمدیہ - تیسرا معجزہ

مجملہ معجزات کے اس اُمت کے علماء و صلحاء آپ کی نبوت و رسالت کا معجزہ ہیں کہ حق جل شانہ نے آپ کی اُمت کو خیر الامم بنایا اور انبیاء کرام کا وارث بنایا۔ اور ایسا بے مثال حافظہ اور بے نظیر علم و فہم عطاء کیا کہ اولین و آخرین میں اُس کی نظیر نہیں حضرات محدثین کو قوت حافظہ میں کرلما کاتبین کا نمونہ بنایا اور حضرات فقہاء کو قوت اجتہاد و استنباط عطاء کی اور فہم و ادراک و نکتہ بخشی و دقیقہ رسی میں ملائکہ مقربین کا نمونہ بنایا اور اولیاء عارفین کو اپنے عشق اور محبت کی دولت سے نوازا اور عرشِ عظیم اور بیتِ معمور کا لیل و نہار طواف کرنے والے فرشتوں کا نمونہ بنایا کسی اُمت میں علماء اسلام جیسا علم اور فہم اور تحقیق و تدقیق کا نام و نشان نہ ملے گا اور نہ ان کی بے مثال اور بلند پایہ تصانیف کی کوئی نظیر نظر آئے گی۔

مغربی اقوام نے صنعت اور کاریگری میں حیرت انگیز کوشش دکھائے مگر ان قوموں میں توریت اور انجیل کا نہ کوئی بخاری اور مسلم نظر آتا ہے کہ جس کو توریت و انجیل از بر یاد ہو اور نہ یحییٰ بن سعید القطان اور یحییٰ بن معین جیسا اسماء الرجال کا حافظہ و عالم پیدا ہوا جن قوموں نے اپنے پیغمبروں کی کتابوں اور صحیفوں میں دیدہ دانستہ تحریف کر ڈالی ہو ایسی قوموں میں احمد بن حنبل اور یحییٰ بن معین جیسا حافظ حدیث ہونا ناممکن ہے اور محال ہے اور نہ یہود اور نصاریٰ کے اولین و آخرین میں ابو حنیفہ اور شافعی جیسا فقیہ اور مجتہد نظر آتا ہے کہ جو دین و دنیا اور

اعتقادات اور عبادات اور معاملات اور معاشرت اور سیاست ملکیہ و مدنیہ کے تمام مسائل کو توریت و انجیل کی نصوص کی روشنی میں حل کر سکے اور نہ ابوالحسن اشعری اور ابو منصور ماتریدی اور غزالی اور رازی جیسا کوئی متکلم کسی امت میں نظر آتا ہے کہ جب میدانِ مباحثہ و مناظرہ میں نکلے تو عقائدِ اسلامیہ کی تحقیق کے لئے عقلی و نقلی دلائل کا لشکر اُس کے ساتھ ہو اور باطل کی گردن پر اس کی تیغ بے دریغ چل رہی ہو اور دنیائے اسلام کی سرفرازی اور سر بلندی اور کفر و باطل کی ذلت و خواری اور سرنگونی کا تماشا دیکھ رہی ہو اور نہ جنید شبلی اور بایزید اور معروف کرخی جیسا عابد و زاہد اور خداوند ذوالجلال کا عاشق اور مجنون کسی امت میں پیدا ہوا۔

اور نہ خلیل بن احمد اور سیبویہ جیسا علمِ اعراب کا موجد و امام کسی ملت میں ہوا اور نہ عبدالقادر جرجانی اور سعد الدین تفتازانی جیسا اسرارِ بلاغت اور دلائلِ اعجاز کا امام کسی امت میں پیدا ہوا۔

علماءِ یہود اور علماءِ نصاریٰ۔ عبرانی یا سریانی یا انگریزی زبان کی لغت میں کوئی لسانِ العرب اور قاموس اور تاج العروس جیسی کتاب تو دکھلائیں، جمال الدین ابنِ حاجب اور جامی کا تو ذکر کیا کروں میزان و منشعب اور صرف میر و نحو میر جو علم صرف و نحو کی بالکل ابتدائی کتابیں ہیں۔ روئے زمین کے علماءِ یہود و نصاریٰ عبرانی و سریانی یا انگریزی زبان کے متعلق کوئی میزان و منشعب تو دکھلائیں، بطورِ نمونہ ان چند علوم کا ذکر کر دیا آگے قیاس کر لو۔

یہود اور نصاریٰ سے ہمارا مطالبہ یہ ہے کہ علماءِ اسلام کا شریعتِ موسویہ اور شریعتِ عیسویہ کے علماء اور فضلاء سے موازنہ کر کے دیکھو صنعتی اور حرفتی ترقی پر نظر نہ کرو یہ علمی اور اخلاقی ترقی نہیں بلکہ یہ کاریگری ہے، اس میں دن بدن اور ترقی ہوگی اور ظاہر ہے کہ اسلام میں یہ علمی اور عملی اور اخلاقی ترقی سب آں حضرت ﷺ کی شریعت کی اتباع کی برکت سے ہوئی کیا یہ اسلام کا معجزہ نہیں کہ شریعتِ اسلام کی اتباع کی برکت سے علم و حکمت کے دروازے کھل گئے اور امتِ محمدیہ میں ایسے بے مثال علماء و فضلاء اور اولیاء اور اتقیا پیدا ہوئے کہ کسی امت میں ان کی نظیر نہیں۔

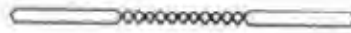
چوتھا معجزہ

وہ غیبی آوازیں ہیں کہ بہت سے کاہنوں وغیرہ کو جنگلوں اور بیابانوں میں سنائی دیں کہ

یہ نبی برحق ہیں جو من جانب اللہ مخلوق کی ہدایت کے لئے مبعوث ہوئے اور ان ہی کی متابعت میں نجات ہے۔ اس قسم کے معجزات کا بیان خصائص کبریٰ للسیوطی میں از ص ۱۰۱ ج ۱ تا ۱۱۰ دیکھو۔

پانچواں معجزہ

یہ ہے کہ شجر اور حجر میں سے ایسی آوازیں سنائی دیں کہ جن میں آپ کی نبوت کی گواہی اور آپ پر سلام تھا اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ يَا رَسُولَ اللّٰہ اور ایک بار حضور پر نور نے درخت کو بلایا، تو وہ حسب الحکم حاضر ہو گیا اور جب واپسی کا حکم دیا تو واپس ہو گیا۔



آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق انبیاء سابقین کی پیشین گوئیاں

منجملہ دلائل نبوت آپ کی نبوت کی ایک دلیل یہ ہے کہ اس حضرت ﷺ کے متعلق گزشتہ انبیاء نے اپنی اپنی امتوں کو بشارتیں دی ہیں کہ آخر زمانے میں ایک کامل نبی ملک عرب میں مبعوث ہونے والا ہے۔

اور اسی بناء پر اہل کتاب اُس آنے والے نبی کے منتظر تھے، اسی لئے بہت سے ذی علم مخلص اہل کتاب جیسے عبد اللہ بن سلام رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ اس حضرت ﷺ کے دعوائے نبوت کو سنتے ہی ایمان لے آئے اور بہت سے علماء اہل کتاب آپ کے ظہور سے پہلے ان بشارات کو نقل کرتے تھے۔ اور ان بشارات کی صحت کی گواہی دیتے تھے۔ اور لوگوں سے کہا کرتے تھے کہ نبی آخر الزمان کے ظہور کا زمانہ قریب آگیا مگر باوجود اس علم اور یقین کے ازراہ حسد و عناد آپ کی مخالفت پر کمر بستہ ہو گئے اور آپ کے دشمن ہو گئے۔ کما قال تعالیٰ

الَّذِينَ اتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ
يَعْرِفُونَهُ كَمَا يَعْرِفُونَ أَبْنَاءَهُمْ
وَإِنَّ فَرِيقًا مِنْهُمْ لَيَكْتُمُونَ
الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُونَ

جن لوگوں کو ہم نے کتاب یعنی توریت و انجیل دی وہ آپ کو خوب پہچانتے ہیں کہ یہ وہی نبی ہیں، جن کی توریت اور انجیل میں بشارت دی گئی اور اہل کتاب آپ کی صورت و شکل کو دیکھ کر آپ کو اسی طرح پہچانتے ہیں جس طرح یہ اپنے بیٹوں کی صورت و شکل دیکھ کر پہچانتے ہیں اور تحقیق ان میں کا ایک فریق حق کو چھپاتا ہے، حالانکہ وہ خوب جانتے ہیں۔

بالفرض والتقدیر اگر آپ کی نبوت کی بشارتیں توریت و انجیل میں مذکور نہ ہوتیں تو علماء یہود

ونصاری بر ملا آپ کی تردید کرتے اور جن مجلسوں میں جہاں اس قسم کی آیتیں النبی الامسی الذی یجدونه مکتوباً عندهم فی التوراة والانجیل تلاوت کی جاتی تھیں وہاں جا کر کھلم کھلا یہ کہتے کہ یہ سب غلط ہے اور تمام یہود و نصاریٰ کو اس سے آگاہ کرتے بلکہ مشرکین مکہ کو جو آپ کے خاص دشمن تھے ان کو آگاہ کرتے اور جو یہود و نصاریٰ اسلام میں داخل ہو چکے تھے ان کو اسلام سے برگشتہ کرنے کی کوشش کرتے۔ نیز آپ کا علماء یہود کے مدارس میں جا کر تحدی کے ساتھ یہ بیان کرنا کہ میں وہی نبی ہوں کہ جس کی توریت وانجیل میں خبر دی گئی ہے، یہ اس امر کی قطعی دلیل ہے کہ آپ کو ان بشارتوں کا یقین صادق اور جزم واثق تھا۔

کتب تاریخ اور سیر میں بالتفصیل یہ حالات مذکور ہیں کہ اکثر علماء یہود و نصاریٰ کو صحف سابقہ کی پیشین گوئیوں کی بناء پر اس حضرت ﷺ کی پیدائش اور بعثت کا زمانہ معلوم تھا۔

۱۔ چنانچہ سیف ذی یزن حاکم یمن نے عبدالمطلب کو آپ کی پیدائش کے قریب زمانہ میں خبر دی تھی کہ آپ کے خاندان میں نبی آخر الزمان پیدا ہونے والا ہے۔

۲۔ آپ کی عمر بارہ سال کی تھی کہ آپ کو اپنے چچا ابوطالب کے ساتھ شام کا سفر پیش آیا جہاں ایک نصرانی عالم بحیراراہب نے آپ کو دیکھ کر ابوطالب سے کہا کہ اپنے بھتیجے کی خبر داری رکھنا یہ نبی آخر الزمان ہوگا، میں نے کتب سماویہ میں نبی آخر الزمان کی جو علامات دیکھی ہیں وہ سب کی سب اس میں موجود ہیں۔ یہودی اس کی جان کے دشمن ہو جائیں گے۔ جس کا مفصل قصہ گزر چکا ہے۔

۳۔ دوسری مرتبہ آپ پچیس سال کی عمر میں دوبارہ تشریف لے گئے۔ وہاں نسطور راہب نے آپ کو بغوردیکھا اور قافلہ والوں سے کہا کہ یہ شخص نبی آخر الزمان ہوگا۔ ہمارے نوشتوں میں جو علامات خاتم الانبیاء کی لکھی ہیں وہ سب اس میں موجود ہیں۔ یہ قصہ بھی ابتداء کتاب میں مفصل گزر چکا ہے۔

۴۔ پھر ابتداء بعثت میں جب حضرت خدیجہ آپ کو اپنے چچا زاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں تو یہی کہا کہ یہ وہی نبی آخر الزمان ہیں کہ جن کی حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ نے بشارت دی ہے، یہ قصہ بھی ابتداء کتاب میں گزر چکا ہے۔

۵۔ حضرت سلمان فارسی ابتداء مجوسی تھے، اُس مذہب سے بیزار ہو کر یہودی مذہب اختیار کیا،

لیکن یہودیت سے بھی قلب کو تسکین میسر نہ آئی تو یہودی مذہب چھوڑ کر عیسائی بن گئے علماء نصاریٰ سے نبی آخر الزمان کی جو پیشین گوئیاں سنیں وہ خوب یاد تھیں آنحضرت ﷺ جب ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے تو حضرت سلمان آپ کی خبر سن کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ کے چہرہ انور کو دیکھتے ہی پہچان گئے کہ یہ وہی نبی آخر الزمان ہیں کہ جن کی پیشین گوئیاں میں سن چکا ہوں۔ یہ قصہ بھی مفصل گزر چکا ہے۔

۶۔ نجاشی شاہ حبشہ نے بھی انبیاء سابقین کی پیشین گوئیوں کے موافق پا کر آپ کو نبی آخر الزمان تسلیم کیا اور شرف باسلام ہوا، یہ قصہ بھی مفصل گزر چکا ہے۔

۷۔ پھر مکہ میں جب آپ نے قیصر روم یعنی ہرقل کو دعوت اسلام کا خط لکھا تو اس نے بھی آپ کے حالات دریافت کرنے کے بعد یہ اقرار کیا کہ یہ وہی نبی آخر الزمان ہیں جن کی کتب سابقہ میں خبر دی گئی ہے اور جن کا ہم کو انتظار تھا۔ یہ قصہ بھی مفصل گزر چکا ہے۔

تمہیدی امور

قبل اس کے کہ ہم کتب سابقہ سے آنحضرت ﷺ کی بشارتوں اور خبروں کو ذکر کریں بہتر یہ معلوم ہوتا ہے کہ طالبان حق کی تنبیہ کے لئے چند امور ذکر کر دیں تاکہ اہل کتاب کے دھوکہ میں نہ آئیں۔

امر اول

یہود و نصاریٰ کا یہ خیال خام ہے کہ کسی نبی کی نبوت ثابت کرنے کے لئے یہ شرط ہے کہ انبیاء سابقین نے اس نبی کی آمد کی پیشین گوئی کی ہو اور اس آنے والے نبی کی نشانیاں لوگوں کو بتلائی ہوں کہ جس مدعی نبوت میں یہ نشانیاں پائی جائیں وہ نبی صادق ہے ورنہ کاذب اور پھر علماء یہود و نصاریٰ اپنے اس خود تراشیدہ معیار کی بناء پر یہ کہہ دیتے ہیں کہ کتب سابقہ میں محمد رسول اللہ ﷺ کی کوئی پیشین گوئی نہیں اور جو پیشین گوئیاں علماء اسلام پیش کرتے ہیں وہ حضور پر نور پر منطبق نہیں۔

۱۔ اہل اسلام یہ کہتے ہیں کہ اول تو یہ خود تراشیدہ قاعدہ ہی غلط ہے۔ اثبات نبوت کیلئے نبی

سابق کا نبی لاحق کی خبر دینا ضروری نہیں اس لئے کہ اگر نبی لاحق کی نبوت کا ثبوت نبی سابق کی خبر موقوف ہو تو تسلسل لازم آئے گا۔

۲۔ حضرت حزقیل اور حضرت دانیال اور حضرت اشعیاء وغیرہم جن کا نبی ہونا اہل کتاب کے نزدیک مسلم ہے، ان کا ذکر اور ان کی خبر کتب سابقہ میں موجود نہیں معلوم ہوا کہ اصل نبوت کا دار و مدار معجزات اور علامات نبوت پر ہے۔ البتہ نبی سابق کا۔ نبی لاحق کے ظہور اور بعثت کی خبر دینا یہ اُس آنے والے نبی کی جلالت قدر اور عظمت شان پر دلالت کرتا ہے، رہا انبیاء سابقین کی پیشین گوئیوں کا حضور پر نور پر انطباق سوا انشاء اللہ تعالیٰ ہر بشارت کے ذیل میں خوب واضح ہو جائے گا۔

۳۔ علماء نصاریٰ اس بات پر متفق ہیں کہ انبیاء سابقین نے حضرت مسیح کی آمد کی پیشین گوئی کی ہے مگر یہود کے سلف اور خلف حضرت عیسیٰ کے پیشین گوئیوں کے قطعاً منکر ہیں۔ اور علماء نصاریٰ جن خبروں کو حضرت مسیح کے حق میں بتاتے ہیں یہود ان میں ایسی تاویل کر رہے ہیں کہ جن سے وہ خبریں حضرت مسیح پر صادق نہیں آتیں۔ پس جس طرح یہود حضرت مسیح کی بشارتوں کے منکر ہیں اسی طرح نصاریٰ محمد رسول اللہ ﷺ کی بشارتوں اور پیشین گوئیوں کے منکر ہیں۔

۴۔ نیز یہ بھی ضروری نہیں کہ اگر نبی سابق نبی لاحق کی خبر دے تو اُس کی صفات اور علامات اور خصوصیات شخصہ کی ایسی تشریح کر دے کہ اس نبی کو دیکھتے ہی خواص اور عوام کو اس کی نبوت کا بالبداہت یقین آجائے کہ کسی شبہ کی گنجائش اس میں باقی نہ رہے نبی کی شناخت اگر ایسی بدیہی ہو جائے تو پھر معجزات اور دلائل نبوت اور براہین رسالت کی ضرورت نہ رہے گی۔

امر دوم ۱

انبیاء بنی اسرائیل میں سے بہت سے نبیوں نے جیسے اشعیاء اور ارمیاء اور دانیال اور حزقیل اور عیسیٰ علیہم السلام نے بہت سے آئندہ واقعات اور پیش آنے والے حالات کی خبریں دی ہیں جیسے بخت نصر اور فروش اور اسکندر وغیرہ کا ظاہر ہونا اور زمین روم اور مصر اور نیوی اور بابل میں حوادث کا پیش آنا پس عقل سلیم اس امر کو قریب قریب ناممکن کے سمجھتی

ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام ایسے چھوٹے چھوٹے حوادث کی تو خبر دیں اور نبی اکرم سرور عالم سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی خبر نہ دیں کہ جس سے بڑھ کر آج تک دنیا میں کوئی واقعہ ہی پیش نہیں آیا۔ معلوم ہوا کہ انبیاء سابقین نے آپ کے ظہور بانور کی ضرورت بالضرورتیں دی تھیں مگر اہل کتاب نے ان بشارتوں کو اپنی کتابوں سے نکال دیا یا بدل دیا اور جو بشارتیں اُن کی باقی رہ گئی ہیں ان میں تاویلیں کرتے ہیں۔

امر سوم

نصاری کا دعویٰ یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خاتم النبیین تھے کہ اُن کے بعد کسی نبی کا آنا ناممکن ہے اور اہل اسلام یہ کہتے ہیں کہ نصاریٰ کا یہ دعویٰ بالکل غلط ہے۔

۱۔ اس لئے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کبھی یہ نہیں فرمایا کہ میں خاتم النبیین ہوں، میرے بعد کوئی نبی نہیں کسی انجیل میں کسی جگہ بھی یہ مذکور نہیں کہ حضرت عیسیٰ خاتم النبیین ہیں۔

۲۔ نیز حضرت عیسیٰ نے کبھی یہ نہیں کہا کہ میرے آسمان پر چلے جانے کے بعد کوئی سچا نبی نہیں آئے گا بلکہ اپنے بعد ایک آنے والے عظیم الشان رسول یعنی فارقلیط کی بشارت دی اور اس پر ایمان لانے کی تاکید اکید کی اور اسی بناء پر علماء اہل کتاب بھی فارقلیط کی آمد کے منتظر رہے۔ جس کا انجیل میں وعدہ کیا گیا ہے اور اسی وجہ سے مونیٹس نے اپنے حق میں فارقلیط ہونے کا دعویٰ کیا اور بہت سے لوگ اس کے پیرو ہو گئے۔

۳۔ نیز نصاریٰ حواریین اور پولوس کی نبوت کے قائل ہیں حالانکہ یہ سب عیسیٰ علیہ السلام کے بعد ہیں۔

۴۔ کتاب الاعمال کے گیارہویں باب میں لکھا ہے۔

۲۷۔ انہی دنوں چند نبی یروشلم سے انطاکیہ میں آئے۔

۲۸۔ ان میں ایک نے جس کا نام اگبس تھا کھڑے ہو کر روح کے ہدایت سے ظاہر کیا کہ

تمام دنیا میں بڑا کال پڑے گا اور یہ کلودیس (قیصر روم) کے عہد میں واقع ہوا۔ انتہی

یہاں سے صاف ظاہر ہے کہ یروشلم سے انطاکیہ میں چند نبی آئے جن میں سے ایک کا

نام اگبس اور عربی نسخہ میں آغا بوس تھا اور یہ امر روزِ روشن کی طرح واضح ہے کہ یہ واقعہ

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد کا ہے پس جب ان کے بعد نبی ثابت ہوئے تو حضرت عیسیٰ کا خاتم النبیین ہونا قطعاً غلط ہوا۔

۵۔ نیز انجیل متی کے ساتویں باب درس ۱۵ میں حضرت مسیح کی تعلیم اور تنبیہ اس طرح مذکور ہے۔ جھوٹے نبیوں سے خبردار رہو۔ الی آخرہ۔

دُور تک سلسلہ کلام چلا گیا جس میں حضرت مسیح نے خبردار کیا کہ میرے بعد بہت سے جھوٹے مدعیانِ نبوت ظاہر ہوں گے اور میرے نام سے نبوت کا دعویٰ کریں گے یعنی یہ کہیں گے کہ میں مسیح موعود ہوں (جیسا کہ قادیان کا ایک دہقان کہتا ہے کہ میں مسیح موعود ہوں)

تم اُن سے خبردار رہنا وہ باطن میں پھاڑنے والے بھیڑیے ہیں۔ حضرت مسیح نے اس تعلیم میں یہ قید لگائی کہ میرے بعد جھوٹے مدعیانِ نبوت کے دھوکے میں نہ آنا اور یہ نہیں فرمایا کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ بلکہ یہ فرمایا کہ مدعیانِ نبوت کا امتحان کرو سچے کی تصدیق کرو اور جھوٹے کی تکذیب کرو چنانچہ یوحنا کے پہلے خط کے باب چہارم میں ہے۔ اے عزیزو ہر ایک روح کا یقین نہ کرو بلکہ روحوں کو آزماؤ کہ وہ خدا کی طرف سے ہے یا نہیں کیونکہ بہت سے جھوٹے نبی دنیا میں نکل کھڑے ہوئے ہیں۔ الخ

خلاصہ یہ کہ خود نصاریٰ کی ان نصوص سے یہ امر واضح ہو گیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خاتم النبیین نہ تھے۔

امر چہارم

نصاریٰ یہ کہتے ہیں کہ حضرت اسمعیل کی والدہ ماجدہ، کنیز اور باندی تھیں اس لئے شرف اور رتبہ میں بنی اسمعیل بنی اسرائیل کے ہم پلہ نہیں۔

جواب

اول:- یہود کی معتبر روایات سے یہ ثابت ہے کہ حضرت ہاجرہ شاہ مصر فرعون کی بیٹی تھیں لونڈی اور باندی نہ تھیں تو ریت کا ایک معتبر مفسر شلومو الحق کتاب پیدائش باب ۱۶ آیت اول کی تفسیر میں لکھتا ہے اَبَتْ بَوسُھ یثاکیر اَنَسَمَ شِنْعِئُھ سارا امر مرتاب شتھا بِنِی شِفْحَھ رَبِیْتَ زَھ وَیَوُ کِبِیْرَھ بَیْتَ اِخِیْرَا •

جب اس نے (رقیون شاہ مصر نے) سارہ کی وجہ سے کرامات کو دیکھا تو کہا میری بیٹی کا اس کے گھر میں لونڈی ہو کر رہنا دوسرے گھر میں ملکہ ہو کر رہنے سے بہتر ہے۔
معلوم ہوا کہ ہاجرہ۔ دراصل کنیز اور لونڈی نہ تھیں بلکہ فرعون مصر کی بیٹی تھیں جس کو بادشاہ نے حضرت سارہ کی خدمت کے لئے دیا تھا، بادشاہ نے جب حضرت سارہ کی کرامتیں دیکھیں تو اس کو یقین ہو گیا کہ سارہ اور اس کا شوہر ابراہیم خدا کا مقبول اور برگزیدہ بندہ ہے اس لئے اس نے حضرت سارہ کا بہت اعزاز و اکرام کیا حتیٰ کہ اپنی بیٹی ہاجرہ کو حضرت ابراہیم کی زوجیت کے لئے دیدیا تا کہ اُس زمانہ کے رسم و رواج کے مطابق دوسری بی بی، پہلی بڑی بی بی کی خدمت گزار بن کر رہے۔

دوم

یہ کہ محض کنیز ہونا عیب نہیں حضرت یوسف علیہ السلام کو غلام بنا کر فروخت کر دیا گیا خاص کر جب کہ توریت میں دو عہد لکھے گئے ہیں ایک عہد اسماعیلی اور ایک عہد اسحاقی اور حق تعالیٰ نے دونوں کے حق میں حضرت ابراہیم سے برکت دینے کا وعدہ فرمایا اور حضرت ابراہیم سے حضرت اسماعیل کے حق میں برکت اولاد اور امت عظیم کا وعدہ کتاب تکوین اور باب سوم کتاب الاعمال سے بالکل واضح ہے کہ بنی اسماعیل میں سے ایک عظیم الشان نبی ظاہر ہوگا۔ پس خدا تعالیٰ کے وعدہ برکت کو ذکر نہ کرنا اور وہمی اور خیالی عیوب کا زبان سے نکالنا عقلاً و نقلاً معیوب ہے۔

نصاری کو چاہئے کہ رومیولوس وروس و اغسطس کے بیٹے وغیرہ کا خیال کر کے شرمائیں اور پھر یہود اور زن اور یاء کا حال جو اجداد مسیح کے بیان میں کرتے ہیں اس کا ذرا بھی خیال کر لیں تو ندامت سے سر نہ اٹھا سکیں۔

خلاصہ کلام

یہ کہ حضرت ہاجرہ شاہ مصر کی بیٹی تھیں۔ بادشاہ نے حضرت سارہ کی بزرگی دیکھ کر اُن کی خدمت کے لئے پیش کیا اور اس زمانے کا رسم و رواج بھی یہی تھا کہ امیروں کو جو بیٹی دیتے تھے تو وہ بمنزلہ خادمہ کے ہوتی تھی، اسی وجہ سے صحیح بخاری میں یہ لفظ آیا ہے، فاخذ مسہا ہاجر

نصاری نے بجائے خادمہ کے کثیر اور باندی سے اس کا ترجمہ کر ڈالا جو سراسر بے انصافی ہے۔

حیرت کا مقام ہے کہ علماء یہود و نصاریٰ ان حضرات انبیاء کو جو حضرت مسیح کے سلسلہ اجداد میں ہیں معاذ اللہ، معاذ اللہ۔ شرک اور بُت پرستی اور زنا کاری اور شراب خواری میں ملوث سمجھتے ہیں اور ان امور کو قابلِ طعن نہیں سمجھتے اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ ماجدہ حضرت ہاجرہ پر خادمہ کا لفظ موجب طعن سمجھتے ہیں۔

آدم برسرِ مطلب

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حضرات انبیاء سابقین کی ہزار ہا پیشین گوئیوں میں سے صرف چند پیشین گوئیاں بطور نمونہ توریت و انجیل سے ہدیہ ناظرین کردی جائیں۔ باقی اگر تفصیل درکار ہو تو ازلہ الا وہام بزبان فارسی اور اظہار الحق بزبان عربی ہر دو مصنفہ مولانا رحمۃ اللہ کیرانوی بانی مدرسہ صولتیہ مکہ معظمہ قدس اللہ سرہ کی مراجعت کریں۔

بشارت اوّل۔ از تورات سفر استثناء باب (۱۸) آیت (۱۸)

۱۸۔ اور خداوند نے مجھ سے کہا کہ انھوں نے جو کچھ کہا سوا چٹھا کہا۔ میں اُن کے لئے اُن کے بھائیوں میں تجھ سانبی برپا کروں گا اور اپنا کلام اُس کے منہ میں ڈالوں گا اور جو کچھ اُسے فرماؤں گا وہ سب اُن سے کہے گا۔

۱۹۔ اور ایسا ہوگا کہ جو کوئی میری باتوں کو جنھیں وہ میرا نام لیکے کہے گا نہ سُنے تو میں اُس کا حساب اُس سے لوں گا۔

۲۰۔ لیکن وہ نبی جو ایسی گستاخی کرے کہ کوئی بات میرے نام سے کہے جس کے کہنے کا میں نے اُسے حکم نہیں دیا اور معبودوں کے نام سے کہے تو وہ نبی قتل کیا جائے۔

۲۱۔ اور اگر تو اپنے دل میں کہے کہ میں کیونکر جانوں کی یہ بات خداوند کی کہی ہوئی نہیں تو جان رکھ کر جب نبی خداوند کے نام سے کچھ کہے اور وہ جو اس نے کہا ہے واقع نہ ہو تو وہ بات خداوند نے نہیں کہی۔ انتہی

اہل اسلام یہ کہتے ہیں کہ یہ بشارت خاص سرور عالم سیدنا محمد ﷺ کے لئے ہے اور یہود کا یہ خیال ہے کہ یہ بشارت یوشع علیہ السلام کے لئے ہے اور نصاریٰ یہ کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے ہے، لیکن حق یہ ہے کہ اس بشارت کا مصداق بجز خاتم الانبیاء ﷺ کے کوئی نہیں ہو سکتا۔ اس لئے کہ یہ بشارت اُس نبی کے ظہور کی ہے کہ جو موسیٰ علیہ السلام کے مماثل یعنی مانند ہو اور بنی اسرائیل میں سے نہ ہو بلکہ بنی اسرائیل کے بھائیوں یعنی بنی اسمعیل میں سے ہو اور پھر اُس بشارت میں اُس آنے والے نبی کی صفات کا ذکر ہے، اس لئے اہل اسلام کہتے ہیں کہ یہ خاص آں حضرت ﷺ کی بشارت ہے چند وجوہ۔

اول

یہ کہ اس بشارت میں یہ مذکور ہے کہ میں اُن کے یعنی بنی اسرائیل کے بھائیوں میں سے تجھ سا ایک نبی برپا کروں گا اس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ نبی، بنی اسرائیل میں سے نہ ہوگا اس لئے کہ یہ خطابات ایک دو شخص کے ساتھ مخصوص نہ تھے بلکہ بنی اسرائیل کے تمام اسباط اور گروہوں کو تھے، لہذا اس خطاب کی مخاطب مجموع قوم بنی اسرائیل ہوگی اور مطلب یہ ہوگا کہ اس پوری قوم (بنی اسرائیل کے بھائیوں) میں سے تیرے مانند ایک نبی برپا کروں گا جو اس امر کی صاف دلیل ہے کہ یہ نبی بنی اسرائیل میں سے نہ ہوگا اس لئے کہ اگر یہ نبی بنی اسرائیل میں سے ہوتا تو یہ فرماتے کہ خود تم میں سے ایک نبی پیدا ہوگا۔ کما قال تعالیٰ لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْ أَنفُسِهِمْ ۚ اُورِیْہُمْ فَرَمَاتے کہ تمہارے بھائیوں میں سے وہ نبی ظاہر ہوگا کَمَا قَالَ تَعَالٰی خَطَابًا لِّبَنِيْ اِسْرَآئِیْلَ وَجَعَلَ فِیْکُمْ اَنْبِیَآءَ۔

غرض یہ کہ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا تمام بنی اسرائیل کو بلا کسی تخصیص کے یہ خطاب فرمانا کہ وہ نبی موعود تمہارے بھائیوں میں سے ہوگا۔ اس امر کی صاف دلیل ہے کہ وہ نبی موعود بنی اسرائیل کے بھائی ہیں، نصاریٰ کہتے ہیں کہ بنی اسرائیل کے بھائیوں سے خود بنی اسرائیل ہی مراد ہیں مگر یہ بالکل غلط ہے اور سر اسر خلاف عقل ہے اور ساری دنیا کی لغت کے خلاف ہے، جب یہ کہا جائے کہ زید کے بھائی تو زید ان بھائیوں میں داخل نہ ہوگا بلکہ بھائیوں

کے علاوہ ہوگا کیونکہ مضاف الیہ باتفاق عقلاء مضاف سے خارج ہوتا ہے، نیز کسی شخص اور اس کی اولاد کو دنیا کے کسی محاورہ میں بطریق حقیقت یہ نہیں کہا جاسکتا ہے کہ یہ اُس کے بھائی ہیں پس بنی اسرائیل کے بھائیوں سے بنی اسرائیل کی اولاد مراد لینا ہی سراسر نادانی اور جہالت ہے محاورہ میں یہ تو کہا جاسکتا ہے کہ زید بنی تمیم کا بھائی ہے اور ہود قوم عاد کے بھائی ہیں اور صالح ثمود کے بھائی ہیں یعنی اس قوم کے ایک فرد ہیں لیکن یہ نہیں کہا جاسکتا کہ قوم عاد قوم عاد کے بھائی ہیں اور ثمود ثمود کے بھائی ہیں اور بنو تمیم بنو تمیم کے بھائی اور بنو ہاشم بنو ہاشم کے بھائی ہیں۔ اسی طرح یہ کہنا کہ بنی اسرائیل، بنی اسرائیل کے بھائی ہیں صریح نادانی اور جہالت ہے اور یہ کہنا بنی اسرائیل کے بھائیوں سے اُن کی نسل اور اولاد مراد ہے کھلی ہوئی حماقت ہے۔

نیز کتاب پیدائش کے سولہویں باب، درس تیرہ میں بنی اسرائیل کے مقابلہ میں حضرت اسمعیل اور اُن کی اولاد کا اس طرح ذکر ہے۔

۱۳۔ وہ اپنے سب بھائیوں کے سامنے بود و باش اختیار کرے گا۔ اھ
اور توریت سفر پیدائش کے پچیسویں باب درس ۱۸ میں ہے۔
کہ اسمعیل اپنے سب بھائیوں کے سامنے مر گیا۔ الخ

پس ان دونوں جگہ بنی اسرائیل کے بھائیوں سے بالاتفاق بنی عمیس اور بنی اسرائیل مراد ہیں اور یہ امر باتفاق یہود و نصاریٰ ثابت ہے کہ خاص بنی عمیس میں سے کوئی صاحب نبوت نہیں ہوا اور یہ امر بھی فریقین میں مسلم ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی جو اولاد قطورہ سے ہوئی اُن سے بھی اللہ تعالیٰ نے نبوت اور برکت کا کوئی وعدہ نہیں فرمایا۔ البتہ حضرت اسمعیل کے حق میں برکت کا وعدہ فرمایا۔

اہل کتاب کی ایک تحریف کا ذکر

علماء اہل کتاب نے اس بشارت میں ایک لفظ یہ اضافہ کر دیا ہے خدا تیرے ہی درمیان تیرے بھائیوں میں سے تیری مانند ایک پیغمبر قائم کرے گا (دیکھو اسی باب کا درس ۱۵) تاکہ یہ بشارت نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام پر صادق نہ آئے سو جاننا چاہیے کہ یہ لفظ ”تیرے ہی درمیان سے“ بعد میں بڑھایا گیا ہے دلیل اس تحریف کی یہ ہے کہ توریت سفر استثناء باب ۱۸

اور درس اٹھارہ میں خدا تعالیٰ کی طرف سے موسیٰ علیہ السلام کو خطاب میں الفاظ یہ ہیں، میں ان کے لئے اُن کے بھائیوں میں سے تجھ سا ایک نبی برپا کروں گا۔ اھ

اس میں تیرے ہی درمیان سے۔ کالفظ مذکور نہیں اور عجیب بات ہے کہ کتاب الاعمال باب ۳ آیت ۲۲ میں اس خبر کا ذکر آیا ہے مگر ”تیرے درمیان“ کالفظ مذکور نہیں۔

نیز حضرت مسیح کے حواریین نے جہاں کہیں بھی اس کلام کو نقل کیا ہے، اس میں یہ جملہ یعنی کہ تیرے ہی درمیان سے کبھی ذکر نہیں کیا معلوم ہوا کہ یہ جملہ الحاقی ہے۔

اور اگر بالفرض والتقدیر تھوڑی دیر کے لئے یہ تسلیم کر لیا جائے کہ یہ جملہ الحاقی نہیں تو ہو سکتا ہے کہ اس کی مراد یہ ہو کہ تیرے درمیان سے یعنی خدا پرستوں کی نسل سے مطلب یہ کہ وہ حضرت ابراہیم حنیف کی نسل سے ہوگا۔

خلاصہ کلام یہ کہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بنی اسرائیل کے بارہ اسباط کو مخاطب بنا کر یہ فرمانا کہ ان کے بھائیوں میں سے حق تعالیٰ ایک نبی برپا کرے گا۔ اس امر کی صریح دلیل ہے کہ وہ نبی اسرائیل نہ ہوگا ورنہ بنی اسرائیلی نبی کی خبر دینا منظور ہوتا تو یہ فرماتے کہ ان میں سے یا ان کی اولاد میں سے وہ نبی برپا ہوگا ایسی صورت میں بھائیوں کالفظ بڑھانا محض لغو اور فضول ہوگا بھائیوں کالفظ باواز بلند پکارا ہے کہ اس نبی موعود کو ان لوگوں کے ساتھ، علاقہ صلیبی یا بطنی نہ ہوگا یعنی وہ نبی بنی اسرائیل کی نسل سے نہ ہوگا۔

اور ظاہر ہے کہ حضرت یوشع علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام دونوں بنی اسرائیل میں سے ہیں۔ بنی اسرائیل کے بھائیوں یعنی بنی اسمعیل میں سے نہیں لہذا یہ دونوں نبی اس بشارت کا مصداق نہیں بن سکتے، اس بشارت کا مصداق صرف وہی نبی ہو سکتا ہے کہ جو بنی اسمعیل میں سے ہو انبیاء بنی اسرائیل میں سے کوئی پیغمبر اس بشارت کا مصداق نہیں ہو سکتا۔

دوم

یہ کہ اس بشارت میں یہ مذکور ہے کہ تیرے مانند ایک نبی برپا کروں گا اور ظاہر ہے کہ موسیٰ

علیہ السلام کے مانند یوشع علیہ السلام ہیں اور نہ عیسیٰ علیہ السلام اس لئے کہ یہ دونوں حضرات بنی اسرائیل میں سے ہیں اور توریت سفر استثناء باب چوتھ میں درس دہم میں ہے کہ بنی اسرائیل میں موسیٰ کے مانند کوئی نبی نہیں اٹھا جس سے خداوند آسمانی آشنائی کرتا۔ انتہی۔

علاوہ ازیں حضرت یوشع علیہ السلام۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تلمیذ (شاگرد) تھے اور تابع اور متبوع مماثل نہیں ہوتے نیز حضرت یوشع اس وقت موجود تھے اور اس بشارت میں یہ مذکور ہے کہ ایک نبی برپا کروں گا جس سے صاف ظاہر ہے کہ اس نبی کا وجود زمانہ مستقبل میں ہوگا۔

اور یوشع علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی کے زمانے میں نبی ہو چکے تھے، پس وہ اس بشارت کا جس میں آئندہ نبی کی خبر دی گئی ہے کیسے مصداق ہو سکتے ہیں۔ علیٰ ہذا حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مماثل نہیں اس لئے کہ نصارائے حیارئی کے نزدیک تو وہ ابن اللہ یا خود خدا ہیں اور حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نہ اللہ نہ ابن اللہ بلکہ خدا کے ایک بندے ہیں۔ پس بندے اور خدا میں کیا مماثلت۔

نیز حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام بہ اعتقاد نصاریٰ مقتول و مصلوب ہو کر اپنی امت کے لئے کفار ہوئے اور حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نہ مقتول و مصلوب ہوئے اور نہ کفارہ ہوئے۔

نیز حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شریعت حدود و قصاص زواج و تعزیرات غسل و طہارت کے احکام سے ساکت ہے۔ بخلاف شریعت موسویہ کے کہ وہ ان تمام امور پر مشتمل ہے۔ ہاں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام میں مماثلت ہے۔ جس طرح حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام صاحب شریعت مستقل تھے، اسی طرح ہمارے نبی اکرم ﷺ کی شریعت غرہ بھی مستقل اور کامل اور علی وجہ الاتم حدود و تعزیرات، جہاد و قصاص، حلال و حرام کے احکام کو جامع ہے اور ظاہری احکام کی طرح باطنی احکام یعنی اخلاق کی بھی جامع ہے۔

جس طرح موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بنی اسرائیل کو فرعون کے پنجہ سے نکال کر عزت دی، اس سے بدرجہا زائد نبی اکرم ﷺ نے عرب کو روم اور فارس کی قید سے چھڑا کر

اللہ کا کلمہ پڑھایا اور قیصر و کسریٰ کے خزانوں کی کنجیاں اُن کے سپرد کیں۔ نیز جس طرح حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نکاح کیا اسی طرح ہمارے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی انبیاء سابقین کی سنت نکاح پر عمل فرمایا۔ اور اسی مماثلت کی طرف قرآن کریم کی اس آیت میں اشارہ ہے۔

إِنَّا أَرْسَلْنَا إِلَيْكُمْ رَسُولًا
شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَا أَرْسَلْنَا
إِلَىٰ فِرْعَوْنَ رَسُولًا ۖ
ہم نے تمہاری طرف ایک رسول بھیجا، تم پر
گواہی دینے والا۔ جیسے ہم نے فرعون کی
طرف ایک رسول بھیجا۔

نیز حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضرت یوشع علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کبھی اس مماثلت کا دعویٰ نہیں فرمایا۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ مماثلت سے یہ مراد ہے کہ وہ نبی موعود موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرح بنی اسرائیل میں سے ہوگا۔ تو اس صورت میں حضرت عیسیٰ اور حضرت یوشع علیہما الصلوٰۃ والسلام کی کیا تخصیص ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد بنی اسرائیل میں ہزاروں نبی پیدا ہوئے۔ اس لحاظ سے ہر نبی انبیاء بنی اسرائیل میں سے اس بشارت کا مصداق بن سکتا ہے اور اگر حضرت عیسیٰ اور حضرت یوشع علیہما الصلوٰۃ والسلام کے لئے کسی درجہ میں مماثلت تسلیم کر لی جائے تو اس مماثلت کو اس مماثلت سے کہ جو نبی اکرم ﷺ کو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے حاصل ہے کوئی نسبت نہیں۔

(۳)۔ سوم یہ کہ اس بشارت میں یہ بھی مذکور ہے کہ میں اپنا کلام اُس کے منہ میں ڈالوں گا۔ اہ یعنی اُس نبی پر الواح تورات و زبور کی طرح لکھی ہوئی کتاب نازل نہ ہوگی بلکہ فرشتہ اللہ کی وحی لے کر نازل ہوگا۔ اور وہ نبی اُمی ہوگا۔ فرشتہ سے سن کر اللہ کے کلام یاد کرے گا اور اپنے منہ سے پڑھ کر اُمت کو سنائے گا۔ اور ظاہر ہے کہ یہ بات بجز نبی اُمی فداہ نفسی و ابی و اُمی کسی پر صادق نہیں آتی کما قال تعالیٰ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ ۖ آپ اپنی خواہش سے کوئی بات نہیں کہتے مگر وہ وحی ہوتی ہے جو اللہ کی طرف سے بھیجی جاتی ہے۔

(۴)۔ چہارم یہ کہ اس بشارت میں اس امر کی بھی تصریح ہے کہ جو اُس نبی موعود کے حکم کو نہ مانے گا میں اس کو سزا دوں گا اور ظاہر ہے کہ اس سزا سے اُخروی عذاب مراد نہیں اس

لئے کہ اس میں اُس نبی موعود کے نہ ماننے والے کی کیا خصوصیت۔ اُخروی عذاب ہر نبی کے نہ ماننے والے کے لئے ہے بلکہ اس سے دنیوی سزا یعنی جہاد و قتال اور حدود و قصاص کا جاری کرنا مراد ہے اور یہ بات نہ عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حاصل ہوئی اور نہ یوشع علیہ الصلوٰۃ والسلام کو۔ البتہ خاتم الانبیاء سرورِ عالم سیدنا محمد ﷺ کو علی وجہ الاتم حاصل ہوئی لہذا وہی اس بشارت کا مصداق ہو سکتے ہیں۔

(۵)۔ پنجم یہ کہ اس بشارت میں یہ بھی تصریح ہے کہ اگر وہ نبی عیاذ باللہ افتراء کرے گا اور خدا کی طرف غلط بات منسوب کرے گا تو وہ نبی قتل کیا جائے گا اور ظاہر ہے کہ ہمارے نبی اکرم ﷺ بعد دعوائے نبوت قتل نہیں کیئے گئے۔ دشمنوں نے ہر طرح کی کوشش اور تدبیر کی مگر سب برباد گئی۔

کَمَا قَالَ اللَّهُ تَبَارَكَ تَعَالَى - اے محمد ﷺ اللہ کی اُس نعمت کو یاد کیجئے
وَإِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا کہ کافر جب آپ کے ساتھ مکر کرتے تھے
لِيُثْبِتُوكَ أَوْ يَقْتُلُوكَ کہ آپ کو قید کر لیں یا مار ڈالیں یا نکال دیں
أَوْ يُخْرِجُوكَ وَيَمْكُرُونَ وہ اپنی تدبیریں کرتے تھے اور اللہ اپنی
وَيَمْكُرُ اللَّهُ وَاللَّهُ خَيْرُ تدبیر فرماتا تھا اور اللہ ہی بہترین تدبیر
الْمَاكِرِينَ۔ فرمانے والا ہے۔

اور حسب وعدہ الہی واللہ یُعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ آپ بالکل محفوظ اور مامون رہے اور بجائے اس کے کہ کسی قسم کا حادثہ فاجعہ پیش آتا آپ کی شان و شوکت بلند ہوتی گئی۔ پس آنحضرت ﷺ اگر وہ نبی موعود نہ ہوتے تو ضرور قتل کیے جاتے۔ ہاں حسب زعم نصاریٰ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام مقتول و مصلوب ہوئے۔ پس اگر حضرت مسیح بن مریم ﷺ کو اس بشارت کا مصداق قرار دیا جائے تو علی زعم نصاریٰ عیاذ باللہ ان کا کاذب ہونا لازم آتا اور قرآن عزیز میں بھی اس طرف اشارہ ہے، کَمَا قَالَ اللَّهُ تَعَالَى شَانَهُ:

وَلَوْ لَا أَنْ تَبْتَنِكَ لَقَدْ كَذَبْتَ اگر ہم آپ کو ثابت قدم نہ رکھتے تو آپ
تَرَكْنُ إِلَيْهِمْ شَيْئًا قَلِيلًا إِذَا قَرِيبَ تھے کہ ان کی جانب اقل قلیل مائل
لَأَذَقْنَاكَ ضِعْفَ الْحَيَاةِ وَضِعْفَ ہو جاتے۔ اس وقت ہم آپ کو زندگی اور

الْمَمَاتِ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ عَلَيْنَا نَصِيرًا ۖ موت کا دو چند عذاب چکھاتے پھر آپ
نَصِيرًا ہمارے مقابلے میں کسی کو مددگار نہ پاتے۔
وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضُ الْأَقَاوِيلِ ۖ اگر محمد ﷺ ہم پر کچھ افتراء کرتے تو ہم
لَا خِذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِينِ ثُمَّ لَقَطَعْنَا ۖ اُن کا داہنا پکڑ لیتے اور ان کی شہ رگ کو
مِنْهُ الْوَتِينَ۔ ۲ کاٹ دیتے۔

(ایک ضروری تنبیہ) بیسویں درس میں جو یہ مذکور ہے کہ وہ نبی اگر مجھ پر جھوٹ باندھے تو مار ڈالا جائے گا۔ سو جاننا چاہیے کہ نہ قتل ہونا علی الاطلاق صادق ہونے کی دلیل نہیں ورنہ اُن انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی صداقت کہ جو دشمنوں کے ہاتھ سے قتل کیے گئے زیرِ تامل ہوگی کما قال اللہ تعالیٰ وَيَقْتُلُونَ النَّبِينَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ط خصوصاً نصاریٰ کو اپنے عقیدہ فاسدہ کی بناء پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی صداقت ثابت کرنا بہت دشوار ہو جائے گی۔

بلکہ خاص اس نبی موعود کا نہ قتل ہونا اُس کے صادق ہونے کی علامت ہے، جیسا کہ تورات کی اس عبارت سے ظاہر ہے۔ ”وہ نبی جو ایسی گستاخی کرے گا الخ“ وہ قتل کیا جائے گا۔ اھ، دونوں جملوں میں وہ کی ضمیر خاص اُس نبی موعود کی طرف راجع ہے اگر یہ حکم مطلق نبی کے حق میں ہو تو معاذ اللہ حضرت زکریا اور حضرت یحییٰ جھوٹے نبی ٹھہرتے ہیں۔ اور نصاریٰ کے عقیدہ کی بنا پر چونکہ حضرت عیسیٰ مقتول اور مصلوب ہوئے تو وہ بھی معاذ اللہ جھوٹے ٹھہرتے ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ یہ خبر خاص اس نبی موعود کے حق میں ہے کہ جس کی یہ بشارت دی گئی ہے، اگر اس خبر کو مطلق نبی کے حق میں مانا جائے تو یہود بے بہبود جو حضرت عیسیٰ کو نبی نہیں مانتے ان کو اپنے کفر کے لئے ایک دلیل ہاتھ آ جائے گی۔

۶۔ ششم یہ کہ اس بشارت میں یہ بھی مصرح ہے کہ اُس نبی موعود کے صادق ہونے کی علامت یہ ہے کہ اس کا کہا پورا ہوگا یعنی اُس کی تمام پیشین گوئیاں صادق ہوں گی۔ سو الحمد للہ ششم الحمد للہ کہ اس صادق مصدوق کی کوئی پیشین گوئی آج تک ذرہ برابر بھی غلط ثابت نہیں ہوئی، اور ہم پورے دعوے کے ساتھ بہ بانگِ دُہل اعلان کرتے ہیں کہ قیامت تک بھی کوئی حاسد اُس صادق مصدوق کی کسی پیشین گوئی غلط ثابت نہیں کر سکتا۔

اور یہ وصف تو آلِ حضرت ﷺ میں ایسا نمایاں اور اجلی تھا کہ آپ کے دشمنوں اور حاسدوں کو بھی بجز صادق امین کہنے کے کوئی چارہ نظر نہ آتا تھا۔

کوئی مانے یا نہ مانے

یہ گنہگار امت تو اُس نبی اُمّی فداہ نفسی والی و امّی کے صادق مصدوق ہونے پر طلوع شمس اور وجود نہار سے بدرجہا زائد یقین رکھتا ہے اور اُس خدائے وحدہ لا شریک لہ کی قسم کھا کر اور اس کو اور اُس کے تمام ملائکہ کو گواہ بنا کر صمیم قلب اور خلوص اعتقاد سے یہ تصدیق اور اقرار کرتا ہے کہ بے شک و شبہ آپ صادق مصدوق اصدق الاولین والآخرین ہیں۔ اَللّٰهُمَّ قَبِّلْنَا عَلٰی ذٰلِكَ اٰمِیْن

ہفتم یہ کہ کتاب الاعمال باب سوم آیت ہفتم ہم کے پڑھنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ نبی منتظر حضرت عیسیٰ اور ایلیا علیہما الصلوٰۃ والسلام بلکہ تمام انبیاء کرام کے علاوہ ہے۔ وہ عبارت یہ ہے:

اب اے بھائیو میں جانتا ہوں کہ تم نے یہ نادانی سے کیا جیسے تمہارے سرداروں نے بھی۔ پر جن باتوں کی خدا نے اپنے سب نبیوں کی زبان سے آگے سے خبر دی تھی کہ مسیح دُکھ اٹھائے گا سو پوری کیں۔ ۱۹ پس تو بہ کرو اور متوجہ ہو کہ تمہارے گناہ مٹائے جائیں تا کہ خداوند حضور تازگی بخش ایام آویں۔ ۲۰۔ اور یسوع مسیح کو پھر بھیجے جس کی منادی تم لوگوں کے درمیان آگے سے ہوئی۔ ۲۱۔ ضرور ہے کہ آسمان اُسی لئے رہے اس وقت تک کہ سب چیزیں جن کا ذکر خدا نے ان سب پاک نبیوں کی زبانی شروع سے کیا اپنی حالت پر آویں۔ ۲۲۔ کیونکہ موسیٰ نے باپ دادوں سے کہا کہ خداوند جو تمہارا خدا ہے تمہارے بھائیوں میں سے تمہارے لئے ایک نبی تیری مانند اٹھاوے گا جو کچھ وہ کہے اس کی سب سنو۔ ۲۳۔ اور ایسا ہوگا کہ ہر نفس کہ جو اس نبی کی نہ سُنے وہ قوم سے نیست کیا جاوے گا۔ ۲۴۔ بلکہ سب نبیوں نے سموایل سے لیکے پچھلوں تک جتنوں نے کلام کیا ان دونوں کی خبر دی ہے۔

۲۵۔ تم نبیوں کی اولاد اور اس عہد کے جو خدا نے باپ دادوں سے باندھا ہے جب ابراہام سے کہا کہ تیری اولاد سے دنیا کے سارے گھرانے برکت پاویں آھ اس عبارت میں اول حضرت مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بشارت اور ان کی اس تکلیف کا جو ان کو علی زعمہم یہود لعنہم اللہ سے پیش آئی ذکر ہے۔ اور ان کے نزول من السماء کا تذکرہ ہے۔ اس کے بعد اس نبی کی بشارت کا ذکر ہے کہ جس کے متعلق حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بنی اسرائیل سے مخاطب ہو کر فرمایا تھا۔

خداوند عالم تمہارے بھائیوں یعنی بنی اسماعیل میں ایک نبی بھیجنے والا ہے، اور علاوہ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تمام نبیوں نے اس نبی موعود کے آنے کی خبر دی ہے اور جب تک یہ وعدہ ظہور میں نہ آئے گا اس وقت تک یہ زمین و آسمان ضرور قائم رہیں گے اور اسی زمانے میں خدا کا وہ عہد بھی پورا ہوگا کہ جو اُس نے ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کیا تھا کہ تجھ سے دنیا کے سارے گھرانے برکت پاویں گے۔ الحاصل حضرت مسیح علیہ السلام کی بشارت کا ذکر کر کے یہ کہنا (سو پوری کیس) اور جس نبی کی موسیٰ اور ابراہیم علیہما الصلوٰۃ والسلام اور تمام انبیاء کرام علیہم الف الف صلوٰۃ والہی الف سلام نے بشارت دی ہے، اس کے انتظار کو ان الفاظ سے ظاہر کرنا کہ ”ضرور ہے کہ آسمان اس کے لئے رہے کہ اس وقت کہ سب چیزیں کہ جن کا ذکر خدا نے اپنے سب پاک نبیوں کی زبانی شروع سے کیا اپنی حالت پر آویں“ آھ

اس امر کی صاف دلیل ہے کہ یہ نبی مبشر اور رسول منتظر ان تمام انبیاء و رسل کے علاوہ ہے جو حضرت موسیٰ سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہما الصلوٰۃ والسلام تک گزرے۔ لہذا اس بشارت کا مصداق حضرت موسیٰ سے حضرت عیسیٰ کے زمانے تک کوئی نبی نہیں ہو سکتا، پس حضرت یوشع یا حضرت مسیح بن مریم علیہم السلام کو اس بشارت کا مصداق قرار دینا کیسے صحیح ہو سکتا ہے۔

ہشتم یہ کہ انجیل یوحنا باب اول آیت انیسویں میں ہے۔

”جب یہودیوں نے یروشلم سے کاہنوں اور لادیوں کو بھیجا کہ اس کو پوچھیں کہ تو کون ہے اور اُس نے اقرار کیا اور انکار نہ کیا بلکہ اقرار کیا کہ میں مسیح نہیں۔ تب

انہوں نے اس سے پوچھا تو اور کون ہے کیا تو الیاس ہے اُس نے کہا میں نہیں ہوں۔ پس آیا تو وہ نبی ہے اُس نے جواب دیا نہیں“ اھ

اس سے صاف ظاہر ہے کہ اُن کو حضرت مسیح اور ایلیاء علیہما الصلوٰۃ والسلام کے سوا بھی ایک نبی کا انتظار تھا۔ اور وہ نبی اُن کے نزدیک ایسا معروف و معبود تھا کہ اس کے نام کے ذکر کرنے کی بھی حضرت مسیح اور حضرت ایلیاء کے نام کی طرح حاجت نہ تھی۔ بلکہ فقط ”وہ نبی“ کا اشارہ ہی اُس کے لئے کافی تھا۔

پس اگر حضرت مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی اس بشارت کا مصداق تھے تو پھر اُن کو انتظار کس کا تھا۔

وہ نبی جس کا کہ اُن کو انتظار تھا وہ ہمارے نبی اکرم ﷺ ہیں۔ اور اسی وجہ سے کہ اہل کتاب نبی اکرم سیدنا محمد ﷺ کے لئے ”وہ نبی“ کا لفظ استعمال کرتے تھے۔ اس لئے ہمیشہ سے اہل اسلام نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو آں حضرت (جو بعینہ ”وہ نبی“ کا ترجمہ ہے) بولتے ہیں۔ نہم یہ کہ انجیل یوحنا باب ہفتم کی آیت چہلم سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ نبی موعود حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے علاوہ ہے چنانچہ انجیل میں ہے۔

۴۰۔ تب اُن لوگوں میں سے بہتیروں نے یہ سن کر کہانی الحقیقت یہی وہ نبی ہے۔

اوروں نے کہا یہ مسیح ہے۔ اھ

نبی معبود کو حضرت مسیح کے مقابلے میں ذکر کرنا اس کی کھلی ہوئی دلیل ہے کہ وہ نبی معبود حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے علاوہ ہے۔ پس اگر ”وہ نبی“ سے آں حضرت ﷺ مراد نہوں تو پھر وہ کون نبی ہے کہ جس کا انتظار تھا۔

دہم آپ کے عہد نبوت میں بہت سے علماء یہود و نصاریٰ نے اس امر کا اعتراف کیا کہ آپ وہی نبی برحق ہیں جن کی موسیٰ علیہ السلام نے بشارت دی ہے اور آپ ہی اس بشارت کے مصداق ہیں، بعد ازاں ان میں سے بہت سے اسلام لائے جیسے مخیر لیق یہودی اور ضغاطر رومی عیسائی اور بہت سوں نے اقرار کیا مگر اسلام نہیں لائے جیسے ہرقل شاہ روم اور عبداللہ بن صوریہ یہودی وغیرہما نے اقرار کیا کہ آپ وہ نبی برحق ہیں جن کی حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ نے بشارت دی ہے مگر اسلام نہیں لائے۔

بشارت دوم، از تورات کتاب پیدائش باب (۱۷) آیت بستم

اسماعیل کے حق میں میں نے تیری سنی دیکھ میں اُسے برکت دوں گا اور اُسے برومند کروں گا اور اُسے بہت بڑھاؤں گا اور اُس سے بارہ سردار پیدا ہوں گے اور میں اُس سے بڑی قوم بناؤں گا۔

اور اسی باب کی آٹھویں آیت میں ہے۔
اور میں تجھ کو اور تیرے بعد تیری نسل کو کنعان کا تمام ملک جس میں تو پر دیسی ہے، دیتا ہوں۔ اھ

اور کتاب پیدائش کے باب ۱۶، آیت ۱۱ میں ہے۔
خداوند کے فرشتے نے اُسے (ہاجرہ) کہا کہ تو حاملہ ہے اور ایک بیٹا جنے گی اس کا نام اسماعیل رکھنا خدا نے تیرا دکھ سن لیا وہ وحشی آدمی ہوگا اس کا ہاتھ سب سے (اوپر ہوگا) اور سب کے ہاتھ اس کے برخلاف ہوں گے اور وہ اپنے سب بھائیوں کے سامنے بود و باش کرے گا۔ انتہی
اور باب ۲۵، آیت ۱۱ میں ہے۔

آپ کے فرزند اسحاق کو اللہ نے برکت دی۔ اھ
الحاصل حق تعالیٰ شانہ نے حضرت ابراہیم سے حضرت اسحاق اور حضرت اسماعیل علیہم الصلوٰۃ والسلام کی بابت وعدہ فرمایا کہ ان کو برکت دوں گا چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ اول الخلق کی اولاد نے برکت حاصل کی اور تقریباً کئی ہزار سال تک سلسلہ نبوت و رسالت آپ کی اولاد میں جاری رہا اور حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام تک برابر حضرت الخلق کی اولاد میں انبیاء و رسل ہوتے رہے۔

بعد ازاں جب دوسرے وعدہ کا وقت آگیا تو شرف نبوت و رسالت یکسر بنی اسرائیل سے بنی اسماعیل کی جانب منتقل ہو گیا اور دعائے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ظہور فاران کی چوٹیوں سے اور سینا اور سعید کا نور فاران پر جگمگانے لگا۔ ذَلِكْ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاءُ ط وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ط

تورات سفر پیدائش باب (۲۱) سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ

والسلام حضرت ہاجرہ اور حضرت اسمعیلؑ کو حجاز میں لے کر آئے اور وادیِ فاران میں مکہ مکرمہ کے قریب چھوڑ کر واپس ہو گئے۔

حضرت سارہ کے وصال کے بعد حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم پھر اُسی وادیِ فاران میں واپس تشریف لائے۔ اس عرصہ میں حضرت اسمعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام جوان ہو چکے تھے۔ دونوں نے مل کر کعبۃ اللہ کی تعمیر شروع کی کما قال اللہ تبارک وتعالیٰ۔

وَإِذْ يَرْفَعُ إِبْرَاهِيمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ
الْبَيْتِ وَإِسْمَاعِيلُ رَبَّنَا تَقَبَّلْ
مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ
الْعَلِيمُ ۝ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ
لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً مُّسْلِمَةً
لَّكَ ط

اس وقت کو یاد کرو جب حضرت ابراہیم اور
حضرت اسمعیل علیہما السلام بیت اللہ کی
بنیادیں اٹھا رہے تھے اور یہ دعائیں کرتے تھے کہ
اے پروردگار یہ خدمت تو ہم سے قبول فرما۔
تو بے شک سننے والا اور جاننے والا ہے۔ اور
اے پروردگار ہم کو اور ہماری ذریت سے
ایک جماعت کو اپنا فرمانبردار بنا۔

ناظرین غور فرمائیں کہ اس مقام پر کس کی ذریت مراد ہے۔ ظاہر ہے کہ حضرت
اسمعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذریت مراد ہے جو کہ وادیِ فاران اور حرمِ الہی اور کعبۃ اللہ کے
آس پاس مقیم ہے، اسی ذریت کے لئے حضرت ابراہیم نے اول یہ دعاء فرمائی۔ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا
الْمُحْذَرِ اور دوسری دعایہ فرمائی۔

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ (ای فی هذه
الذرية ذرية هاجرة واسماعيل
عليهما الصلوة والسلام)
رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ
وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ
وَيُزَكِّيهِمْ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ
الْحَكِيمُ ط

اے پروردگار ہاجرہ اور اسمعیل کی ذریت میں
ایک ایسا رسول بھیج جو تیری کتاب کی تلاوت
کرے اور لوگوں کو کتاب و حکمت کی تعلیم
دے اور ان کو گنہگار اور شرک سے پاک کرے
بیشک تو ہی غالب اور حکیم ہے۔

حق تعالیٰ نے جس طرح قرآن کریم میں اس دعائے ابراہیمی کا ذکر فرمایا ہے اسی طرح اس کی اجابت کا بھی تذکرہ فرمایا ہے۔

هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ
رُسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ
وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ
وَالْحِكْمَةَ ط وَإِنْ كَانُوا مِنْ
قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ط

خُلاصہ

یہ کہ قارئین کرام اس پر غور کریں کہ اسمعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اولاد میں نبی اکرم ﷺ سے زائد کون با برکت اور برومند ہوا اور کنعان کی زمین کس کی وراثت میں آئی اور حضور پر نور کے سوا کون ہے کہ جس کا ہاتھ سب کے اوپر ہوا ہو اور زمین کے خزانوں کی کنجیاں اس کے ہاتھ میں دی گئی ہوں۔

اور بارہ سرداروں سے بارہ خلفاء مراد ہیں کما قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم

یدوررحی الاسلام الی اثنی عشر خلیفۃ کُلّہم من قریش

فائدہ جلیلہ

اس علیم و حکیم نے اپنی حکمت بالغہ سے اُحق علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اولاد کو اسمعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اولاد پر برکت دینے میں اس وجہ سے مقدم رکھا کہ حضرت اسمعیل کی اولاد میں خاتم النبیین سیدنا محمد ﷺ پیدا ہونے والے تھے پس اگر حضرت اسمعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وعدہ کو مقدم کر دیا جاتا تو پھر اُحق علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اولاد سے سلسلہ نبوت و رسالت منقطع ہو جاتا، اس لئے کہ خاتم الانبیاء والمرسلین کے بعد کوئی نبی رسول نہیں بنایا جاسکتا۔

اور اسی وجہ سے کہ اسحاق علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اولاد میں بکثرت نبی ہوں گے تو بنی اسرائیل کو اس انعام کی تذکیر ان الفاظ سے کی گئی۔

إِذْ جَعَلَ فِيكُمْ أَنْبِيَاءَ ” تم میں حق تعالیٰ نے بہت نبی پیدا کیے۔“

اور حضرت ابراہیم نے جو حضرت اسمعیل علیہما الصلوٰۃ والسلام کے لئے دعاء فرمائی تو یہ فرمایا ”رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا۔ یعنی اے پروردگار ان میں ایک عظیم الشان رسول بھیج“ اور یہ نہیں فرمایا ”رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا۔ یعنی اے اللہ ان میں بہت سے رسول اور نبی بھیج۔“

جس سے صاف یہ معلوم ہوا کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام بنی اسمعیل میں سے صرف ایک ایسے رسول کے مبعوث ہونے کی دعاء فرماتے تھے کہ جس کے آنے کے بعد کسی نبی اور رسول کی حاجت نہ رہے۔ صیغہ مفرد کے ساتھ ذکر فرمایا رُسُلًا صیغہ جمع کے ساتھ نہیں ذکر فرمایا۔

وَعَنْ أَبِي الْعَالِيَةِ فِي قَوْلِهِ
تَعَالَى رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ
رَسُولًا مِنْهُمْ يَعْنِي أُمَّةَ مُحَمَّدٍ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقِيلَ لَهُ
قَدْ اسْتَجِيبَ لَكَ وَهُوَ كَائِنٌ
فِي آخِرِ الزَّمَانِ وَكَذَا قَالَ
السُّدِّيُّ وَقَتَادَةُ۔ تَفْسِيرُ ابْنِ
كَثِيرٍ ص ۳۳ ج ۱

هُوَ كَائِنٌ فِي آخِرِ الزَّمَانِ سے خاتم النبیین ہونا مراد ہے اور آں حضرت ﷺ کا یہ ارشاد اَنَا دَعْوَةُ أَبِي إِبْرَاهِيمَ۔ یعنی میں اپنے باپ ابراہیم کی دعاء ہوں۔ اسی طرف مشیر ہے۔

اور اسی وجہ سے کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی یہ دعا امت محمدیہ پر عظیم الشان

احسان ہے۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ کے بعد کَمَا صَلَّيْتَ عَلٰی اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ کا پڑھنا اس احسان کے شکر میں اُمت پر لازم ہو گیا۔

یا یہ کہا جائے کہ تمام انبیاء و رسل میں سے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو صلوٰۃ و سلام کے لئے مخصوص کرنا اُن کی اس دعاء کی اجابت ہے۔ رَبِّ هَبْ لِيْ حُكْمًا وَّالْحَقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ وَاَجْعَلْ لِّيْ لِسَانَ صِدْقٍ فِی الْاٰخِرِيْنَ۔ چنانچہ حق تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو علم و حکمت بھی عطا فرمائی اور صالحین میں بھی داخل فرمایا، اور آخر میں یعنی اس آخری اُمت میں کَمَا صَلَّيْتَ عَلٰی اِبْرَاهِيْمَ الخ کے ذریعے سے ان کا ذکر خیر جاری فرمایا اور انشاء اللہ العزیز الی یوم القیامۃ اسی طرح جاری رہے گا۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّيْتَ عَلٰی اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ۔ اور چونکہ حضرت ابراہیم سے برکت دینے کا وعدہ تھا اُس لئے کَمَا بَارَكْتَ کا اور اضافہ کر دیا گیا۔

اور عجب نہیں کہ اُن بارہ سرداروں سے کہ جن سے خلفاء مراد لئے گئے ختم نبوت کی طرف اشارہ ہو۔ یعنی آں حضرت ﷺ کے بعد نبوت و رسالت کا سلسلہ جاری نہ رہے گا بلکہ خلافت و نیابت کا سلسلہ جاری ہوگا اور اسی وجہ سے حق تعالیٰ نے اُمت سے صرف خلافت کے جاری رکھنے کا وعدہ فرمایا۔ نبوت و رسالت کا کسی درجہ میں بھی وعدہ نہیں فرمایا کَمَا قَالَ تَعَالٰی:-

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ : جو لوگ ایمان لاچکے اور جنہوں نے عمل وَعَمِلُوْا الصّٰلِحٰتِ : صالح کیے اُن سے اللہ تعالیٰ نے خلافت لَيَسْتَخْلِفْنَهُمْ فِی الْاَرْضِ ۚ : دینے کا وعدہ فرمایا ہے، آنحضرت ﷺ وقال النبی صلی اللہ علیہ : نے فرمایا کہ نبوت کی خلافت میرے بعد وسلم خلافة النبوة بعدی : تیس سال رہے گی رسول اللہ ﷺ نے ثلاثون عاما وقال النبی صلی : فرمایا کہ بنی اسرائیل کا انتظام ان کے

اللہ علیہ وسلم کانت بنو اسرائیل تسوسہم الانبیاء کلمما ہلک نبی خلفہ نبی وإنہ لانبی بَعْدِی وَسَیْکُونُ خُلَفَاء۔ رواہ البخاری

نبی کیا کرتے تھے جب کوئی نبی گزر جاتا تو دوسرا نبی اس کے قائم مقام ہو جاتا تھا لیکن میرے بعد کوئی نبی نہیں البتہ خلفاء ہوں گے۔ (بخاری)

بشارت سوم، از تورات سفر استثناء باب (۳۳) آیت ۲

جَاءَ الرَّبُّ مِنْ سִינَاءَ وَأَشْرَقَ لَهُمْ مِنْ سَاعِیْرَ وَتَلَاءَ لَاءَ مِنْ جِبَالِ فَارَانَ وَأَتَى مِنْ رَبَّوَاتِ الْقُدُسِ وَعَنْ يَمִינֵה نَارُ شְרِיעָה۔ ۱۵

اور الجواب الفصحیح میں بعض نسخ تورات سے اس طرح نقل کیا ہے۔

جَاءَ الرَّبُّ مِنْ سִינَاءَ وَأَشْرَقَ لَنَا مِنْ سَاعِیْرَ وَاسْتَعْلَنَ مِنْ جِبَالِ فَارَانَ ۱۵

اور اردو نسخہ میں اس طرح ہے (۲) اور اُس نے (یعنی موسیٰ علیہ السلام) نے کہا کہ خداوند سینا سے آیا اور سعیر سے اُن پر طلوع ہوا۔ فاران ہی کے پہاڑ سے وہ جلوہ گر ہوا۔ دس ہزار قدسیوں کے ساتھ آیا۔ اور اس کے داہنے ہاتھ میں ایک آتشی شریعت اُن کے لئے تھی۔ آھ

اس آیت میں

تین بشارتیں مذکور ہیں (۱) طور سیناء پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تورات کا عطاء ہونا مراد ہے (۲) اور سعیر ایک پہاڑی کا نام ہے کہ جو شہرناصرہ مولدِ عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام میں واقع ہے۔ اس سے حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نبوت اور نزول انجیل کی طرف اشارہ ہے (۳) اور فاران سے مکہ کے پہاڑ مراد ہیں۔ اس سے نبی اکرم ﷺ کی رسالت اور نزول قرآن کی جانب اشارہ ہے۔

غار حراء اسی فاران پہاڑ میں واقع ہے جس میں سب سے پہلے اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ کی ابتدائی پانچ آیتیں آپ پر نازل ہوئیں تو ریت کتاب پیدائش کے اکیسویں باب درس۔ ۲۰ میں حضرت ہاجرہ اور حضرت اسمعیل کے ذکر میں ہے۔

۲۰۔ اور خدا اس لڑکے کے ساتھ تھا اور وہ بڑھا اور بیابان میں رہا کیا اور تیر انداز ہو گیا۔

۲۱۔ اور وہ فاران کے بیابان میں رہا۔ اُتھلی

اور حضرت اسمعیل کی سکونت کا مکہ مکرمہ میں ہونا سب کو مسلم ہے، معلوم ہوا کہ توریت کی اس آیت میں اُس نبوت کی بشارت ہے جو فاران کے پہاڑ سے جلوہ گر ہوگی اور کوہ ودشت کو اپنے نور سے بھر دے گی، اب ناظرین خود دیکھ لیں کہ سوائے نبوت محمدیہ کے وہ کونسی نبوت ہے کہ جو فاران سے ظاہر ہوئی اور اس نے تمام عالم کو انوارِ ہدایت سے منور کر دیا۔ فاران کی نبوت بلاشبہ سینا اور ساعیر کی نبوت سے کہیں زیادہ روشن تھی اور آتشِ شریعت سے بھی قرآن کریم مراد ہے اس لئے کہ وہ احکام جہاد اور احکام حدود و قصاص پر مشتمل ہے اور دس ہزار قدسیوں سے لشکر ملائک مراد ہے۔ یا آں حضرت ﷺ کا فتح مکہ کے وقت دس ہزار صحابہؓ کے ساتھ مکہ پر حملہ کرنا مراد ہے اور حضرت مسیح کے ساتھ بقول نصاریٰ صرف بارہ حواری تھے اور وہ بھی سب جان بچا کر بھاگ گئے اور ایک خاص حواری یہود نے تمس درم رشوت لے کر اپنے خداوند کو گرفتار کر دیا تھا۔

اور اس بشارت کی حسن ترتیب اور حسن بیان قابلِ غور ہے۔ اوّل یہ فرمایا جَاءَ الرَّبُّ مِنْ سَمِیْنَاءِ خداوند سیناء سے آیا۔ اور اس کے بعد یہ فرمایا۔ وَأَشْرَقَ مِنْ سَاعِیْرِ سے طلوع ہوا اور آخر میں یہ فرمایا وَاسْتَغْلَنَ مِنْ جَبَالِ فَارَانَ۔ فاران کے پہاڑ سے جو جلوہ گر ہوا۔ جس سے مقصد یہ ہے کہ نزولِ تورات بمنزلہٗ طُلُوعِ فَجْرِ کے ہے۔ اور نزولِ انجیل بمنزلہٗ طُلُوعِ شَمْسِ کے ہے اور نزولِ قرآن بمنزلہٗ اسْتِوَاءِ شَمْسٍ فی نصفِ النہار ہے۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ کفر کی تاریک شب کا خاتمہ اور پہلی پھٹ کر ایمان و ہدایت کی صبح صادق کا ظہور حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانے میں ہوا۔ اور فرعون اور قارون اور ہامان جیسے ائمۃ الکفر عذابِ الہی سے ہلاک ہوئے۔

اور جب حضرت مسیح بن مریم علیہما الصلوٰۃ والسلام کا ظہور ہوا تو آفتابِ ہدایت بھی افق

مشرق پر ظاہر ہوا اور جب نبی کریم ﷺ کا ظہور ہوا تو آفتاب ہدایت ٹھیک نصف النہار پر آگیا اور کوئی چپہ زمین کا ایسا باقی نہ رہا کہ جہاں اس آفتاب کی روشنی نہ پہنچی ہو اور قرآن عزیز میں بھی اس بشارت کی طرف اشارہ ہے۔

وَالَّتَيْنِ وَالزَّيْتُونِ وَطُورِ سَيْنِينَ وَهَذَا الْبَلَدِ الْأَمِينِ

تین اور زیتون چونکہ ارض مقدس میں پیدا ہوتے ہیں جس جگہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام پیدا ہوئے اس لئے اس سے حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رسالت کی جانب اشارہ ہے اور بلد امین سے مراد مکہ مکرمہ مراد ہے کہ جس سے آفتاب نبوت و رسالت کا طلوع ہوا۔

حق تعالیٰ شانہ نے مکہ کی صفت الامین ذکر فرمائی ہے جس سے اشارہ اس امر کی طرف ہے کہ سردار عالم سیدنا محمد ﷺ خزانہ الہی کے درمیتیم ہیں کہ بطور امانت اس بلد امین کے سپرد کر دیئے گئے ہیں۔ بلد امین نے تریپن سال تک اس درمیتیم اور امانت الہی کی حفاظت کی مگر جب وقت بہت ہی نازک ہو گیا تو اس وقت بلد امین نے بادل ناخواستہ یہ امانت مدینہ طیبہ کے سپرد کر دی۔ کذافی ہدایہ الحیاری

الحاصل

اس کلام میں تین پیغمبروں کی بشارتیں دی گئیں: اور بشارت کا اختتام خاتم الانبیاء ﷺ کے ذکر مبارک پر ہوا تا کہ ختم نبوت کی طرف اشارہ ہو جائے۔ مخالفین کہتے ہیں کہ فاران سیناء کے ایک علاقہ کا نام ہے۔ حضرت محمد ﷺ چونکہ اس علاقہ میں ظاہر نہیں ہوئے اس لئے یہ بشارت اُن کے حق میں نہیں ہو سکتی۔ جواب یہ ہے کہ:

تورات کتاب پیدائش باب اکیسواں از درس ۱۲ تا درس ۲۱ میں لکھا ہے کہ بی بی ہاجرہ اور حضرت اسمعیل بی بی سارہ کے ناراض ہو جانے سے ارض مقدس کو چھوڑ کر دشت فاران میں سکونت پذیر ہوئے جس کی بنا پر فاران وہی مقام ہوگا جو حضرت اسمعیل اور ان کی اولاد کا سکونت گاہ ثابت ہوا۔

اور یہ امر روایت متواترہ سے ثابت ہے کہ بی بی ہاجرہ اور حضرت اسمعیل وادی حجاز کے اُس میدان میں مقیم ہوئے جہاں اس وقت مکہ آباد ہے اور یہیں آپ کی اولاد بھی قیام پذیر ہوئی معلوم ہوا کہ فاران علاقہ سینا کے کسی پہاڑ کا نام نہیں بلکہ مکہ مکرمہ کے پہاڑ کا نام ہے جہاں حضرت ہاجرہ اور حضرت اسمعیل کی سکونت تھی۔

سامری تورات کے عربی ترجمہ میں جس کو علمائے جرمن نے ۱۸۵۱ء میں بمقام گٹنگن چھپوایا ہے، حضرت اسمعیل کی سکونت گاہ کے متعلق تحریر ہے وسکن فی بریۃ فاران (ای الحجاز) واخذت له امرأة من ارض مصر (کون الدنیا ۲۱-۲۱)

حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام سمویل نبی کے وفات کے بعد دشت فاران میں تشریف لے گئے اور وہاں آپ نے ایک زبور تصنیف کی جس میں نہایت افسوس کے ساتھ فرماتے ہیں کہ میں قیدار کے قیام گاہ میں سکونت پذیر ہوں دیکھو سمویل نبی کی پہلی کتاب باب ۲۵ درس یکم اور دیکھو زبور ۱۲۰ درس پنجم۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ قیدار فاران میں رہتا تھا۔ قیدار حضرت اسمعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دوسرے فرزند ہیں۔ اشعیاء پیغمبر کے صحیفہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اور اس کی اولاد مغربی ملک میں رہتی تھی۔ بطلموس نے حجاز کا وسطی علاقہ اُس کی جائے سکونت بتایا ہے اس بنا پر یہ امر ثابت ہے کہ وادی حجاز اور فاران دونوں ایک ہی مقام ہیں، جناب رسالت مآب ﷺ کا ظہور مکہ میں ہوا جو حجاز کا مشہور شہر ہے کذا فی البشارات الاحمدیہ شریعت احکام جہاد و قصاص وحدود و تغریات پر مشتمل ہوگی اور اس کی نبوت دنیاوی بادشاہت ساتھ لئے ہوگی۔ اور حضرت عیسیٰ کی نبوت دنیاوی بادشاہت کو ساتھ لئے ہوئے نہ تھی اور نہ وہ مجرمین سے انتقام پر قادر تھے۔

بشارت چہارم۔ از تورات سفر استثناء باب (۳۲)، آیت (۲۱)

انھوں نے اس کے سبب سے جو خدا نہیں مجھے غیرت دلائی اور اپنی واہیات باتوں سے مجھے غصہ دلایا۔ سو میں بھی انھیں اُس سے جو گردہ میں نہیں غیرت میں ڈالوں گا اور بے عقل قوم سے انھیں خفا کروں گا، اھ

اس بشارت میں بے عقل قوم سے جہلائے عرب مراد ہیں کہ جو آنحضرت ﷺ کی

۱۔ یہ رسالہ جناب حکیم سید محمد شمس اللہ صاحب قادری حیدر آبادی کی تصنیف ہے، رسالہ کل (۳۲) صفحات کا ہے اور مفید اور مختصر ہے۔ حشو اور اطباء سے پاک ہے۔ ۱۲۰

بعثت سے قبل جہالت اور گمراہی میں مبتلا تھے۔

علوم عقلیہ و شرعیہ سے واقفیت تو درکنار ان کو تو سوائے بت پرستی کے اور کسی شے کا علم نہ تھا۔ یہود اور نصاریٰ اُن کو بہت حقیر جانتے تھے۔ اُن کو جاہل اور اپنے کو عالم کہتے تھے۔ لیکن جب یہود و نصاریٰ نے تورات و انجیل کی اصلی تعلیم کو بھلا دیا اور بجائے توحید کے شرک میں مبتلا ہو گئے۔ کَمَا قَالَ تَعَالٰی شَانَهُ۔ وَقَالَتِ الْيَهُودُ غَزَيٰرُنْ اِنَّ اللّٰهَ وَقَالَتِ النَّصَارَى الْمَسِيْحُ اَبْنُ اللّٰهِ۔ یہود نے عزیر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اور نصاریٰ نے عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خدا کا بیٹا بنالیا۔ اُس وقت غیور مطلق حق جل جلالہ کی غیرت جوش میں آئی اور حسب وعدہ انھیں جہلاء اور امیین میں سے ایک نبی اُمی۔ فداہ نفسی و ابی و امی کو مبعوث فرمایا، جس کے ہاتھوں اپنے دین کو عزت دی اور یہود بے بہود کو اُن کے ہاتھوں قتل کرایا۔

اور مصر و شام پر ان کا قبضہ کرایا۔ کَمَا قَالَ تَعَالٰی

يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ
وَمَا فِي الْاَرْضِ الْمَلِكِ الْقَدُّوسِ
الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ۝ هُوَ الَّذِي
بَعَثَ فِي الْاَمِّيْنَ رَسُوْلًا
مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ
وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ
وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ
لَفِي ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۚ

تمام آسمان اور زمین کی چیزیں خدائے بادشاہ پاک زبردست حکمت والے ہی کی تسبیح و تقدیس پڑھتی ہیں۔ اسی خداوند قدوس نے ناخواندوں میں سے ایک رسول کو مبعوث فرمایا جو اُن پر اللہ کی آیتوں کی تلاوت کرتا ہے اور کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور بے شک وہ لوگ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔

”امیین“ سے عربوں کی جاہل قوم مراد ہے اور عیسیٰ علیہ السلام اور یوشع علیہ السلام کی قوم جاہل اور حقیر نہ تھی اور نہ بنی اسرائیل کو ان سے غیرت دلائی گئی ہے پس یہ بشارت سوائے عرب قوم کے کسی قوم پر صادق نہیں آتی۔

باقی بے عقل قوم اور شعب ۳ جاہل سے یونانیین مراد لینا جیسا کہ پولوس کے رسالہ

رومیہ سے مترشح ہوتا ہے صحیح نہیں اس لئے کہ یونانیین تو اُس زمانے میں علوم و فنون کے اعتبار سے تمام عالم پر فائق تھے وہ شعب جابل اور بے عقل قوم کا کیسے مصداق ہو سکتے ہیں۔ سقراط، بقراط، فیثاغورث، افلاطون، جالینوس، ارسطاطالیس، ارشمیدس، بنیاس، اقلیدس، یہ سب کے سب حضرت مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تشریف آوری اور بعثت سے کئی صدی قبل تمام علوم و فنون کے ماہر اور احکام کے پورے عالم تھے۔

بشارت پنجم از تورات سفر پیدائش باب (۴۹)

(۱) اور یعقوب نے اپنے بیٹوں کو بلایا اور کہا کہ اپنے کو جمع کرو تا کہ میں اس کی جو پچھلے دنوں تم پر بیتے گا تمہیں خبر کر دوں۔ (۲) اے یعقوب کے بیٹو! اپنے کو اکٹھے کرو اور سُنو اور اپنے باپ اسرائیل کی سُنو اور پھر آیت دہم میں ہے۔

یہوداہ سے ریاست کا عصا جدانہ ہوگا۔ اور نہ حاکم اُس کے پاؤں کے درمیان سے جاتا رہے گا۔ جب تک کہ شیلانہ آدے، اور تو میں اس کے پاس اکٹھی ہوں گی۔ آھ

آیات مسطورہ میں اس امر کی خبر دی گئی ہے کہ جب تک کہ اخیر زمانے میں شیلانہ کا ظہور نہ ہو اس وقت تک یہوداہ کی نسل سے حکومت و ریاست منقطع نہ ہوگی۔

اہل اسلام کے نزدیک شیلانہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا لقب ہے۔ نصاریٰ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا لقب قرار دیتے ہیں۔ مگر نصاریٰ کا یہ خیال صحیح نہیں۔ اس لئے کہ اس عبارت کا سیاق اس کو مقتضی ہے کہ شیلانہ نسل یہوداہ سے خارج مانا جائے اس لئے کہ شیلانہ کا ظہور سے نسل یہوداہ کی حکومت و ریاست کا انقطاع جب ہی متصور ہو سکتا ہے کہ جب شیلانہ نسل یہوداہ سے نہ ہو۔ ورنہ اگر شیلانہ نسل یہوداہ سے ہو تو اس کا ظہور تو بقائے حکومت یہوداہ کا باعث ہوگا نہ کہ انقطاع حکومت یہوداہ کا۔

اور بائبل کے ابواب بلکہ انجیل متی کے پہلے ہی صفحہ پر ذرا غور کرنے سے یہ بات بخوبی منکشف ہو سکتی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نسل یہوداہ سے خارج نہیں اس لئے کہ آپ حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نسل سے ہیں اور حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام بالا جماع یہوداہ کی نسل سے ہیں۔

لہذا شیلا کا مصداق وہی نبی ہو سکتا ہے جو نسل یہوداہ سے خارج ہو۔ اور اس کا ظہور اخیر زمانے میں ہو جیسا کہ آیت اول کے اس جملے سے ظاہر ہے۔

”تا کہ میں اُس کی جو پچھلے دنوں میں تم پر بیتے گا تمہیں خبر دوں۔“

اور یہ دونوں امر آنحضرت ﷺ ہی پر صادق آسکتے ہیں کہ آپ یہوداہ کی نسل سے بھی نہ تھے بلکہ حضرت اسمعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نسل سے تھے اور آپ کا ظہور بھی خاتم النبیین ہونے کی وجہ سے اخیر زمانے میں ہوا۔

اور آپ کی بعثت کے بعد سے یہوداہ کی نسل میں جو کچھ حکومت و ریاست تھی وہ سب جاتی رہی قرائے بنی نضیر اور خیبر سب آپ ہی کے زمانے میں فتح ہو گئے، اور اس جملہ میں کہ ”قو میں اس کے پاس اکٹھی ہوں گی۔“

عموم بعثت کی طرف اشارہ ہے۔ کَمَا قَالَ تَعَالَى شَانَهُ

قُلْ يَٰ أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا

اے نبی کہہ دیجئے کہ اے لوگو میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔

بخلاف حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کہ اُن کی بعثت صرف بنی اسرائیل کے لئے تھی۔ کَمَا قَالَ تَعَالَى شَانَهُ وَرَسُولًا إِلَىٰ بَنِي إِسْرَآءِ يَلِ، نیز مختلف قومیں اور مختلف لوگ حضور پر نور ہی کے پاس اکٹھے ہوئے اور آج کے دین میں فوج فوج اور جوق جوق داخل ہوئے یہ بات حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو حاصل نہیں ہوئی اور گیارھویں آیت میں ہے۔

”وہ اپنا گدھا انگور کے درخت سے باندھے گا“

سو مدارج النبوة میں ہے کہ جب آں حضرت ﷺ نے خیبر فتح فرمایا تو وہاں ایک سیاہ حمار دیکھا۔ آپ نے اُس سے کلام فرمایا اور اس کا نام دریافت فرمایا، اس نے جواب دیا کہ میرا نام یزید بن شہاب ہے۔ حق تعالیٰ نے میری دادی کی نسل سے ساٹھ حمار پیدا کیے جس پر سوائے نبی کے کسی نے سواری نہیں کی اور مجھ کو اُمید ہے کہ آپ مجھ پر سواری فرمائیں گے۔ میری دادی کی نسل سے میرے سوا کوئی باقی نہیں رہا۔ اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام میں سے

آپ کے سوا کوئی باقی نہیں رہا۔ آں حضرت ﷺ نے اس پر سواری فرمائی اور وہ حمار آپ کی وفات کے بعد صدمہ وصال سے ایک کنویں میں گر کر مر گیا۔

(اور اسی گیارھویں آیت میں ہے)

”وہ اپنا لباس مئے میں اور اپنی پوشاک آبِ انگور میں دھو دے گا۔“

اس آیت میں اصل عبرانی سے ترجمہ کرنے میں جو کچھ تصرف کیا گیا ہے اور درحقیقت

اس طرح تھا۔ ”وہ اپنا لباس مئے سے اور اپنی پوشاک آبِ انگور سے دھو دے گا۔“

یعنی اُس نبی آخر الزمان کی شریعت میں شراب حرام کی جائے گی، اور جس طرح دیگر نجاست سے کپڑوں کے دھونے کا حکم دیا جاتا ہے، اسی طرح شراب سے بھی کپڑوں کے پاک رکھنے اور دھونے کا حکم دیا جائے گا۔

اور عجب نہیں کہ اس سے محبتِ الہی کی شراب میں استغراق مراد ہو۔ نبی کریم ﷺ کی شان تو بہت ارفع ہے۔ آپ تو سید الاولین والآخرین بلا فخر ہیں۔ آپ کی اُمت میں ہزار ہا بلکہ لاکھوں ایسے گزر گئے کہ عشقِ الہی اور محبتِ ربانی میں کوئی اُمت اُن کی ہمسری نہیں کر سکتی۔

(اور پھر بارھویں آیت میں ہے)

”اس کی آنکھیں مئے سے لال ہوں گی اور اس کے دانت دودھ سے سفید ہوں گے۔“

اس آیت میں اُسی نبی مُبَشِّر کے حلیہ مبارک کی طرف اشارہ ہے کہ اُس کی آنکھیں سُرخ

اور دانت سفید ہوں گے۔ چنانچہ زرقانی شرح مواہب میں ہے کہ جب آنحضرت ﷺ

تجارت کے لئے بصری تشریف لے گئے تو ایک سایہ دار درخت کے قریب قیام فرمایا جہاں

نسٹورا راہب کا تکیہ تھا۔ نسٹورا راہب نے میسرہ غلام سے جو آپ کے ہمراہ تھا یہ دریافت

کیا کہ آپ کی آنکھوں میں سُرخنی ہے میسرہ نے یہ جواب دیا کہ آپ کی آنکھوں میں ہمیشہ

سُرخنی رہتی ہے۔ کبھی جدا نہیں ہوتی، اس وقت نسٹورا راہب نے یہ کہا ہے کہ یہ آخری پیغمبر

ہیں۔ کاش میں اُن کی بعثت کا زمانہ پاؤں۔

شیخ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ نے تاریخ میں لکھا ہے کہ جب حضرت حاطبؓ

آنحضرت ﷺ کا والا نامہ سلطان مقوقس شاہ مصر کے نام لے کر گئے تو شاہ مصر نے نبی

آخر الزماں کی علامات بیان کرتے ہوئے یہ کہا، کہ سُرخنی اُن کی آنکھوں سے جدا نہیں ہوتی۔

حضرت حاطبؓ نے فرمایا کہ بے شک آپؐ کی چشمانِ مبارک سے سُرخِی کبھی جدا نہیں ہوتی۔ چنانچہ آپؐ کے شامل میں اشکل العینین کا لفظ آیا ہے اشکل ایسی آنکھ والے کو کہتے ہیں کہ جس کی سفیدی میں سُرخِی ڈورے ہوں اور بعض روایات میں اذنج کا لفظ آیا ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ جس کی آنکھ میں سیاہی ہو۔

سودونوں روایتوں میں کوئی تعارض نہیں، حسن و جمال کے لئے سُرخِی اور سیاہی دونوں درکار ہیں۔ محض سُرخِی اور محض سیاہی سے اتنا حُسن پیدا نہیں ہوتا جتنا کہ سُرخِی اور سیاہی سے مل کر پیدا ہوتا ہے۔ واللہ درالقائل

کیا بیاں ہو خوبی چشمِ سیاہ	آیتِ مازغ جس کی ہے گواہ
تھی سفیدی اور سیاہی درمیاں	سُرخِی ڈورے اُس میں رشکِ گلستاں
تھا سفیدی اور سیاہی کا یہ حال	تھیں بہم دونوں بحمدِ اعتدال
اشکل العینین بھی وارد ہوا	وصفِ چشمِ حضرتِ خیرالوری
الغرض القصہ جو وصفِ کمال	چشمِ خوبانِ جہاں کا ہے جمال
وہ کبھی اوصافِ بحد و بیاں	عینِ محبوبِ خدا میں تھے عیاں
اور ان سب سے زیادہ وصفِ خاص	چشمِ حضرت سے رکھے تھا اختصاص
یعنی وہ چشمِ مبارک دل پذیر	نور و تاریکی میں تھی یکساں بصیر
دیکھتے ہیں لوگ جو وقتِ سحر	تیرہ شب میں آپؐ کو آتا نظر
دوسرا ایک اور یہ اعجاز تھا	چشمِ پاکِ صاحبِ اعجاز کا
پیشِ منظرِ آپؐ جیسا دیکھتے	پیٹھ کے پیچھے بھی ویسا دیکھتے

بشارتِ ششم از زبور سیدنا داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام باب ۴۵

(۱) میرے دل میں لہجھا مضمون جوش مارتا ہے۔ میں اُن چیزوں کو جو میں نے بادشاہ کے حق میں بنائی ہیں بیان کرتا ہوں۔ میری زبان ماہر لکھنے والے کا قلم ہے (۲) تو حُسن میں بنی آدم سے کہیں زیادہ ہے۔ تیرے ہونٹوں میں لطف بٹایا گیا ہے۔ اسی لئے خدا نے تجھ کو ابد تک مبارک کیا۔ (۳) اے پہلوان اپنی تلوار کو جو تیری حُشمت اور بزرگواری ہے حمایل

کر کے اپنی ران پر لٹکا۔ (۴) اور اپنی بزرگواری سے سوار ہوا اور سچائی اور ملائمت اور صداقت کے واسطے اقبال مندی کے لئے آگے بڑھ۔ اور تیرا داہنا ہاتھ جھکو مہیب کام سکھائے گا (۵) تیرے تیر تیز ہیں۔ لوگ تیرے نیچے گرے پڑتے ہیں۔ وہ بادشاہ کے دشمنوں کے دل میں لگ جاتے ہیں۔ (۶) تیرا تخت اے خدا ابدالاباد ہے۔ تیری سلطنت کا عصا راسی کا عصا ہے (۷) تو صداقت کا دوست اور شرارت کا دشمن ہے۔ اس سبب سے تیرے خدا نے تجھ کو خوشی کے تیل سے تیرے مصاحبوں سے زیادہ مسح کیا۔ (۸) تیرے سارے لباس سے مَر اور عود اور تاج کی خوشبو آتی ہے کہ جن سے ہاتھی دانت کے محلوں کے درمیان تجھ کو خوش کیا ہے۔ (۹) بادشاہوں کی بیٹیاں تیری عزت والیوں میں ہیں۔ بلکہ اوفیر کے سونے سے آراستہ ہو کے تیرے داہنے ہاتھ کھڑی ہے۔

(اور بارہویں آیت میں ہے)

”اور صورت کی بیٹی ہدیے لا دے گی۔ قوم کے دولت مند تیری خوشامد کریں گے۔“

(اور سو لھویں آیت میں ہے)

(۱۶) تیرے بیٹے باپ دادوں کے قائم مقام ہوں گے۔ تو انھیں تمام زمین کا سردار مقرر کرے گا۔ (۱۷) میں ساری پشتوں کو تیرا نام یاد دلاؤں گا اور سارے لوگ ابدالاباد تک تیری ستائش کریں گے انتہی۔ تمام اہل کتاب کے نزدیک یہ امر مسلم ہے۔“

کہ اس زبور میں حضرت سیدنا داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک عظیم الشان والشوکت رسول کی بشارت دے رہے ہیں اور فرط محبت میں اُس کو مخاطب بنا کر اس کے اوصاف بیان فرما رہے ہیں اور یہ بتلا رہے ہیں کہ وہ نبی جب ظاہر ہوگا تو ان صفات کے ساتھ موصوف ہوگا وہ اوصاف حسب ذیل ہیں:

(۱) بادشاہ یعنی سب سے اعلیٰ اور افضل ہونا۔ (۲) حسین ہونا (۳) ہونٹوں میں لطف کا ہونا یعنی شیریں زبان اور فصیح اللسان ہونا۔ (۴) مبارک الی الدہر ہونا (۵) پہلوان یعنی قوی ہونا۔ (۶) شمشیر بند ہونا۔ (۷) صاحب حق و صداقت ہونا (۸) اقبال مند ہونا۔ (۹) اُس کے دائیں ہاتھ سے کسی عجیب و غریب کرشمہ کا ظاہر ہونا۔ (۱۰) تیرا انداز ہونا۔ (۱۱) لوگوں کو اس کے نیچے گرے پڑنا یعنی خلق اللہ کا اُس کے تابع ہونا (۱۲) تخت کا ابدالاباد تک رہنا یعنی

اس کی شریعت اور حکومتِ اسلام کا تاقیام قیامت باقی رہنا (۱۳) عصائے سلطنت کا عصائے راستی ہونا (۱۴) صداقت کا دوست اور شرارت کا دشمن ہونا (۱۵) اس کے کپڑوں سے خوشبو کا آنا (۱۶) اُس کے گھرانہ میں بادشاہوں کی بیٹیوں کا آنا (۱۷) ہدایا اور تحائف کا آنا (۱۸) اولاد کا بجائے باپ کے سردار اور حاکم ہونا (۱۹) تمام پشتوں میں قرنابعد قرن اور نسلا بعد نسل اس کا ذکر باقی رہنا (۲۰) ابدال آباد تک لوگوں کا اُس کی ستائش کرنا۔

اہل اسلام کے نزدیک اس بشارت کا مصداق صادق مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْہِ وَسَلَّم ہیں، یہود کے نزدیک داؤد علیہ السلام کے بعد سے اب تک کوئی نبی ان صفات کے ساتھ موصوف ہو کر ظاہر نہیں ہوا اور نصاریٰ یہ کہتے ہیں اس بشارت سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام مراد ہیں مگر اہل اسلام کا دعویٰ ہے کہ اس بشارت سے آنحضرت ﷺ ہی مراد ہیں۔ یہی حق ہے اس لئے کہ جو اوصاف اس بشارت میں مذکور ہیں وہ صرف نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی پر صادق ہیں۔

(۱)۔ بادشاہت کا ثبوت آں حضرت کے لئے شمس فی نصف النہار سے زائد اٹھنا اور روشن ہے، حق تعالیٰ شانہ نے آپ کو دین اور دنیا دونوں کی بادشاہی عطا فرمائی۔ احکام خداوندی کو بادشاہوں کی طرح جاری فرمایا۔ جس طرح نصاریٰ کے زعم میں حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام یہود لعنہم اللہ تعالیٰ سے مقہور و مجبور تھے۔ نبی اکرم ﷺ مجبور نہ تھے، آپ نے تو یہود کو ان کے قلعوں سے نکال باہر کیا۔

الحاصل نبی اکرم ﷺ دین و دنیا کے بادشاہ تھے۔ تمام انبیاء و رسل سے افضل اور برتر تھے۔ نہ کسی رسول کو قرآن کریم جیسی معجز کتاب عطا کی گئی اور نہ کسی کو آپ جیسی کامل و مکمل شریعت عطا کی گئی جو فلاح دارین اور نجات اور بہبودی کی پوری پوری کفیل ہو۔ جس نے عقاید و اعمال کی سنگین غلطیوں پر متنبہ کیا ہو۔ خدا تک پہنچنے کے لئے راستہ ایسا صاف کر دیا ہو کہ چلنے والوں کے لئے کوئی روڑا اٹکا نہ رکھا ہو۔ تہذیب اخلاق اور تدبیر منزل سیاست مملکیہ و مدنیہ کے لحاظ سے بھی نہایت کامل و مکمل ہو۔ غرض یہ کہ اس میں جامعیت کبریٰ کا وصف نمایاں ہو۔ ان تمام محاسن اور خوبیوں کا جامع صرف دین اسلام ہے جس کو آں حضرت ﷺ خدا کے پاس سے لائے۔

إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ طے ! بے شک دین اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے۔

یہی وہ کامل و مکمل دین ہے کہ اُس کے طلوع ہوتے ہی سب ادیان و مذاہب کے چراغ گل ہو گئے۔

راتِ محفل میں ہر ایک مہ پارہ گرم لاف تھا صبح کو خورشید جو نکلا تو مطلع صاف تھا

پس جس نبی کی کتاب تمام کتب الہیہ اور صحف سماویہ سے افضل ہو اور اس کی شریعت تمام شرائع اور ادیان سے بدرجہا برتر اور کامل اور اکمل ہو اور اس کے معجزات بھی تمام انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے معجزات سے بڑھے ہوئے ہوں اور اُس کی اُمت بھی تمام اُمتوں سے علم اور عمل، اعتقادات و اخلاق مکارم و شامِل۔ تہذیب و تمدن، سیاست ملکیہ اور مدنیہ کے لحاظ سے فائق اور برتر ہو تو اُس نبی کے سید الاولین والآخرین اور بادشاہ دو جہاں ہونے میں کیا کلام اور شبہ ہو سکتا ہے۔

(۲) حُسن و جمال میں آپ کا یہ حال تھا کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے زیادہ کسی کو حسین اور خوبصورت نہیں دیکھا۔ گویا کہ آفتاب آپ کے چہرہ مبارک میں گھومتا ہے اور جب تبسم فرماتے تو دندان مبارک کی چمک دیواروں پر پڑتی تھی۔

حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں

وَأَحْسَنُ مِنْكَ لَمْ تَرَ قَطُّ عَيْنِي وَأَجْمَلُ مِنْكَ لَمْ تَلِدِ النِّسَاءُ
میری آنکھ نے آپ سے زائد حسین نہیں دیکھا اور آپ سے زائد جمیل اور خوبصورت عورتوں نے نہیں جنا
خُلِقْتَ مُبْرَأً مِنْ كُلِّ عَيْبٍ كَأَنَّكَ قَدْ خُلِقْتَ كَمَا تَشَاءُ
آپ ﷺ ہر عیب سے پاک پیدا کیے گئے ہیں۔ گویا کہ آپ ﷺ حسبِ منشاء پیدا کیے گئے۔

وَلِلَّهِ دَرُّ الْقَائِلِ جَزَاءُ اللَّهِ خَيْرًا - المین۔

روایت کہ امام با صفا نے حسن سبط رسولِ مجتبیٰ نے
کہ ہند بن ابی ہالہ مراخال رسول اللہ کا تھا واصف حال

کیا میں نے سوال اُس باخبر سے
 کہ ہوں مشتاق ان باتوں کا بوجد
 غرض میری ہے یہ سُن کر وہ احوال
 کہا بس ہند نے یوں مجھ سے اُس دم
 نگاہوں میں وہ یعنی خوش سیر تھے
 تجلی روئے انور کی نہ پوچھو
 میانہ کب قد خیرالورے تھا
 اگر کوتاہ کہیے تھا نہ کوتاہ
 قد بالا کا تھا اُن کے یہ عالم
 بزرگی تھی سرِ عالی میں پیدا
 خم نیچی عیاں بالوں میں کم تھی
 بکھرتے تھے جو فرق پاک پر بال
 اگر از خود نہ بال اُن کے بکھرتے
 بحال و فرہ سر کے بال اُن کے
 درخشانی کا عالم رنگ میں تھا
 مقوس دونوں ابروئے مقوس
 باندازِ مناسب طاق ابرو
 عجب خمدار و باریک و مطوّل
 میان ابرواں اک رگ ہو یدا
 کہوں کیا جذباتی کا عالم
 معلّے بنی خیر البشر تھی
 جو کوئی بے تامل دیکھتا تھا
 ملائم آپ ﷺ کے رُخسار نیکو
 بزیبائی کشادہ وہ دہن تھا

خبر دے حلیہ خیر البشر سے
 بیاں کر کچھ تو حال جد امجد
 کروں جو ہو سکے اسنادِ اعمال
 رسول اللہ تھے فہم مفہم
 دلوں میں بھی بزرگ و نامور تھے
 قمر ہو جس طرح سے چودھویں کو
 میانہ پن سے بھی وہ قد جدا تھا
 غرض گم کیفیت نے کی یہاں راہ
 میانہ سے دراز اطوّل سے کچھ کم
 نہایت حُسن و موزونی ہو یدا
 کچھ اک ژولید گی لیکن بہم تھی
 دو فرقہ اُن کو کر دیتے تھے فی الحال
 تکلف سے نہ ہرگز فرق کرتے
 گزرتے نرمہائے گوش سے تھے
 کشادہ تھی جبین عالم آراء
 مقدس دونوں ابروئے مقدس
 نہ تھی پیوستگی آپس میں اُن کو
 بخوبی طاق تھا ثانی و اوّل
 بہت ہوتی غضب کے وقت پیدا
 کہ تھے نوروں کے شعلے جس سے تو اُم
 باندازِ بلندی جلوہ گر تھی
 بلندی کا گماں ہوتا تھا پیدا
 بھلا تشبیہ دوں میں کس سے اس کو
 کشادہ وہ دہن تھا اور زیبا

کہوں دانتوں کا گیا وہ حُسنِ سادہ
 دقیق المِسرَبۃ یعنی خطِ مُو
 بوصفِ گردنِ شایانِ معراج
 مُصَفًّا یعنی وہ گردن تھی ایسی
 کہوں کیا عضو عضو ان کے بدن کا
 بخوبی تھے تناور فخرِ عالم
 شکمِ سینہ صفائی میں برابر
 فراخی دونوں شانوں میں عیاں تھی
 بدن جو کچھ کھلا پوشاک سے تھا
 گلوئے پاک سے تاناف والا
 سوا اس کے شکمِ سینہ سراسر
 کلائی دونوں شانے اور بازو
 وہ اُن کے صدرِ عالی کی بلندی
 طویل الزند دونوں دست والا
 بزرگی اس کفِ پائیں عیاں تھی
 کشیدہ تھیں وہ انگشتانِ والا
 کفِ پا میں ساتی تھی یہ خوبی
 ہوا وارد بوصفِ پائے اقدس
 جُدا رہتی زمیں سے یوں کفِ پا
 زمین پر جب خراماں آپ جاتے
 انھیں ہوتا خیالِ مثلِ پیشیں
 ہوا یہ حال بھی وارد بہ اخبار
 تو اُس دم تھے عیاں یہ صاف معنی
 انھیں جب دیکھنا منظور ہوتا

سپید و صاف آپس میں کشادہ
 کھنچا سینے سے تھا تانافِ گلو
 کہا راوی نے شکلِ صورتِ عاج
 بشکلِ نقرہ بانور و ضیاء تھی
 بوضع خود مناسب اور زیبا
 تمامی عضو تن مربوط باہم
 مگر سینہ عریض و پہنِ خوشتر
 سر ہر اتخاں میں تھی بزرگی
 درخندہ وہ نورِ پاک سے تھا
 خطِ مُو تھا کھنچا باریک و زیبا
 مُعری مُو سے تھا صافی برابر
 مزین تھے بزیب کثرۃ مُو
 خطِ مُو سے رکھے تھی ارجمندی
 کشادہ تھی کفِ دستِ مُصَفَّا
 نمایاں دونوں قدموں میں بزرگی
 لقب ہے سائل الاطراف جن کا
 کہ رہتی تھی زمیں پر سے وہ اُونچی
 کہ تھے پائے مبارک نرم و اُملس
 کہ پانی اُس کے نیچے سے گذرتا
 قدم کو اپنے برکندہ اٹھاتے
 بہ نرمی راہ جاتے سرورِ دیں
 کہ جس دم آپ جاتے تندرقتار
 بلندی سے ہے گویا میلِ پستی
 نظر کرتے تھے حضرت بے محابا

بہت رہتے تھے آنکھوں کو جھکائے
 زمین اکثر مشرف تھی نظر سے
 تامل سوچ تھا کیا ہی نظر میں
 بیان کرتا ہے راوی بعد اس کے
 تو یہ ارشاد فرماتے تھے حضرت ﷺ
 عجب اخلاق تھے خیر الوریٰ کے
 سنو یہ اور عادت مصطفیٰ ﷺ کی
 جناب پاک کرتے اُس کو خوش کام
 نظر یعنی سوئے باطن لگائے
 فلک کم بہرہ ور ہوتا بصر سے
 سمایا تھا لحاظ اُن کی بصر میں
 کہ جب ساتھ آپ کے اصحاب ہوتے
 چلو تم مجھ سے آگے کر کے سبقت
 کہ ہوں مخدوم پیچھے خادم آگے
 کہ ہوتا جو کوئی اُن سے ملاقی
 بتقدیم سلام دین اسلام

اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ زنانِ مصر نے حضرت یوسف علیہ السلام کو دیکھ کر اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے تھے اگر وہ ہمارے حبیب محمد ﷺ کو دیکھتیں تو دلوں کے ٹکڑے کر ڈالتیں۔

اے زلیخا اس کو نسبت اپنے یوسف سے نہ دے ! اس پہ سر کٹتے ہیں دائم اور اس پر انگلیاں
 غرض یہ کہ آپ ﷺ کا حسن و جمال دنیا میں مشہور تھا اور حسن و جمال کیساتھ شاہانہ جاہ و جلال بھی آپ کو حاصل تھا، کسی کی یہ ہمت نہیں ہوتی تھی کہ آپ کی طرف نظر اٹھا کر دیکھ سکے۔
 (۳) اور آپ کا خوش بیان اور شیریں زبان اور فصیح اللسان ہونا سب کو تسلیم ہے آپ کے انفاس قدسیہ اور کلمات طہیات اس وقت باسانید صحیحہ و جیدہ محفوظ ہیں جن سے آپ کی فصاحت و بلاغت اور شیریں زبانی کا بخوبی اندازہ ہو سکتا تھا۔

(۴) اور آپ مبارک الی الدہر بھی ہیں جیسا کہ بشارت دوم میں گزرا، مشرق و مغرب، شمال و جنوب میں کروڑ ہا مسلمان نماز میں اور نماز کے بعد اور مختلف اوقات میں۔

اللَّهُمَّ بَارِكْ عَلَى مُحَمَّدٍ
 وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ
 عَلَى إِبْرَاهِيمَ وَعَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ
 إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ
 اے اللہ برکت نازل فرما محمد ﷺ پر اور
 محمد کی آل پر جیسے آپ نے ابراہیم اور ان
 کی آل پر برکت نازل فرمائی بلاشبہ آپ
 ستائش اور بڑی بزرگی والے ہیں۔

پڑھتے ہیں۔ اس سے زائد اور کیا مبارک الی الدہر ہونے کی دلیل ہو سکتی ہے جس کے لئے دنیا کے ہر گوشے میں برکت کی دعا مانگی جاتی ہو۔

(۵) قوت میں آپ کا یہ حال تھا کہ رکانہ پہلوان کو کہ جو قوت میں اپنی نظیر نہ رکھتا تھا ایک روز آں حضرت ﷺ سے جنگل میں مل گیا اور یہ کہا کہ آپ مجھ کو پچھاڑ دیں تو میں آپ کو نبی برحق جانوں۔ آں حضرت ﷺ نے اُس کو پچھاڑ دیا اُس نے دوبارہ لڑنے کے لئے کہا آپ نے اُس کو دوبارہ بھی پچھاڑ دیا۔ اُس کو بہت تعجب ہوا آپ ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا اگر تو اللہ سے ڈرے اور میرا اتباع کرے تو اس سے زائد عجیب چیز دکھلاؤں۔ اُس نے پوچھا کہ اس سے زائد کیا عجیب ہے، آپ ﷺ نے ایک درخت کو بلایا آپ ﷺ کے بلاتے ہی آپ کے سامنے آکر کھڑا ہو گیا۔ بعد ازاں یہ فرمایا کہ لوٹ جا سو وہ درخت یہ سُن کر اپنی جگہ لوٹ گیا۔

(۶) اور آپ کا شمشیر بند اور صاحبِ جہاد ہونا بھی مسلم ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نہ شمشیر بند تھے اور نہ صاحبِ جہاد۔ اور بقول نصاریٰ اُن میں اتنی قوت بھی نہ تھی کہ وہ اپنے آپ کو یہود سے بچا سکے۔

(۷) اور آپ ﷺ صاحبِ حق و صداقت بھی تھے۔ کما قال تعالیٰ شانہ:

هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ
بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ
عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ
الْمُشْرِكُونَ ۚ

خدا ہی نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین
حق دے کر بھیجا ہے تاکہ اس کو تمام دینوں
پر غالب کر دے اگرچہ مشرکین کو ناگوار
گزرے۔

بَلْ جَاءَ بِالْحَقِّ وَصَدَّقَ
الْمُرْسَلِينَ ۚ

(آپ ﷺ شاعر و مجنون نہیں) بلکہ حق کو لے
کر آئے ہیں اور پیغمبروں کی تصدیق کی ہے۔

وَالَّذِي جَاءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ
بِهِ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ ۚ

اور جو سچی بات لے کر آیا، اور جس نے اس
کی تصدیق کی، یہی لوگ پرہیزگار ہیں۔

ایک مرتبہ نضر بن الحارث نے قریش کو مخاطب بنا کر یہ کہا:

قَدْ كَانَ مُحَمَّدٌ فَيَكُم غَلَامًا
 حَدَّثَا اَرْضَاكُم فَيَكُم
 وَاصْدَقَكُم حَدِيثًا وَاعْظَمَكُم
 اِمَانَةً حَتَّى اِذَا رَأَيْتُمْ فِى
 صَدْغِيهِ الشَّيْبَ وَجَاءَ كُم
 بِمَا جَاءَ كُم قُلْتُمْ اِنَّهٗ سَاحِرٌ لَّا
 وَاللّٰهٖ مَا هُوَ بِسَاحِرٍ

محمد ﷺ تم میں نو جوان تھے سب سے
 زاید پسندیدہ سب سے زاید امین۔ لیکن
 جب تم نے اُن کے جانبین راس میں
 بڑھاپا دیکھا، اور وہ تمہارے پاس یہ دین
 حق لے کر آئے تو تم اُن کو ساحر اور جادوگر
 کہنے لگے۔ ہرگز نہیں، خدا کی قسم وہ
 ساحر نہیں۔

اور ہر قل شاہِ روم نے جب ابوسفیان سے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے متعلق یہ
 دریافت کیا کہ تم نے کبھی اُس کو متہم بالکذب کیا ہے تو اس پر ابوسفیان نے یہ جواب دیا کہ ہم
 نے ان سے کبھی کوئی کذب نہیں دیکھا۔

(۸) اور اقبال مند ہونا بھی ظاہر ہے اس لئے کہ حق تعالیٰ شانہ نے جیسا آپ کو اقبال
 عطا فرمایا۔ ایسا اقبال آج تک کسی کو نصیب نہیں ہوا اور نہ ہوگا۔

(۹) اور دائیں ہاتھ سے مہیب کام اور عجیب و غریب کرشمہ ظاہر ہونے سے معجزہ شقِ قمر
 کی طرف اشارہ ہے

چودستش برآ ہینخت شمشیر بیم بہ معجز میان قمر زد دو نیم
 اور علی ہذا جنگ بدر اور جنگِ حنین میں ایک مٹھی خاک سے تمام مشرکین کو خیرہ کرنا یہ بھی
 آپ ﷺ کے دائیں ہاتھ کا مہیب کام تھا۔

(۱۰) تیر انداز ہونا بنی اسمعیل کا مشہور شعار ہے چنانچہ حدیث میں ہے۔

ارموا بنی اسمعیل فان اباکم
 کان رامیا۔

اے بنی اسمعیل تیر اندازی کیا کرو اس لئے
 کہ تمہارا باپ تیر انداز تھا۔

(اور دوسری حدیث میں ہے)

مَنْ تَعَلَّمَ الرَّمْسَ ثُمَّ تَرَكَهٗ
 فَلَيْسَ مِنَّا

جو تیر اندازی سیکھ کر چھوڑ دے وہ ہم میں
 سے نہیں۔

(۱۱) اور لوگوں کا آپ ﷺ کے نیچے گرنا۔ یعنی خلق اللہ کا آپ ﷺ کے تابع ہونا۔

یہ بھی اظہر من الشمس ہے۔ چند ہی روز میں ہزاراں ہزار اسلام کے حلقہ بگوش بن گئے۔
کما قال اللہ تعالیٰ شانہ

إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ
وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُونَ فِي
دِينِ اللَّهِ أَفْوَاجًا ۝ فَسَبِّحْ
بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ ط إِنَّهُ
كَانَ تَوَّابًا ۝

جب اللہ کی نصرت اور فتح آچکی اور آپ
ﷺ نے لوگوں کو اللہ کے دین میں جوق
درجوق داخل ہوتے ہوئے دیکھ لیا تو اپنے
رب کی تسبیح و تحمید کیجئے اور استغفار پڑھیے
بیشک خدا بہت توبہ قبول فرمانے والا ہے۔

(۱۲ اور ۱۳) اور آپ کی شریعت ابد الابد تک رہے گی، چنانچہ قرآن کریم حسب وعدہ الہی۔
إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ
لَحَافِظُونَ

اس کے محافظ ہیں۔

تیرہ صدی سے بالکل محفوظ چلا آتا ہے۔ بحمد اللہ اب تک اُس کے ایک نقطہ اور ایک
شوشہ میں بھی سر مو تفاوت نہیں آیا۔ اور انشاء اللہ تعالیٰ تا قیام قیامت اسی طرح رہے گا اور
یہود و نصاریٰ کو اپنی تورات و انجیل کا حال خوب معلوم ہے، لکھنے کی حاجت نہیں۔ اور آپ کی
سلطنت کا عصا راستی اور صداقت کا عصا ہے۔ ہمیشہ اُس سے احقاق حق اور ابطال باطل ہوتا
رہتا ہے۔

(۱۴) اور آپ صداقت کے دوست اور شرارت کے دشمن تھے۔ کما قال اللہ جل جلالہ

لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ
أَنْفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ
حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ
رَءُوفٌ رَّحِيمٌ ۝

بے شک تمہارے پاس تم میں سے ایسے
رسول آگئے ہیں کہ جن پر تمہاری تکلیف
شاق ہے تمہاری بھلائی کے لئے حریص
ہیں۔ مؤمنین پر نہایت شفیق اور مہربان ہیں۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ
وَالْمُنَافِقِينَ وَاعْلُظْ عَلَيْهِمْ ۝

اے نبی کریم کفار و منافقین سے جنگ
کیجئے اور ان پر سختی کیجئے۔

اور آپ کی امت کے یہ اوصاف ہیں:

أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ
بَيْنَهُمْ ۚ

کافروں پر بہت سخت اور آپس میں بہت
مہربان۔

أَذِلَّةٌ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ أَعِزَّةٌ عَلَى
الْكَافِرِينَ يُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ
اللَّهِ وَلَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ لَائِمٍ ط ۚ

مؤمنوں پر نرم اور کافروں پر سخت۔ اللہ
کے راستہ میں جہاد کریں گے اور کسی
لامت کرنے والے کی ملامت کی بالکل
پروا نہ کریں گے۔

اور عجیب نہیں کہ شرارت سے ابو جہل مراد ہو کہ جو سرتاپا شرارت تھا اور صداقت سے ابو
بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ مراد ہوں جو کہ سرتاپا صدق و صداقت تھے اور بے شک ابو بکر
صدق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کے اہل تھے کہ ان کو خلیل و صدیق یعنی دوست بنایا جائے۔
(۱۵) اور آپ کے کپڑوں سے خوشبو بھی آیا کرتی تھی۔ حتیٰ کہ ایک عورت نے آپ کا
پسینہ مبارک اس لئے جمع کیا تا کہ دُلہن کے کپڑوں کو اس سے معطر کرے۔

(۱۶) اور قرنِ اول میں بہت سی شہزادیاں مسلمانوں کی خادم بنی ہیں چنانچہ شہر بانو
یزدجرد شاہ کسریٰ کی بیٹی امام حسین رضی اللہ عنہ کے گھر میں تھی۔

(۱۷) نجاشی شاہ حبشہ اور منذر بن ساویٰ شاہ بحرین اور شاہ عثمان اور بہت سے امیر
وکبر آپ پر ایمان لائے اور آپ کے حلقہ بگوش بنے اور آپ کی خدمت میں سلاطین و امراء
نے ہدایا بھیج کر فخر و سرفرازی حاصل کی۔ چنانچہ مقوقس شاہ قبط نے آپ کی خدمت میں تین
باندیاں اور ایک حبشی غلام اور ایک سفید خچر اور ایک سفید حمار اور ایک گھوڑا اور کچھ کپڑے بطور
ہدیہ ارسال کیے۔

(۱۸) اور آپ کے بعد قریش میں خلافت رہی۔ آپ کی اولاد میں امام حسن رضی اللہ عنہ
خلیفہ ہوئے اور امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد میں صد ہا خلیفہ اور حکمران ہوئے۔ حجاز و
یمن مصر و شام وغیرہ وغیرہ میں حکومت و سلطنت پر فائز رہے اور قیامت کے قریب امام مہدی
کا ظہور ہوگا جو امام حسنؑ کی اولاد سے ہوں گے اور تمام روئے زمین کے خلیفہ ہوں گے۔

(۱۹، ۲۰) اور آپ کی ستائش و ذکرِ خیر بھی ابد الابد تک رہے گا۔ ہر اذان میں اَشْهَدُ اَنْ

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کے ساتھ بلند آواز سے اَشْهَدُ اَنْ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ روزانہ پانچ مرتبہ کروڑ ہا مسلمان پکارتے ہیں۔ کوئی وعظ اور خطبہ ایسا نہیں کہ جس میں آپ کا نام پاک محمد ﷺ نہ لیا جاتا ہو۔ محمد اور احمد کے معنی ستودہ کے ہیں۔ اس بشارت کے شروع میں اُحمد کا لفظ صراحتاً نہ کور تھا مگر حسد کی وجہ سے نکال دیا گیا مگر تاہم یہ اوصاف تو سوائے محمد ﷺ کے کسی پر صادق نہیں آتے۔

نصاری کے زعم و اعتقاد پر تو حضرت مسیح بن مریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کسی طرح اس بشارت کا مصداق نہیں ہو سکتے اس لئے کہ نصاریٰ صحیفۂ یسعیاہ علیہ السلام کے تریپنویں باب کو حضرت مسیح علیہ السلام کی بشارت قرار دیتے ہیں اور وہ یہ ہے۔

”ہمارے پیغام پر کون اعتقاد لایا۔ اور خداوند کا ہاتھ کس پر ظاہر ہوا۔ اس کے ڈیل و ڈول کی کچھ خوبی نہ تھی اور نہ کچھ رونق کہ ہم اُس پر نگاہ کریں اور کوئی نمائش بھی نہیں کہ ہم اُس کے مشتاق ہوں وہ آدمیوں میں نہایت ذلیل و حقیر تھا۔“ آھ

(اور پھر آیت پنجم میں ہے)

”وہ ہمارے گناہوں کے سبب گھائل کیا گیا۔ اور ہماری بدکاریوں کے باعث کچلا گیا۔“ اھ معاذ اللہ ثم معاذ اللہ نصاریٰ کے نزدیک حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام ایسے تھے تو وہ اوصاف زبور کا جو بالکل اس کی ضد ہیں کیسے مصداق ہو سکتے ہیں۔

ہمارے اعتقاد میں منجملہ دیگر تحریفات کے صحیفۂ یسعیاہ علیہ السلام کا تریپنواں باب ۵۳ قطعاً و یقیناً الحاقی اور اختراعی ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام حاشا ہرگز ایسے نہ تھے۔ وہ تو دنیا اور آخرت میں وجیہ (آبرو اور عزت والے) اور خدا کے مقررین میں سے تھے۔ لیکن بایں ہمہ اس بشارت کا مصداق حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نہیں اس لئے کہ نہ آپ شمشیر بند اور تیر انداز تھے اور نہ مجاہد تھے اور نہ آپ کی شریعت دائمی ہے۔ اور نہ آپ کی بعثت عام تھی، اور نہ آپ کے گھرانے میں کوئی شہزادی آئی کہ جو آپ کی بیوی یا لونڈی ہوتی، اس لئے کہ آپ نے کوئی نکاح ہی نہیں فرمایا۔ نیز آپ کے کوئی باپ دادا نہ تھا، آپ تو بغیر باپ کے پیدا ہوئے۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

بشارت ہفتم از زبور سیدنا داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام باب ۱۴۹

(۱) خداوند کی ستائش کرو۔ خداوند کا ایک نیا گیت گاؤ۔ اور اس کی مدح پاک لوگوں کی جماعت میں (۲) اسرائیل اپنے بنانے والے سے شادمان ہوئے۔ بنی صیہون اپنے بادشاہ کے سبب خوشی کریں (۳) وہ اُس کے نام کی ستائش کرتے ہوئے ناچیں۔ وہ طبلہ اور بربط بجاتے ہوئے اس کی ثنا خوانی کریں۔ (۴) کیونکہ خداوند اپنے لوگوں سے خوش ہوتا ہے۔ وہ حلیموں کو نجات کی زینت بخشتا ہے۔ (۵) پاک لوگ اپنی بزرگواری پر فخر کریں، اور اپنے بستروں پر پڑے ہوئے بلند آواز سے گایا کریں۔ (۶) خدا کی ستائش اُن کی زبانوں پر ہووے اور ایک دودھاری تلوار اُن کے ہاتھوں میں ہو۔ (۷) تاکہ غیر امتوں سے انتقام لیں۔ اور لوگوں کو سزا دیں (۸) اُن کے بادشاہوں کو زنجیروں سے اور اُن کے امیروں کو لوہے کی بیڑیوں سے جکڑیں (۹) تاکہ اُن پر وہ فتویٰ جو لکھا ہوا ہے جاری کریں اُس کے پاک لوگوں کی یہی شوکت ہے کہ خداوند کی ستائش کرو۔“ آھ

اس بشارت میں نبی مبعوث کو بادشاہ کے لفظ سے اور اُس کے مطیعین کو صالحین اور پاک لوگوں سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یعنی وہ نبی موعود بادشاہ ہوگا۔ اور اُس کی شمشیر زنی موافق خوشنودی حق اور بمقتضائے غضب الہی کافروں کے حق میں ہوگی اور اس کے اصحاب اور احباب اس کے ساتھ ہو کر کافروں سے جہاد و قتال کریں گے۔

بعد ازاں مطیعین کے کچھ اوصاف ذکر کیے گئے ہیں جو من اولہا الی آخرھا امت محمدیہ پر پورے منطبق ہیں، یہی وہ امت ہے کہ جو اپنے بستروں پر بھی اللہ کو یاد کرتی ہے۔ کما قال تعالیٰ

يَذْكُرُونَ اللَّهَ قِيَامًا وَقُعُودًا ۖ وَهُوَ اللَّهُ كُفْرًا ۖ
وَعَلَىٰ جُنُوبِهِمْ ۖ

اور یہی وہ امت ہے کہ نماز میں اور جہاد میں اور ہر اذان میں اور عید الفطر اور عید النحر اور ایام تشریق اور ایام حج اور منیٰ اور مزدلفہ اور عرفات میں اللہ کو بلند آواز سے پکارتی ہے،

بخلاف یہود و نصاریٰ کے کہ یہود تو بوق اور نصاریٰ ناقوس بجاتے ہیں اور بلند آواز سے اللہ اکبر کہنا اور اللہ کو یاد کرنا صرف رسول اللہ ﷺ کی امت کا شعار ہے۔

اور مہاجرین و انصار رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہی کی دودھاری تلواروں نے روم و شام و دیگر ممالک کو فتح کیا اور بڑے بڑے بادشاہوں اور امیروں کو قید کیا ہے اور اہل کتاب کے نزدیک اس بشارت کا مصداق نہ سلیمان علیہ السلام ہو سکتے ہیں کیونکہ اہل کتاب کا زعم باطل اور اعتقاد فاحش یہ ہے کہ معاذ اللہ حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام اخیر عمر میں مُرتد اور بُت پرست ہو گئے تھے۔ اور نہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام ان کے اعتقاد کے مطابق اس بشارت کا مصداق ہو سکتے ہیں اس لئے کہ اُن کے نزدیک تو حضرت مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام خود ہی مقتول و مصلوب ہوئے اور علیٰ ہذا آپ کے اکثر حواریین گرفتار کیے گئے وہ دوسرے بادشاہوں اور امیروں کو کہاں قید کرتے۔ اور بشارت میں یہ مذکور ہے کہ وہ شخص موعود بادشاہ ہوگا اور ظاہر ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام بادشاہ نہ تھے اور معنوی بادشاہت ہر نبی کو حاصل رہی اس میں حضرت عیسیٰ کی کیا خصوصیت۔

رہا کافروں سے قتال و جہاد کرنا اور ان کو گرفتار کرنا سو یہ عین عبادت ہے نہ کہ قابل اعتراض جیسا کہ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اور موسیٰ علیہ السلام کے بعد یوشع بن نون علیہ السلام کا جہاد کرنا اور علیٰ ہذا سلیمان علیہ السلام اور اُن کے صحابہ کا جہاد فرمانا تمام یہود و نصاریٰ کے نزدیک مسلم ہے۔ خلاصہ کلام یہ کہ اس جز کا مصداق حضرت مسیح نہیں ہو سکتے اس لئے کہ زبور مذکور کا مضمون بآواز بلند یہ کہہ رہا ہے کہ آنے والا نبی بادشاہ ہوگا اور اپنے اصحاب کے ساتھ سلاطین کفار سے جہاد و قتال کرے گا اور بڑے بڑے جبارین اور متکبرین مقتول اور اسیر اور گرفتار ہوں گے اور آپ کے اصحاب تکبیر کہتے ہوئے آپ کے ساتھ ہوں گے

بتکبیر مردان شمشیر زن کہ مرد دغارا شمارند زن

اور یہ تمام امور آں حضرت ﷺ کے دست مبارک پر ظاہر ہوئے۔

بشارت ہشتم از زبور باب ۷۲۔ درس اول

(۱) اے خدا بادشاہ کو اپنی عدالتیں عطا کر اور بادشاہ کے بیٹے کو اپنی صداقت دے۔ (۲)

وہ تیرے لوگوں میں صداقت سے حکم کرے گا اور تیرے مسکینوں میں عدالت سے (۳)

پہاڑ لوگوں کیلئے سلامتی ظاہر کریں گے اور ٹیلے بھی صداقت سے (۴) وہ قوم کے مسکینوں کا انصاف کرے گا، اور محتاجوں کے فرزندوں کو بچائے گا۔ اور ظالم کے ٹکڑے ٹکڑے کرے گا۔ (۵) جب تک کہ سورج اور چاند باقی رہیں گے ساری پشتوں کے لوگ تجھ سے ڈرا کریں گے (۶) وہ بارش کی مانند جو کالے ہوئے گھاس پر پڑے نازل ہوگا اور پہوئی کے مہینہ کی طرح جو زمین کو سیراب کرتا ہے۔ (۷) اس کے عصر میں جب تک کہ چاند باقی رہے گا صادق چلیں گے اور سلامتی فراواں ہوگی۔ (۸) سمندر سے سمندر تک اور دریا سے انتہاء زمین تک اُس کا حکم جاری ہوگا۔ (۹) وہ جو بیابان کے باشندے ہیں اس کے سامنے جھکیں گے اور اس کے دشمن مائی چائیں گے۔ (۱۰) ترسیں اور جزیروں کے سلاطین نذریں لائیں گے اور سیبا کے بادشاہ ہدیئے گزاریں گے (۱۱) سارے بادشاہ اس کے حضور سجدہ کریں گے ساری گروہیں اس کی بندگی کریں گی۔ (۱۲) کیونکہ وہ دہائی دینے والے محتاج کو اور مسکین کو اور اُن کو جن کا کوئی مددگار نہ ہوگا چھڑائے گا (۱۳) وہ مسکین اور محتاج پر ترس کھائے گا اور محتاجوں کی جان بچائے گا۔ (۱۴) وہ ان کی جانوں کو ظلم اور غضب سے بچالے گا، اُس کے حق میں سدا دعا ہوگی، ہر روز اُس کو مبارک باد کہی جائے گی۔ (۱۶) اناج کی کثرت سرزمین میں پہاڑوں کی چوٹیوں پر ہوگی، اُس کا پھل لبنان کے درخت کی طرح جھڑا جھڑائے گا اور شہر کے لوگ میدان کے گھاس کے مانند سرسبز ہونگے (۱۷) اس کا نام ابد تک باقی رہے گا جب تک آفتاب رہے گا اُس کے نام کا رواج ہوگا لوگ اس کے باعث اپنے تئیں مبارک کہیں گے ساری قومیں اُسے مبارکباد دیں گی (۱۸) خداوند خدائے اسرائیل کا جو اکیلا ہی عجائب کام کرتا ہے مبارک ہے (۱۹) اس کا جلیل نام ابد تک مبارک ہے، سارا جہان اس کے جلال سے معمور ہوا آئیں آمین (۲۰) داؤد بن یسی کی دعائیں تمام ہوئیں۔ (بہتر واں زبور ختم ہوا)

جاننا چاہیے کہ اس زبور میں ایسے پیغمبر کی ظہور کی خبر دی گئی ہے کہ جس کو نبوت و رسالت کے ساتھ من جانب اللہ بادشاہت (۱) اور حکومت بھی حاصل ہوگی اور اس (۲) کا دائرہ سلطنت اتنا وسیع ہوگا کہ بحر و بر کو شامل ہوگا اور (۳) عدالت اور صداقت کے ساتھ اس کی عدالتیں جاری ہوں گی، یہ اور محتاجوں کو ان کو حق و لائے گا اور ظالموں (۵) کے ٹکڑے ٹکڑے کرے گا اور اس کے دشمن لرزاں و ترساں ہوں گے اور سلاطین عالم اس کے لئے ہدیے اور

تخفے لائیں گے۔ اور تمام قبائل اُس کے مطیع اور فرمانبرداروں میں ہوں گے۔ (۹) ہر طرف سے دروز ساری قومیں اس کے حق میں دعا اور مبارک باد کہیں گی۔ اور ابد تک اس کا نام باقی رہے گا۔ جب تک آفتاب رہے گا اس کے نام کا رواج رہے گا۔

اہل عقل ایک سرسری نظر سے سمجھ سکتے ہیں کہ یہ اوصاف مذکورہ حضرت مسیح علیہ السلام میں نہ تھے بلکہ رسالتِ خاتمیت جناب سرورِ عالم ﷺ میں تھے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبوت کے ساتھ سلیمان اور ذوالقرنین جیسی حکومت عطا فرمائی کہ جس میں قوموں کے درمیان ایسی عدالت اور صداقت جاری ہوئی کہ دنیا نے نہ ایسی صداقت اور عدالت دیکھی اور نہ سنی۔

ظالموں سے مظلوموں کا بدلہ لیا گیا اور زمین کو ظلم اور غضب سے پاک کر دیا اور بحر اور صحراء و بیابان میں آپ کی حکومت پھیلی اور دشمن آپ سے تھرا گئے اور بڑے بڑے سلاطین آپ کے حضور سجدہ میں گرے اور ہدیے اور تحفے آپ کی بارگاہ میں بھیجے اور آپ نے صداقت اور عدالت کے جاری کرنے کے لئے جہادات اور غزوات کیے اور آپ کی جاری کردہ صداقت اور عدالت کو صدیق اکبر اور فاروق اعظم جیسے صداقت اور عدالت کے علمبرداروں نے حدِ کمال کو پہنچایا۔

اور ابد تک جب تک کہ چاند اور سورج قائم ہیں آپ کا نام مبارک ہر اذان اور نماز اور ہر دعاء اور ہر منبر و محراب میں لیا جائے گا۔ بلکہ خطبوں میں آپ کے نام مبارک کے ساتھ آپ کے خلفاء راشدین کا نام بھی لیا جائے گا۔ جنہوں نے دنیا میں صداقت و عدالت کا علم بلند کیا۔ اے علماء یہود و نصاریٰ یہ ناچیز تم کو صداقت اور عدالت کا واسطہ دے کر پوچھتا ہے کہ جس صداقت اور عدالت کے جاری کرنے کا ذکر اس زبور میں ہے خدا را یہ بتلاؤ کہ سوائے محمد رسول اللہ ﷺ کے اور کہاں اس کا ظہور ہوا اوصاف مذکورہ کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے حواریین پر انطباق کسی صورت سے ممکن نظر نہیں آتا۔

گزارش

حضرات اہل علم کی خدمت میں گزارش ہے کہ زبور کا باب ۱۲ اور باب ۲۳ اسی بہترین باب کا تتمہ ہے جس میں صحابہ کرام کے اوصاف کی طرف اشارہ ہے اس کو بھی ملاحظہ فرمائیں اور تشریح اور تطبیق کے لئے ازالۃ الالہام بزبان فارسی ص ۴۷۰ تا ص ۴۷۵ مصنفہ حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی قدس اللہ سرہ ملاحظہ فرمائیں۔

بشارتِ نہم از صحیفہ ملاکی علیہ الصلوٰۃ والسلام

باب سوم آیت اول

دیکھو میں اپنے رسول کو بھیجوں گا اور میرے آگے میری راہ کو درست کرے گا اور وہ خداوند جس کی تلاش میں تم ہو۔ ہاں ختنہ کا رسول جس سے تم خوش ہو وہ اپنی بیگل میں ناگہاں آوے گا۔ دیکھو وہ یقیناً آوے گا۔ رب الافواج فرماتا ہے۔ پر اس کے آنیکے دن کون ٹھہر سکے گا۔ اور جب وہ نمود ہوگا کون ہے جو کھڑا رہے گا۔ آھ

اس بشارت میں ایسے رسول کی آمد و ظہور کا ذکر ہے کہ جو صاحبِ ختان ہوگا اور اسی وجہ سے آپ کی بعثت سے قبل یہود و نصاریٰ کو رسولِ الختان کا انتظار تھا۔ اور قیصر روم بھی اسی پیشین گوئی کے مطابق رسولِ ختان کے ظہور کا منتظر تھا۔ جیسا کہ صحیح بخاری کی حدیث ہر قل میں مذکور ہے مگر آجکل نسخوں میں بجائے ختنہ کے رسول کے، عہد کا رسول مذکور ہے۔

لیکن اس صورت میں بھی عہد سے ختنہ ہی کا عہد مراد ہے جیسا کہ سفر پیدائش کے باب ہفتم ہم کی آیت دہم سے معلوم ہوتا ہے۔

اور میرا عہد جو میرے اور تمہارے درمیان اور تیرے بعد نسل کے درمیان ہے جسے تم یاد رکھو سو یہ ہے کہ تم میں سے ہر ایک فرزندِ زینہ کا ختنہ کیا جائے اور تم اپنے بدن کی کھلڑی کا ختنہ کرو۔ اور یہ اس عہد کا نشان ہوگا جو میرے اور تمہارے درمیان ہے۔

بشارتِ دہم از صحیفہ حبقوق علیہ الصلوٰۃ والسلام باب سوم آیت ۳

خدا یتیمان سے۔ اور وہ جو قدوس ہے کوہِ فاران سے آیا۔ اس کی شوکت سے آسمان چھپ گیا۔ اور زمین اس کی حمد سے معمور ہوئی۔ اُس کی جگمگاہٹ نور کی مانند تھی، اُس کے ہاتھ سے کرنیں نکلیں۔ انتہی

یہ بشارت سرورِ عالم محمد ﷺ کے حق میں نہایت ہی ظاہر ہے سوائے آنحضرت ﷺ

کے اور کون پیغمبر فاران سے مبعوث ہوا۔ اور زمین اس کی حمد سے معمور ہوئی چنانچہ ہر دوست اور دشمن کی زبان پر آپ کا نام محمد ﷺ اور احمد ﷺ ہے۔ اور ایک قدیم عربی نسخہ میں لفظ ہیں۔

وامتلات الارض من تحمید : یعنی تمام زمین احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ کی احمد : حمد سے بھر گئی۔

مگر حاسدین نے اس جملہ کا رہنما گوارا نہ کیا۔ اور بعد کی اشاعت میں اس جملہ کو صحیفہ مذکورہ سے علیحدہ کر دیا اور علیٰ ہذا سارا عالم آپ کے نور ہدایت سے جگمگا اٹھا۔

بشارت یازدہم از صحیفہ یسعیاہ علیہ الصلوٰۃ والسلام

باب ۲۱ آیت ۶، ۷

خداوند نے مجھے یوں فرمایا جا نگہ بان بٹھلا جو کچھ دیکھے سو بتلائے۔ اُس نے سوار دیکھے جو دو دو آتے تھے اور گدھوں اور اونٹوں پر بھی سوار۔ آھ

اس بشارت میں حضرت یسعیاہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دو نبیوں کی طرف اشارہ فرمایا۔

اول حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف، گدھے کی سواری سے ان ہی کی طرف اشارہ ہے۔ چنانچہ جناب مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام گدھے پر سوار ہو کر یروشلم (بیت المقدس) داخل ہوتے تھے۔

دوم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف، اونٹ کی سواری سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی طرف اشارہ ہے جو عرب کی خاص اور مشہور سواری ہے۔

چنانچہ آپ جب مدینہ طیبہ تشریف لے گئے تو اس وقت اونٹ پر سوار تھے اور پھر آیت نہم میں بابل کے سقوط یعنی اس کے گرنے کا ذکر ہے اور ظاہر ہے کہ بابل کا سقوط خلفاء راشدین کے زمانے میں ہوا۔ حضرت مسیح اور حواریین کے زمانے میں بابل کا سقوط نہیں ہوا۔

بشارت دوازدهم از صحیفہ یسعیاہ علیہ الصلوٰۃ والسلام

باب ۲۱، آیت ۱۶، ۱۷

اس باب میں عرب کی بابت الہامی کلام ذکر ہے، چنانچہ آیت ۱۶ میں ہے۔ (۱۶) خداوند نے مجھ کو یوں فرمایا۔ ہنوز ایک برس ہاں مزدور کی سی ایک ٹھیک برس میں قیدار کی ساری حشمت جاتی رہے گی۔ (۱۷)، اور تیر اندازوں کے جو باقی رہے، قیدار کے بہادر لوگ گھٹ جائیں گے، کہ خداوند اسرائیل کے خدا نے یوں فرمایا۔ آھ

چنانچہ ٹھیک ہجرت کے ایک سال بعد جنگ بدر میں بنی قیدار یعنی قریش کی ساری حشمت جاتی رہی۔ ستر سردار مارے گئے اور ستر قید ہوئے اور بہت سے زخمی ہوئے اور بنی قیدار کا بنی اسمعیل سے ہونا توریت وغیرہ اور توراتیخ سے ثابت ہے اور علمائے نصاریٰ کے نزدیک مسلم ہے۔

بشارت سیزدهم از صحیفہ یسعیاہ علیہ الصلوٰۃ والسلام

باب ۲۲، آیت ۲۳

اور چاند مضطرب ہوگا اور سورج شرمندہ کہ جس وقت رب الافواج کوہ صیہون پر اور یروشلم میں اپنے بزرگوں کے گروہ کے آگے حشمت کے ساتھ سلطنت کرے گا۔ آھ

چنانچہ آنحضرت ﷺ نے نہایت حشمت کے ساتھ سلطنت فرمائی اور چاند مضطرب یعنی اپنی اصلی حالت سے متغیر ہوا اور اُس کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ کما قال تعالیٰ شانہ

اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَاَنْشَقَّ الْقَمَرُ ! قیامت قریب آگئی اور چاند دو ٹکڑے ہو گیا۔

اور سورج بھی شرمندہ ہوا۔ چنانچہ غزوہ خیبر میں اس کو حرکت معکوس کرنا پڑی۔

بشارت چہار دہم از صحیفہ یسعیاہ علیہ الصلوٰۃ والسلام

باب ۲۸ آیت ۱۳

سو خداوند کا کلام ان سے یہ ہوگا حکم پر حکم۔ حکم پر حکم۔ قانون پر قانون۔ تھوڑا یہاں تھوڑا وہاں۔

چنانچہ قرآن عزیز اسی طرح نجماً نجماً نازل ہوا۔ رہی انجیل سو وہ علماء مسیحین کے نزدیک منزل من اللہ ہی نہیں بلکہ وہ حواریین کی تصنیف ہے اور صحیفہ مذکور کی عبارت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کتاب موصوف کا منزل من اللہ ہونا ضروری ہے۔

اور ہمارے نزدیک جو انجیل حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دی گئی وہ تمام کتاب ایک ہی مرتبہ نازل ہوئی۔ قرآن کریم کی طرح نجماً نجماً نازل نہیں ہوئی۔ قال تعالیٰ شانہ
وَقُرْآنًا فَرَقْنَاهُ لِتَقْرَأَهُ عَلَى النَّاسِ
عَلَىٰ مَكْثٍ ۖ وَنَزَّلْنَاهُ تَنْزِيلًا طہ تاکہ آپ لوگوں کے سامنے ٹھہر ٹھہر کر پڑھیں۔

اور ہم نے قرآن کو تھوڑا تھوڑا نازل کیا کافر
وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا نُزِّلَ
عَلَيْهِ الْقُرْآنُ جُمْلَةً وَاحِدَةً کہتے ہیں کہ قرآن ایک ہی بار کیوں نہ
كَذَلِكَ لِنُثَبِّتَ بِهِ فُؤَادَكَ نازل کیا گیا۔ کہہ دو کہ ہم نے اسی طرح
وَرَتَّلْنَاهُ تَرْتِيلًا ۚ نازل کیا تاکہ آپ کے دل کو مضبوط رکھیں
اس لئے ہم نے ٹھہر ٹھہر پڑھ سنایا۔

بشارت پانزدہم از صحیفہ یسعیاہ علیہ الصلوٰۃ والسلام

باب ۴۲ آیت اول

دیکھو میرا بندہ ہے جسے میں سنبھالتا میرا برگزیدہ جس سے میرا جی راضی ہے۔ میں نے
اپنی روح اس پر رکھی وہ قوموں کے درمیان عدالت جاری کرائے گا۔

یہ بشارت بھی نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے صریح ہے اس لئے کہ میرا بندہ یہ ترجمہ عبد اللہ کا ہے اور عبد اللہ بھی آپ کے ناموں میں سے ایک نام ہے جیسا کہ قرآن عزیز میں ہے۔

لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللَّهِ جب عبد اللہ کھڑا ہوا۔

اور قرآن عزیز میں بکثرت عبد اللہ کے لقب سے آپ کا ذکر کیا گیا ہے۔ کما قال تعالیٰ

سُبْحَنَ الَّذِي أَسْرَىٰ بِعَبْدِهِ ۚ
مِمَّا نَزَّلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا۔ ۲

پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندہ کو لے گیا۔
اس چیز سے جو ہم نے اپنے بندے پر اتارا۔

نصاری کہتے ہیں کہ یہ بشارت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حق میں ہے۔

لیکن حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نصاریٰ کے اعتقاد میں خدا کے بندے نہیں بلکہ خدا اور معبود ہیں۔ لہذا وہ اس کے مصداق نہیں ہو سکتے اور برگزیدہ بعینہ ترجمہ مصطفیٰ کا ہے کہ جو آنحضرت ﷺ کا مشہور و معروف نام ہے۔ اور جس سے میراجی راضی ہے۔ یہ ترجمہ مرتضیٰ کا ہے کہ جو اس حضرت ﷺ کا ایک نام پاک ہے۔

اور بزعم نصاریٰ اس جملہ کا مصداق یعنی جس سے میراجی راضی ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نہیں ہو سکتے، اس لئے کہ وہ ان کے زعم میں مصلوب و مقتول ہوئے اور جو مقتول و مصلوب ہو جائے وہ نصاریٰ کے نزدیک ملعون ہے جیسا کہ گلیتوں کے تیسرے خط کے تیرھویں درس سے معلوم ہوتا ہے

”مسح جو ہمارے لئے لعنتی بنا اس نے ہمیں مول لے کر شریعت کی لعنت سے چھڑایا کیونکہ لکھا ہے کہ جو کوئی لکڑی پر لٹکا یا گیا وہ لعنتی ہے۔ آھ۔“

اس عبارت سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے نصاریٰ کے اس زعم باطل کی بناء پر معاذ اللہ خدا ان سے راضی نہیں۔

الحاصل

محمد مصطفیٰ ﷺ بے شبہ خدا کے برگزیدہ بندہ اور رسول ہیں جن سے خدا راضی ہے۔
 اور کتب سیر میں آپ کے اسماء مبارکہ میں آپ کا نام نامی مرتضیٰ اور رضی بھی لکھا ہے۔
 اور اسی وجہ سے رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو آپ کے صحابہ کرام کا خاص شعار ہے، کما قال تعالیٰ شانہ
 لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَايَعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ
 البتہ تحقیق اللہ تعالیٰ مومنین سے راضی ہوا جبکہ وہ اس درخت کے نیچے آپ سے بیعت کر رہے تھے۔

مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِّنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا ط سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِمْ مِّنْ أَثَرِ السُّجُودِ ط ذَلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَةِ ط
 محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور جو آپ کے ساتھ ہیں وہ کافروں پر سخت اور آپس میں مہربان ہیں۔ آپ اُن کو رکوع و سجود کرتے اللہ کا فضل اور اللہ کی رضا طلب کرتے دیکھیں گے۔ صلاح اور تقویٰ کی نشانی ان کے چہروں پر سجدہ کے اثر سے نمایاں ہے، یہ ہے ان کی شان کہ جو توراۃ میں مذکور ہے۔

۴۔ اور روح سے مراد وحی الہی ہے کہ جس پر ارواح و قلوب کی حیات کا دار و مدار ہے کما قال تعالیٰ شانہ۔

وَكَذَلِكَ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ رُوحًا مِّنْ أَمْرِنَا
 اسی طرح ہم نے آپ کی طرف وحی بھیجی اپنے حکم سے۔

سوال محمد اللہ کہ حق تعالیٰ شانہ نے آپ پر مُردہ قلوب کی حیات اور زندگی کے لئے ایک روح یعنی قرآن عظیم کو اتارا جس نے نازل ہو کر مُردہ قلوب کو حیات اور بے شمار مریض دلوں کو شفا بخشی کما قال تعالیٰ شانہ۔

وَنَزَّلُ مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ ط
 اور اتارتے ہیں ہم ایسا قرآن کہ جو مومنین کیلئے سراسر شفا اور رحمت ہے۔

عدالت ہوگا اور حضرت عیسیٰ کے یہاں حکومت کا نام بھی نہ تھا نہ کافروں سے جہاد کیا اور نہ مجرموں پر کوئی عدالت جاری کی اس کا مصداق تو آنحضرت ﷺ ہی ہو سکتے ہیں اور دائم رہنے سے آنحضرت ﷺ کی شریعت غراء کا الی یوم القیامۃ باقی رہنا مراد ہے جس طرح آنحضرت ﷺ کی شریعت اب تک برابر محفوظ ہے اور انشاء اللہ ثم انشاء اللہ ہمیشہ رہے گی کوئی امت اس بارہ میں امت محمدیہ کی ہمسری نہیں کر سکتی کسی امت نے بھی اپنے نبی کی شریعت اور اس نبی کے اقوال و افعال کی حفاظت امت محمدیہ کے مقابلہ میں عشرِ عشر بھی نہیں کی۔ اور شریعت کے دائم ہونے سے خاتم الانبیاء ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ اسلئے کہ شریعت کا دوام اور بقاء الی یوم القیامۃ جب ہی ہو سکتا ہے کہ اس نبی کے بعد اور کوئی نبی نہ بنایا جائے۔ ورنہ اگر اس کے بعد کوئی اور نبی بنایا جائے تو شریعت سابقہ شریعت لاحقہ سے منسوخ ہو جانے کی وجہ سے دائمی نہ رہے گی۔ ۸۔ اور باب مذکور کی چوتھی آیت میں ہے۔

اس کا زوال نہ ہوگا اور نہ مسلا جائے گا جب تک راستی کو زمین پر قائم نہ کرے۔

چنانچہ نبی اکرم ﷺ کا وصال جب ہوا کہ جب راستی زمین پر قائم ہو گئی اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے

الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ ۖ
وَأَتَمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي ۖ
وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا ۖ
آج کے دن تمہارے لئے تمہارے دین کو
میں نے کامل کر دیا اور میں نے تم پر اپنا
انعام تمام کر دیا اور میں نے اسلام کو
تمہارے دین بننے کیلئے پسند کر لیا۔

کی بشارت نازل ہو گئی۔ اور

إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُبِينًا ۚ
إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ ۚ
بے شک میں نے آپ کو ایک کھلم کھلا فتح
دی۔ جب خدا کی مدد اور فتح آپہنچی۔

کا وعدہ پورا ہو گیا اور عجب نہیں کہ راستی قائم کرنے سے خلافت صدیقیہ کی جانب اشارہ ہو جیسا کہ بعض علماء کی رائے ہے اس لئے کہ راستی ترجمہ صدق کا ہے اور صدق کا اطلاق صدیق پر ایسا ہی ہے جیسا کہ عدل کا اطلاق زید پر چنانچہ نبی کریم ﷺ نے مرض الوفا

میں صدیق اکبر کو امام بنا کر اس طرف اشارہ فرما دیا کہ میرے بعد صدیق اکبر خلیفہ ہونے چاہئیں تاکہ صدق اور راستی قائم ہو۔

۹۔ اور چھٹی آیت میں ہے۔

تیرا ہاتھ پکڑوں گا اور تیری حفاظت کروں گا۔

یہ جملہ بھی سوائے آنحضرت ﷺ کے کسی اور پر صادق نہیں آتا اس لئے کہ اللہ نے آپ سے وعدہ فرمایا تھا۔

وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ! اللہ آپ کو لوگوں سے محفوظ رکھے گا۔

چنانچہ یہ وعدہ اللہ کا پورا ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی دستگیری کی اور حفاظت فرمائی ہاں بزم نصاریٰ عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حفاظت نہیں ہوئی۔

۱۰۔ اور پھر چھٹی آیت میں جو نور کا ذکر ہے کہ لوگوں کے عہد اور قوموں کے نور کے لئے تجھے دوں گا اُس سے نور ہدایت اور نور شریعت کا دینا مراد ہے جیسا کہ قرآن عزیز میں متعدد جگہ اس کا ذکر ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكُمْ نُورًا مُّبِينًا ۝

اے لوگو! بیشک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک برہان آچکی ہے اور ہم نے تمہاری طرف ایک نور (قرآن کریم) نازل کیا۔

فَالَّذِينَ آمَنُوا بِهِ وَعَزَّرُوهُ وَنَصَرُوهُ وَاتَّبَعُوا النُّورَ الَّذِي أُنْزِلَ مَعَهُ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝

پس جو لوگ آپ پر ایمان لائے اور آپ کی مدد کی اور اسی نور کا اتباع کیا کہ جو آپ کے ساتھ نازل کیا گیا یہی لوگ فلاح والے ہیں۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَهِيدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا ۚ وَدَاعِيًا إِلَى اللَّهِ بِإِذْنِهِ وَسِرَاجًا مُّنِيرًا ۝

اے نبی! ہم نے تمہیں بشارت دینے والا اور ڈرانے والا اور خدا کی طرف خدا کے حکم سے بلانے والا اور ہدایت کا روشن چراغ بنا کر بھیجا ہے۔

يُرِيدُونَ لِيطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَاللَّهُ مُتِمُّ نُورِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ ۝
 کافر اپنی مونہوں کی پھونک سے اللہ کے نور کو بجھانا چاہتے ہیں حالانکہ اللہ اپنے نور کو ضرور پورا فرمائیں گے، اگرچہ کافروں کو ناگوار ہو۔

۱۱۔ اور آیت ہشتم میں ہے۔

اور اپنی شوکت دوسرے کو نہ دوں گا۔

یہ جملہ بھی حرف بحرف آنحضرت ﷺ کے ارشاد کے مطابق ہے۔

اعطيت مآلهم يعط احد من الانبياء قبلي
 مجھ کو منجانب اللہ وہ چیزیں عطا کی گئیں کہ جو انبیاء سابقین میں سے کسی کو نہیں دی گئیں۔

مثلاً ختم نبوت و رسالت۔ عموم بعثت و دعوت، مقام محمود، شفاعت کبریٰ، معراج سبع سموات ان فضائل و مزایا سے سوائے نبی اکرم ﷺ کے اور کسی نبی کو سرفراز نہیں کیا گیا۔ یہ حشمت و شوکت آپ کے سوا کسی کو نہیں دی گئی۔

اور اسی طرح حق تعالیٰ شانہ نے آپ کو وہ آیات بینات محاسن اخلاق فضائل و شمائل، علوم و معارف عطا فرمائے کہ جو کسی نبی اور رسول کو نہیں عطا فرمائے۔ خصوصاً قرآن حکیم کا معجزہ تو ایسا روشن معجزہ ہے کہ جس کے سامنے موافق و مخالف سب ہی کی گردنیں خم ہیں۔

ذَلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ ۝ يَهُدَىٰ اللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ط ۝
 یہ خدا کا فضل ہے۔ وہ فضل جس کو چاہتا ہے دیدیتا ہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔

۱۲۔ اور گیارھویں آیت میں ہے۔

بیابان عرب اور اس کی بستیاں قیدار کے آباد یہاں میں اپنی آواز بلند کریں گے۔ سلع کے بنے والے ایک گیت گائیں گے۔ پہاڑوں کی چوٹیوں پر سے للکاریں گے، وہ خداوند کا جلال ظاہر کریں گے۔ آمھ

قیدار حضرت اسمعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ایک صاحبزادہ کا نام ہے جو آنحضرت ﷺ کے اجداد میں سے ہیں اور اس بیابان سے فاران کا بیابان مراد ہے جہاں حضرت

ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت ہاجرہ اور حضرت اسمعیل علیہما الصلوٰۃ والسلام کو چھوڑ آئے تھے، جیسا کہ کتاب پیدائش کے اکیسویں باب کی اکیسویں آیت سے ظاہر ہے اور یہ وہی جگہ ہے کہ جہاں اس وقت مکہ معظمہ آباد ہے اور قیدار کے آباد دیہات سے یہی مکہ مراد ہے۔ اسی جگہ حضرت اسمعیل کی اولاد آباد ہوئی الحاصل اس جملہ میں آپ کے مولد یعنی جائے ولادت کی طرف اشارہ ہے یعنی آنحضرت ﷺ مکہ معظمہ میں پیدا ہوں گے اور آپ کی امت اس بیابان میں لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ اور اللَّهُ أَكْبَرُ اور لَبَّيْكَ اللَّهُمَّ لَبَّيْكَ کے نعروں سے اللہ کے جلال کو ظاہر کرے گی۔ سفر اور حضر میں اللہ کی تکبیر کہنا یہ خاص امت محمدیہ ﷺ کا شعار ہے مسلمان اذان اور تکبیر کے ساتھ نماز ادا کرتے ہیں اور نصاریٰ میں گھنٹہ اور ناقوس بجا کر نماز پڑھی جاتی ہے اور بجائے تکبیر و توحید کے تثلیث اور تجسیم کا نعرہ لگاتے ہیں کہ خدا نے مریم کے پیٹ میں جسم پکڑا اور بندوں کی نجات کے لئے صلیب پر لٹکا۔

اور اس بشارت میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ وہ نبی مبشر قیدار بن اسمعیل کی اولاد سے ہوگا، لہذا اس بشارت کا مصداق انبیاء بنی اسرائیل میں سے کوئی نبی نہیں ہو سکتا اس لئے کہ وہ سب حضرت اسرائیل کی اولاد سے ہیں، نہ کہ قیدار بن اسمعیل کی اولاد سے اور سلع مدینہ طیبہ کے ایک پہاڑ کا نام ہے، اس سے آنحضرت ﷺ کے مقام ہجرت کی طرف اشارہ ہے واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

خلاصہ کلام

یہ کہ یہ کلام معرفت التیام از اول تا آخر باواز بلند یہ کہہ رہا ہے کہ وہ شخص موعود خدا تعالیٰ کا خاص۔ برگزیدہ اور پسندیدہ بندہ ہوگا اور عامۂ خلایق کی پیشوائی اور سارے جہان کی بادشاہی اور رہنمائی کا منصب اس کو عنایت ہوگا اور شخص موعود بنی قیدار یعنی بنی اسمعیل میں سے ہوگا۔ نہ کہ بنی اسرائیل میں سے کیونکہ قیدار بالاتفاق حضرت اسمعیل کے بیٹے کا نام ہے۔

پس اس خبر کا مصداق، حضرت عیسیٰ علیہ السلام نہیں ہو سکتے کیونکہ وہ بنی اسرائیل میں ہیں۔ بنی قیدار یعنی بنی اسمعیل میں سے نہیں۔

اور سارے جہان کی پیشوائی اور رہنمائی کا منصب بھی اُن کو حاصل نہیں ہوا، اس لئے

کہ انجیل میں ہے کہ حضرت عیسیٰ صرف بنی اسرائیل کی گمراہ بھیڑوں کی طرف بھیجے گئے یعنی ان کی بعثت عام نہ تھی اور نہ حضرت عیسیٰ نے کوئی حکومت کی اور نہ قوموں میں کوئی عدالت جاری کی، پس اس خبر سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کیسے مراد ہو سکتے ہیں۔ اس خبر میں جس قدر اوصاف مذکور ہیں وہ سب سیدنا و مولانا محمد رسول اللہ ﷺ پر صادق اور منطبق ہیں لہذا وہی مراد ہو سکتے ہیں۔

بشارت شانزدہم از صحیفہ یسعیاہ علیہ السلام باب ۵۲ درس ۱۳

۱۳۔ دیکھو میرا بندہ اقبال مند ہوگا وہ بالا اور ستودہ ہوگا اور نہایت بلند ہوگا۔ ۱۴۔ جس طرح بہتیرے تجھے دیکھ کے دنگ ہو گئے کہ اس کا چہرہ ہر ایک بشر سے زائد اور اس کی پیکر بنی آدم سے زیادہ بگڑ گئی۔ ۱۵۔ اُسی طرح وہ بہت سی قوموں پر چھڑ کے گا۔ اور بادشاہ اس کے آگے اپنا منہ بند کریں گے، کیونکہ وہ کچھ دیکھیں گے جو ان سے کہا نہ گیا تھا اور جو کچھ انہوں نے نہ سنا تھا وہ دریافت کریں گے۔ (ختم ہوا)

اس بشارت میں میرے بندہ سے آں حضرت ﷺ کی ذات ستودہ صفات مراد ہے جس کے اقبال مند اور بالا اور ستودہ ہونے میں ذرہ برابر شک نہیں اور لفظ ستودہ ٹھیک لفظ محمد کا ترجمہ ہے۔ محمد ستودہ متیں استوار

اور حق تعالیٰ نے حضور پر نور کو وہ بلندی اور رفعت عطا کی کہ جو نہ کسی نے کبھی سنی اور نہ دیکھی حضرات نصاریٰ غور کریں کہ کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہ بلندی اور اقبال مندی بھی حاصل ہوئی نصاریٰ کے زعم فاسد کی بنا پر تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اقبال مندی اور نہایت بلندی تو کہاں حاصل ہوتی نصاریٰ کے عقیدہ صلیب کی بنا پر تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو وہ ذلت اور اہانت حاصل ہوئی کہ جو دنیا میں کبھی بھی کسی برگزیدہ حق کو نہیں ہوئی اہل اسلام تو اس توہین و تذلیل سے بری اور بیزار ہیں جو نصاریٰ اپنے مزعوم خدا کے لئے تجویز کرتے ہیں اسلام کا عقیدہ یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ حق تعالیٰ کے برگزیدہ بندے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو زندہ آسمان پر اٹھایا اور ان کے دشمنوں کو ناکام کیا۔

بشارت ہفدہم از صحیفہ یسعیاہ علیہ السلام

باب ۶۰ درس (۱) در بارہ مکہ مکرمہ و مدینہ منورہ

(۱) اٹھ روشن ہو (اے سرزمین مکہ) تیری روشنی آئی اور خداوند کے جلال نے تجھ پر طلوع کیا ہے۔ ۲۔ کہ دیکھ تاریکی زمین پر چھا جائے گی اور تیرگی قوموں پر لیکن خداوند تجھ پر طالع ہوگا اور اس کا جلال تجھ پر نمودار ہوگا۔ ۳۔ اور قومیں تیری روشنی میں اور شاہان تیرے طلوع کی تجلّی میں چلیں گے اب یہاں سے زمین مدینہ کو خطاب ہے۔ ۴۔ اپنی آنکھیں اٹھا کر چاروں طرف نگاہ کر وہ سب (لوگ) اکٹھے ہوتے ہیں وہ تجھ پاس آتے ہیں تیرے بیٹے دور سے آئیں گے اور تیری بیٹیاں گود میں اٹھائی جائیں گی۔ ۵۔ تب تو دیکھے گی اور روشن ہوگی ہاں تیرا دل اچھلے گا اور کشادہ ہوگا کیونکہ سمندر کی فراوانی تیری طرف پھرے گی اور قوموں کی دولت تیرے پاس فراہم ہوگی۔ ۶۔ اونٹوں کی قطاریں اور مدیان اور عیضہ کی سائڈنیاں آ کے تیرے گرد بے شمار ہوں گی وہ سب جو سب کے ہیں آئیں گے وہ سونا اور لبان لائیں گے اور خدا کی تعریفوں کی بشارتیں سنائیں گے۔ ۷۔ قیدار کی ساری بھیڑیں تیرے پاس جمع ہوں گی نبیط کے مینڈھے تیری خدمت میں حاضر ہوں گے وہ میری منظوری کے واسطے میرے مذبح پر چڑھائے جائیں گے اور میں اپنی شوکت کے گھر کو بزرگی دوں گا۔ ۸۔ یہ کون ہیں جو بدلی کی طرح اڑتے آتے ہیں اور کبوتروں کی مانند اپنی کابک کی طرف۔ ۹۔ یقیناً بحری ممالک میری راہ تکمیں گے اور ترسیں گے جہاز پہلے آئیں گے تیرے بیٹوں کو ان کے روپے اور سونے سمیت دور سے خداوند تیرا خدا اور اسرائیل کے قدوس کے نام کے لئے لائیں گے کیونکہ اس نے تجھے بزرگی دی ہے۔ ۱۰۔ اور اجنبیوں کے بیٹے تیری دیوار اٹھائیں گے اور ان کے بادشاہ تیری خدمت گزاری کریں گے، اگرچہ میں نے اپنے قبر سے تجھے مارا پر اپنی مہربانی سے تجھ پر رحم کروں گا۔ ۱۱۔ اور تیری پھاٹک میں نہ کھلی رہیں گی وہ دن رات کبھی بند نہ ہوویں گی تاکہ قوموں کی دولت کو تیرے پاس لائیں اور ان کے بادشاہوں کو دھوم دھام کے ساتھ۔ ۱۲۔ کہ وہ قوم اور وہ مملکت جو تیری خدمت گزاری نہ کرے گی برباد ہو جائے گی ہاں وہ قومیں یک لخت ہلاک ہو جائے گی۔ ۱۳۔ لبنان کا جلال تجھ پاس آئے گا سرو اور صنوبر اور دیودار ایک ساتھ تاکہ میں اپنی مقدس مکان کو

آراستہ کروں اور اپنے پاؤں کی کرسی کو رونق بخشوں۔ ۱۴۔ اور تیرے غارتگروں کے بیٹے بھی تیرے آگے ٹھہرے ہوئے آئیں گے یا وہ سب جنہوں نے تیری تحقیر کی تیرے پاؤں پر پڑیں گے اور خداوند کا شہر اسرائیل کے قدوس کا صیہون تیرا نام رکھیں گے۔ ۱۵۔ اس کے بدلہ کو تو ترک کی گئی اور تجھ سے نفرت ہوئی ایسا کہ کسی آدمی نے تیری طرف گزر بھی نہ کیا میں تجھے شرافت دائمی اور پشت در پشت لوگوں کا سردار بناؤں گا۔ ۱۶۔ تو قوموں کا دودھ بھی چوس لے گی ہاں بادشاہوں کی چھاتی چوسگی اور تو جانے گی کہ میں خداوند تیرا بچانے والا اور میں یعقوب کا قادر تیرا چھڑانے والا ہوں۔ ۱۷۔ میں پیتل کے بدلے سونا لاؤں گا اور لوہے کے بدلے رُوپا اور لکڑی کے بدلے پیتل اور پتھروں کے بدلے لوہا اور میں تیرے حاکموں کو سلامتی اور تیرے عالموں کو صداقت بناؤں گا۔ ۱۸۔ آگے کو کبھی تیری سرزمین میں ظلم کی آواز نہیں سنی جائے گی اور نہ کہ تیری سرحدوں میں خرابی یا بربادی کی تو اپنی دیواروں کا نام نجات اور اپنے دروازوں کا نام ستودگی رکھے گی۔ ۱۹۔ آگے تیری روشنی دن کو سورج سے اور رات کو تیری چاندنی چاند سے نہ ہوگی بلکہ خداوند تیرا ابدی نور اور تیرا خدا تیرا جلال ہوگا۔ ۲۰۔ تیرا سورج پھر کبھی نہیں ڈھلے گا اور تیرے چاند کا زوال نہ ہوگا کیونکہ خداوند تیرا ابدی نور ہوگا اور تیرے ماتم کے دن آخر ہو جائیں گے۔ ۲۱۔ اور تیرے لوگ سب راست باز ہوں گے وہ ابد تک سرزمین کے وارث اور میری لگائی ہوئی ٹہنی اور میرے ہاتھ کی کاری گری ٹھہریں گے تاکہ میری بزرگی ظاہر ہو۔ ۲۲۔ ایک چھوٹے سے ایک ہزار ہوں گے اور ایک حقیر سے ایک قوی گروہ ہوگی میں خداوند اُس کے وقت میں یہ سب کچھ جلد کروں گا۔ (باب ۶۰ ختم ہوا)

اس باب کی پہلی آیت میں مکہ معظمہ کو خطاب ہے اور اس کو روشن اور منور ہونے کی بشارت ہے اور نور اور روشنی سے آلِ حضرت ﷺ کی نبوت کا نور یا قرآن کا نور مراد ہے قرآن کریم کو نور مبین کہا گیا ہے۔

۲۔ صد ہا سال سے جو زمین پر کفر اور شرک اور گمراہی کی ظلمت اور تاریکی چھائی ہوئی تھی وہ آنحضرت ﷺ کی نبوت اور نور قرآن سے زائل ہوگئی۔

۳۔ اور امیر فقیر اور بادشاہ اُس نور کے طلوع کی تجلّی میں چلنے لگے۔

۴۔ اور رفتہ رفتہ وہ نور زمین کے چاروں طرف پھیلنے لگا اور مختلف قبائل اُس نور کے گرد

اکٹھے ہونے لگے اور تیس برس کے اندر وہ نور دیار روم اور دیارِ مغرب اور دیارِ مشرق فارس اور کا شغراور ختن اور ہند سندھ وغیرہ میں پہنچ گیا۔

۵۔ اور لاکھوں مسلمان پیادہ اور سوار امیر و غریب حج بیت اللہ کے لئے مکہ معظمہ میں جمع ہونے لگے اور بے شمار اونٹوں اور سائڈ نیوں کی قطاریں مکہ معظمہ پہنچنے لگیں اور اونٹوں کی افراط جس قدر عرب اور مکہ مکرمہ کے اطراف اور نواحی میں ہے وہ زمین کے کسی خطہ میں نہیں۔

۶۔ اور خداوند ذوالجلال کی حمد و ثناء اور تعریف کرنے والوں کے غول کے غول خانہ کعبہ کے گرد جمع ہونے لگے۔

۷۔ اور روئے زمین کے سلاطین اہل اسلام خانہ کعبہ اور اہل مکہ کے لئے لاکھوں درہم و دینار کے ہدایا بھیجنے لگے۔

۸۔ اور مدین حضرت ابراہیم کے بیٹے کا نا ہے جو طعن قطور سے ہے اور شہر مدین انہی کا آباد کیا ہوا ہے۔ اور قیدار حضرت اسمعیل کے دوسرے بیٹے کا نام ہے جیسا کہ تورات کے کتاب پیدائش کے پچیسویں باب میں صراحتاً مذکور ہے اور اہل مدین اور نواحی سبب حضرت اسمعیل کی اولاد میں سے ہیں جو مشرف باسلام ہوئے اور ہر سال اونٹوں اور سائڈ نیوں پر سوار ہو کر حج بیت اللہ کے لئے حاضر ہوتے ہیں اور جن کی حمد و ثناء اور لَبَّيْكَ اللَّهُمَّ لَبَّيْكَ لَبَّيْكَ لَا شَرِيكَ لَكَ لَبَّيْكَ کی آوازوں سے دشت و بیابان گونجنے لگتے ہیں اور قیدار کی ساری بھیڑیں وہاں جمع ہو جاتی ہیں اور نبیط سے عرب شرقی و شمالی کے قبائل مراد ہیں۔ اور مطلب یہ ہے کہ سب یعنی یمن کے قبائل اور قیدار کی بھیڑیں یعنی قریش کے وحشی لوگ اور نبیط کے مینڈھے یعنی موٹے اور فربہ آدمی۔ ہر طرف سے خدا کی تسبیح و تہلیل اور تحمید و تکبیر کے نعرے لگاتے ہوئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوں گے۔

۹۔ اور کبوتروں کی مانند لوگ خانہ کعبہ کی طرف اڑ کر پہنچیں گے اور اس کا طواف کریں گے۔

۱۰۔ اور اس وقت جو فخر اور جلال لبنان کو حاصل ہے وہ اُس وقت مکہ معظمہ کو حاصل ہوگا اور اس وقت مکہ مکرمہ کی طرف منتقل ہو جائے گا جو خاتم الانبیاء اور سید الاصفیاء کا مولد اور مسکن ہوگا اور اس کے اصحاب انبیاء بنی اسرائیل کا نمونہ ہوں گے۔

۱۱۔ اور جو غارت گر خانہ کعبہ کا رخ کرے گا وہ یک لخت ہلاک ہوگا جیسا کہ اصحاب فیل کا قصہ مشہور ہے۔

۱۲۔ اور خدا کا مقدس مکان یعنی خانہ کعبہ آراستہ اور پیراستہ ہوگا۔ ہر سال اس پر زین غلاف چڑھائے جائیں گے۔

۱۳۔ اور اس بلدیہ مقدس کا نام صیہون ہوگا۔ اس لئے کہ صیہون جس طرح یروشلم کے ایک پہاڑ کا نام ہے اسی طرح صیہون مکہ مکرمہ کا بھی نام ہے جیسے شیخ عبدالحق دہلوی نے مدارج النبوة باب چہارم قسم اول میں لکھا ہے۔

۱۴۔ اور آپ کے بعد جو خلیفہ اور حاکم ہوئے وہ عین سلامتی ہوئے اور آپ کی شریعت کے عالم عین صداقت بنے۔

۱۵۔ اور سرزمین عالم و صداقت اور عدالت اور سلامتی سے ایسی معمور ہوئی کہ کسی جگہ بھی ظلم کی آواز نہ سنی گئی۔

۱۶۔ اور امت کو ایسی شریعت کا وارث بنا کر دنیا سے رخصت ہوئے کہ جس کا نور اور روشنی ابد تک چمکتا رہے گا۔

۱۷۔ اور اُس کا نور اور جلال ابدی ہوگا۔

۱۸۔ جو نہ کبھی ڈھلے گا اور نہ زوال پذیر ہوگا۔

۱۹۔ اور اُس نبی کے تمام صحابہ راستباز ہوں گے۔

۲۰۔ اور ایک چھوٹے سے ہزار اور ایک حقیر سے قوی گروہ ہو جائیں گے۔ واللہ

الحمد والمِنَّة۔

گزارش

حضرات اہل علم سے گزارش ہے کہ وہ کتاب یسعیاہ کا باب ۶۵ بھی ضرور ملاحظہ فرمائیں اس میں بھی آنحضرت ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام کے اوصاف کا تذکرہ ہے۔

بشارت ہشت دہم از کتاب دانیال علیہ السلام باب دوم

کتاب دانیال کے باب دوم میں ایک طویل قصہ مذکور ہے جس کا خلاصہ ہم ہدیہ ناظرین کرتے ہیں۔

بخت نصر شاہ بابل نے ایک پریشان کن خواب دیکھا اور خواب دیکھ کر بھول گیا۔ اس سے اور بھی زیادہ پریشان ہوا۔ بادشاہ نے یہ ماجرا دانیال علیہ السلام سے ذکر کیا، دانیال علیہ السلام نے وحی کے ذریعہ وہ خواب بھی بتلایا اور پھر اس کی تعبیر بھی بتلائی۔

۳۱۔ بادشاہ نے خواب میں دیکھا کہ ایک مورت ہے جو نہایت خوبصورت بھی ہے اور ہیبت ناک بھی ہے اور بادشاہ کے سامنے کھڑی ہے۔

۳۲۔ جس کا سر خالص سونے کا ہے اور اس کا سینہ اور بازو چاندی کے ہیں اور اس کا شکم اور رانیں تانبے کی ہیں اور اس کی پنڈلیاں لوہے کی ہیں اور اس کے پاؤں کچھ لوہے اور مٹی کے ہیں۔ بادشاہ اس عجیب و غریب مورت کو دیکھ رہا ہے۔

۳۳۔ کہ یکا یک ایک تھر نکلا بغیر اس کے کہ کوئی ہاتھ سے کاٹ کر نکالے خود بخود نکلا اور اس مورت کے پاؤں پر لگا کہ جو لوہے اور مٹی کے تھے اور اسے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔

۳۴۔ اور لوہا اور مٹی اور تانبا چاندی اور سونا (جس سے وہ مورت بنی ہوئی تھی) ٹکڑے ٹکڑے کیے گئے اور بستانی کھلیاں کے بھوسے کے مانند ہو گئے اور ہوا انھیں اڑا کر لے گئی یہاں تک کہ ان کا پتہ نہ ملا اور وہ تھر جس نے اس مورت کو مارا ایک بڑا پہاڑ بن گیا اور تمام زمین کو بھر دیا۔ (خواب ختم ہوا)

بادشاہ نے یہ خواب دیکھا تھا مگر بھول گیا تھا۔ دانیال علیہ السلام کو بذریعہ وحی بتلایا گیا کہ بادشاہ نے یہ خواب دیکھا ہے۔ دانیال علیہ السلام نے حسب وحی خداوندی خواب بیان کر کے بادشاہ کو اس کی تعبیر بتلائی کہ اس خواب میں یکے بعد دیگرے پانچ سلطنتوں کی طرف اشارہ ہے۔ سونے کے سر سے بابل کا بادشاہ مراد ہے اور تیری سلطنت سونے کی مانند ہے اور تیرے بعد ایک اور سلطنت آئے گی جو چاندی کے مانند ہوگی اور تیری سلطنت سے کمتر ہوگی، اس کے بعد ایک تیسری سلطنت آئے گی جو تانبے کی مانند ہوگی پھر ایک چوتھی سلطنت آئے گی

گی جو لوہے کی مانند مضبوط ہوگی، پھر ایک پانچویں سلطنت آئے گی جس کے پاؤں کچھ لوہے اور کچھ مٹی کے ہوں گے یعنی اس سلطنت میں کچھ ضعف اور اضطراب ہوگا، لوہا اور مٹی ملا جلا ہوگا یعنی وہ سلطنت قوت اور ضعف کا مجموعہ ہوگی، کبھی اس میں قوت ہوگی اور کبھی ضعف، اس پانچویں سلطنت کے زمانے میں یکا یک عالم غیب سے ایک پتھر نمودار ہوگا جو کسی کے ہاتھ سے کاٹ کر نکالا ہوا نہ ہوگا بلکہ منجانب اللہ خود بخود بلا سبب ظاہر کے آسمان سے اترے گا۔ اور اس آخری سلطنت کے پاؤں پر گرے گا اور اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دے گا تا آنکہ اس کو بستانی کھلیان کے بھوسے کے مانند بنادے گا اور ہوا اس کو اڑا کر لے جائے گی، یہاں تک کہ اس کا نام و نشان نہ رہے گا اور رفتہ رفتہ وہ پتھر پہاڑ بن کر تمام زمین کو بھر دے گا،

جاننا چاہئے کہ اس تعبیر میں آنحضرت ﷺ کی بعثت اور آپ کی نبوت و رسالت اور آپ کی آسمانی بادشاہت کو ایک پتھر سے تشبیہ دی گئی ہے اور یہ بتلایا گیا ہے کہ وہ پتھر بہت جلد پہاڑ کی شکل میں تبدیل ہو جائے گا یعنی اول اول وہ چھوٹی سی سلطنت ہوگی اور بعد میں تمام دنیا پر چھا جائے گی، چنانچہ عہد فاروقی میں قیصر و کسریٰ کی شوکت کا خاتمہ ہو گیا اور اس طرح ھُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ کا وعدہ پورا اور ہلک کسریٰ فلا کسریٰ بعدہ و ہلک قیصر فلا قیصر بعدہ کی تصدیق ہو گئی آسمانی بادشاہت کا پتھر زمین پر ایسا ہی گرا کہ دنیا کی بڑی بڑی سلطنتوں کو پس کر رکھ دیا اور جو شریعت آپ پر آسمان سے نازل ہوئی وہ قیامت تک باقی رہے گی۔

عاتکہ بنت عبدالمطلب کا خواب

اس موقع پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ عاتکہ بنت عبدالمطلب کا ایک خواب ذکر کریں جو سیرت کی تمام صحیح اور معتبر کتابوں میں مذکور ہے تاکہ ناظرین کو اس بشارت دانیالیہ کے سمجھنے میں مدد دے وہ خواب حسب ذیل ہے۔

ابو جہل کی سرکردگی میں قریش کا ایک ہزار کا قافلہ سو اونٹ اور سو سواروں اور دیگر سامان حرب کے ساتھ جنگ بدر کے لئے روانہ ہونے لگا تو قبل از روانگی عاتکہ بنت

عبدال مطلب نے یہ خواب دیکھا کہ ایک شتر سوار مکہ میں آیا اور مقام اہلح میں اونٹ بٹھلا کر
باواز بلند یہ کہہ رہا ہے

الا انفر وایا آل غدر : اے اہل غدر یعنی خدا کے غدار و تم بہت جلد
لمصارعکم فی ثلاث : اپنے مقتل اور پھڑنے کی جگہ کی طرف تین
دن میں نکل جاؤ۔

اور پھر وہ شتر سوار مسجد الحرام میں گیا اور خانہ کعبہ کی چھت پر چڑھ کر بھی اسی طرح اعلان
کیا۔ اس کے بعد وہ سوار جبل ابوقیس پر چڑھا اور وہی آواز دی اور پھر اوپر سے ایک پتھر اٹھا کر
نیچے پھینکا، وہ پتھر نیچے پہنچ کر چور چور ہو گیا اور مکہ کا کوئی گھرا یا نہ رہا کہ جس میں اس کا
کوئی ٹکڑا جا کر نہ گرا ہو۔ عاتکہ نے یہ خواب حضرت عباس سے بیان کیا جو اس وقت تک
مسلمان نہ ہوئے تھے انہوں نے یہ خواب اپنے مخصوص دوستوں سے بیان کر دیا اور سمجھ گئے
کہ قوم پر کوئی مصیبت آنے والی ہے شدہ شدہ اس خواب کی اطلاع ابو جہل کو بھی ہو گئی۔
ابو جہل نے جب حضرت عباس کو مسجد حرام میں آتے دیکھا تو کہنے لگا اے ابوالفضل
(حضرت عباس کی کنیت ہے) تمہارے مرد تو مدعی نبوت تھے ہی اب تمہاری عورتیں بھی
نبوت کا دعویٰ کرنے لگیں۔ حضرت عباس نے کہا کیا بات ہے۔ ابو جہل نے عاتکہ کے
خواب کا ذکر کیا۔ خواب بیان ہی کیا جا رہا تھا کہ یکایک مضمغم غفاری ابوسفیان کا پیام لے
کر اس شان سے مکہ میں پہنچا کہ پیراہن چاک ہے اور اونٹ کی ناک کٹی ہوئی ہے اور یہ
آواز لگا رہا ہے اے گروہ قریش اپنے کاروان تجارت کی خبر لو اور جلد از جلد ابوسفیان کے قافلہ
کی مدد کو پہنچو یہ خبر سنتے ہی قریش پورے ساز و سامان کے ساتھ مکہ سے نکل کھڑے ہوئے
اور بدر کے میدان میں پہنچ کر اس خواب کی تعبیر بحالت بیداری اپنی آنکھوں سے دیکھ لی۔

اور اس واقعہ پر بھی غور کرو کہ جو احادیث صحیحہ میں آیا ہے کہ غزوہ خندق میں، خندق
کھودتے وقت جب ایک سخت پتھر نکل آیا تو اس پر آنحضرت ﷺ نے تین مرتبہ کدال
ماری جس سے وہ پتھر ٹوٹ گیا اور اُس سے روشنی نمودار ہوئی اور اس میں شام اور فارس اور
یمن کے شہر نظر آئے۔ اشارہ اس طرف تھا کہ یہ تمام ممالک اسلام کے مفتوح ہوں گے۔

بشارت نوزدہم از انجیل متی باب سوم آیت اول

اُن دنوں میں یوحنا یہودیہ کے بیابان میں ظاہر ہو کے منادی کرنے اور یہ کہنے لگا کہ توبہ کرو آسمان کی بادشاہت نزدیک آگئی ہے۔ انتہی

اور اسی انجیل کے باب چہارم کی سترھویں آیت میں ہے:- اسی وقت سے یسوع نے منادی کرنی اور یہ کہنا شروع کر دیا کہ توبہ کرو کیونکہ آسمان کی بادشاہت نزدیک آگئی ہے۔ انتہی آسمانی بادشاہت سے یہ مراد ہے کہ کوئی کتاب آسمان سے نازل ہو اور اس میں ہر طرح کے احکام مذکور ہوں گے اور نہایت شوکت اور حاکمانہ طور سے اس کی نشر و اشاعت کی جائے گی خدا کے سرکشوں اور نافرمانوں پر تہدیدِ احکام نافذ ہوں گے۔ غرض یہ کہ نہ تو فقط دنیوی بادشاہت ہو جیسا کہ سلاطین دنیا کو حاصل ہوتی ہے اور نہ یہ ہو کہ فقط احکام خداوندی کی اشاعت نہایت مسکنت سے مقہور اور مغلوب ہو کر بلا کسی شوکت اور حکومت کے کی جائے، بلکہ احکام آسمانی بھی ہوں اور اس کے ساتھ شوکت اور حکومت زمینی بھی ہو۔ احکام خداوندی سے سرتابی کرنے والوں کو سزا بھی دی جاتی ہو۔ حکومت الہی کے باغیوں سے جہاد بھی کیا جاتا ہو اور یہ دونوں باتیں نبی اکرم ﷺ اور آپ کے خلفاء کے عہد میں کما حقہ ظہور میں آئیں۔

احکام خداوندی اور شریعت آسمانی بھی نازل ہوئی اور نہایت شوکت اور قوت سے اس کو نافذ کیا گیا۔ قیصر و کسریٰ کے تخت کو الٹ کر رکھ دیا، خدا کے دشمنوں سے جہاد بھی کیا۔ چور اور رہ زنوں پر حد بھی قائم کی زنا کاروں کو رجم اور سنگسار کیا۔ شراب خواروں کے کوڑے لگوائے۔ آنکھ کھول کر دیکھئے کہ آسمانی بادشاہت اس کو کہتے ہیں اور خدا را یہ بھی آسمانی بادشاہت نہیں تو وہ بادشاہت تم بتلاؤ کہ جس کو آسمانی کہا جاسکے۔ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰی لِمَنْ كَانَ لَهُ قَلْبٌ اَوْ اَلْقٰی السَّمْعَ وَهُوَ شَهِیْدٌ۔

بشارت ہستم از انجیل متی باب ۲۱، آیت ۴۲

یسوع نے انھیں کہا کیا تم نے نوشتوں میں کبھی نہیں پڑھا کہ جس پتھر کو راج گیروں نے ناپسند کیا وہی کوئے کا سرا ہوا۔

یہ خدا کی طرف سے ہوا اور ہماری نظروں میں عجیب اس لئے میں تمہیں کہتا ہوں کہ خدا کی بادشاہت تم سے لے لی جائے گی اور ایک قوم کو جو اس کے میوہ لائے دی جائے گی جو اس پتھر پر گرے گا چور ہو جائیگا۔ جس پر وہ گرے اُسے پس ڈالے گا۔ اتلی۔ راج گیر اور معماروں سے بنی اسرائیل مراد ہیں اور کونے کے پتھر سے ہمارے نبی اکرم خاتم النبیین محمد مصطفیٰ ﷺ مراد ہیں۔ کیونکہ آپ بنی اسرائیل کی نظر میں ایک ناپسند پتھر کے مشابہ تھے۔ بنی اسرائیل نے ہر چند آپ ﷺ کو رد کرنا چاہا مگر آپ ﷺ تائید الہی سے کونے کا سرا یعنی خاتم النبیین ہو کر رہے۔ اور پتھر کے سر زاویہ ہونے کے معنی یہ ہیں کہ جو کونا عمارت کی بلندی کی طرف خالی تھا وہ اس سے بھر جائے گا اسی طرح قصر نبوت میں جو زاویہ خالی تھا وہ آں حضرت ﷺ سے پُر ہو گیا اس طرح قصر نبوت کی عمارت پوری ہو گئی۔

کماروی ابو ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ان مثلی ومثل الانبیاء من قبلی کمثل رجل بنی بیتا فاحسنه واجملہ الاموضع لبنة من زاویته فجعل الناس یطوفون به ویعجبون له ویقولون ہلا وضعت اللبنة وانا خاتم النبیین رواہ البخاری فی کتاب الانبیاء وفی روایتہ انا سددت موضع اللبنة وختم بی البیان وختم بی الرسل

پھر آپ ﷺ پر جو گرا وہ بھی چور چور ہوا اور جس پر آپ ﷺ گرے وہ بھی چورا چورا ہوا۔ چنانچہ جنگ بدر میں قریش آپ پر گرے اور وہ خدا کے فضل سے چور چور ہوئے

اور فتح مکہ کے وقت آپ ﷺ اُن پر گرے تب بھی وہی چور چور ہوئے اور آپ ﷺ کے بعد صحابہ کرام ایران، شام و روم وغیرہ وغیرہ پر گرے اور سب کو چور کیا اور پھل اور میوہ لانے والی قوم بنی اسماعیل ہیں کہ جو اُس حضرت ﷺ کی تربیت سے پھل لائی اور حکومت اور سلطنت کے مالک ہوئے اور یہ آسمانی بادشاہت اُن کے حصہ میں آئی۔

لہذا اس بشارت کا مصداق بجز خاتم النبیین سید الاولین والآخرین محمد ﷺ کے اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ رہے حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سو وہ حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نسل سے تھے، بنی اسرائیل میں بہت محترم تھے وہ ناپسندِ تھر کے کیسے مشابہ ہو سکتے ہیں۔ دوم یہ کہ وہ خاتم النبیین نہیں جیسا کہ ماسبق میں معلوم ہو چکا ہے کہ اہل کتاب علاوہ عیسیٰ علیہ السلام کے ایک اور نبی کے منتظر تھے۔ نیز ماسبق میں یہ بھی گزر چکا ہے کہ جب یحییٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام مبعوث ہوئے تو یہودیوں نے ان سے دریافت کیا۔ الخ

سوم یہ کہ حضرت مسیح خود تو کبھی کسی پر نہ گرے اور یہود جب اُن پر گرے تو بقول نصاریٰ حضرت مسیح چور چور ہوئے۔ واللہ اعلم

اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کبھی بھی یہ نہیں فرمایا کہ میں خاتم النبیین ہوں میرے آسمان پر چلے جانے کے بعد کوئی سچا نبی نہیں آئے گا۔

بشارت بست وکیم از انجیل یوحنا باب چہار و ہم آیت ۱۵

۱۵۔ اگر تم مجھ سے محبت رکھتے ہو تو میرے حکموں پر عمل کرو گے۔ ۱۶۔ اور میں باپ سے درخواست کروں گا کہ وہ تمہیں دوسرا مددگار بخشے گا کہ ابد تک تمہارے ساتھ رہے۔ ۲۶۔ وہ تسلی دینے والا جو روح القدس ہے جسے باپ میرے نام سے بھیجے گا وہی تمہیں سب چیزیں سکھائے گا۔ اور سب باتیں جو کچھ کہ میں نے تمہیں کہی ہیں تمہیں یاد دلائے گا۔ ۲۹۔ اور اب میں نے تمہیں اس کے واقع ہونے سے پیشتر کہا تا کہ جب وہ وقوع میں آئے تو تم ایمان لاؤ۔ ۳۰۔ بعد اس کے میں تم سے بہت کلام نہ کروں گا اس لئے کہ اس جہان کا سردار آتا ہے اور مجھ میں اس کی کوئی چیز نہیں۔ اور باب ۱۵۔ آیت ۲۷ میں ہے

جب وہ مددگار آئے گا جس کو میں تمہارے پاس باپ کی طرف سے بھیجوں گا یعنی سچائی کی رُوح تو وہ میری گواہی دے گا۔ انتہی اور باب ۱۶۔ آیت ۷، میں ہے۔

(۷)۔ میں تم سے سچ کہتا ہوں تمہارے لئے میرا جانا ہی فائدہ مند ہے کیونکہ اگر میں نہ جاؤں تو وہ مددگار تمہارے پاس نہ آئے لیکن اگر جاؤں گا تو اسے تمہارے پاس بھیج دوں گا۔ (۱۸) اور وہ آکر دنیا کو گناہ اور راستبازی اور عدالت سے قصور وار ٹھہرائے گا (۹) گناہ کے بارہ میں اس لئے کہ وہ مجھ پر ایمان نہیں لاتے۔ (۱۰) راستبازی کے بارہ میں اس لئے کہ میں اپنے باپ کے پاس جاتا ہوں اور تم مجھے پھر نہ دیکھو گے (۱۱) عدالت کے بارہ میں اس لئے کہ اس جہان کے سردار پر حکم کیا گیا ہے (۱۲) میری اور بھی بہت سی باتیں ہیں کہ میں تمہیں اب کہوں پر اب تم ان کی برداشت نہیں کر سکتے (۱۳) لیکن جب وہ رُوح حق آئے گا تو تم کو تمام سچائی کی راہ دکھائے گا، اس لئے کہ وہ اپنی طرف سے نہ کہے گا لیکن جو کچھ سنے گا وہی کہے گا اور تمہیں آئندہ کی خبریں دے گا۔ (۱۴) وہ میری بزرگی اور جلال کو ظاہر کرے گا۔ انتہی

اور انجیل متی باب ۳ آیت ۱۱ میں ہے۔ میں توبہ کے لئے پانی سے بپتسمہ دیتا ہوں لیکن جو میرے بعد آتا ہے مجھ سے زور آور ہے کہ میں اس کے جوتے اٹھانے کے لائق نہیں۔ انتہی

یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا کلام ہے کہ جو آپ نے رفع الی السماء سے پہلے حواریوں کی تسلی کے لئے فرمایا کہ تم یہود بے بہبود کی سازشوں اور قتل کی تدبیروں سے ہرگز نہ گھبراؤ اور میری تکلیف سے رنجیدہ اور غمگین نہ ہو میں عنقریب اس دنیا سے نکل کر ایسی جگہ چلا جاؤں گا کہ جہاں کسی کی رسائی نہیں ہوگی یعنی آسمان پر چلا جاؤں گا۔ خدا کے یہاں بہت مکان ہیں اور قیامت کے قریب پھر آسمان سے نازل ہوں گا۔ اور بعد ازاں ایک آنے والے فارقلیط کی بشارت دی کہ ایک زمانہ آئے گا کہ میرے علاوہ ایک دوسرا فارقلیط (رسول) ظاہر ہوگا اور وہ آکر میری بزرگی بیان کرے گا اور میرے نہ ماننے والوں یعنی یہود بے بہبود کو خوب سزا دے گا اور وہ دین و دنیا کا سردار ہوگا اور وہ اس قدر بلند مرتبہ ہوگا کہ مجھ میں اس کی کوئی بات نہیں حق جل شانہ نے قرآن کریم میں اس بشارت کا ذکر فرمایا ہے کما قال تعالیٰ۔

وَإِذْ قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ يَا بَنِي إِسْرَائِيلَ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ مُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرَةِ وَمُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَأْتِي مِنْ بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ ۚ

اس وقت کو یاد کرو جب عیسیٰ بن مریم نے کہا کہ اے بنی اسرائیل میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہوں اور توریت کی تصدیق کرنے والا ہوں اور بشارت دینے والا ہوں ایک عظیم الشان رسول کی جو میرے بعد آئے گا اور اس کا نام احمد ہوگا۔

اصل بشارت میں لفظ احمد موجود تھا اور جیسا کہ انجیل برناباس میں اب بھی موجود ہے لیکن جب انجیل کا عبرانی زبان سے یونانی زبان میں ترجمہ ہوا تو یونانیوں نے اپنی عادت کی بنا پر کہ وہ ترجمہ کرتے وقت ناموں کا بھی ترجمہ کر دیا کرتے تھے، آں حضرت ﷺ کے نام مبارک (احمد) کا ترجمہ بھی پیرکلوٹوس سے کر دیا۔ اور پھر جب یونانی نسخہ کا ترجمہ عربی زبان میں ہوا تو پیرکلوٹوس کا معرب فارقلیط کر لیا گیا، ایک عرصہ تک اردو اور فارسی اور عربی نسخوں میں فارقلیط کا لفظ رہا اس کے بعد اس کا ترجمہ روح القدس سے کیا گیا اور مسیحین روح القدس کے لفظ کو بطور تفسیر خطوط وحدانی میں لکھتے رہے۔ رفتہ رفتہ فارقلیط کے لفظ کو بالکل حذف کر دیا پھر کسی نے فارقلیط کی جگہ روح القدس کا لفظ اور کسی نے روح حق کا لفظ اور کسی نے مددگار اور تسلی دینے والے کا لفظ رکھ دیا اور فارقلیط کے لفظ کو انجیل کے نسخوں سے بالکل حذف کر دیا۔

لفظ فارقلیط کی تحقیق

لفظ فارقلیط اصل میں یونانی زبان سے معرب کیا گیا ہے اور یہ لفظ یونانی زبان میں کئی معنی میں مشترک ہے اور وہ سب معنی احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ پر صادق آتے ہیں۔ علماء نصاریٰ نے فارقلیط کے مختلف معنی بیان کیے ہیں۔

- (۱) کسی نے کہا کہ فارقلیط کے معنی تسلی دینے والے کے ہیں جس کا عربی ترجمہ معزی ہے
- (۲) کسی نے کہا اس کے معنی معین اور مددگار کے ہیں (۳) کسی نے کہا اس کے معنی شافع یعنی شفاعت کرنے والے کے ہیں (۴) کسی نے کہا اس کے معنی وکیل یعنی وکالت کرنے

والے کے ہیں۔ (۵) کسی نے کہا کہ اس کے معنی بڑا سراہنے والا جس کا فارسی ترجمہ ستائندہ اور عربی ترجمہ حماد اور احمد بصیغہ اسم تفضیل بمعنی فاعل ہے (۶) اور کسی نے کہا کہ اس کے معنی بڑا سراہا گیا یعنی بڑا ستودہ کے ہیں جس کا عربی ترجمہ محمد ہے اور احمد اسم تفضیل بمعنی مفعول ہے۔ کیونکہ لفظ احمد بصیغہ اسم تفضیل کا ہے جو کبھی بمعنی فاعل آتا ہے اور کبھی بمعنی مفعول پس اگر احمد اسم تفضیل بمعنی فاعل ہو تو اس کا ترجمہ یہ ہوگا بڑی حمد و ثناء کرتا یعنی خدا تعالیٰ کا بڑا سراہنے والا اور اگر احمد اسم تفضیل بمعنی مفعول ہو تو اس کا ترجمہ یہ ہوگا بڑا ستودہ یعنی جو خدا اور بندوں میں بڑا ہی ستودہ ہے کہ ہر جگہ اس کی تعریف کی جاتی ہے (۷) اور بعضوں نے فارقلیط کا ترجمہ امید گاہ عوام سے کیا ہے (۸) اور بعض نسخوں میں رسول کا لفظ ہے۔ (۹) اور بعض نے کہا کہ اس کے معنی روح حق کے ہیں (۱۰) اور کسی نے کہا کہ اس کے معنی ثقہ اور معتبر کے ہیں۔

پس اگر فارقلیط کی اصل یونانی زبان میں پارا کلیطوس قرار دی جائے تو اس کے معنی معین اور مددگار اور وکیل کے ہیں اور اگر یہ کہا جائے کہ اس کی اصل پیرکلو طوس ہے تو اس کے معنی محمد یا احمد یا حماد کے قریب قریب ہیں۔

انجیل کے تمام قدیم نسخوں میں عربی اور فارسی اور اردو تمام نسخوں میں فارقلیط کا لفظ موجود تھا۔ مگر اب موجودہ نسخوں میں لفظ فارقلیط کے بجائے زیادہ تر مددگار اور روح حق کا لفظ پایا جاتا ہے۔ مگر باوجود ان تحریفات اور تغیرات و تبدلات کے پھر بھی مدعا حاصل ہے اس لئے کہ اس بشارت میں فارقلیط کے جو اوصاف ذکر کیے گئے ہیں وہ تمام کے تمام محمد مصطفیٰ ﷺ پر علی وجہ الکمال والتمام صادق ہیں اور فارقلیط کے جو معنی بھی لئے جائیں وہ سب آپ ﷺ پر صادق ہیں، آپ خدا تعالیٰ کے وکیل اور سفیر بھی ہیں اور روح حق اور روح صدق اور روح راستی بھی ہیں یعنی روح خبیث نہیں جو جھوٹ بولے اور اُمت کے شافع بھی ہیں اور بشیر و نذیر بھی ہیں۔ اور خدا کے ستودہ اور پسندیدہ بندے بھی ہیں اور سب سے زیادہ خدا کی حمد و ثناء کرنے والے بھی ہیں بلکہ یہ تمام آپ کے اسماء ہیں یعنی آپ کے نام ہیں کوئی ان میں سے اسم صفت ہے جیسے وکیل اور شافع اور معین و مددگار اور روح الحق اور کوئی اسم علم ہے جیسے احمد اور محمد اور محمود اور حماد اور آپ کے ناموں میں ایک نام آپ کا حمد بھی ہے، حمد اگرچہ مصدر ہے بمعنی ستودن۔ مگر مبالغہ آپ پر اطلاق کر دیا گیا گویا کہ آنحضرت ﷺ حق تعالیٰ کی محسم حمد و ثناء ہیں۔

فارقلیط کا سب سے زیادہ صحیح ترجمہ لفظ احمد ہے اور اسی وجہ سے قرآن کریم میں اس بشارت کا ذکر بلفظ احمد آیا ہے کما قال تعالیٰ مُبَشِّرًا بِرُسُولٍ يَأْتِي مِنْ بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ یہ آیت قرآن مجید کی ہے اور قرآن مجید جس ملک میں نازل ہوا اس وقت اُس ملک میں بیشمار علماء یہود اور علماء نصاریٰ موجود تھے۔ اگر یہ بشارت اور یہ خبر غلط ہوتی تو ہزار ہا علماء یہود و نصاریٰ اس غلطی کو فاش کرتے اور برملا اس خبر کی تردید کرتے اور جو علماء یہود اور نصاریٰ اسلام میں داخل ہو گئے تھے وہ اس غلط بیانی کو دیکھ کر فوراً اسلام سے برگشتہ ہو جاتے اور بغیر شور و غل مچائے خاموش نہ بیٹھتے، آں حضرت ﷺ کا اس پیشین گوئی کو علی الاعلان ظاہر فرمانا اور بیان کرنا۔ اور علماء نصاریٰ کا خاموش رہنا یہ ان کے اعتراف اور تسلیم کی روشن دلیل ہے اور اگر کوئی یہ اعتراف کرے کہ اگر یہ بات سچی تھی تو اُس وقت کے تمام علماء یہود و نصاریٰ کیوں مسلمان نہ ہو گئے۔

جواب

یہ ہے کہ علماء نصاریٰ کے نزدیک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ظہور کی پیشین گوئیاں توریت میں موجود ہیں مگر باوجود ان پیشین گوئیوں کے اور باوجود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات کے مشاہدہ کر لینے کے بعد پھر بھی علماء یہود حضرت مسیح پر ایمان نہیں لائے بلکہ اُن کے دشمن ہو گئے اور بوجہ سنگدلی اور بوجہ دنیاوی اغراض یا بوجہ حسد کے حضرت مسیح کی دعوت کو قبول نہیں کیا بلکہ صاف طور پر علماء یہود یہ کہتے ہیں کہ توریت میں حضرت مسیح کی کوئی بشارت نہیں اور نہ ان کا کوئی ذکر ہے، اسی طرح بہت سے علماء نصاریٰ نے بوجہ سنگدلی اور بوجہ دنیاوی اغراض آپ کا پیرو ہونا قبول نہ کیا۔ حالانکہ ان کو یقین تھا کہ یہ وہی نبی ہیں جن کی مسیح بن مریم نے بشارت دی ہے جیسے ہر قل اور مقوقس نے صاف طور پر اس کا اقرار کیا کہ آپ وہی نبی ہیں جن کی انجیل میں بشارت دی گئی مگر اپنی سلطنت کی خاطر اسلام میں داخل ہوئے اور علماء نصاریٰ میں جو منصف اور حق پرست تھے۔ جیسے نجاشی شاہ حبشہ اور ضغاطر رومی اور ابن الناطور وغیرہم یہ لوگ ایمان لائے اور بہت سے علماء نصاریٰ نے دپدہ و دانستہ علماء یہود کی طرح صاف طور پر یہ کہہ دیا کہ محمد رسول اللہ ﷺ کی توریت و انجیل میں کوئی بشارت نہیں۔ علماء نصاریٰ کی یہ تکذیب ایسی ہے جیسا کہ علماء یہود اور دیگر یہود حضرت مسیح

کی بشارتوں کے منکر اور مکذب ہیں۔ علماء نصاریٰ یہ کہتے ہیں کہ اس بشارت میں فارقلیط کی آمد سے روح القدس کا حواریین پر نازل ہونا مراد ہے، چنانچہ حضرت عیسیٰ کے رفع الی السماء کے بعد جب حواریین ایک مکان میں جمع تھے تو وہ روح ان پر نازل ہوئی اور اس روح کے نزول سے حواریین تھوڑی دیر کے لئے مختلف زبانیں بولنے لگے۔

نصاریٰ کا یہ خیال۔ سراسر خیالِ خام ہے یہ بشارت کسی مقدس اور برگزیدہ انسان کے حق میں ہے۔ جو خدا کی طرف سے الہام پائے گا اور خدا کی طرف سے اس کو جو القاء ہوگا وہی کہے گا۔ اپنی طرف سے کچھ نہ کہے گا۔ اس بشارت کو روح القدس یعنی جبرئیل امین کے نزول سے کوئی واسطہ نہیں اور کسی فرشتہ سے اس بشارت کا کوئی تعلق نہیں۔ فارقلیط کی آمد سے ایک رسولِ عظیم کی بعثت مراد ہے جو حق اور باطل کے درمیان فرق کرے گا۔

حضرت مولانا عبدالحق صاحب حقانی صاحب تفسیر حقانی لکھتے ہیں:

”ایک پادری صاحب اپنے ایک رسالہ میں جو لفظ فارقلیط کی تحقیق میں انھوں نے لکھا ہے اور ۱۲۶۸ ہجری میں کلکتہ میں چھپا تھا، لکھتے ہیں کہ یہ لفظ فارقلیط یونانی سے معرب کیا گیا ہے پس اگر اس کی یونانی میں پاراکلیطوس اصل قرار دی جائے تو اس کے معنی معین اور وکیل کے ہیں اور اگر کہیں اصل پیرکلوٹوس ہے تو اس کے معنی محمد یا احمد کے قریب ہیں پس جس عالم میں اہل اسلام نے اس بشارت سے استدلال کیا تو وہ اصل پیرکلوٹوس سمجھا کیونکہ اس کے معنی محمد یا احمد کے قریب ہیں، پس اس نے دعویٰ کیا کہ عیسیٰ علیہ السلام نے محمد یا احمد کی خبر دی لیکن اصل پاراکلیطوس ہے فقط ہم کہتے ہیں۔ کہ اصل پیرکلوٹوس ہے، یونانی خط میں بہت تشابہ ہے اس کو پاراکلیطوس غلطی سے پڑھ لیا۔“

(نیز دیکھو اظہار الحق ص ۱۵۵ ج ۲)

اور یونانی زبان میں پیرکلوٹوس ہونے کی ایک بڑی دلیل یہ ہے کہ سینٹ جروم نے جب انجیل کا ترجمہ لاطینی زبان میں لکھنا شروع کیا تو پیرکلوٹوس کی جگہ پاراکلوٹوس لکھ دیا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جس کتاب سے نقل کیا تھا پیرکلوٹوس تھا۔

اور اگر ہم اس تحقیق سے قطع نظر بھی کر لیں تو تب بھی ہمارا مدعا ثابت ہے کیونکہ اس

بشارت میں اُس آنے والے فارقلیط کے بہت سے اوصاف بیان کیے ہیں جو تمام وکمال سیدنا و مولانا محمد مصطفیٰ ﷺ پر صادق اور منطبق ہیں۔

اول یہ کہ جب تک میں نہ جاؤں گا وہ نہ آئے گا دوم یہ کہ وہ میری گواہی دے گا۔ سوم یہ کہ وہ گناہ اور راستی اور عدالت سے تقصیر وار ٹھیرائے گا۔ چہارم یہ کہ مجھ پر نہ ایمان لانے والوں کو سزا دے گا۔ پنجم وہ سچائی کی راہ بتلا دے گا۔ ششم یہ کہ وہ آئندہ کی خبریں دے گا۔ ہفتم یہ کہ وہ اپنی طرف سے کچھ نہ کہے گا بلکہ جو اللہ سے سُنے گا وہی کہے گا۔ ہشتم یہ کہ وہ جہان کا سردار ہوگا۔ نہم یہ کہ وہ میری تمام باتیں تم کو یاد دلانے گا۔ دہم یہ کہ جو امور تم اس وقت برداشت نہیں کر سکتے وہ نبی اس وقت آکر تم کو بتلائے گا اور جو باتیں غیر مکمل ہیں ان کی تکمیل کرے گا اور یہ تمام باتیں آنحضرت پر صادق آتی ہیں۔

(۱) آپ ﷺ کا تشریف لانا حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جانے پر اس لئے موقوف تھا کہ آپ خاتم الانبیاء ہیں اس لئے کہ کسی نبی کا آنا پہلے نبی کے جانے پر جب ہی موقوف ہو سکتا ہے جب دوسرا نبی خاتم الانبیاء ہو ورنہ اگر وہ نبی خاتم الانبیاء نہیں تو اس کے آنے سے پہلے نبی کا جانا شرط ہونا کوئی معنی نہیں رکھتا اس لئے کہ جب وہ نبی خاتم الانبیاء نہیں تو پہلے نبی کی موجودگی میں بھی وہ مبعوث ہو سکتا ہے۔

پہلے نبی کا جانا دوسرے کے آنے کے لئے جب ہی شرط ہو سکتا ہے کہ جب دوسرا نبی خاتم الانبیاء ہو۔ الحاصل حضرت مسیحؑ نے اس جملہ سے یہ ظاہر فرمادیا کہ وہ فارقلیط اور روح حق خاتم الانبیاء ہوگا۔ کما قال تعالیٰ:-

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلَكِن رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ

محمد ﷺ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں لیکن اللہ کے رسول اور آخر انبیاء ہیں۔

اور حضرت مسیحؑ خاتم النبیین نہ تھے ورنہ علماء نصاریٰ و یہود حضرت مسیح کے بعد ایک نبی کے کس لئے منتظر تھے اور روح کا آنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے جانے پر موقوف نہ تھا۔ روح کا نزول تو حضرت عیسیٰ کی موجودگی میں بھی ہوتا تھا۔

(۲)۔ اور آنحضرت ﷺ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی گواہی بھی دی۔

وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ وَلَكِنْ
شُبَّهَ لَهُمْ وَإِنَّ الَّذِينَ اخْتَلَفُوا
فِيهِ لَفِي شَكٍّ مِّنْهُ مَا لَهُمْ بِهِ
مِنْ عِلْمٍ إِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ وَمَا
قَتَلُوهُ يَقِينًا بَلْ رَفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ
وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا

اور انھوں نے نہ ان کو (عیسیٰ علیہ السلام کو) قتل کیا اور نہ سولی دی لیکن اشتباہ میں ڈال دیئے گئے اور جن لوگوں نے عیسیٰ علیہ السلام کے بارہ میں اختلاف کیا وہ یقیناً شک میں ہیں خود ان کو اس کا یقین نہیں محض گمان کی پیروی ہے۔ یقیناً حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے ان کو اپنی طرف اٹھالیا۔ وہی غالب اور حکیم ہے۔

(۳) اور راستی اور عدالت سے ملزم بھی کیا (۴)۔ اور حضرت مسیح کے نہ ماننے والوں کو پوری پوری سزا بھی دی کسی سے قتال اور جہاد کیا۔ اور کسی کو جلا وطن کیا۔ جیسا کہ یہود خیبر اور یہود بنو نضیر اور یہود بنو قینقاع کے واقعات سے ظاہر ہے اور روح نے نہ کسی کو ملزم ٹھہرایا اور نہ کسی کی سرزنش کی اور سرزنش کرنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ فارقلیط ظاہر ہونے کے بعد حکومت کے ساتھ لوگوں کو توبیخ اور سرزنش کرے گا اور ظاہر ہے کہ روح القدس کا ظاہر ہو کر عام لوگوں پر حکومت کرنا کہیں ثابت نہیں اور نہ حواریین کا یہ منصب تھا۔ حواریین نے حکومت کے طور پر کسی کی توبیخ نہیں کی بلکہ واعظانہ طور پر لوگوں کو سمجھاتے تھے جس میں حکومت کا زور نہ تھا۔ غرض یہ کہ کسی طرح بھی روح القدس کو فارقلیط کا مصداق نہیں قرار دیا جاسکتا۔

اور آیت دہم میں سرزنش کی یہ وجہ بیان فرمانا اس لئے کہ وہ مجھ پر ایمان نہیں لاتے اس پر دلالت کرتا ہے کہ اس فارقلیط اور مددگار اور وکیل و شفیع کا ظہور منکرین عیسیٰ علیہ السلام کے سامنے ہوگا۔ بخلاف روح کے کہ اس کا ظہور تو آپ کے نزدیک حواریین پر ہوا کہ جو منکرین عیسیٰ علیہ السلام نہ تھے اور نہ حواریین نے کسی کو سزا دی وہ خود ہی مسکین اور عاجز تھے کسی منکر کو کیسے سزا دے سکتے تھے (۵) اور آنحضرت نے صدق اور راستی کی وہ راہیں بتائیں کہ جو نہ کسی نے دیکھی اور نہ سنی آپ کی شریعت غراء اور ملت بیضاء اس کی شاہد ہے۔ (۶) اور آئندہ

واقعات کے متعلق آپ نے اتنی خبریں دیں کہ جن کا کوئی شمار نہیں اور ایسی صحیح خبریں دی جو ہو، ہو ظاہر ہوئیں اور ان کا ایک حرف بھی خلاف واقعہ نہ نکلا اور تا قیامت اسی طرح ظاہر ہوتی رہیں گی (۷)۔ اس لئے کہ آپ ﷺ نے اپنی طرف سے کچھ نہیں فرمایا۔ کما قال تعالیٰ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ۔ (۸) اور با ایں ہمہ جہان کے سردار اور بادشاہ بھی ہوئے اور جہان اور دنیا کی سرداری سے اس طرف اشارہ ہے کہ آپ ﷺ کی نبوت تمام عالم کے لئے ہوگی۔ کسی قوم کے ساتھ مخصوص نہ ہوگی۔ (۹) اور نصاریٰ نے حضرت مسیح کی صحیح تعلیمات کو ٹھوکر دیا تھا ان کو بھی یاد دلایا جن میں توحید و تثلیث کا مسئلہ بھی ہے اس کو خوب یاد دلایا۔ اور حضرت مسیح کے قتل و صلب کی نفی اور رفع الی السماء کا اثبات فرمایا۔

قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَىٰ كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِّنْ دُونِ اللَّهِ ط

آپ فرمادیتے کہ اے اہل کتاب ایک ایسے امر کی طرف آؤ کہ ہم میں اور تم میں مسلم ہے وہ یہ کہ خدا کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں اور ایک دوسرے کو اللہ کے سوا رب نہ جانیں۔

وَقَالَ الْمَسِيحُ يَبْنَىٰ إِسْرَآءِيلَ اَعْبُدُوا اللَّهَ رَبِّي وَرَبَّكُمْ إِنَّهُ مَن يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللَّهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَأْوَاهُ النَّارُ وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ أَنْصَارٍ ط

اور فرمایا حضرت مسیح بن مریم نے اے بنی اسرائیل بندگی کرو صرف ایک اللہ کی جو صرف میرا اور تمہارا پروردگار ہے، تحقیق جو اللہ کے ساتھ شرک کرے گا تو اللہ تعالیٰ نے اس پر جنت کو حرام کیا ہے اور اس کا ٹھکانہ جہنم ہے اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔

۱۰۔ آپ ﷺ نے مبعوث ہونے کے بعد وہ باتیں بھی بتلائیں کہ جو حضرت مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانے میں اسرائیل کے کھلم سے باہر تھیں یعنی ذات و صفات، شریعت و طریقت، حشر و نشر، جنت و جہنم کے متعلق ان علوم و معارف کے دریا بہائے کہ جن سے

تمام عالم دنگ ہے اور کسی کتاب میں ان علوم کا نام و نشان نہیں اور جو امور غیر تکمیل شدہ تھے آپ کی شریعت کاملہ نے ان سب کی تکمیل بھی کر دی کما قال تعالیٰ:-

الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ ۖ آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل
وَأَتَمَّمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي ۖ کر دیا اور تم پر اپنی نعمت کو پورا کر دیا اور
وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا طے ۖ تمہارے لئے اسلام کو پسند کیا دین بنا کر۔

اور قیامت تک کے لئے دنیا کو ایک ایسا کامل اور مکمل دستور (یعنی شریعت) دے گئے جو ان کے دین اور دنیا کی صلاح اور فلاح کا کفیل ہے اور اس کے حقائق و دقائق اور اسرار و حکم کو دیکھ کر دنیا حیران ہے۔ قیامت تک پیش آنے والے واقعات کا حکم شریعت محمدیہ سے معلوم ہو سکتا ہے۔ علماء یہود و نصاریٰ کے پاس کوئی شریعت ہی نہیں جس کو سامنے رکھ کر علمائے امت اور فقہاء ملت کی طرح فتویٰ دے سکیں اس وقت کے نصاریٰ کے پاس شریعت کا کوئی علم نہیں کہ جس کی رو سے وہ فتویٰ دے سکیں، ہاں نصاریٰ کے پاس صنعت و حرفت اور کارگیری کے علوم و فنون ہیں حکمرانی اور جہاں بانی اور عدل عمرانی کے متعلق ان کے پاس کوئی آسمانی قانون نہیں کہ جس کی رو سے وہ دنیا میں عدل و انصاف کے ساتھ حکومت کر سکیں۔ مغربی اقوام کے پاس جو دستور ہے وہ چند اہل فکر کے افکار اور خیالات کا نتیجہ ہے، شریعت اسلامیہ کی طرح آسمان سے نازل شدہ کوئی قانون ان کے پاس نہیں۔

علماء مسیحیین اس بشارت کو روح القدس کے حق میں قرار دیتے ہیں جس کا نزول حضرت مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام کے رفع السماء کے ۴۷ یوم بعد حواریین پر ہوا۔ لیکن یہ قول چند وجوہ سے باطل ہے۔

(۱) اس لئے کہ روح کا نازل ہونا حضرت مسیح کے جانے پر موقوف نہ تھا بلکہ وہ تو ہر وقت حضرت مسیح کے ساتھ رہتی تھی۔

(۲) اور نہ روح نے کسی کو راستی اور عدالت سے ملزم ٹھہرایا اور نہ کسی یہودی کو حضرت مسیح پر نہ ایمان لانے کی وجہ سے کبھی سزا دی البتہ آل حضرت ﷺ نے مشرکین اور کافرین سے جہاد بھی کیا اور یہودیوں کو کافی سزا بھی دی۔ اور ان کو ملزم ٹھہرایا اس لئے کہ اہل دنیا کو

الزام دینا اور اُن کی سرزنش کرنا بغیر حکومت کے ممکن نہیں معلوم ہوا کہ آنے والا فارقلیط اور دوسرا مدگار دنیا کا حاکم اور بادشاہ ہوگا جو مجرموں کی سرزنش کرے گا اور چودھویں باب کے درس ۳۰ میں جو دنیا کے سردار آنے کا ذکر ہے اس سے یہی دنیا کا حاکم مراد ہے کہ جس کی حکومت اور توبیخ اور سرزنش کا ذکر ہو چکا ہے۔

(۳)۔ نیز حضرت مسیحؑ کا اس پر ایمان لانے کی تاکید فرمانا بالکل بے محل ہے، اس لئے کہ حواریین پیشتر ہی سے رُوح القدس پر ایمان رکھتے تھے اس کے فرمانے کی کیا حاجت تھی کہ ”جب وہ آئے تب تم ایمان لاؤ۔“ حضرت مسیحؑ کا اس قدر اہتمام فرمانا اور اس پر ایمان لانے کی وصیت کرنا خود اس کو بتلا رہا ہے کہ وہ آنے والی شے کچھ ایسی ہوگی جس کا انکار تم سے بعید نہ ہوگا۔

پس اگر فارقلیط سے روح مراد ہوتی تو اس کے لئے چنداں اہتمام اور تاکید کی ضرورت نہ تھی اس لئے کہ جس کے قلب پر روح کا نزول ہوگا۔ اس سے روح کا انکار ہونا بالکل ناممکن ہے۔

روح القدس کا نزول بالبداہت مفید یقین ہے جس طرح روح القدس کے نزول سے بالبداہت پیغمبر کو اپنی نبوت کا یقین آجاتا ہے۔ پیش آنے والی چیز سے انسان کو ایسا یقین کامل ہو جاتا ہے کہ قوت خیالیہ بھی اس کو دفع نہیں کر سکتی انسان پر جب کوئی حالت طاری ہوتی ہے تو اس کا انکار ممکن نہیں ہوتا۔

(۴)۔ نیز اس بشارت کا سیاق اس بات کو بتلا رہا ہے کہ وہ آنے والا فارقلیط حضرت عیسیٰؑ سے مغایر ہے۔ جیسا کہ سولھویں آیت کا یہ لفظ دوسرا مدگار بخشے گا۔ صاف مغایرت پر دلالت کرتا ہے کہ وہ علیحدہ صورت میں ظاہر اور نمودار ہوگا۔

پس اگر فارقلیط سے روح القدس مراد لی جائے تو وہ حضرت عیسیٰؑ کے کسی طرح مغایر نہیں کیونکہ نصاریٰ کے نزدیک ابن اور روح القدس میں حقیقی اتحاد ہے اور روح القدس جو حواریین پر ظاہر ہوگی وہ کسی علیحدہ صورت میں ظاہر نہیں ہوئی جس طرح کسی شخص پر جن مسلط ہو جاتا ہے سو جن کی باتیں وہی ہوتی ہیں جو اس شخص کے منہ سے نکلتی ہیں علیحدہ صورت میں اس کا ظہور نہیں ہوتا۔

(۵)۔ نیز اس بشارت میں یہ بھی مذکور ہے کہ ”جو کچھ میں نے تمہیں کہا، یاد دلائے گا۔“ حالانکہ کسی کتاب سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حواری حضرت عیسیٰ کے ارشادات فراموش کر چکے تھے روح القدس ان کو علیحدہ صورت میں ظاہر ہو کر یاد دلاتے ہوں۔

(۶) نیز اس بشارت میں یہ بھی مذکور ہے کہ وہ ”میرے لئے گواہی دے گا۔“ سو یہ وصف صرف نبی اکرم ﷺ پر ہی صادق آسکتا ہے کہ آپ ہی نے آ کر مشرکین اور یہود کے سامنے حضرت مسیح کی گواہی دی اور ان لوگوں کے سامنے کہ جو حضرت مسیح سے منکر یا بے خبر تھے، آپ ہی نے حضرت مسیح کی رسالت کا اعلان کیا۔

بخلاف روح القدس کے کہ وہ حضرت عیسیٰ کے حواریین پر نازل ہوئی اور حواریین پہلے ہی سے حضرت مسیح کو رسول جانتے تھے۔ اُن کے سامنے گواہی دینے کی کوئی حاجت نہ تھی۔ گواہی کی ضرورت تو منکرین کے سامنے تھی نہ کہ مؤمنین کے سامنے بخلاف آں حضرت ﷺ کے۔ آپ ﷺ نے یہود کے سامنے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے منکر اور دشمن تھے علی الاعلان حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نبوت و رسالت کی گواہی دی اور ان کے دعوائے قتل و صلب کی تردید کی اور رفع الی السماء کو ثابت کیا۔

(۷) نیز حضرت مسیح اس فارقلیط کی نسبت یہ ارشاد فرماتے ہیں کہ ”مجھ میں اُس کی کوئی چیز نہیں“ سو یہ جملہ آنحضرت ہی پر صادق آسکتا ہے کہ مجھ میں اس کی کوئی چیز نہیں روح القدس اور مسیح تو ایک ہی چیز ہیں۔

(۸) نیز یہ بھی قابل غور ہے اس روح نے کونسی آئندہ کی خبریں بتلائیں کہ جس سے اس روح کو اس بشارت کا مصداق کہا جائے۔

(۹) نیز اس بشارت کا تمام سیاق و سباق دلالت کرتا ہے کہ آنے والا دوسرا فارقلیط اور دوسرا مدگار لباس بشری اور پیکر انسانی میں ظہور کرے گا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرح لباس بشری میں دعوت حق اور لوگوں کو تسلی کے لئے آوے گا پس فارقلیط کا مصداق اُس روح کو سمجھنا کہ جو آدمیوں پر جن کی طرح نازل ہو اور حلول کرے بالکل غلط ہے۔

(۱۰)۔ نیز حضرت عیسیٰ کے رفع الی السماء کے بعد سے عامۃ نصاریٰ فارقلیط کے منتظر رہے اور یہ سمجھتے تھے کہ کوئی عظیم الشان نبی مبعوث ہوگا۔ چنانچہ مٹیس عیسائی نے دوسری

صدی عیسوی میں یہ دعویٰ کیا کہ میں وہی فارقلیط ہوں کہ جس کی حضرت مسیح نے خبر دی ہے۔ بہت سے لوگ اس پر ایمان لے آئے جس کا مفصل تذکرہ ولیم میور مسیحی نے اپنی تاریخ کے تیسرے باب میں لکھا ہے اور یہ کتاب ۱۸۴۸ء میں طبع ہوئی۔ معلوم ہوا کہ علماء یہود اور نصاریٰ سمجھتے تھے کہ فارقلیط سے کوئی انسان مراد ہے نہ کہ روح القدس۔

اور اب التواریخ کا مصنف جو کہ ایک مسیحی عالم ہے لکھتا ہے کہ محمد ﷺ کے قبل یہود و نصاریٰ ایک نبی کے منتظر تھے اور اسی وجہ سے نجاشی حبشہ جعفر طیار رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے آپ کا حال سن کر ایمان لایا اور کہا کہ بلا شک یہی وہ نبی ہیں کہ جن کی حضرت مسیح نے انجیل میں خبر دی ہے حالانکہ نجاشی انجیل کا عالم ہونے کے علاوہ بادشاہ بھی تھا۔ کسی قسم کا اس کو خوف و خطر بھی نہ تھا۔

اور مقوقس شاہ قبط نے آنحضرت ﷺ کے والانامہ کے جواب میں یہ لکھا:

سَلَامٌ عَلَیْكَ اَمَّا بَعْدُ فَقَدْ قَرَأْتُ كِتَابَكَ وَفَهَمْتُ مَا ذَكَرْتَ فِيهِ وَمَا تَدْعُوا اِلَيْهِ وَقَدْ عَلِمْتُ اَنْ نَبِیًّا قَدْ بَقِیَ وَقَدْ كُنْتُ اَظُنُّ اَنْهُ یَخْرُجُ بِالشَّمَامِ وَقَدْ اَكْرَمْتَ رَسُوْلَكَ۔

سلام ہو آپ پر۔ اما بعد میں نے آپ کے والانامہ کو پڑھا اور جو کچھ آپ نے اس میں ذکر فرمایا ہے اور جس کی طرف دعوت دی ہے اس کو سمجھا جھکو خوب اچھی طرح معلوم ہے کہ اب صرف ایک نبی باقی رہ گیا ہے میرا گمان یہ تھا کہ وہ نبی شام میں ظاہر ہوگا اور میں نے آپ کے قاصد کا اکرام کیا۔

مقوقس اگرچہ اسلام نہ لایا مگر اتنا اقرار ضرور کیا کہ ایک نبی کا آنا باقی رہ گیا ہے۔

اور جارد بن علاء جو اپنی قوم میں بہت بڑے عالم تھے جب اپنی قوم کے ساتھ آں حضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف باسلام ہوئے تو یہ کہا:

وَاللّٰهُ لَقَدْ جِئْتَ بِالْحَقِّ خُودَا كِیْ قَسَمُ اَپْ حَقِّ لَے كَرَّ اَے هِیْ اَوْر وَنَطَقْتَ بِالصَّدَقِ فَقَدْ وَجَدْتُ اَپْ نَے سَچ فَرَمَا اِلْتَه تَحْقِیْقِ مِیْن نَے وَصَفَكَ فَرِے الْاِنْجِیْلِ اَپْ كِیْ صِفَتِ الْاِنْجِیْلِ مِیْن پَائِیْ هَے اَوْر مَسِیْحِ وَبَشَرِكَ ابْنِ الْبَتُولِ نَطُولِ بَنِ مَرِیْمِ نَے اَپْ كِیْ بَشَارَتِ دِیْ هَے۔

التحية لك والشكر لمن
اكرمك لا اثر بعد عين
ولا شك بعد يقين هات يدك
اشهدان لا اله الا الله وانك
مُحَمَّدٌ ورسول الله

آپ کے لئے طویل و عریض تحیہ تکریم
پیش کرتا ہوں اور شکر ہے اس کے لئے جو
آپ کا اکرام کرے ذات کے بعد نشان کی
اور یقین کے بعد شک کی ضرورت نہیں اپنا
دست مبارک بڑھائیے میں شہادت دیتا
ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یقیناً
آپ محمد رسول اللہ ہیں۔

اور علی ہذا ہر قل شاہِ روم اور دوسرے ذی شوکت علماءِ توراۃ و انجیل نے آپ ﷺ کی
نبوت و رسالت کا اقرار کیا پس ثابت ہوا کہ اس حضرت ﷺ کی بشارت اور آپ کا نام
انجیل میں لکھا ہوا تھا۔ جس کو دیکھ کر لوگ آپ ﷺ پر ایمان لائے اور آپ ﷺ کی آمد
سے پہلے وہ آپ ﷺ کے منتظر تھے جن کو خدا تعالیٰ نے توفیق دی اور کسی دنیوی طمع نے ان
کو نہ گھیرا وہ اس دولت سے متمتع ہوئے۔

ایں سعادت بزورِ بازو نیست تانہ بخشد خدائے بخشندہ

ذَلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ۝ ط
وَالْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي هَدَانَا لِهَذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَا أَنْ هَدَانَا اللَّهُ ۝ ه

(۱۱) اور سولہویں آیت کا یہ جملہ کہ ابد تک تمہارے ساتھ رہے گا۔ اس کا یہ مطلب نہیں
کہ وہ فارقلیط خود بذاتہ ہمیشہ تمہارے ساتھ رہے گا اس لئے کہ فارقلیط بمعنی روح جس کے
نصاری قائل ہیں وہ بھی ہمیشہ اُن کے ساتھ نہ رہا۔

بلکہ مراد یہ ہے کہ اُس کی شریعت اور دین ابد تک رہے گا اور اس کے بعد کوئی دین نہ
آئے گا جو اس کے لئے ناسخ ہو۔

(۱۲)۔ اور باب چہارم کی سترہویں آیت کا یہ جملہ یعنی سچائی کی روح جسے دنیا حاصل
نہیں کر سکتی کیونکہ نہ اسے دیکھتی ہے اور نہ جانتی ہے۔ آھ
اس کا یہ مطلب ہے کہ دنیا اس کے مرتبہ کو نہیں جانتی۔ وہ تمام کائنات میں سب سے
بہتر اور برتر ہوگا۔

نصاری کے چند شبہات و اوہام اور اُن کا ازالہ

شبہ اول

روح الحق اور روح القدس سے اقنوم ثالث مراد ہے۔ لہذا روح القدس اور روح الحق سے آں حضرت ﷺ مراد لینا کیسے صحیح ہو سکتا ہے؟
جواب: عہد قدیم اور عہد جدید میں روح کا لفظ اقنوم ثالث کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ صالح اور طالح، ہادی اور مضل کے معنی میں بھی مستعمل ہوتا ہے۔
چنانچہ یوحنا کے پہلے خط کے باب چہارم میں ہے:-
(۱)۔ اے عزیزو! ہر ایک روح کا یقین نہ کرو بلکہ روح کو آزماؤ کہ وہ خدا کی طرف سے ہیں یا نہیں۔

(۲) خدا کی روح کو تم اس طرح پہچان سکتے ہو کہ جو کوئی روح اقرار کرے کہ یسوع مسیح مجسم ہو کر آیا ہے وہ خدا کی طرف سے ہے (۱۳)۔ اور جو کوئی روح یسوع کا اقرار نہ کرے وہ خدا کی طرف سے نہیں۔

اور آیت ششم میں ہے ”اسی سے ہم حق کی روح اور گمراہی کی روح کو پہچان لیتے ہیں۔“ آھ

اس مقام پر روح سے واعظ صادق اور واعظ مضل مراد ہے۔ اقنوم ثالث کسی کے نزدیک مراد نہیں۔

شبہ ثانیہ

اس بشارت میں خطاب حواریین کو ہے لہذا روح کا نزول و ظہور حواریین کی موجودگی اور حیات میں ہونا چاہیے اور آں حضرت ﷺ کا ظہور حواریین کے صد ہا سال کے بعد ہوا ہے۔
جواب: حواریین کو خطاب اس لئے کیا گیا کہ اس وقت وہی حاضر تھے باقی وہ مقصود بالخطاب نہیں، چنانچہ انجیل متی کے چھبیسویں باب آیت ۶۴ میں ہے:- میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ اس کے بعد تم ابن آدم کو آسمان کے بادلوں پر آتے دیکھو گے۔ آھ

اب ان مخاطبین کو مرے ہوئے ۱۹ سو سال ہو گئے اور مخاطبین میں سے کسی نے بھی حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو آسمان سے آتے نہیں دیکھا۔
پس جس طرح اس مقام پر مقصود بالخطاب وہ لوگ ہیں کہ جو نزول من السماء کے وقت موجود ہوں گے۔

اسی طرح اس بشارت میں وہ لوگ مقصود بالخطاب ہیں کہ جو روح حق اور فارقلیط کے ظہور کے وقت موجود ہوں گے۔

شبہ ثالثہ

انجیل یوحنا کے باب چہار دہم آیت تیسویں میں جو سردار کا لفظ آیا ہے اس پر بعض شدید التعصب نصاریٰ مضحکہ کرتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ سردار سے اس جگہ شیطان مراد ہے۔

جواب: سردار سے شیطان مراد لینا سراسر جہالت ہے اور محض تعصب اور حسد پر مبنی ہے اس لئے کہ سردار عالم بول کر شیطان مراد لینا نہ کسی لغت سے ثابت ہے اور نہ کسی عرف سے اور سراسر سیاق و سباق کے بالکل خلاف ہے۔ اس لئے کہ از اول تا آخر روح حق یعنی فارقلیط کا اور اس کے اوصاف کا تذکرہ ہے۔ جس وقت اس فارقلیط کا ظہور ہو اس وقت اس پر ایمان لانے کی تاکید اکید ہے اور پھر اس کی علت بایں الفاظ ذکر فرماتا:۔
”کیوں کے دنیا کا سردار آتا ہے۔“

یہ جب صحیح ہو سکتا ہے کہ سردار جہاں سے سید العالمین اور سردار انبیاء والمرسلین مراد ہوں۔ ورنہ معاذ اللہ اگر اس مقام پر سردار سے شیطان مراد ہو تو شیطان کا آنا امور متذکرہ بالا کی علت کیسے ہو سکتا ہے؟ معلوم ہوا کہ دنیا کے سردار سے وہی فارقلیط اور روح حق مراد ہے کہ جس کے ہاتھوں سے گناہ اور جرم پر دنیا میں شاہانہ اور حاکمانہ سزائیں دی جائیں گی۔ اور انجیل یوحنا کے سولھویں باب درس ۱۱ میں جو یہ آیا ہے کہ دنیا کا سردار مجرم ٹھہرایا گیا یہ قطعاً غلط ہے اور بلاشبہ تحریف ہے جو سیاق و سباق کے بالکل خلاف ہے ایک طرف تو فارقلیط کی صفات فاضلہ کا بیان ہو اور ایک طرف اس سے شیطان مراد ہو، کیا یہ صریح نادانی اور وسوسہ شیطانی نہیں دوم یہ کہ حضرت مسیح کا یہ فرمانا کہ وہ سردار جہان آنے والا ہے اس امر کی صریح

دلیل ہے کہ وہ شخص ابھی تک دنیا میں نہیں آیا اور شیطان باتفاق یہود و نصاریٰ و اہل اسلام ابتداء آفرینش افراد بشری سے دنیا میں موجود ہے اور لوگوں میں مغلط ہے شیطان مردود لوگوں کے ساتھ ہے۔

وہ شیطان کہاں چلا گیا تھا کہ جس کی نسبت یہ کہا جا رہا ہے کہ وہ اب آتا ہے کیا وہ پہلے سے موجود نہ تھا؟

سوم یہ کہ سردار کا اطلاق انجیل متی کے باب دوم کی آیت ششم میں حضرت مسیح بن مریم علیہ الصلوٰۃ والسلام پر کیا گیا۔ عبارت انجیل حسب ذیل ہے:-

”اے بیت لحم یہوداہ کے علاقے تو یہوداہ کے حاکموں میں ہرگز سب سے چھوٹا نہیں۔ کیونکہ تجھ میں سے ایک سردار نکلے گا جو میری امت اسرائیل کی گلہ بانی کرے گا۔“ آھ

اس عبارت میں سردار سے حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام مراد ہیں جیسا کہ آیت ہفتم سے آیت دوازدهم تک پڑھنے سے بخوبی معلوم ہو سکتا ہے بلکہ کتب سماویہ میں سردار اور حاکم کا اطلاق حق تعالیٰ پر بھی آیا ہے معلوم ہوا کہ سردار سے شیطان مراد لینا بالکل غلط ہے۔

بشارت بست و دوم از انجیل متی باب ۱۳۔ آیت ۳۱

اُس نے ایک اور تمثیل اُن کے سامنے پیش کر کے کہا کہ آسمان کی بادشاہت اس رائی کے دانہ کے مانند ہے جسے کسی آدمی نے لے کر اپنے کھیت میں بودیا۔ ۳۲۔ وہ سب بیجوں سے چھوٹا تو ہے مگر جب بڑھ جاتا ہے تو سب ترکاریوں سے بڑا ہوتا ہے اور ایسا درخت ہو جاتا ہے کہ ہوا کے پرندے آکر اس کی ڈالیوں پر بسیرا کرتے ہیں۔“ انتہی

آسمانی بادشاہت سے شریعت اسلامیہ مراد ہے کہ جو ابتداء میں رائی کے دانے کے برابر تھی لیکن چند ہی روز میں اس قدر بڑھی کہ شرق سے غرب تک اور شمال سے جنوب تک پہنچ گئی۔ اور قرآن کریم کی اس آیت شریفہ میں اسی بشارت کی طرف اشارہ ہے:-

وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنْجِيلِ كَزَرْعٍ أَخْرَجَ شَطْأَهُ فَآزَرَهُ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوَىٰ عَلَىٰ سُوقِهِ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ طه

اور انکی صفت انجیل میں ہے کہ جیسے کھیتی کہ اس نے اپنا پٹھا زمین سے نکالا پس اس کو قوی کیا تو وہ موٹا ہو گیا اور اپنی نال پر سیدھا کھڑا ہو گیا اور اپنی روز افزوں ترقی سے کسانوں کو خوش کرنے لگا۔ اللہ نے مسلمانوں کو ایسی ترقی اس لئے دی کہ کافروں کو اس وجہ سے غصہ میں لائے۔

اور عجب نہیں کہ اس مناسبت سے کلمہ طیبہ کو شجرہ طیبہ کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہو۔ کما قال

أَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ أَصْلُهَا ثَابِتٌ وَفَرْعُهَا فِي السَّمَاءِ تُؤْتِي أَكْلَهَا كُلَّ حِينٍ بِإِذْنِ رَبِّهَا وَيَضْرِبُ اللَّهُ الْأَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ۝

اے نبی کریم آپ نے کیا دیکھا نہیں کہ اللہ نے ایک مثال بیان فرمائی ہے کہ کلمہ طیبہ مثل ایک پاکیزہ درخت کے ہے کہ جس کی جڑ مضبوط اور شاخیں آسمان میں ہیں ہر وقت اپنے میوے اللہ کے حکم سے دیتا رہتا ہے حق تعالیٰ شانہ لوگوں کے لئے مثالیں بیان فرماتے رہتے ہیں کیا عجیب ہے کہ نصیحت قبول کریں۔

بشارت بست وسوم از انجیل متی، باب ہستم، آیت اول

آسمان کی بادشاہت اس گھر کے مالک کے مانند ہے جو سویرے نکلاتا کہ اپنے انگوری باغ میں مزدور لگائے۔ ۲۔ اور اس نے مزدوروں سے ایک دینار روز ٹھہرا کر انھیں باغ میں بھیج دیا۔ پھر وہ دن چڑھنے کے قریب نکل کر اس نے اوروں کو بازار میں بیکار کھڑے دیکھا اور ان سے کہا تم بھی باغ میں چلے جاؤ جو واجب ہے تمہیں دوں گا۔ پس وہ چلے گئے۔ پھر

اس نے دو پہر اور تیسرے پہر کے قریب نکل کر ویسا ہی کیا اور کوئی ایک گھنٹہ دن رہے پھر نکل کر اوروں کو کھڑے پایا اور اُن سے کہا تم کیوں یہاں تمام دن بیٹا کر کھڑے رہے۔ انھوں نے اس سے کہا اس لئے کہ کسی نے ہم کو مزدوری پر نہیں لگایا۔ اُس نے اُن سے کہا تم بھی باغ میں چلے جاؤ۔ جب شام ہوئی تو باغ کے مالک نے اپنے کارند سے کہا کہ مزدوروں کو بلانا اور پچھلوں سے لے کر پہلوں تک انھیں مزدوری دے دے اور جب وہ آئے جو گھنٹہ بھر دن رہے لگائے گئے تھے تو انھیں ایک دینار ملا تو گھر کے مالک سے یہ کہہ کر شکایت کرنے لگے کہ ان پچھلوں نے ایک ہی گھنٹہ کام کیا ہے اور تو نے انھیں ہمارے برابر کر دیا جنھوں نے دن بھر کا بوجھ اٹھایا اور سخت دھوپ سہی اس نے جواب دے کر ان میں سے ایک سے کہا میاں میں تیرے ساتھ بے انصافی نہیں کرتا۔ کیا تیرا مجھ سے ایک دینار نہیں ٹھہرا تھا جو تیرا ہے اٹھالے چلا جا۔ میری مرضی رہے کہ جتنا تجھے دیتا ہوں اُس پچھلے کو بھی اتنا ہی دوں۔ کیا مجھے روا نہیں کہ اپنے مال کو جو چاہوں سو کروں یا تو اس لئے کہ میں نیک ہوں بُری نظر سے دیکھتا ہے۔ اسی طرح آخر اول ہو جائیں گے اور اول آخر۔ انتہی۔

گھر کے مالک سے ربُّ العزت مراد ہیں اور انگور کے باغ سے دین الہی مراد ہے اور مزدوروں سے اُمّتیں مراد ہیں۔ اور مزدوروں کی وہ جماعت کہ جس نے سب سے آخر میں ایک گھنٹہ کام کیا ہے یہ رسول اللہ ﷺ کی اُمت ہے جو سب سے اخیر میں تھی اور سب سے اول ہو گئی۔ چنانچہ صحیح بخاری میں ہے:-

عَنْ ابْنِ شَهَابٍ عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ عَنْ أَبِيهِ أَنَّهُ أَخْبَرَهُ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِنَّمَا بَقَاءُ كَمِ فِيمَا سَلَفَ قَبْلَكُمْ مِنَ الْأَمَمِ كَمَا بَيْنَ صَلَاةِ الْعَصْرِ إِلَى غُرُوبِ الشَّمْسِ أَوْ تِيَّ اهْلٍ	ابن شہاب نے سالم سے اور سالم نے عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کیا ہے کہ عبداللہ بن عمرؓ نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ تمہارا دنیا میں رہنا بمقابلہ امم گزشتہ ایسا ہے جیسا نماز عصر سے غروب شمس تک تورات والوں کو تورات دی گئی کام کرنا شروع کیا۔ جب
--	--

التوراة التوراة فعملوا حتی اذا
انتصف النهار عجزوا فاعطوا
قیراطاً قیراطاً ثم اوتی اهل
الانجیل الانجیل فعملوا الی
صلوة العصر ثم عجزوا
فاعطوا قیراطاً قیراطاً ثم اوتینا
القرآن فعملنا الی غروب
الشمس فاعطینا قیراطین
قیراطین فقال اهل کتابین
ای ربنا اعطیت هؤلاء
قیراطین واعطیتنا قیراطاً
قیراطاً ونحن اکثر عملاً قال
اللہ عز وجل هل ظلمتکم
من اجرکم من شیء قالوا لا
قال فهو فضلی اوتیه من اشاء
(صحیح بخاری باب المواقیت ص ۷۹ ج ۲)

دوپہر ہوئی تو تھک گئے کام پورا نہ کر سکے۔
ایک ایک قیراط اُن کو دیا گیا۔ پھر انجیل
والوں کو انجیل دی گئی۔ نماز عصر تک کام
کیا۔ پھر تھک گئے۔ ان کو بھی ایک ایک
قیراط دے دیا گیا۔ پھر ہم کو قرآن کریم دیا
گیا۔ ہم نے غروب آفتاب تک کام کیا۔
ہم کو دو دو قیراط دیئے گئے تو توریت اور
انجیل والوں نے یہ کہا کہ اے پروردگار
آپ نے اُن کو دو دو قیراط دیئے اور ہم کو
ایک ایک حالانکہ ہمارا عمل زیادہ ہے۔ اللہ
عز وجل نے یہ ارشاد فرمایا کہ کیا میں نے
تمہاری اجرت میں کچھ کمی ہے؟ کہا
نہیں۔ پس فرمایا رب العزت نے یہ میرا
فضل ہے جس کو چاہوں دوں۔

اور انجیل متی کی سولہویں آیت کا یہ جملہ کہ ”اسی طرح آخر اول ہو جائیں اور اول آخر“
بعینہ صحیح بخاری کی اس حدیث کے مطابق ہے:-

حدثنا ابو هريرة رضي الله
تعالی عنه عن رسول الله
صلی الله علیه وسلم قال
نحن الاخرون السابقون
السابقون
(بخاری شریف ص ۱۰۴۲ ج ۲)

یعنی زمانہ کے لحاظ سے ہم سب سے اخیر میں ہیں۔ مگر دخولِ جنت میں حق تعالیٰ شانہ
کے فضل سے سب سے مقدم ہیں۔

بشارت بست و چہارم و بست و پنجم از انجیل برناباس

نقل القسیس سیل فرے
مقدمة ترجمة للقرآن العظيم
من انجيل برناباس وطبعت
سنة ١٨٥٢م وانتشرت ثم طبعوا
الكتاب مرة ثانية فاخرجوها
وحذفوها وهي مانصها اعلم
يا برنابا ان الذنب وان كان
صغيراً يجزى الله عليه ان الله
تعالى غير راضى عن الذنب
ولما اجتنى اُمتى وتلا ميذى
لاجل الدنيا سخط الله لاجل
هذا الامر واراد باقتضاء عدله
ان يجزيهم فى هذا العالم
على هذه العقيدة الغير اللائقة
ليحصل لهم النجاة من
عذاب جهنم ولا يكون لهم
اذية هناك وانى كنت
بريئاً لكن بعض الناس لما
قالوا فى حقى انه الله وابن الله
كره الله هذا القول واقتضت
مشيئته بان لا تضحك
الشياطين يوم القيامة على

پادری سیل نے اپنے ترجمہ قرآن عظیم کے
مقدمہ میں انجیل برناباس سے نقل کیا اور
یہ انجیل ۱۸۵۲ء میں طبع ہو کر شائع ہوئی۔
لیکن دوسری طباعت میں اس بشارت کو
حذف کر دیا اور وہ بشارت جس کو پادری
سیل نے نقل کیا ہے یہ ہے اے برنابا گناہ
اگرچہ چھوٹا ہی کیوں نہ ہو اللہ تعالیٰ اس کی
جزاء دیتے ہیں اس لئے کہ حق تعالیٰ گناہ
سے راضی نہیں میری اُمت اور میرے
شاگردوں نے جب دنیا کے لئے گناہ کیا
تو اللہ تعالیٰ ناراض ہوئے اور باقتضاء
عدل و انصاف یہ ارادہ فرمایا کہ ان کو اسی
دنیا میں اسی غیر مناسب عقیدے کی بنا پر
سزا دے تاکہ عذاب جہنم سے نجات
پائیں اور وہاں ان کو کوئی تکلیف نہ ہو۔ اور
میں اگرچہ اس عقیدہ فاسدہ سے بالکل
بری ہوں لیکن چونکہ بعض لوگوں نے مجھ کو
اللہ اور ابن اللہ کہا تو اللہ تعالیٰ کو یہ کہنا
ناگوار ہوا۔ اور اس کی مشیت اس کی مقتضی
ہوئی کہ قیامت کے دن شیاطین مجھ پر نہ
ہنسیں اور نہ میرا مذاق اڑائیں پس اللہ نے
اپنی مہربانی اور رحمت سے یہ پسند کیا کہ

ولا يستهزؤن بى فاستحسن
بمقتضى لطفه ورحمة ان
يكون الضحك والاستهزاء
فى الدنيا بسبب يهوداه
ويظن كل شخص انى
صلبت لكن هذه الاهانة
والاستهزاء يبقيان الى ان
يجيى مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ فَاِذَا
جاء فى الدنيا ينبه كل مؤمن
على هذا الغلط وترتفع هذه
الشبهة من قلوب الناس
انتهت ترجمة بحروفها
قال فى اظهار الحق فان
اعترضوا ان هذا الانجيل رده
مجالس علماء هم فنقول
لا اعتبار لردهم وهذا من
الاناجيل القديمة
ويوجد ذكره فى كتب القرن
الثانى والثالث فعلى هذا
قبل ظهور نبينا صلى الله
عليه وسلم بمائتى سنة
ولا يقدر احد ان يخبر بمثل هذا
الامر من غير الهام كما لا
يخفى على ذوالافهام قال
والبشارة الثانية قال الفاضل

یہودا کی وجہ سے یہ نبی دنیا ہی میں ہوا اور ہر
شخص یہ گمان کرتا رہا ہے کہ میں سولی دے
دیا گیا۔ لیکن یہ اہانت واستہزاء فقط محمد
رسول اللہ ﷺ ہی کے آنے تک رہے
گا۔ پس جب آپ دنیا میں تشریف لائیں
گے تو ہر مومن کو اس غلطی پر متنبہ فرمائیں
گے اور یہ شبہ لوگوں کے دلوں سے مرتفع
ہو جائے گا ترجمہ بلفظہا ختم ہوا۔

اظہار الحق میں ہے کہ اگر یہ لوگ اعتراض
کریں کہ اس انجیل کو علماء نصاریٰ نے رد
کیا ہے تو ہم یہ کہیں گے کہ اس رد کا کوئی
اعتبار نہیں اس لئے کہ یہ انجیل قدیم
انجیلوں میں سے ہے۔ اس کا تذکرہ
دوسری اور تیسری صدی عیسوی کی کتابوں
میں ہے۔ پس اس بناء پر کہ یہ انجیل نبی
اکرم ﷺ کے ظہور سے دو سو سال قبل
لکھی گئی ہے۔ اور اس جیسے عظیم الشان امر
کی بدون البہام کے خبر دینا اہل فہم کے
نزدیک ناممکن ہے دوسری بشارت فاضل
حیدر علی قرشی اپنی کتاب خلاصہ
سیف المسلمین جو اردو زبان

اظہار الحق میں ہے کہ اگر یہ لوگ اعتراض
کریں کہ اس انجیل کو علماء نصاریٰ نے رد
کیا ہے تو ہم یہ کہیں گے کہ اس رد کا کوئی
اعتبار نہیں اس لئے کہ یہ انجیل قدیم
انجیلوں میں سے ہے۔ اس کا تذکرہ
دوسری اور تیسری صدی عیسوی کی کتابوں
میں ہے۔ پس اس بناء پر کہ یہ انجیل نبی
اکرم ﷺ کے ظہور سے دو سو سال قبل
لکھی گئی ہے۔ اور اس جیسے عظیم الشان امر
کی بدون البہام کے خبر دینا اہل فہم کے
نزدیک ناممکن ہے دوسری بشارت فاضل
حیدر علی قرشی اپنی کتاب خلاصہ
سیف المسلمین جو اردو زبان

الحیدر علی القرشی فی کتابہ
المسمی خلاصۃ سیف
المسلمین الذی ہو فی لسان
الاردوای الہندی فی صحیفۃ
الثالثۃ والستین ان القسیس
اوسکان الارمنی ترجم کتاب
اشعیاء علیہ السلام باللسان
الارمنی فی ۱۶۶۲ء وفیہ فی
الباب الثانی والاربعین ہذا
الفقرۃ ونصہا۔ وسبحواللہ
تسبیحاً جدیداً واثر سلطنتہ علی
اظہرہ واسمہ احمد انتہت
وهذہ الترجمة موجودة
عند الارامن فانظر وافہا۔
انتہی کلامہ کذافی
الجواب الفسیح لما لفقہ عبد
المسیح ص ۹۷ ج ۱

سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُونَ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِينَ
وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ

انباء الغیب یعنی آئندہ واقعات کے متعلق قرآن اور

حدیث کی پیشین گوئیاں

قال تعالیٰ تِلْكَ مِنْ أَنْبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيهَا إِلَيْكَ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَا
أَنْتَ وَلَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هَذَا فَاصْبِرْ إِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِينَ (سورہ صود)

(ترجمہ) یہ نوح علیہ السلام کا قصہ آپ کے حق میں منجملہ اخبار غیب کے ہے بذریعہ وحی کے ہم نے آپ کو اُس سے آگاہ کیا۔ اور نزولِ وحی سے پہلے نہ آپ کو اس قصہ کا علم تھا اور نہ آپ کی قوم کو اس کا علم تھا صرف وحی کے ذریعہ آپ کو اس کا علم ہوا سو آپ نوح علیہ السلام کی طرح کافروں کے مقابلہ میں صبر کیجئے۔ یقیناً اچھا انجام خدا سے ڈرنے والوں کا ہے۔

جیسا کہ نوح علیہ السلام کے کافروں نے کچھ عرصہ تک شور و غوغا برپا رکھا بالآخر غرق ہوئے اور نوح علیہ السلام اور ان کے اصحاب کامیاب ہوئے۔ منجملہ دلائلِ نبوت و براہین رسالت کے قرآن اور حدیث کا بہت سی پیشین گوئیوں پر مشتمل ہونا ہے کہ قبل از وقوع بہت سے آئندہ امور کی خبریں دی گئیں کہ جن میں عقل اور قیاس اور تخمینہ اور وہم و گمان کا ذرہ برابر بھی امکان نہیں اور پھر وہ امور اسی خبر کے مطابق واقع اور ظاہر ہوئے مثلاً آپ نے جنگ بدر میں لڑائی شروع ہونے سے پہلے ہی یہ خبر دی کہ کل آئندہ کو فلاں شخص فلاں مقام پر اور فلاں شخص فلاں جگہ پر مارا جائے گا اور متعدد اشخاص کے متعلق ایسا ہی ارشاد فرمایا اور ہر ایک کی جائے قتل پر چھڑی سے نشان بھی لگا دیا اور پھر اگلے دن ایسا ہی ہوا اور سب نے آنکھوں سے مشاہدہ کر لیا کہ ہر شخص اپنی نشان زدہ جگہ پر مقتول پڑا ہوا ہے۔

اور آپ نے یمن اور شام اور عراق کی فتح کی خبر دی جس ترتیب سے آپ نے خبر دی تھی اسی ترتیب سے مقامات مذکورہ فتح ہوئے۔ اس سے لوگوں کو آپ کی راستبازی کا یقین ہوا اور راست باز کی علامت اور نشانی ہی راست بازی ہے اور جب بار بار کے تجربہ سے یہ ثابت ہو گیا کہ آپ نے جو غیب کی خبریں دی تھیں وہ آپ کے بیان کے مطابق نکلیں تو آپ کو صادق اور راست باز ماننے پر مجبور ہو گئے اور سمجھ گئے کہ دوسری خبریں بھی اسی طرح صحیح اور درست ہوں گی اس لئے کہ کسی برگزیدہ بندہ کی زبان سے ایسی خبروں اور پیشین گوئیوں کا صدور اور ظہور جس سے علم بشری اور ادراک انسانی عاجز اور قاصر ہو یہ اس امر کی بین دلیل ہے کہ اس شخص کا خداوند علام الغیوب سے کوئی خاص تعلق ہے۔ اس لئے کہ بدون خداوند علام الغیوب کے اطلاع دیے کوئی بشر ایسی پیشین گوئی نہیں کر سکتا کسی شخص کا بلا کسی قرینہ اور بلا کسی تخمینہ کے یہ خبر دینا کہ فلاں وقت میں ایسا ہوگا اور پھر ویسا ہی ہوا بدون وحی ربانی اور اطلاع غیبی ناممکن اور محال ہے، لہذا ایسے صادق اور راست باز پر ایمان لانا ضروری ہے، جس

طرح بادشاہ کبھی کبھی اپنے وزیر اور سفیر کو اپنے خاص خاص رازوں پر مطلع کرتا ہے اور جب وہ وزیر اور سفیر کسی وقت عند الضرورت اور حسب مصلحت لوگوں کو ان رازوں پر بطور تنبیہ اور تہدید آگاہ کرتا ہے تو اہل فہم سمجھ جاتے ہیں کہ یہ شخص بادشاہ کا مخصوص اور مقرب ہے۔

اسی طرح خداوند علام الغیوب کبھی کبھی اپنے رسولوں کو بذریعہ وحی کے بعض غیبی امور کی اطلاع دیتے ہیں تاکہ لوگ سمجھ جائیں کہ اس شخص کا عالم غیب سے خاص تعلق ہے اور یہ شخص خداوند علام الغیوب کا مقبول خاص اور برگزیدہ باختصاص ہے جس کو حق تعالیٰ نے رموز سے آگاہ فرمایا ہے اسلئے کہ حضرات انبیاء و مرسلین جن باتوں کی خبر دیتے ہیں وہ عقل اور تجربہ اور قیاس اور تخمینہ سے کہیں بالاتر ہوتی ہیں ان کو سن کر لوگ یقین کر لیتے ہیں کہ یہ باتیں صرف علام الغیوب ہی کے بتلانے سے معلوم ہو سکتی ہیں یہی وجہ ہے کہ منافقین ڈرتے رہتے تھے کہ ہمارے دلی عزائم ظاہر نہ کر دیئے جائیں اور ہم برملا رسوا ہوں۔ کما قال تعالیٰ۔ یَحْذَرُ الْمُنَافِقُونَ أَنْ تُنْزَلَ عَلَيْهِمْ سُورَةٌ تُنَبِّئُهُمْ بِمَا فِي قُلُوبِهِمْ۔

عوام الناس کی فطرت اس بات کی مقتضی ہے کہ کوئی ان کا ہادی اور رہنما ہو اور ہدایت اور حقانیت کی باتیں ان کو بتلائے اور عام لوگ ہدایت اور حقانیت کی باتوں کو اسی وقت مان سکتے ہیں کہ جب ہادی اور داعی الی الحق کی راستبازی ان پر منکشف ہو جائے اس لئے اللہ تعالیٰ حضرات انبیاء کی صداقت اور راستبازی ظاہر کرنے کے لئے بذریعہ وحی والہام ان کو غیب کی خبروں سے مطلع کرتا ہے کہ تاکہ اس خبر کی تصدیق سے ان پر انبیاء کی صداقت ظاہر ہو اس لئے کہ ایسے سواخ اور واقعات کہ جو وہم و گمان اور تجربہ سے کہیں بالا اور برتر ہوں۔ وقوع اور ظہور سے پہلے ان کی خبر اور اطلاع دے دینا یہ بغیر تائیدِ صمدی اور مددِ غیبی ناممکن ہے۔

محمدی پیشین گوئیوں کا امتیاز

انبیاء سابقین نے بھی پیشین گوئیاں کی ہیں لیکن محمد رسول اللہ ﷺ کی پیشین گوئیوں کو جو امتیاز حاصل ہے وہ یہ ہے کہ انبیاء بنی اسرائیل کی پیشین گوئیاں بہت مجمل اور مبہم تھیں جو محض اشارات اور کنایات کے درجہ میں تھیں اور محتاج تاویل تھیں اور آنحضرت ﷺ کی

پیشین گوئیاں واضح اور ظاہر ہیں اور تاویل اور شک سے بہت دور ہیں۔ مثلاً غلبہ روم اور خلافت راشدہ اور فتح یمن اور فتح شام اور فتح عراق اور قیصر و کسریٰ کی سلطنتوں پر قبضہ کی تمام پیشین گوئیاں صریح اور واضح ہیں جن میں تاویل کی حاجت نہیں۔ علاوہ ازیں وہ ایسی عظیم الشان ہیں جن کو دیکھ کر اور سن کر عالم دنگ اور حیران ہے اور زبان زد خلاق ہے۔

آں حضرت ﷺ نے جو آنے والے واقعات یا پیش آنے والے فتنوں کے متعلق خبریں دیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا آپ ان کو دیکھ رہے ہیں۔ اول ہم قرآن کریم کی پیشین گوئیوں کا اور اس کے بعد ان پیشین گوئیوں کا ذکر کریں گے جو احادیث صحیحہ میں مذکور ہیں۔

(۱) حفاظت قرآن کی پیشین گوئی

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ۔ (الحجر، ۹) : تحقیق ہم نے اس نصیحت (یعنی قرآن) کو اتارا ہے اور البتہ تحقیق ہم ہی اس کے محافظ اور نگہبان ہیں۔

کسی کی کیا مجال ہے کہ قرآن کریم میں کسی قسم کی کمی یا زیادتی یا تحریف اور تبدیل کر سکے۔ اللہ کا یہ وعدہ پورا ہوا چودھویں صدی آگئی مگر بحمدہ تعالیٰ قرآن بلا کمی بیشی ایک حرف کے اسی طرح چلا آرہا ہے جس طرح آنحضرت ﷺ پر نازل ہوا تھا اور سر ولیم میور ہی نہیں بلکہ ساری دنیا اس معجزہ کی قائل ہے۔ بہت سے دشمنان اسلام نے اس کی کوشش کی کہ قرآن کو مشکوک بنادیں مگر بحمدہ تعالیٰ ایک کلمہ کی تغیر اور تبدیل پر بھی قدرت نہ ہوئی، خدا تعالیٰ نے جو حفاظت کا وعدہ فرمایا تھا وہ بلاشبہ سچا ہے، بخلاف توریت اور انجیل کے کہ خود یہود و نصاریٰ اس میں ہر قسم کی تحریف کے مقرر اور معترف ہیں۔

(۲) اعجاز قرآن کی پیشین گوئی

قُلْ لِّمَنِ اجْتَمَعَتِ الْإِنْسُ وَالْجِنُّ عَلَىٰ أَنْ يَأْتُوا بِمِثْلِ هَذَا الْقُرْآنِ لَا يَأْتُونَ بِمِثْلِهِ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيرًا (نہی اسرائیل ۸۸)

اے نبی کریم آپ لوگوں سے کہہ دیجئے کہ اگر انسان اور جن سب جمع ہو کر قرآن کا مثل لانا چاہیں تو قرآن کا مثل نہیں لاسکیں گے اگرچہ ایک دوسرے کے معین اور مددگار ہو جائیں۔

(۳) حفاظت نبوی کی پیشین گوئی

وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ! اور اللہ آپ کو لوگوں کے شر سے محفوظ رکھے گا۔

ابتداء بعثت میں آپ تنہا بے یار و مددگار تھے اور سارا عرب بلکہ سارا عالم آپ کا دشمن تھا اللہ تعالیٰ نے آپ کی حفاظت کا وعدہ فرمایا کہ آپ گھبرائے نہیں اللہ تعالیٰ آپ کا محافظ ہے۔ دشمن آپ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ سو الحمد للہ۔ اللہ کا یہ وعدہ پورا ہوا اور مختلف اوقات میں اللہ نے آپ کو دشمنوں سے بچایا۔ چنانچہ ہجرت کے وقت جب کفار آپ کے قتل کا پورا قصد کر چکے تھے تو آپ نے حضرت علی کو اپنے بستر پر لٹایا اور سورہ یسین کی ابتدائی آیتیں پڑھ کر کافروں پر ایک مُشت خاک ڈالی اور ان کے سامنے سے نکل کر ابوبکر کے گھر گئے۔ اور ان کو ساتھ لے کر غار ثور تشریف لے گئے جس کے بارہ میں یہ آیت نازل ہوئی۔ وَادْخُلْ مَكْرِبَكَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِيُثْبِتُوكَ أَوْ يَقْتُلُوكَ أَوْ يُخْرِجُوكَ

(۴) غلبہ اسلام کی پیشین گوئی

هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ (الفج، ۲۸)

وہی ہے جس نے بھیجا اپنا رسول ہدایت اور دین حق دے کرتا کہ غالب کرے اس دین حق کو یعنی دین اسلام کو تمام دینوں پر اگرچہ کافروں کو ناگوار گزرے۔

حجۃ تعالیٰ حق تعالیٰ کا یہ وعدہ پورا ہوا اور اسلام، یہودیت اور نصرانیت اور مجوسیت اور بُت پرستی اور دھرمیت سب مذاہب باطلہ پر غالب آگیا اور کسی مذہب میں یہ طاقت نہ ہوئی کہ دلائل اور براہین سے اسلام کا مقابلہ کر سکے۔

(۵) غلبہ روم کی پیشین گوئی

الْمَّ غُلِبَتِ الرُّومُ فِيْ اَدْنٰى الْاَرْضِ وَهُمْ بَيْنَ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُوْنَ
فِيْ بَضْعِ سِنِيْنَ لِّلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْ بَعْدُ وَيَوْمَئِذٍ يَفْرَحُ
الْمُؤْمِنُوْنَ بِنَصْرِ اللّٰهِ يَنْصُرُ مَنْ يَّشَاءُ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ وَعَدَ اللّٰهُ
لَا يُخْلِفُ اللّٰهُ وَعْدَهُ وَلٰكِنْ اَكْثَرُ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ (الروم، ۱-۶)

مغلوب ہو گئے روم کے لوگ یعنی نصارائے روم عرب کے قریبی زمین میں اور وہ اس
مغلوبی کے بعد عنقریب چند سال میں غالب ہوں گے اللہ ہی کو اختیار ہے پہلے بھی اور بعد
میں بھی یعنی جس طرح یہ مغلوبیت اس کے ارادہ سے ظہور میں آئی ہے اسی طرح اس کے
ارادہ سے غلبہ بھی ظہور میں آ جائے گا اور اُس دن (یعنی جس دن رومی پارسیوں پر غالب
ہوں گے) تو اس وقت مسلمان خوش ہوں گے کہ اللہ کی مدد سے اہل کتاب اہل شرک پر
غالب آئے اللہ جس کی چاہتا ہے مدد کرتا ہے اور وہی ہے زبردست رحم والا یہ اللہ نے وعدہ کیا
ہے کہ مسلمانوں کو خوش کرنے کیلئے چند روز بعد روم کو فارس پر غلبہ عطا کرے گا اللہ اپنے وعدہ
میں خلاف نہیں کرتا لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

ان آیتوں میں ایک زبردست پیشین گوئی کا ذکر ہے۔ یہ آیتیں ہجرت مدینہ سے پہلے
مکہ مکرمہ میں نازل ہوئیں، واقعہ یہ ہوا کہ رومیوں اور ایرانیوں میں لڑائی ہوئی۔ ایرانی
رومیوں پر غالب آ گئے۔ مشرکین مکہ بہت خوش ہوئے اور ازراہ طعن مسلمانوں سے یہ کہا کہ
ایرانی جو ہماری طرح مشرک ہیں وہ اہل کتاب پر غالب آ گئے یہ ہمارے لئے شگون نیک
ہے ایک دن ہم بھی مسلمانوں پر جو اہل کتاب ہیں اسی طرح غالب ہوں گے۔ مسلمان
رنجیدہ ہوئے اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں اتاریں جن میں یہ پیشین گوئی کر دی گئی کہ رومی
اگرچہ اس وقت مغلوب ہو گئے ہیں مگر دس برس کے اندر اندر پھر رومی فارس پر غلبہ پائیں
گے، یہ اللہ کا وعدہ ہے جو یقیناً پورا ہو کر رہے گا۔

چنانچہ سات برس پورے نہیں گزرے کہ قرآن کریم کی یہ پیشین گوئی پوری ہوئی اور
رومی ایرانیوں پر غالب آ گئے اور صلح حدیبیہ کے زمانے میں اللہ کا یہ وعدہ پورا ہوا۔

(۶) خلافت راشدہ کی پیشین گوئی

وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا يَعْبُدُونَنِي لَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئًا ۗ

اس آیت میں حق تعالیٰ نے اس زمانے کے مؤمنین صالحین یعنی صحابہ سے تین وعدے فرمائے اول یہ کہ تم کو ایسی خلافت اور سلطنت عظمیٰ عطا کرے گا جیسے تم سے پہلے بنی اسرائیل میں داؤد اور سلیمان علیہما السلام کو بے مثال خلافت اور بادشاہت عطا کی۔

دوم یہ کہ ان کے دور حکومت میں دین اسلام کو ایسی تمکین اور استحکام عطا کرے گا کہ دین اسلام، تمام مذاہب عالم پر غالب آجائے گا۔ سوم یہ کہ اُن کے دل سے کفار کا خوف بالکل جاتا رہے گا اور بے خوف و خطر اور نہایت امن و امان کے ساتھ اللہ کی عبادت کریں گے اور اسی قسم کا مضمون احادیث میں وارد ہوا ہے۔

سوالحمد للہ یہ وعدہ خلفائے راشدین کے ہاتھ پر پورا ہوا کہ صحابہ قیصر و کسریٰ کے خزانے پر قابض ہوئے اور جس وقت یہ پیشین گوئی کی گئی اس وقت صحابہ بے سرو سامان تھے تنگ دستی اور بے سرو سامانی کی وجہ سے کافروں سے خوف زدہ تھے رات کو سوتے تھے اور یہ ڈر رہتا تھا کہ معلوم کون ہم پر چڑھ آئے اور نہ قواعد جنگ سے کما بینگی آگاہ تھے اور نہ قواعد جہانگیری اور ضوابط ملکی سے آشنا تھے۔ تمام قبائل اہل اسلام کے دشمن تھے اور مسلمانوں کے خون کے پیا سے تھے ایران میں مجوسیوں کی سلطنت زور و شور سے قائم تھی اور روم میں عیسائیوں کی سلطنت محکم تھی اور دونوں سلطنتیں فوجی طاقت اور مال و دولت اور اسلحہ اور خزانہ کے لحاظ سے حد کمال کو پہنچی ہوئی تھیں جیسے مسلمان بے سرو سامانی میں حد کمال کو پہنچے ہوئے تھے اور روئے زمین پر قیصر و کسریٰ کے مقابلہ کا کوئی حکمران نہ تھا۔

مگر باوجود اس کے تیس برس کی مدت میں خلافت اور سلطنت کے متعلق جس قدر پیشین

گوئیاں کی گئی تھیں وہ بلا سبب ظاہری محض تائیدِ غیبی سے عجب طرح ظہور میں آئیں وہ اس طرح کہ حضور پر نور کی زندگی ہی میں حجاز اور نجد اور یمن اور خیبر اور بحرین اور اکثر ملک عرب اہل اسلام کے قبضہ میں آ گیا۔ اور نجاشی شاہ حبشہ مسلمان ہو گیا اور سارا ملک حبش دار الحرب سے دارالاسلام بن گیا اور ہجر کے مجوسی اور نواحِ شام کے بعض عیسائی جزیرہ گزار ہو گئے۔

اور صدیق اکبر کے زمانہ خلافت میں فارس کے بعض علاقے اور بصریٰ اور ملک شام کے بعض علاقے مسلمانوں کے تصرف میں آئے۔

اور فاروق اعظم کے عہد خلافت میں پورے ملک شام اور پورے ملک مصر اور فارس کے اکثر ملک پر مسلمانوں کا قبضہ ہوا اور کسریٰ نے ہر چند کوشش کی لیکن سوائے کسر شوکت کے کچھ حاصل نہ کیا اور قیصر نے بہتیرے ہاتھ پیر مارے لیکن سوائے قصور طالع کے کچھ نہ دیکھا اور ولایاتِ فرنگستان جو اکثر قیصر کے ماتحت تھیں۔ وہ قیصر کی مغلوبی کے بعد فاروق اعظم کے زیرِ انتداب آ گئیں اور خزانے اور اسباب بے حساب مسلمانوں میں تقسیم ہوا۔ اور ان تمام اقالیم میں تو حید اور اسلام کا ڈنکا بج گیا اور بعض علاقوں سے تو کفر و شرک کا نام و نشان مٹ گیا اور بعض جگہوں میں کفر مغلوب اور سرنگوں ہو گیا اور بے خوف و خطر نہایت امن کے ساتھ مسلمان اللہ کی عبادت کرنے لگے۔

اور عثمان ذی النورین کے زمانہ خلافت میں مغرب کی جانب منتہائے اندلس اور قیروان اور بحرِ محیط کے متصل تک اور مشرق کی جانب میں بلادِ چین تک سب ملک مفتوح ہوئے اور عثمان غنی کے عہد خلافت میں کسریٰ کی حکومت کا بالکل خاتمہ ہو گیا اور اس کا نام و نشان بھی نہ رہا اور ۳۵ھ میں کسریٰ مارا گیا اور مشارق اور مغارب کا خراجِ مدینہ کے خزانے میں آنے لگا، تمام دنیا اس وقت مسلمانوں کے تابع تھی اور خدا کے فضل و رحمت سے روئے زمین پر اقتدارِ اعلیٰ مسلمانوں کو حاصل تھا جیسے جب نادر شاہ نے شہنشاہ ہندوستان محمد شاہ پر غلبہ پالیا تو گویا کہ سارے ہندوستان پر اس کا تسلط ہو گیا۔ اگرچہ اس وقت صوبہ دکن نے اسکی اطاعت نہ کی تھی، اسی طرح سمجھو کہ جب سلطنتِ روم مغلوب ہو گئی تو سب ولایاتِ فرنگ جو سلطنتِ روم کے ماتحت تھیں وہ سب مغلوب ہو گئیں اور گویا کہ اسلام ہی کا سب پر

تسلط اور اقتدار قائم ہو گیا اور اسلام کی ایسی محکم اور مضبوط اور عظیم و وسیع سلطنت قائم ہوئی گویا کہ تمام دنیا کی سلطنتیں اسلامی حکومت کے ماتحت اور زیرِ انتداب تھیں۔

حاصل کلام یہ کہ خدا اور اس کے رسول کے وعدہ کے مطابق اتنے قلیل عرصہ میں صد ہا سال کی باندہ سلطنتیں مٹ گئیں اور نصاریٰ اور مجوس اور مشرکین نے اسلام کے مقابلہ کی سر توڑ کوششیں کیں لیکن بھجوائے

چراغے را کہ نیرو بر فروزد ہر آنکہ تف زند ریش بسوزد
ان کی کوشش سے اُن کو کوئی فائدہ نہ ہوا بلکہ اسکے برعکس اسلام کو عروج ہوتا رہا اسلام کی علمداری عرض میں کہیں پینتالیس اور چوالیس درجہ تک پہنچی جیسے باب المندب سے بلادِ یونان تک اور کہیں پچاس درجہ تک جیسے ترکستان کی شمالی حدود تک اور کسی جگہ ستر درجہ تک اور کسی جگہ بیاسی درجہ تک پہنچی اور ان تمام اقالیم میں اسلام کے قدم جم گئے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے زمانہ خلافت میں اگرچہ کوئی ملک فتح نہیں ہوا مگر اسلام کی ترقی میں شک نہیں اسلئے کہ حضرت علی اور حضرت معاویہ کا اختلاف برادرانہ اختلاف تھا کفر کے مقابلہ میں دونوں بھائی ایک تھے۔ خلفائے راشدین کی فتوحات کے متعلق بڑی بڑی مبسوط کتابیں لکھی گئیں جن سے روز روشن طرح واضح ہے کہ خلفائے راشدین کے زمانہ میں اسلام کو جو ترقی نصیب ہوئی دنیا میں اس کی نظیر نہیں مل سکتی۔ قیصر و کسریٰ کی سلطنتیں الٹ ڈالیں اور آدھا کرۂ زمین فتح کر ڈالا اور توحید اور دین حق کو سر بلند کیا اور کفر اور شرک کو سرنگوں کیا اور دنیا کو عدل اور انصاف سے بھر دیا رضی اللہ عنہم ورضو اعنہ۔

(۷) فتح خیبر کی پیشین گوئی ۱

(۸) فتح فارس و روم کی پیشین گوئی

لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَنْزَلَ السَّكِينَةَ عَلَيْهِمْ وَأَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيبًا وَمَا نِمَ كَثِيرَةً يَأْخُذُ وَنَهَا كَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا وَعَدَ كُمْ اللَّهُ مَعَانِمَ

كثِيرَةٌ تَأْخُذُونَهَا فَعَجَّلْ لَكُمْ هَذِهِ وَكَفَّ أَيْدِيَ النَّاسِ عَنْكُمْ وَ
لِتَكُونَ آيَةً لِّلْمُؤْمِنِينَ وَيَهْدِيَكُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيمًا وَآخِرَى لَمْ
تَقْدِرُوا عَلَيْهَا قَدْ أَحَاطَ اللَّهُ بِهَا وَكَانَ اللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرًا ۝

(الفصل ١٨)

اس آیت میں حق تعالیٰ نے ان مسلمانوں سے جو بیعت رضوان میں شریک تھے اُن سے دو وعدے فرمائے قریب میں فتح خیبر کا وعدہ فرمایا کما قال تعالیٰ وَ اَنَابَهُمْ فَتَحْنَا قَرِيْبًا اور دوسرا وعدہ فتح روم اور فارس کا فرمایا اس لئے کہ وَ اٰخِرٰى لَمْ تَقْدِرُوْا عَلٰیہَا مِیْنِ فَتَحْ فَارِسَ وَ رُوْمَ فَتَحْنَا رُوْمَ کِی طرف اشارہ ہے۔

بجہ تعالیٰ اللہ کے سب وعدے پورے ہوئے خیر آپ کی زندگی میں فتح ہوا اور فارس و روم عمر فاروق کے زمانے میں فتح ہوئے۔

(۹) قبائل عرب کی مغلوبی اور شکست کی پیشین گوئی۔

قُلْ لِلَّذِينَ كَفَرُوا سَعْلَبُونَ - أَمْ يَقُولُونَ نَحْنُ جَمِيعٌ مُنْتَصِرُونَ
سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّونَ الدُّبُرَ -

حق تعالیٰ کے اس وعدے کے مطابق ہجرت کے آٹھویں سال مکہ فتح ہوا اور قبائل عرب اتنے مغلوب ہوئے کہ اسلام کے مقابلے میں سر اٹھانے کی طاقت نہ رہی۔ اور ہجرت کے چوتھے سال یہود بنو نضیر مغلوب ہوئے اور جلائے وطن ہوئے اور ہجرت کے پانچویں سال بنی قریظہ مقتول ہوئے اور ہجرت کے ساتویں سال خیبر فتح ہوا اور یہود مسلمانوں کے کاشتکار اور جزیرہ گذار بنے۔

(۱۰) فتح مکہ کی پیشین گوئی ۲

إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللَّهِ أَفْوَاجًا فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ إِنَّهُ كَانَ تَوَّابًا

(النصر ١-٣)

ہجرت کے آٹھویں سال مکہ فتح ہوا اور نویں اور دسویں سال ہر طرف سے قبائل عرب اور اہل شام اور اہل عراق آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر ایمان لائے اور فوج فوج دین اسلام میں داخل ہوئے۔

(۱۱) غزوہ احزاب میں کامیابی کی پیشین گوئی

قَالَ تَعَالَىٰ وَلَمَّا رَأَى الْمُؤْمِنُونَ الْأَحْزَابَ قَالُوا هَذَا مَا وَعَدَنَا اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَصَدَقَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَمَا زَادَهُمْ إِلَّا إِيمَانًا وَتَسْلِيمًا

(الاحزاب ۲۳)

اور حدیث میں ہے سیشستہ الامر اجتماع الاحزاب علیکم والعاقبة لکم علیہم قریب ہے کہ عرب کے مختلف قبائل اور فوجیں جمع ہو کر تم پر چڑھائی کریں گی لیکن آخر تم ہی کو ان پر غلبہ ہوگا۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ غزوہ احزاب میں قبائل عرب چڑھ کر مسلمانوں پر آئے اور بجمہ تعالیٰ خدا اور رسول کا وعدہ سچا نکلا اور مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے غلبہ اور فتح عطاء کی اور کافران کا کام واپس ہو گئے۔

(۱۲) یہود کے متعلق پیشین گوئی کہ

وہ ہرگز موت کی تمنا نہیں کریں گے۔

قُلْ إِنْ كَانَتْ لَكُمْ الدَّارُ الْآخِرَةُ عِنْدَ اللَّهِ خَالِصَةً مِّنْ دُونِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ وَلَنْ يَتَمَنَّوْهُ أَبَدًا بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالظَّالِمِينَ

(البقرہ ۹۲-۹۵)

آنحضرت ﷺ نے یہودیوں سے فرمایا کہ اگر تم اس دعوے میں سچے ہو کہ تم اللہ کے محبوب ہو تو موت کی تمنا کرو اور ساتھ ہی ساتھ پیشین گوئی کر دی کہ تم ہرگز موت کی تمنا نہیں کر سکو گے چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ موت کی تمنا نہ کر سکے۔

اور یہی مضمون سورہ جمعہ کی آیت میں ہے۔ وَلَا يَتَمَنَّوْنَہٗ اَبَدًا بِمَا قَدَّمْتُ اَیْدِیْہُمْ وَاللّٰہُ عَلَیْہِم بِالظَّالِمِیْنَ۔

(۱۳) القاءِ رعب کی پیشین گوئی

سَنَلْقٰی فِیْ قُلُوْبِ الذِّیْنَ کَفَرُوْا الرُّعْبَ بِمَا اَشْرَکُوْا بِاللّٰہِ مَا لَمْ یُنَزَّلْ بِہٖ سُلْطٰنًا وَمَا وَاھُمُ النَّارُ۔ (آل عمران ۱۵۱)
جیسا کہ غزوہ حراء الاسد میں پیش آیا کہ اللہ نے کافروں کے دل میں ایسا رعب ڈالا کہ باوجود یکہ اُحد میں فتح پا چکے تھے۔ مگر پھر بھی ہمت نہ ہوئی۔

اور ایسا ہی غزوہ احزاب میں ہوا جس کی اللہ تعالیٰ نے یوں خبر دی ہے یٰۤاَیُّهَا الذِّیْنَ اٰمَنُوْا اذْکُرُوْا نِعْمَۃَ اللّٰہِ عَلَیْکُمْ اِذْ جَآءَ تَکْمُ جُنُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا عَلَیْہِم رِیْحًا وَّجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْہَا وَكَانَ اللّٰہُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرًا اور حدیث میں ہے۔ نصرت بالصبا و اہلکت عاد بالدبور من جانب اللہ میری باد صبا سے مدد کی گئی اور قوم عاد پکھوا ہوا سے ہلاک ہوئے۔

(۱۴) فتنہ ارتداد اور اس کے انسداد کی پیشین گوئی

یٰۤاَیُّهَا الذِّیْنَ اٰمَنُوْا مَنْ یَّرْتَدَّ مِنْکُمْ عَنْ دِیْنِہٖ فَسَوْفَ یَاْتِی اللّٰہُ بِقَوْمٍ یُّحِبُّہُمْ وَیُحِبُّوْنَہٗ اَذَلَّ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اَعِزَّةٌ عَلَی الْکَافِرِیْنَ یُجَاهِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَلَا یَخَافُوْنَ لَوْمَۃَ لَاِِمْ ذٰلِکَ فَضَّلَ اللّٰہُ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ وَاللّٰہُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ ۝ (المائدہ ۵۴)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کے زمانہ حیات میں پیشین گوئی فرمائی کہ آگے چل کر مسلمانوں میں سے بعض لوگ مرتد ہو جائیں گے یعنی اسلام سے پھر جائیں گے تو اس وقت اللہ تعالیٰ ان کے مقابلے کے لئے ایسے لوگ کھڑے کرے گا جو ان مرتدوں سے مقابلہ اور مقاتلہ کریں گے اور وہ مرتدین سے قتال کرنے والے خدا تعالیٰ کے محب اور

محبوب ہوں گے، چنانچہ صدیق اکبر کے زمانے میں فتنہ ارتداد پیش آیا اور بحکم صدیق اکبر صحابہ کرام نے مرتدین سے جہاد و قتال کیا اور مرتدین کو شکست دی۔

(۱۵) وفات نبوی ﷺ کی پیشین گوئی

إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللَّهِ أَفْوَاجًا فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ إِنَّهُ كَانَ تَوَّابًا ○ (النصر)

ابن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ اس سورت میں آں حضرت ﷺ کے سفر آخرت کی طرف اشارہ ہے کہ جب اللہ کی نصرت اور فتح آجائے اور لوگ فوج فوج اسلام میں داخل ہونے لگیں تو سمجھ لیجئے کہ بعثت کا مقصود پورا ہو گیا۔ اب تسبیح و تحمید اور استغفار میں مشغول ہو جائیے اور سفر آخرت کی تیاری کیجئے۔

یہاں تک ان پیشین گوئیوں کا ذکر تھا جو قرآن کریم میں مذکور ہیں۔ اب ہم ان پیشین گوئیوں کا ذکر کرتے ہیں جو احادیث نبویہ ﷺ میں مذکور ہیں۔

اُن پیشین گوئیوں کا بیان جن کا ذکر حدیث میں آیا ہے

صحیحین میں حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک بار آں حضرت ﷺ نے اپنے وعظ میں قیامت تک پیش آنے والے امور کا ذکر فرمایا یا درکھا جس نے یاد رکھا اور بھول گیا جو بھول گیا اور میرے اصحاب کو بھی اس کی خبر ہے ان میں سے بعض چیزیں ایسی ہیں جو میں بھول گیا مگر جب ان کو دیکھتا ہوں تو یاد آ جاتی ہیں۔ یعنی بعد وقوع کے پہچان لیتا ہوں کہ یہ وہی بات ہے کہ جو نبی کریم ﷺ نے فرمائی تھی جس طرح کسی شخص کی صورت یاد ہو اور وہ غائب ہو جائے۔ پھر جب اسے دیکھتا ہے تو پہچان لیتا ہے کہ یہ وہی فلاں شخص ہے۔ دیکھو زرقانی شرح مواہب ص ۲۰۵ ج ۷ اور دیکھو فتح الباری ص ۲۰۸ ج ۶ باب بدء الخلق اور کتاب القدر۔

اب ہم نہایت اختصار کے ساتھ اُن چیزوں کو بیان کرتے ہیں جو آں حضرت ﷺ نے قبل از وقوع بیان فرمائیں اور بجائے تخریج حدیث کے حوالہ کتاب پر اکتفا کرتے ہیں تاکہ جس کو تفصیل اور تحقیق درکار ہو وہ اصل کتاب کی مراجعت کر لے۔

- (۱) خلافت راشدہ کی خبر دی جو بے شمار احادیث سے ثابت ہے۔
- (۲) خلافت راشدہ کی مدت کی خبر دی کہ وہ تیس سال ہوگی۔ (زرقانی ج ۷: ص ۲۲۲)
- (۳) شیخین کی خلافت کی خبر دی کہ میرے بعد ابو بکر و عمر کا اقتداء کرنا۔
- (۴) خلافت راشدہ کی بابت بار بار ایسے ارشادات ظاہر ہوئے جس سے خلافت راشدہ کی ترتیب کا پتہ چل جاتا ہے۔
- (۵) اسلامی سلطنت کی وسعت اور فتوحات عظیمہ کی خبر دی اور فرمایا کہ میری امت کی سلطنت اتنی وسیع ہوگی جتنی زمین مجھ کو سمیٹ کر دکھائی گئی۔ (زرقانی ص ۲۱۰ ج ۷)
- (۶) قیصر و کسریٰ کی ہلاکت و بربادی کی خبر دی۔ (زرقانی ج ۷: ص ۲۰۷)
- (۷) خلافت راشدہ اور اس کے بعد ملک عضو کی خبر دی۔ (زرقانی ص ۲۲۱ ج ۷)
- (۸) فتح یمن اور فتح شام اور فتح عراق اور فتح مصر اور فتح بیت المقدس اور فتح قسطنطنیہ کی پیشین گوئی فرمائی۔
- (۹) جنگ بدر کے موقع پر جنگ شروع ہونے سے ایک روز پیشتر نام بنام مقتولین بدر کی خبر دی اور یہ فرمایا کہ فلاں شخص فلاں جگہ قتل ہو کر گرے گا، چنانچہ جو جگہ جس کے لئے فرمائی تھی وہ وہیں گرا۔
- (۱۰) ابی بن خلف کے قتل کی خبر دی کہ میں ہی اس کو قتل کروں گا۔
- (۱۱) غزوہ خندق کے بعد آپ نے ارشاد فرمایا کہ آج کے بعد قریش ہم پر حملہ آور ہونے کی جرأت نہ کریں گے بلکہ ہم ہی ان پر چڑھائی کریں گے۔
- (۱۲) نجاشی کی وفات کی خبر دی۔ (زرقانی ص ۲۰۶ ج ۷)
- (۱۳) غزوہ موتہ میں جو امیر لشکر شہید ہوئے حضور پر نور نے عین وقت شہادت پر تفصیل و ترتیب کے ساتھ ان کی شہادت کی خبر دی۔ (زرقانی ص ۲۰۹ ج ۷)
- (۱۴) مکہ مکرمہ میں قریش کو یہ خبر دی کہ صحیفہ ظالمہ کو جو خانہ کعبہ میں آویزاں ہے سوائے خدا کے نام کے کیڑوں نے کھا لیا ہے۔ (زرقانی ص ۲۱۰ ج ۷)
- (۱۵) مرض الوفات میں آپ نے حضرت فاطمہ کو یہ خبر دی کہ میری وفات کے بعد میرے اہل و عیال میں سے سب پہلے تو آکر مجھ سے ملے گی۔ (زرقانی ص ۲۱۲ ج ۷)
- (۱۶) حضور پر نور نے اپنے مرض الوفات میں اپنی ازواج مطہرات سے یہ ارشاد فرمایا کہ تم

میں سے جو سب سے زیادہ خیرات کرنے والی ہوگی وہ جلد تر مجھ سے آکر ملے گی چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ ازواجِ مطہرات میں حضرت زینب بنت جحش جو سب سے زیادہ خیرات کیا کرتی تھیں سب بیویوں سے پہلے ان کی وفات ہوئی۔

(۱۷) حضرت عمر کے حق میں فرمایا کہ یہ شخص فتنہ کا قفل ہے یعنی جب تک عمر زندہ رہے گا فتنہ بھی مقفل اور مقید رہے گا، چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ حضرت عمر کے وقت تک مسلمانوں میں کوئی فتنہ اور فساد رونما نہیں ہوا جب وہ گزر گئے تو فتنہ و فساد شروع ہوا۔

(۱۸-۱۹) حضرت عثمان اور حضرت علی کی شہادت کی خبر (زرقانی ص ۲۱۳ ج ۷)

آں حضرت ﷺ نے حضرت عثمان غنی کے متعلق خبر دی کہ تم دشمنوں کے بلوے سے شہید ہو گے اور تمہارے لئے جنت ہوگی چنانچہ ہو بہو ایسا ہی ظہور پذیر ہوا۔ (بخاری و مسلم بروایت ابی موسیٰ) اور حضرت علی کے متعلق فرمایا کہ ایک بدترین امت تمہارے سر پر ایسی تلوار مارے گا جس سے تمہاری ڈاڑھی رنگین ہو جائے گی چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ (زرقانی ص ۲۱۳ ج ۷)

(۲۰) جنگِ جمل کی خبر۔ (زرقانی ص ۲۱۵ ج ۷)

(۲۱) جنگِ صفین کی خبر۔ (زرقانی ص ۲۱۵ ج ۷)

(۲۲) خروجِ عائشہ صدیقہ کی خبر۔ (زرقانی ص ۲۱۶ ج ۷)

(۲۳) حضرت عمار کے متعلق آپ ﷺ نے پیش گوئی فرمائی کہ تم کو باغی جماعت قتل کرے گی۔ چنانچہ عمار باغی جماعت کے ہاتھوں شہید ہوئے، (زرقانی ص ۲۲۰ ج ۷)

(۲۴) امام حسن رضی اللہ عنہ کے متعلق آں حضرت ﷺ نے خبر دی کہ اللہ تعالیٰ ان کے ہاتھ پر مسلمانوں کی دو عظیم جماعتوں میں صلح کرائے گا۔ (زرقانی ص ۲۱۷ ج ۷) چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

(۲۵) امام حسین کی شہادت کی خبر دی۔ (زرقانی ص ۲۱۸ ج ۷) اور امام حسین شہید ہوئے۔ میری امت کے لوگ تم کو قتل کریں گے (وقصۃ قتله مذکورہ فی ص ۲۱۹ ج ۷ زرقانی۔)

(۲۶) ثابت بن قیس بن شماس کی شہادت کی خبر۔ (زرقانی ص ۲۲۱ ج ۷)

(۲۷) عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے ابتلاء کی خبر۔ (زرقانی ص ۲۲۱ ج ۷)

(۲۸) عبداللہ بن عباس کے ابو الخلفاء ہونے کی خبر۔ (زرقانی ص ۲۲۲ ج ۷ و ص ۲۲۳ ج ۷ وازلہ)

- (۲۹) عالم مدینہ کی خبر۔ (زرقاتی ص ۲۲۳ ج ۷ ص ۲۲۵ ج ۷) یعنی امام مالک کے ظہور کی خبر۔
- (۳۰) عالم قریش کی خبر۔ (زرقاتی ص ۲۲۵ ج ۱) یعنی امام شافعی کے ظہور کی خبر۔
- (۳۱) عالم فارس یعنی ابو حنیفہ کے ظہور کی خبر۔ (دیکھو تمیض السحیفہ فی مناقب الامام ابی حنیفہ للسیوطی)
- (۳۲) ہر صدی پر ظہور مجدد کی خبر۔ (زرقاتی ص ۲۲۷ ج ۷)
- (۳۳) خروج خوارج کی خبر۔ (زرقاتی ص ۲۲۷ ج ۷)
- (۳۴) ظہور روافض کی خبر۔ (زرقاتی ص ۲۳۰ ج ۷)
- (۳۵) قدریہ اور مرجہ کے ظہور کی خبر۔ (زرقاتی ص ۲۳۰ ج ۷)
- (۳۶) خروج دجالین یعنی مدعیان نبوت کے خروج کی خبر۔ (زرقاتی ص ۲۳۱ ج ۷)
- (۳۷) منکرین حدیث کے خروج کی خبر۔
- (۳۸) اسود غنسی کے متعلق خبر اسود غنسی نے صنعاء میں نبوت کا دعویٰ کیا آپ نے اس کے قتل کی پیشین گوئی فرمائی اور جس شب میں مارا گیا اسی وقت آپ ﷺ نے مدینہ میں صحابہ کو خبر دی۔
- (۳۹) مختار اور حجاج کے خروج کی خبر۔
- (۴۰) شیرویہ کے ہاتھ سے پرویز کے مارے جانے کی خبر۔
- (۴۱) حضرت عباس جو مال ام فضل کے پاس چھوڑ آئے تھے اس کی خبر۔
- حضرت عباس اسلام لانے سے پہلے جب جنگ بدر میں اسیر ہو کے آئے اور ان سے فدیہ طلب کیا گیا تو یہ کہا کہ مجھ میں فدیہ دینے کی طاقت نہیں تو آپ نے فرمایا کہ وہ مال اور سونا کہاں ہے جو تم مکے سے چلتے وقت رات میں ام فضل کے پاس رکھ آئے ہو اسے دے کر آزاد ہو جاؤ حالانکہ اس کی کسی کو خبر نہ تھی۔ (زرقاتی ص ۲۰۸ ج ۷)
- (۴۲) فتن اور زلازل اور اشراط ساعت اور (۴۳) خروج دجال اور (۴۴) طلوع شمس از مغرب اور (۴۵) خروج دابة الارض اور (۴۶) خروج نار کی خبر۔ (زرقاتی ص ۲۳۲ ج ۷ تا ص ۲۳۶ ج ۷)
- غرض یہ کہ بہت سے ایسے امور ہیں کہ جن کی نبی کریم ﷺ نے قبل از وقوع خبر دی جن کا بغیر وحی خداوندی معلوم ہونا ناممکن ہے یہاں چند امور بطور نمونہ مختصراً لکھ دیئے گئے۔
- اللہم صل علی سیدنا و مولانا محمد و علی الہ و صحبہ و
بارک و سلم۔

معجزات یمن و برکت

ہر نبی و رسول کی ذات والا صفات یمن اور برکت کا سرچشمہ ہوتی ہے مگر نبی اکرم ﷺ جس طرح اور کمالات میں انبیاء کرام سے افضل ہیں اسی طرح آپ سے جس قدر یمن و برکات کے معجزات صادر ہوئے وہ کسی اور سے صادر نہیں ہوئے۔ مختصر یہ کہ آپ کی برکت سے تھوڑے سے کھانے کا اور ایک تھوڑے سے پانی کا ایک لشکر عظیم کے سیری اور سیرابی کے لئے کافی ہو جانا جس کا متعدد مواضع میں مشاہدہ کیا گیا۔

چنانچہ (۱) جنگ خندق کے روز حضرت جابر کے مکان میں صرف ایک سیر بؤ کے آٹے سے بہت سے آدمیوں کو پیٹ بھر کر کھانا کھلایا۔ (بخاری مسلم بروایت جابر)
(۲) حضرت ابو طلحہ کے مکان پر بھی جنہوں نے صرف آپ کی دعوت کی تھی اور دو تین آدمیوں کا کھانا پکایا تھا، اس تھوڑے سے کھانے سے اپنے تمام ساتھیوں کو بخوبی پیٹ بھر کر کھانا کھلایا۔ (بخاری و مسلم بروایت انس)

(۳) ایک دفعہ ایک صاع بؤ (یعنی ساڑھے تین سیر) اور ایک بکری کے بچے کے گوشت سے آپ نے اسی آدمیوں کو شکم سیر کر دیا۔ (بیہقی در دلائل النبوة)
(۴) حدیبیہ کے کنویں میں پانی نہیں رہا تھا، آپ نے اپنے وضو کا بچا ہوا پانی اس میں ڈالا تو اس میں پانی چشمہ کی طرح جوش مارنے لگا، پندرہ سو آدمیوں نے پانی پیا اور اپنے جانوروں کو پلایا۔ (بخاری بروایت براء بن عازب و مسلم بروایت سلمۃ بن اکوع)

(۵) تبوک کے چشمہ میں پانی سوکھ گیا تھا، حضور پر نور نے اپنے وضو کا پانی اس میں ڈال دیا تو اُس چشمہ کا پانی اتنا چڑھ آیا کہ ہزار ہا کی تعداد میں اہل لشکر نے خوب سیراب ہو کر پیا۔ (مسلم بروایت معاذ)

(۶) ایک دفعہ تمام لشکر محمدی ﷺ پیاس سے بے تاب ہو گیا تو حضور پر نور نے ایک چھوٹے سے پیالے (جس میں آپ ﷺ کا ہاتھ اچھی طرح پھیل نہیں سکتا تھا) میں اپنا دست مبارک رکھ دیا تو آپ کی انگلیوں سے پانی پھوٹنے لگا جس سے تمام لشکر نے پانی بھی پیا اور وضو بھی کیا۔ (بخاری و مسلم بروایت انس)

(۷) ایک دفعہ آپ کے پاس ایک دودھ کا پیالہ لایا گیا آپ نے ابو ہریرہ کو حکم دیا کہ سب

اہل صفہ کو بلا لاؤ۔ جو ستر اسی آدمی تھے سب کے سب ایک پیالہ دودھ سے سیراب ہو گئے اور دودھ کا پیالہ اسی طرح باقی رہا۔ (بخاری شریف)

(۸) آں حضرت ﷺ نے جب حضرت زینب سے نکاح کیا تو حضرت انس کی والدہ ام سلیم نے تھوڑا سا کھانا پکا کر آپ کی خدمت میں بھیجا۔ آپ نے بہت سے صحابہ کو مدعو کر لیا۔ اور حکم دیا کہ دس دس آدمی بیٹھ جائیں اور کھانا شروع کریں، تقریباً تین سو آدمی سیر ہو گئے اور کھانا پہلے سے زیادہ تھا۔ (صحیح مسلم)

استجابِ دُعاء

من جملہ معجزات کے ایک قسم معجزہ کی یہ ہے کہ آپ ﷺ نے جس کے حق میں جو دعا فرمائی وہ قبول ہوئی۔ اس قسم کے معجزات کو معجزات سیف اللمانی بھی کہتے ہیں۔ سیف زبان اصطلاحی طور پر اس کو کہا جاتا ہے کہ جس کی زبان سے جو کچھ نکل جائے ویسا ہی ہو جائے اور کسی طرح بھی ٹالے نہ ٹلے یہ خدا کے برگزیدہ اور مؤید من اللہ ہونے کی علامت ہے کہ خدا تعالیٰ ان کی زبان سے جو کہلوادیتا ہے وہ جوں کا توں ہو کر رہتا ہے اور آں حضرت ﷺ کی زبان درفشوں کا کیا کہنا جو فرمایا وہ پتھر کی لکیر ہو گیا اور جس شخص کی نسبت جو کلمہ آپ کی زبان مبارک سے نکل گیا وہ بالکل ویسے کا دیا ہو کر رہا۔

- (۱) حضرت انس کے لئے دُعا فرمائی جو بہت مفلس تھے آپ کی دُعا سے بڑے دولت مند ہو گئے۔
- (۲) عبدالرحمن بن عوف آپ کی دُعا سے اس قدر مالدار ہو گئے کہ لاکھوں کے مالک ہو گئے۔
- (۳) حضرت سعد کے لئے حضور پر نور نے دُعاء کی کہ اے اللہ سعد کو مستجاب الدعوات بنا دے چنانچہ سعد جو دعاء کرتے وہ قبول ہوتی۔

(۴) سراقہ نے بوقت ہجرت آپ ﷺ کا تعاقب کیا اور آپ ﷺ کے نزدیک پہنچ گیا آپ ﷺ نے دُعاء کی کہ اے اللہ اس کا گھوڑا زمین میں دھنس جائے اسی وقت فی الفور گھٹنوں تک دھنس گیا پھر جب اُس نے ایمان قبول کیا تو آپ ﷺ نے دُعا کی اسی وقت گھوڑا زمین سے نکل آیا۔

(۵) عبد اللہ بن عباس کے لئے بچپن میں آپ نے علم و حکمت کی دُعاء کی جس کا اثر یہ ہوا کہ علم و حکمت کے چشمے آپ کی زبان سے جاری ہو گئے۔

(۶) ابو ہریرہؓ کے لئے حافظہ کی دُعاء کی جس کا اثر یہ ہوا کہ اس کے بعد ابو ہریرہ نے جو سنا اس میں سے کوئی چیز نہیں بھولے۔

(۷) ابو ہریرہ کی والدہ کے لئے ہدایت کی دُعاء فرمائی اللہ تعالیٰ نے ان کو ہدایت نصیب کی۔ (بخاری)

(۸) ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ کسی کے گھر تشریف لے گئے اور سب پر ایک چادر ڈال کر دُعاء کی اس دُعاء پر دروازہ کی دہلیز نے اور گھر کی دیواروں نے آمین کہی اور تین مرتبہ کہی۔

(۹) قریش نے جب آپ کی سخت مخالفت کی تو آپ نے ان کے حق میں بدُعاء کی کہ اے اللہ ان پر قحط نازل فرما چنانچہ آپ کی دُعا سے قریش پر قحط نازل ہوا۔ (بخاری شریف)

(۱۰) مدینہ منورہ میں قحط پڑا جمعہ کے خطبہ میں ایک شخص نے کھڑے ہو کر درخواست کی یا رسول اللہ بارش کے لئے دُعاء فرمائیے، آپ نے ہاتھ اٹھا کر دُعاء کی اسی وقت پانی برسنا شروع ہو گیا۔

معجزات شفاء امراض

(۱) خیبر میں حضرت علی مرتضیٰ کی آنکھیں دُکھنے آگئیں آپ ﷺ نے اپنا ہب مبارک ان پر لگایا فوراً اسی وقت صحیح سلامت ہو گئیں اور پھر کبھی دُکھنے نہیں آئیں۔ (بخاری شریف بروایت ابن مسعود) اس قسم کے معجزات کی تفصیل شرح شفاء قاضی عیاض اور شرح مواہب میں دیکھیں۔

(۲) قنادة بن النعمان کی آنکھ نکل کر گر پڑی، آپ ﷺ نے اپنے دست مبارک سے اُس آنکھ کے ڈھیلہ کو اپنی جگہ پر رکھ دیا تو وہ آنکھ ایسی صحیح و سلامت اور خوشنما ہو گئی کہ ویسی دوسری آنکھ بھی نہ تھی۔

(۳) عبد اللہ بن عتیکؓ جب ابورافع کو قتل کر کے واپس آنے لگے تو زینہ سے اترتے ہوئے گر پڑے اور ٹانگ ٹوٹ گئی، آپ نے اس پر اپنا دست مبارک پھیرا فوراً ایسی اچھی ہو گئی گویا کہ کبھی ٹوٹی ہی نہ تھی۔ (بخاری شریف باب قتل ابی رافع)

(۴) غار ثور میں حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سانپ نے ڈس لیا تھا تو آپ ﷺ نے لعاب دہن لگا دیا، اسی وقت شفاء ہو گئی۔

(۵) ایک نابینا آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا آپ ﷺ نے اس کو ایک خاص دعا بتلائی اور فرمایا کہ وضوء کر کے دو رکعت نماز پڑھو اور میرے وسیلہ سے یہ دعاء مانگو اللہ تعالیٰ تمہاری حاجت پوری کرے گا، اس نابینا نے اسی طرح دعاء مانگی۔ عثمان بن حنیف کہتے ہیں کہ ہم ابھی اس مجلس سے اٹھے نہ تھے کہ وہ نابینا بینا ہو گیا۔ (ترمذی کتاب الدعوات و مستدرک حاکم ص ۵۱۹ ج ۱)

(۶) حبیب بن ابی فدیہ کے باپ کی آنکھوں میں پھلی پڑ گئی اور نابینا ہو گئے۔ آنحضرت ﷺ نے ان کی آنکھوں پر پڑھ کر دم کیا اسی وقت آنکھیں اچھی ہو گئیں۔ (طبرانی و بیہقی و ابن ابی شیبہ)

(۷) حجة الوداع میں ایک عورت اپنے ایک بچہ کو لے کر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی جو گونگا تھا اور عرض کیا کہ یہ بچہ بولتا نہیں آپ نے پانی منگایا اور ہاتھ دھویا اور کلی کی اور یہ فرمایا کہ یہ پانی اس بچہ کو پلاؤ اور کچھ اس پر چھڑک دو، دوسرے سال وہ عورت آئی تو وہ بچہ بالکل اچھا ہو گیا تھا اور بولنے لگا تھا۔ (سنن ابن ماجہ باب النشرة و دلائل ابی نعیم ص ۱۶)

(۸) محمد بن حاطب صحابی بچپن میں میں ماں کی گود سے آگ میں گر پڑے اور کچھ جل گئے، آپ ﷺ نے اس پر اپنا لعاب دھن لگا دیا فوراً اچھے ہو گئے۔ (رواہ ابو داؤد الطیالسی و احمد بن حنبل و البخاری فی تاریخہ۔)

(۹) ابو ہریرہ نے اپنے حافظہ کی شکایت کی کہ آپ سے جو سنتا ہوں وہ بھول جاتا ہوں آپ نے فرمایا اپنی چادر پھیلاؤ پھر آپ نے اس میں اپنی دوپلوں سے کچھ ڈالا اور فرمایا کہ اس کو اپنے سینے سے لگا لو ابو ہریرہ کہتے ہیں میں نے ایسا ہی کیا اس کے بعد میں کوئی بات نہیں بھولا (بخاری شریف)

(۱۰) ایک شخص نے آکر اس حضرت ﷺ سے عرض کیا یا رسول اللہ میرا بھائی بیمار ہے اور اس پر جنون کا اثر ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اُس کو لے کر آؤ جب وہ لایا گیا تو آپ ﷺ نے قرآن کریم کی متعدد سورتیں پڑھ کر اس پر دم کیں اسی وقت وہ اچھا ہو گیا اور جنون کا کوئی اثر اس پر نہ رہا۔ (سنن ابن ماجہ باب الغرغرة والاراق)

فَتِلْكَ عَشْرَةٌ كَامِلَةٌ

غرض کہ شفاء امراض کے متعلق اور بھی حضور پر نور کے بہت سے معجزات ہیں جن پر آپ نے پڑھ کر دم کیا یا لعاب دہن لگایا ہاتھ پھیر دیا وہ فوراً اچھا ہو گیا۔

احیاءِ موتی ۱

حضرات انبیاء کرام دراصل روحانی طبیب ہیں دل اور روح کی بیماریوں کے علاج کے لئے مبعوث ہوئے لیکن بطور خرق عادت کبھی کبھی حق تعالیٰ شانہ انبیاء کرام کے ہاتھ سے ایسے امراض جسمانی کو شفاء بخشتا ہے جس سے اطباء عاجز ہوتے ہیں اور گاہ بگاہ اپنی قدرت کاملہ سے انبیاء کے ہاتھ پر مردے بھی زندہ کر دیتا ہے کہ لوگوں پر اس نبی برحق کا برگزیدہ خداوندی ہونا واضح ہو جائے۔

اس قسم کے معجزات زیادہ تر عیسیٰ علیہ السلام کو عطا ہوئے۔

حق جل شانہ نے سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کو باوجود یہ کہ گونا گوں اور قسم قسم کے معجزات عطا فرمائے مگر شفاء امراض اور احیاءِ موتی کے قسم سے بھی آپ کو حظ وافر عطا فرمایا اور مردوں کی ایک جماعت آپ کے ہاتھ پر زندہ فرمائی۔ (زرقانی ص ۷۰ ج ۱)

حسن یوسف دم عیسیٰ بیضا داری

آنچہ خواباں ہمہ دارند تو تنہا داری

امام قرطبی اپنی کتاب تذکرہ میں فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کے دست مبارک پر مردوں کی ایک جماعت کو زندہ فرمایا جس کا قاضی عیاض نے اپنی شفاء میں ذکر کیا ہے۔ (دیکھو شرح شفاء للعلامة القاری ص ۶۴۳ ج ۱)

(۱) حضرت انس راوی ہیں کہ ایک اندھی بڑھیا کا ایک جوان بیٹا مر گیا سب نے اس پر ایک کپڑا ڈال دیا اور اس کو ڈھانک دیا بوڑھی ماں کو بے حد صدمہ ہوا اور چلانے لگی اور یہ کہا کہ اے پروردگار تجھے خوب خوب معلوم ہے کہ میں خالص تیرے لئے اسلام لائی اور بتوں کو چھوڑا اور

بعد شوق و رغبت تیرے رسول کی طرف ہجرت کی اے اللہ مجھ پر بت پرستوں کو شامت کا موقع نہ دے اور مجھ پر یہ ناقابل برداشت صدمہ نہ ڈال، حضرت انس فرماتے ہیں کہ آں حضرت ﷺ اور ہم اصحاب صفہ اس وقت وہاں موجود تھے، خدا کی قسم ہم ابھی وہیں موجود تھے کہ یکا یک وہ نوجوان زندہ ہو گیا اور اپنے منہ سے اپنی چادر اتاری اور ہمارے ساتھ کھانا کھایا اور وہ نوجوان آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد تک زندہ رہا اور اسکی بڑھیا ماں اس نوجوان کی زندگی میں وفات پا گئی رواہ ابن عدی وابن ابی الدنیا والبیہقی والبیہقی (تفصیل کے لئے زرقانی ص ۱۸۳ جلد ۵ دیکھئے) ف۔ اس کے استغاثہ اور آپ ﷺ کی برکت سے اس کا بیٹا زندہ ہو گیا۔

(۲) دلائل بیہقی میں ہے کہ آں حضرت ﷺ نے ایک شخص کو اسلام کی دعوت دی اسنے یہ کہا کہ میں جب اسلام قبول کروں گا جب آپ میری لڑکی کو زندہ کر دیں جو قریب میں مرچکی ہے۔ آپ نے فرمایا مجھے اس کی قبر دکھلاؤ، وہ شخص آپ کو اس کی قبر پر لے گیا، آپ نے اس کی قبر پر کھڑے ہو کر اس لڑکی کا نام لے کر اس کو پکارا وہ لڑکی زندہ ہو گئی اور لبیک وسعدیک جی حاضر ہوں کہتی ہوئی قبر سے باہر نکل آئی، آپ نے اسے ارشاد فرمایا کہ کیا تو اپنے ماں باپ کے پاس رہنا چاہتی ہے، اُس نے عرض کیا یا رسول اللہ خدا تعالیٰ کا قرب ماں باپ سے بہتر ہے اور میں نے آخرت کو دنیا سے بہتر پایا۔

(زرقانی ص ۱۸۲ ج ۵ شفاء قاضی عیاض ص ۱۶۰)

(۳) عائشہ صدیقہ سے مروی ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام حجۃ الوداع میں مقام حجون میں اترے اور ایک روز میرے پاس سے رنجیدہ اور غمگین اور روتے ہوئے باہر گئے پھر جب واپس آئے تو مسرور تھے اور مسکرا رہے تھے، میں نے اس کا سبب دریافت کیا تو آپ ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا کہ میں نے حق تعالیٰ سے درخواست کی کہ میرے والدین کو زندہ کر دے۔ اللہ تعالیٰ نے میرے والدین کو زندہ کر دیا اور وہ مجھ پر ایمان لائے اور پھر وفات پا گئے۔

اس روایت کو سہیلی نے روض الانف میں ذکر کیا اور یہ کہا کہ اس روایت کی سند کے راوی مجہول ہیں اور حافظ ابن کثیر یہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اگرچہ بہت ضعیف ہے مگر موضوع نہیں اور فضائل و مناقب میں ضعیف حدیث کی روایت جائز ہے۔ (زرقانی ص ۱۸۳ جلد پنجم)

شیخ جلال الدین سیوطی اور علامہ زرقانی فرماتے ہیں کہ احیاء البوین کی حدیث کے بارے

میں حضرات محدثین کے تین قول ہیں ابن جوزی اور ابن دجیہ کہتے ہیں کہ یہ حدیث موضوع ہے اور امام قرطبی رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے اور سہلی اور ابن کثیر وغیرہ وغیرہ یہ کہتے ہیں کہ یہ حدیث ضعیف ہے مگر موضوع نہیں حضرات اہل علم تفصیل کے لئے زرقانی از ص ۱۶۶ ج ۱ تا ص ۱۸۷ جلد اول کی مراجعت کریں جس میں احیاء ابویں کی حدیث پر مفصل کلام کیا ہے اور اس زمانے کے کسی علامہ کی درایت حضرات محدثین کی روایت اور درایت کے سامنے قابل التفات نہیں حافظ ثمس الدین محمد بن ناصر دمشقی نے کیا خوب کہا ہے۔

حبا للہ النبی مزید فضل علی فضل و کان بہ رؤفا
فاحیاءہ و کذا اباء لایمان بہ فضلا لطیفا!
فسلم فالقدیم بذاقدير وان کان الحدیث بہ ضعیفا
(زرقانی ص ۱۸۵ ج ۱)

اور اسی کو شیخ جلال الدین سیوطی نے اختیار کیا ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے موضوع نہیں چنانچہ ایک طویل قصیدہ میں فرماتے ہیں۔

وجماعة ذهبوا الی احیاءہ ابویہ حتی امنوا لا تخرفوا
وروی ابن شاہین حدیثا مسندا فی ذاک لکن الحدیث مضعف
(زرقانی ص ۱۸۷ ج ۱)

(۴)۔ کتب حدیث میں متعدد طریق سے مروی ہے کہ خیبر میں ایک یہودی عورت نے ایک بھنی ہوئی بکری آپ کی خدمت میں بطور ہدیہ پیش کی جس میں اُس نے زہر بھی ملا دیا تھا، آپ نے اس میں سے کچھ تناول فرمایا اور صحابہ کرام جو حاضر مجلس تھے انھوں نے بھی اس میں سے کچھ کھایا مگر فوراً ہی صحابہ سے فرمایا کہ اپنا ہاتھ کھینچ لو اور فرمایا کہ اس بکری نے مجھے خبر دی ہے کہ میں زہر آلود ہوں قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ حدیث شاة مسمومہ مشہور ہے جس کو ائمہ حدیث نے اپنی صحاح اور سنن میں روایت کیا ہے ائمہ متکلمین کا اس میں اختلاف ہے، امام ابو الحسن اشعری اور قاضی ابوبکر باقلانی تو یہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اسی مردہ بکری میں اپنی قدرت کاملہ سے کلام اور حروف اور اصوات کو پیدا کر دیا۔ جیسے خدا تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے بارہا شجر اور حجر میں کلام اور حروف اور اصوات کو پیدا فرمایا پس اسی طرح بکری کا گوشت اپنی ہی حالت اور شکل پر رہا اور اللہ تعالیٰ نے اس میں قدرت گویائی کی پیدا کر دی۔

اور بعض متکلمین یہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اُس گوشت میں حیات اور زندگی پیدا فرمائی اور حیات کے بعد اُس گوشت نے کلام کیا اور یہ ہی امام ابوالحسن اشعری سے منقول ہے، (دیکھو شفاء قاضی عیاض ص ۵۹ و منابل الصفصاف ص ۴۳)

(۵)۔ آں حضرت ﷺ مسجد نبوی میں کھجور کے ایک ستون سے سہارا لگا کر خطبہ دیا کرتے تھے، اس کے بعد جب منبر تیار ہو گیا تو آپ نے منبر پر خطبہ دینا شروع کر دیا تو یکبارگی صدمہ مفارقت میں وہ ستون چلا کر رونے لگا آپ منبر سے اترے اور اس کو اپنے بدن سے چمٹایا سو وہ ہچکیاں لینے لگا۔ آپ نے فرمایا کہ یہ ستون ہمیشہ ذکر (خطبہ) سُننا کرتا تھا اب جو نہ سُننا تو رونے لگا۔ (بخاری شریف)

قاضی عیاض اور دیگر حضرات محدثین فرماتے ہیں کہ گریہ ستون کی حدیث متواتر ہے۔ صحابہ کرام کی ایک کثیر جماعت سے مروی ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ حنین جذع (یعنی گریہ ستون) کا معجزہ حضرت عیسیٰ کے احیاء موتی کے معجزہ سے زیادہ بلند ہے اس لئے کہ میت اگر زندہ ہو جائے تو اپنی حالت سابقہ یعنی گزشتہ حیات کی طرف لوٹ آیا بخلاف لکڑی کے کہ وہ تو جماد محض ہے، اس میں پہلے سے حیات کا کہیں نام و نشان نہ تھا اس کا مفارقت نبوی کے صدمہ والم سے رونا غایت درجہ عجیب ہے، امام بیہقی نے امام شافعی سے اسی طرح نقل فرمایا اور علی ہذا درختوں اور پہاڑوں میں سے السلام علیک یا رسول اللہ کی آوازیں آنا اور آپ ﷺ کے اشارہ سے بتوں کا گر جانا اور آپ کی مجلس میں کھانوں سے تسبیح کی آواز سنائی دینا یہ معجزات بھی احیاء موتی سے کم نہیں اور علی ہذا درختوں کا آپ ﷺ کے بلانے سے آجانا اور آپ ﷺ کے اشارہ سے اپنی جگہ واپس آجانا یہ بھی احیاء موتی کے معجزہ سے کم نہیں۔

غرض یہ کہ احیاء موتی کے متعلق متعدد احادیث سے متعدد واقعات مختلف سندوں کے ساتھ ملتے ہیں فرداً فرداً اگرچہ وہ روایتیں پایہ صحت کو نہیں پہنچیں لیکن قدر مشترک کے طور پر اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ احیاء موتی آں حضرت ﷺ سے ضرور ثابت ہے لہذا اس کو بالکل بے اصل اور موضوع قرار دینا صحیح نہیں۔

معجزاتِ عیسوی

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات میں سب سے بڑا معجزہ وہ ہے جسے قرآن کریم نے بیان کیا ہے وانفخ فیہ فیکون طیرا باذن اللہ۔
یعنی آپ گیلی مٹی لیتے اور اس سے چڑیا کا پتلا بناتے پھر اس میں پھونک مارتے تو وہ بحکم خدا چڑیا بن جاتا تھا روایت کیا جاتا ہے کہ یہ مٹی کی چڑیا کچھ دور تک اڑتی، پھر مر کر گر پڑتی تا کہ اصلی چڑیا اور اس اعجازی چڑیا میں فرق ہو جائے۔ مگر یہ معجزہ چاروں انجیلوں میں مذکور نہیں۔

اس کے بعد احیاء، موتی کا معجزہ ہے جو چڑیا کے معجزہ سے ذرا کم ہے کیونکہ جو مردہ حال ہی میں مرا ہے اس میں حسب سابق زندگی کا لوٹ آنا اتنا عجیب نہیں جتنا کہ مٹی کے پتلے کا چڑیا بن جانا عجیب ہے اور احیاء موتی کے بعد شفاء مرضی یعنی بیماریوں کے لپٹھا کر دینے کا معجزہ ہے۔

اور شفاء مرضی سے اتر کر مکاشفات ہیں جن کو حق تعالیٰ نے وانبئکم بماتاً کلون وماتدخرون سے بیان کیا ہے۔ یعنی تم کو خبر دے دوں گا کہ تم کیا کھاتے ہو اور اپنے گھروں میں کیا ذخیرہ جمع کرتے ہو۔

یہ معجزہ حضرت مسیح کے ساتھ مخصوص نہیں دیگر انبیاء بنی اسرائیل نے بھی بہت سے اہم آئندہ امور کی قبل از قوع خبر دی ہے جیسا کہ قرآن کریم میں رومیوں کے غلبہ کی خبر سات آٹھ سال پہلے دی اور فتح خیبر اور فتح شام و عراق کی خبر دی گئی نصاریٰ نے حضرت مسیح کے کل ۲۷ معجزے بیان کیے ہیں جن میں سب سے بڑا معجزہ مردوں کو زندہ کرنے کا ہے اور یہ معجزہ بھی انجیلی روایات کی بناء پر صرف تین بار پیش آیا ہے۔ پہلا مردہ شہرنا مین کا رہنے والا تھا اس کا جنازہ اٹھ چکا تھا اور اس کی ماں رو رہی تھی۔ حضرت مسیح نے اس کے جنازہ کو روک کر کہا اے جوان اٹھ جاؤ وہ مردہ اٹھ بیٹھا اور بولنے لگا اور اس نے اس کو اس کی ماں کو سوئپ دیا۔ سب پردہشت طاری ہو گئی اور کہنے لگے کہ یہ بڑا نبی ہے جو ہم میں اٹھا ہے (دیکھو۔ انجیل لوقا باب ۷ درس ۱۱ تا ۱۷)

دوسرا واقعہ۔ ایک مُردہ لڑکی کے زندہ کرنے کا ہے جو انجیل متی باب ۹ درس ۱۸ تا ۲۳ میں مذکور ہے۔

تیسرا واقعہ آپ کے محبوب لعزر کو زندہ کرنے کا ہے جو آپ ﷺ کی چہیتی مریم کا بھائی تھا جسے مرے ہوئے اور دفن ہوئے چار دن ہو چکے تھے۔ حضرت مسیح تشریف لائے اور باواز بلند پکارا اے لعزر نکل آ۔ جو مر گیا تھا وہ کفن سے ہاتھ پاؤں بندھے ہوئے باہر نکل آیا اور اس کا چہرہ رومال سے لپٹا ہوا تھا یسوع نے ان سے کہا اسے کھول کر جانے دو۔ یہ واقعہ انجیل یوحنا کے باب ۱۱ میں مذکور ہے۔

یہودان معجزات کی بابت یہ کہتے ہیں کہ یہ تین شخص حقیقت میں مرے نہیں تھے بلکہ سکتہ کی حالت میں تھے، بسا اوقات ایسی حالت میں شدید بیہوش کو مردہ سمجھ لیا جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ متمدن حکومتوں میں اس وقت تک دفن کی اجازت نہیں ہوتی جب تک مستند ڈاکٹر موت کی شہادت نہ لکھ دے۔

اہل اسلام یہ کہتے ہیں کہ ہم حضرت مسیح کے احیاء موتے کے معجزہ کو قرآن وحدیث کی شہادت کی بناء پر مانتے ہیں ورنہ علماء نصاریٰ کے پاس کوئی سلسلہ اسناد نہیں کہ جس کے ذریعہ کوئی متصل اسناد پیش کر سکیں۔ بخلاف معجزات محمدیہ کے کہ وہ تمام اسانید صحیحہ اور متصلہ اور مسلسلہ کے ساتھ منقول اور مروی ہیں اور جو روایتیں مرسل طریقہ پر یا ضعیف طریقے سے مروی ہیں وہ متعدد سندوں کے ساتھ مروی ہیں اور ظاہر ہے کہ ایک شی کا متعدد طریقوں اور مختلف راویوں سے منقول ہونا یہ اس امر کی دلیل ہے کہ یہ روایت بے اصل نہیں تعدد طریق سے روایت میں ایک گونہ قوت آ جاتی ہے جو بسا اوقات اس کو صحیح اور حسن کے درجہ تک پہنچا دیتی ہے اور یہود اور نصاریٰ کے یہاں نہ سلسلہ اسناد ہے اور نہ علم رجال ہے اس لئے بائبل میں جن واقعات کی روایت کی گئی ہے وہ کوئی وزن نہیں رکھتی۔

مقصد نبوت

تمام علماء اہل کتاب کا اس پر اجماع اور اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے برگزیدہ بندوں

کو دنیا میں نبی اور پیغمبر بنا کر بھیجا اور ان پر وحی نازل کی تاکہ وہ انسانوں کی حق کی طرف رہنمائی کریں اور ان کو دائمی نجات حاصل کرنے کا طریقہ بتلائیں۔

پس جس بناء پر علماء اہل کتاب انبیاء بنی اسرائیل کی نبوت کے قائل ہیں وہی محمد رسول اللہ ﷺ میں بھی موجود ہے بلکہ آپ میں خصائص نبوت اور دلائل رسالت، تمام انبیاء سے زیادہ صاف اور روشن ہیں اور روایت کے لحاظ سے سب سے زیادہ صحیح اور شبہات سے غایت درجہ بعید بلکہ پاک اور منزہ ہیں۔

نبوت و رسالت کا سب سے اہم اور اعظم پہلو دینی عقائد اور عبادات اور آداب و اخلاق اور احکام و معاملات کا معاملہ ہے۔

دوسرا پہلو دلائل نبوت اور براہین رسالت یعنی معجزات کا ہے۔

تیسرا پہلو پیشین گوئیوں کا ہے۔

چوتھا پہلو اصلاحِ عالم کا ہے۔

پانچواں پہلو اثرِ ہدایت کا ہے۔

اور آنحضرت ان پانچوں باتوں میں تمام انبیاء و مرسلین سے بڑھ کر ہیں۔

نصاری کی گمراہی کا سبب

حق جل شانہ نے جس طرح دیگر انبیاء کرام کو آیات بینات اور معجزات عطا کیے تاکہ ان کی نبوت و رسالت کی سند اور دلیل بنیں اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی بہت سے خوارقِ عادات سے سرفراز فرمایا۔

نصاری حضرت عیسیٰ کی ان نشانیوں کو دیکھ کر یہ سمجھے کہ یہ نشانیاں خود حضرت عیسیٰ کی قدرت سے پیش آئی ہیں اور ان کی یہ قدرت عین قدرتِ الہی ہے، اس لئے ان نادانوں نے یہ سمجھ لیا کہ معاذ اللہ حق تعالیٰ حضرت مسیح میں حلول کر آیا ہے اور ان کے ساتھ متحد ہو گیا ہے اور وہ اور خدا ایک ہیں۔

جیسے مسلمانوں میں جو لوگ اولیاء اللہ کے بارے میں غلو کرتے ہیں، وہ اپنی ضرورتوں اور مصیبتوں میں اولیاء اللہ کو پکارتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ ان عبادِ صالحین کو اس قسم کے

تصرف کا اختیار ہے کہ جس کو چاہیں نفع یا ضرر پہنچائیں، اس قسم کے لوگ اگرچہ ان عباد صالحین کو معبود اور خدا نہیں سمجھتے بلکہ ان حضرات کو خدا کا بندہ ہی سمجھتے ہیں اور اسی وجہ سے یہ لوگ دائرۃ اسلام سے خارج نہیں۔

مگر بایں ہمہ نصرانیت اور شرک سے مشابہت ضرور ہے اور ان لوگوں کا یہ فعل اگرچہ شرک اعتقادی اور مخرج عن المملۃ نہ ہو مگر شرک عملی ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔

حضرات انبیاء علیہم السلام حق تعالیٰ شانہ کے برگزیدہ بندے ہوتے ہیں ان کی بعثت کی غرض و غایت یہ ہوتی ہے کہ لوگوں کو معرفت اور عبادت الہی کی راہیں دکھائیں اور ان کے اخلاق و اعمال کی اصلاح و تزکیہ کریں اور وہ آیات و بینات اور خوارق عادات جو ان کے ہاتھوں پر ظاہر ہوتے ہیں وہ ان کی نبوت و رسالت کے دلائل و براہین ہوتے ہیں۔ نصاریٰ حیارلی نے ان معجزات کو دلائل الوہیت سمجھ لیا اور یہ نہ سمجھا کہ یہ معجزات حضرات انبیاء کے اختیاری افعال نہیں بلکہ قدرت خداوندی کے کرشمے ہیں جو من جانب اللہ۔ انبیاء کرام کی فضیلت اور برتری ظاہر کرنے کے لئے محض خدا تعالیٰ کی قدرت اور ارادہ سے انبیاء کرام کے ہاتھوں پر ظاہر ہو رہے ہیں۔ انبیاء کی قدرت اور ارادہ کو ان کے صدور و ظہور میں کوئی دخل نہیں۔

حق تعالیٰ نے پیغمبروں کو کائنات میں تصرف کرنے کی کوئی ذاتی قوت اور قدرت نہیں بخشی کہ جو چاہیں کر ڈالیں حتیٰ کہ اپنے قریبی رشتہ داروں اور باپ اور بیٹے کو بھی ہدایت بخشنے کی قدرت ان کو نہیں کہ جس کو چاہیں ہدایت کی راہ پر لے آئیں، نوح علیہ السلام اپنے بیٹے کی ہدایت پر اور ابراہیم علیہ السلام آذر کی ہدایت پر قادر نہ ہوئے اور آنحضرت ﷺ کو یہ قدرت نہ ہوئی کہ اپنے چچا ابوطالب اور ابولہب کو ہدایت پر لے آئیں یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی۔

إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ
وَلَكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يُشَاءُ
جس کو چاہیں ہدایت دے دیں لیکن اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے اس کو ہدایت بخشتا ہے۔

حتیٰ کہ انبیاء کرام اپنے نفع و ضرر کے بھی مالک نہیں، بسا اوقات انبیاء کرام کو اپنے

پہلی اصل۔ توحید

دین کی سب سے پہلی اور سب سے بڑی اصل توحید ہے جس کے بارے میں تمام قومیں گمراہ ہوئیں۔ مجوس تو دو خدا کے قائل ہوئے اور مشرکین بت پرستی میں مبتلا ہوئے۔

یہود

یہود باوجود یکہ انبیاء کرام کی تعلیمات اور ہدایات سے واقف تھے مگر وہ بھی توحید کے بارے میں گمراہ ہوئے، اپنی گمراہی سے خدا تعالیٰ کو انسان جیسا بنا دیا کہ جو تھک بھی جاتا ہے اور انسان کے پیدا کرنے پر نادم اور پشیمان بھی ہوتا ہے اور خدا کی اسرائیل سے کشتی بھی ہوئی خدا اسرائیل کی گرفت سے اس وقت تک باہر نہ نکل سکا جب تک اُسے برکت نہ دے دی۔

نصاری

نصاری کھلم کھلا شرک کا شکار ہوئے اور تثلیث کا مشرکانہ عقیدہ ایجاد کیا، قرآن کریم توحید کی تعلیم اور شرک اور تثلیث کے ابطال سے بھرا پڑا ہے۔

دوسری اصل۔ اعتقاد نبوت ہے

مشرکین تو نبوت کے سرے سے منکر تھے اور بشریت کو نبوت کے منافی سمجھتے تھے اور یہود اگرچہ نبوت کے قائل تھے مگر باوجود اس کے انبیاء کرام کو خدا کے مقابلہ میں جھوٹ اور دھوکہ اور فریب سے بھی آلودہ بتلاتے تھے اور پیغمبروں سے کبیرہ گناہ کے صدور کے بھی قائل تھے نیز یہود۔ نبوت کو بنی اسرائیل کی حد تک محدود رکھتے تھے اور یہ کہتے تھے کہ منصب نبوت بنی اسرائیل کے لئے خاص کر دیا گیا ہے معاذ اللہ خدا تعالیٰ اپنی پیغمبری کے لئے سوائے بنی اسرائیل کے کسی اور کو منتخب نہیں کر سکتا، یہودیوں کی طرح عیسائیوں کا بھی یہی عقیدہ تھا کہ نبوت صرف بنی اسرائیل میں محدود ہے، اور حضرت مسیح اور ان کے حواریوں کے سوا کسی اور نبی کو معصوم نہیں سمجھتے تھے اور عیسائی لوگ یہودیوں کے برعکس حضرت مسیح کی الوہیت اور

ابنیت کے قائل تھے قرآن کریم نے جا بجا مشرکین اور یہود اور نصاریٰ کے عقیدہ نبوت کے بارہ میں کامل اصلاح کی۔

تیسری اصل - عقیدہ قیامت ہے

یعنی اعتقادِ جزا و سزا

دین کی تیسری اصل یومِ آخرت پر ایمان لانا اور اعمال پر جزاء و سزا اور حساب ہونے کا یقین کرنا۔

مشرکین اور بت پرست قیامت کے سختی سے منکر تھے اور جزاء و سزا کے قائل نہ تھے جزاء و سزا کے مسئلہ میں عیسائیوں کو یہ غلطی پیش آئی کہ انھوں نے فدیہ ہو جانے والے نجات دہندہ کا عقیدہ قائم کر لیا وہ یہ کہتے ہیں کہ نجات دینے والا خود فدیہ بن کر انسانوں کو ان کے گناہوں کی سزا سے بچالے گا۔

یہودیوں کا زعم یہ ہے کہ خدا تعالیٰ دنیا و آخرت میں صرف بنی اسرائیل کا طرف دار ہے اور جنت بنی اسرائیل کے ساتھ مخصوص ہے۔

اسلام کی تعلیم

جزاء و سزا کے بارہ میں اسلام یہ کہتا ہے کہ نجات ایمان اور عملِ صالح پر موقوف ہے، ایمان اور کفر پر جو جزاء اور سزا ملے گی اس میں کسی قوم کو کسی قوم پر ترجیح نہ دی جائے گی بلکہ غایت درجہ عدل و انصاف کے ساتھ ایمان اور نیکیوں پر ثواب اور گفر اور بُرائیوں پر عقاب ہوگا۔ سزا میں عدل پورا ہوگا کہ ایک بدی اور ایک گناہ کے بدلہ ایک ہی ملے گا اور جزاء و انعام میں عدل کے ساتھ احسان اور لطف و کرم غالب ہوگا کہ ایک نیکی کا ثواب دس گنا ملے گا اور خدا چاہے گا تو اور بھی اضافہ کر دے گا۔

قرآن کریم نے اس مسئلہ کو عجیب انداز سے بیان کیا ہے اور بار بار دہرایا ہے اور ہر جگہ

دل کش اور دل آویز دلائل اور براہین سے اس کو خوب ہی دل نشین کر دیا ہے کہ اور بے شمار دلائل سے اس کو ثابت کیا ہے

أَفَحَسِبْتُمْ أَنَّمَا خَلَقْنَاكُمْ عَبَثًا
وَأَنَّكُمْ إِلَيْنَا لَا تُرْجَعُونَ ۝

کیا تم یہ خیال رکھتے ہو کہ ہم نے تم کو بے کار اور بے فائدہ بنایا ہے۔ اور کیا یہ خیال کرتے ہو کہ تم ہماری طرف واپس نہیں کئے جاؤ گے۔

کیا انسان یہ گمان کرتا ہے کہ وہ مہمل اور بے قید چھوڑ دیا جائے گا، کیا انسان منی کی ایک بوند نہ تھا پھر خون بستہ ہوا، پھر اس کو اللہ نے صحیح سالم بنایا، پھر انسان کی دو قسمیں بنائیں ایک نر اور ایک مادہ پس کیا وہ خدا جس نے اپنی قدرت سے یہ سب کچھ بنایا اس پر قادر نہیں کہ مردوں کو دوبارہ زندہ کر لے اور زندہ کر کے ان سے حساب و کتاب لے۔

أَيَحْسَبُ الْإِنْسَانُ أَنْ يُتْرَكَ
سُدًى أَلَمْ يَكُ نُطْفَةً مِنْ مَنًى
يُمْنًى ثُمَّ كَانَ عُلُقَةً فَخَلَقَ
فَسَوًى فَجَعَلَ مِنْهُ الزَّوْجَيْنِ
الذَّكَرَ وَالْأُنْثَى أَلَيْسَ ذَلِكَ
بِقَادِرٍ عَلَى أَنْ يُحْيِيَ الْمَوْتَى ۝

فلاسفہ قیامت کے تو قائل ہیں مگر صرف روحانی قیامت کے قائل ہیں جسمانی قیامت کے قائل نہیں اور اسلام روح و جسم کے ساتھ دوسری زندگی کی تعلیم دیتا ہے۔ فلسفی نظریہ رکھنے والے صرف روحانی قیامت اور روحانی حشر پر اس لئے زور دیتے ہیں کہ جسمانی لذتوں کو حقیر بتاتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ یہ محض حیوانیت ہے حالانکہ خود جسمانی لذتوں پر فریفتہ ہیں اور یہ نہیں سمجھتے کہ انسان جسم اور روح دونوں سے مرکب ہے اور یہ مجموعہ مرکب احکام خداوندی کا مکلف ہے، لہذا جزاء و سزا روح و جسم دونوں ہی پر جاری ہونی چاہیئے۔

پس جو دین ہر پہلو سے کامل اور مکمل ہو اور اصول و فروع کے اعتبار سے معقول اور مدلل ہو وہی دین کامل ہے جس کے اتباع سے خدا تعالیٰ تک رسائی ہو سکتی ہے کما قال تعالیٰ

الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَاتَّمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ
الْإِسْلَامَ دِينًا وَقَالَ تَعَالَى إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ وَمَنْ يَتَّبِعْ
غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ۔

خصائص نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

خصائص نبوی سے وہ فضائل و کمالات مراد ہیں جو حق جل شانہ نے خالص
آنحضرت ﷺ کو عطا فرمائے اور انبیاء کرام میں سے کسی اور نبی کو اس میں شریک نہیں
فرمایا۔ حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے چند چیزیں ایسی دی گئی
ہیں جو مجھ سے پہلے کسی پیغمبر کو نہیں دی گئیں۔

(۱)۔ میری بعثت تمام دنیا کی طرف ہوئی، مجھ سے پہلے انبیاء صرف اپنی اپنی قوم کی طرف
مبعوث ہوتے تھے اور میں تمام دنیا کے لئے مبعوث ہوا ہوں۔ کما قال تعالیٰ قُلْ
يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا۔ وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ
تَبَارَكَ الَّذِي نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلَى عَبْدِهِ لِيَكُونَ لِلْعَالَمِينَ نَذِيرًا

(۲)۔ میں خاتم النبیین ہوں میری ذات پر سلسلہ انبیاء ختم ہوا میرے بعد کوئی نبی نہیں۔

کما قال تعالیٰ مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلَكِن رَّسُولُ
اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ۔ وَقَالَ تَعَالَى

الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَانْعَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي
وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا

(۳)۔ مجھ کو جو ام الکلم عطا کیے گئے یعنی ایسے مختصر اور جامع کلمات کہ الفاظ تو تھوڑے ہوں
اور معانی بے شمار ہوں جیسا کہ احادیث نبویہ کا مجموعہ اس کا شاہد ہے کہ وہ تمام عقائد حقہ اور
اعمال صحیحہ اور مکارم اخلاق اور دین و دنیا کے تمام احکام اور دستور اور آئین اور قواعد اور قوانین
کا مجموعہ ہے۔

(۴)۔ مجھے رُعب اور ہیبت کے ذریعہ فتح و نصرت عطاء کی گئی بلا اسباب ظاہری کے ایک

مہینہ کی مسافت تک میرے دشمن مجھ سے مرعوب اور خوف زدہ رہتے ہیں، یہ تائید غیبی تھی کہ ایک مہینہ کی مسافت تک دشمنوں کے دلوں میں آپ کا رعب ڈال دیا گیا۔

کما قال تعالیٰ: سَنُلْقِي فِي قُلُوبِ الَّذِينَ كَفَرُوا الرُّعْبَ
وقال تعالیٰ وَقَذَفَ فِي قُلُوبِهِمُ الرُّعْبَ

(۵)۔ تمام روئے زمین میرے لئے سجدہ گا اور مظہر بنا دی گئی یعنی میری اُمت کو ہر جگہ نماز پڑھنے کی اجازت ہے خواہ مسجد ہو یا غیر مسجد اور میرے لئے پاک مٹی سے تیمم کا حکم نازل ہوا کہ مجھے ہر جگہ تیمم کی اجازت ہے اور میرے لئے مٹی کو پانی کی طرح مظہر پاک کرنے والی چیز بنا دیا گیا۔

(۶)۔ اور مال غنیمت میرے لئے حلال کر دیا گیا اور مجھ سے پہلے کسی پیغمبر کے لئے حلال نہ تھا

(۷)۔ میرے پیرو تمام انبیاء و مرسلین کے پیروؤں سے زیادہ ہوں گے حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن تمام امتوں کی صفیں ایک سو بیس ہوں گی جن میں سے اسی صفیں میری اُمت کی ہوں گی۔

(۸)۔ مجھے شفاعت کبریٰ کا مرتبہ عطا کیا گیا کہ قیامت کے دن اولین اور آخرین میری طرف رجوع کریں گے اور میں ان کے لئے بارگاہ خداوندی میں شفاعت کروں گا۔

(۹)۔ سب انبیاء و مرسلین سے پہلے میں اپنی اُمت کو پل صراط سے لے کر گزروں گا۔

(۱۰)۔ اور سب سے پہلے جنت میں داخل ہوں گا اور ابو بکر و عمر میرے دائیں اور بائیں ہوں گے اور جنت میں ہر نبی کے لئے حوض ہوگی اور میری حوض سب سے زیادہ وسیع اور پُر رونق ہوگی۔

فَتِلْكَ عَشْرَةٌ كَامِلَةٌ

اس ناچیز نے اپنی ضعف اور ناتوانی کی بنا پر معجزات اور ان خصائص کے بیان میں نہایت اجمال اور اختصار سے کام لیا اس لئے کہ ان خصائص کے بارہ میں احادیث معروف و مشہور ہیں اور زبان زدِ خلّاق ہیں اب میں اپنی تالیف ”سیرۃ المصطفیٰ“ حصہ چہارم کو ختم کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ سے دُعا کرتا ہوں کہ اللہ اس ناچیز کا اور اس کی اولاد کا خاتمہ بالخیر فرمائے اور آں حضرت ﷺ کی شفاعت اور آپ کی حوض کوثر پر حاضری اور اس کا پانی پینا نصیب فرمائے

اٰمِیْن وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلَاةِ
وَالسَّلَامِ عَلٰی حَبِیْبِهِ سَيِّدِ الْاَوَّلِیْنَ وَالْاٰخِرِیْنَ وَعَلٰی اٰلِهِ وَاَصْحَابِهِ
وَعُلَمَآءِ اُمَّتِهِ وَاَوْلِیَآءِ زَمَرَتِهِ اَجْمَعِیْنَ وَعَلَيْنَا مِنْهُمْ یَا اَرْحَمَ
الرَّاحِمِیْنَ یَا اَكْرَمَ الْاَكْرَمِیْنَ وَاَجُودَ الْاَجُودِیْنَ وَخَیْرَ الْمُسْتَوْلِیْنَ
وِیَا خَیْرَ الْمَعْطِیْنَ - اٰمِیْن یَا رَبَّ الْعِلْمِیْنَ -

بِفَضْلِہِ تَعَالٰی

۲۸ محرم الحرام ۱۳۸۵ھ کو اس آخری حصہ کی نظر ثانی سے فراغت ہوئی۔ فَلَہِ

الْحَمْدُ اَوَّلًا وَاٰخِرًا

محمد اوریس

كَانَ اللّٰهُ لَہٗ وَكَانَ هُوَ اللّٰهُ
(آمین)

جدید کمپیوٹر اردو تصانیف و مباحث

خوشخبری

اشرف الہدایہ

مکمل ۱۶ جلدوں میں

شرح اردو

ہدایۃ

اضافہ عنوانات

مولانا مفتی محمد عظیم اللہ

سابق مدرس و رفیقہ دارالافتاء

جامعہ فاروقیہ کراچی

تالیف

مولانا جمیل احمد کڑوٹھوی

مدرس دارالعلوم دیوبند

گنج خان مطہری

گلشن اقبال کراچی پاکستان

فون ۳۹۹۳۷۶۰

جلد پندرہواں
کتابخانہ اسلامیہ
پیشوا خانہ

خوشخبری

گہ سستی زویر
(مکمل)

«دورانگہ»

مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

کتابخانہ اسلامیہ
پیشوا خانہ
گلشن اقبال کراچی پاکستان
فون: ۳۹۹۲۱۷۶

ارباب فتاویٰ اور اہل علم کے لئے

عظیم خوشخبری

فقہ الامت مفتی اعظم ہند، حضرت اقدس مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی نور اللہ مرقدہ کے ہزاروں فتاویٰ کا مجموعہ

فتاویٰ محمودیہ

فتاویٰ محمودیہ کی تمام جلدیں چھپ کر منظر عام پر آچکی ہیں۔

عمدہ کتابت پاندار جلد اعلیٰ کاغذ عام قیمت = 3,600/-

ایک اور عظیم خوشخبری

کتب خانہ مظہری فتاویٰ محمودیہ کو کمپیوٹر کمپیوزنگ کے ساتھ شائع کر رہا ہے جس پر کام تقریباً مکمل ہو چکا ہے جس کی خصوصیات مندرجہ ذیل ہوں گی۔

جوہر: مختلف جلدوں پر پہلے ہوئے بے شمار مسائل کو عنوانات قائم کر کے الگ الگ ابواب میں جمع کیا جا رہا ہے۔

تخریج: تمام مسائل کی اہمات الکتب سے تخریج کی گئی ہے۔ پہلے سے درج شدہ حوالوں کی تخریج جدیدہ مطبوعہ نسخوں سے کی گئی ہے۔

تحقیق و تعلیق: سوال و جواب میں موجود ابہام یا اجمال یا غیر مفتی پر دیئے گئے فتاویٰ کی نشان دہی حاشیہ میں کر دی گئی ہے اور معتبر کتابوں

کی روشنی میں مسئلہ کی تحقیق کر کے اس پر تعلیق تحریر کر دی گئی ہے۔ بے شمار مختلف فیہ مسائل میں ارباب فقہ و فتاویٰ کی آراء کو ذکر کر کے راجح

قول کا تعین کر دیا گیا ہے۔

دیگر خصوصیات

ہندی، فارسی اور اردو کے مشکل الفاظ کے معنی

تدوین فقہ و فتویٰ سے متعلق تفصیلی مقدمہ

اٹھارویں، انیسویں، بیسویں اور بقیہ تمام جلدوں کے ساتھ

مجموع عنوانات کی وضاحت اور تسہیل

کتب خانہ مظہری

محکم اقبال، بلاک نمبر 2 کراچی 47، فون 4992176

پارداشت

This image shows a single sheet of white paper with horizontal black ruling lines. The lines are evenly spaced and run across the width of the page. There are no margins, text, or other markings on the paper.